تمام اُمور سے متعلق ہزاروں مُستند احادیث کا جدید مجموعہ

معارف السنۃ

جلد اول

دورِ حاضر کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی کے تمام امور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث مع اعراب و ترجمہ اور عام فہم تشریح... احادیث مبارکہ کی معروف و مستند کتب بخاری و مسلم جیسی عظیم کتب کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک سدا بہار گلدستہ... ہر مسلمان کیلئے تمام معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا جدید و مکمل نصاب... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت... عظمت و عقیدت اور اطاعت کا جذبہ بیدار کرنیوالی کتاب... جس کا مطالعہ ہر مسلمان کو اتباع سنت کیلئے متحرک کرتا ہے... نیز جدید و اہم مسائل کے بارہ میں اکابر مشائخ کے گراں قدر مقالات جن سے فہم حدیث کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

حسبِ فرمائش

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

و دیگر اکابرین

مُرتبین

مولانا عبدالاحد بلال — مولانا حبیب الرحمٰن

(از فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4519240)

معارف السنة

تاریخ اشاعت .... محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ ۔ چوک فوارہ ملتان — اسلامی کتاب گھر خیابان سرسید راولپنڈی
ادارہ اسلامیات ۔ انارکلی ۔ لاہور — دارالاشاعت ۔ اردو بازار ۔ کراچی
مکتبہ سید احمد شہید ۔ اردو بازار لاہور — مکتبۃ القرآن ۔ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی
مکتبہ رحمانیہ ۔ اردو بازار ۔ لاہور — مکتبہ اسلامیہ ۔ قصہ خوانی بازار ۔ پشاور
مکتبہ رشیدیہ ۔ سرکی روڈ ۔ کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE)
119-121 HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE (U.K)

کلماتِ مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اما بعد! اسلام کے تمام علوم واحکام کی اساس چار چیزیں ہیں۔

قرآن کریم۔ احادیث نبویہ۔ اجماع امت اور قیاس۔

عہد نبوت سے تا قیامت امت مسلمہ نے انہی چاروں اصول کی روشنی میں صراط مستقیم کا سفر طے کرنا ہے اور اپنی زندگی کے تمام دینی معاملات مذکورہ اصول کی رہنمائی ہی میں طے کرنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مقاصد نبوت کا ذکر کرتے ہوئے چار امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔

تلاوت۔ تعلیم کتاب۔ تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس۔

خیر القرون میں جو محیر العقول اسلامی انقلاب رونما ہوا اور اس نے روئے زمین پر ایک نئے معاشرہ اور نئی امت تشکیل دی اس کے عناصر تین چیزیں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی۔ قرآن مجید۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔

زیر نظر جدید مجموعہ بنام [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مستند احادیث کے ترجمہ اور تشریح پر مشتمل مفید عام مجموعہ ہے جسے برصغیر پاک وہند کے شیوخ الحدیث اور اکابر علماء کی تالیفات اور تشریحی نوٹس سے مرتب کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں خدمت حدیث اور اس کی نشر واشاعت کی تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ کا فارسی ترجمہ وتشریح بنام اشعۃ اللمعات کیا۔ فارسی کا دور ختم ہو جانے کے بعد مولانا خرم علی بلہوری نے امام صغانی کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" کا ترجمہ وتشریح کا کام کیا جو تحفۃ الاخیار کے نام سے ہے۔
اس کے بعد خاندان ولی اللّٰہی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خان نے مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ ضروری تشریح پر مبنی "مظاہر حق" کے نام سے کیا جو ظاہری ومعنوی محاسن پر مشتمل ہونے کی بناء پر عوام وخواص میں تاہنوز مقبول ہے۔

ماضی قریب میں دار العلوم دیو بند، سہارنپور، اعظم گڑھ وغیرہ کے اجل فضلائے کرام نے مختلف اعتبار سے خدمت

حدیث سرانجام دی جن میں ہمارے بزرگ استاذ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ کے استاذ فخر المحدثین حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا نام محتاج تعارف نہیں۔ خدمت حدیث میں آپ کی شاہکار تصنیف "ترجمان السنۃ" چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو تمام اعتقادی ونظریاتی احکام ومسائل پر احادیث اور ترجمہ وتشریح کی ایک مستند ومبسوط کتاب ہے۔ استاذ محترم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دیرینہ خواہش تھی کہ "ترجمان السنۃ" کو ذوقِ حاضر کے مطابق ڈھالا جائے اور ہر مسلمان بآسانی اس سے مستفید ہو سکے۔

آج تقریباً 25 برس کے بعد ادارہ کو خدمت حدیث کا شرف حاصل ہو رہا ہے کہ اس نے احادیث مبارکہ کی مشاہیر و متداول کتب سے ایک مستند مجموعہ مرتب کیا ہے جو عوام وخواص کیلئے دور جدید کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

معارف السنۃ۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ، استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، مناظر اسلام مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ، مولانا مفتی عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ ودیگر اکابرین کی تصنیفات وتالیفات سے مزین ایک مستند مجموعہ ہے جو زندگی کے تمام امور کے بارہ میں براہ راست فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رہنمائی کرتا ہے۔

اس جدید مجموعہ کو ایک عام مسلمان کی ضرورت کے مطابق فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایمان توحید رسالت ختم نبوت معجزات جیسے ابواب جو اعتقادی ونظریاتی ہیں ان کے مباحث بھی مفصل ذکر کئے گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تکمیل ایمان کی شرط ہے جس کا اہم واولین تقاضا اطاعت ہے۔ یہ مجموعہ جن مخلص اہل علم کی تالیفات سے منتخب کر کے مرتب کیا گیا ہے ان کے اخلاص کا عکس پڑھنے کی زندگی میں یوں رونما ہوتا ہے کہ قاری صرف علم میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ کل زندگی میں اتباع سنت کی مبارک دولت سے بھی مالا مال ہوتا ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے شب وروز اسوہ حسنہ میں ڈھل جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ احادیث مبارکہ کی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے مرتبین ناشر
اور جملہ قارئین کیلئے ذریعہ نجات بنائیں آمین۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

والسلام

عبدالواحد بلال   حبیب الرحمن

(فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بمطابق دسمبر 2010ء

AL-JAMIATUL-ISLAMIA
DARUL - ULOOM, DEOBAND (WAQF) -247554 (U.P.) INDIA

تقریظ

حضرت مولانا قاری محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ

(مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند انڈیا)

معارف السنۃ

ایک مسلمان کی زندگی کے تمام افعال اعمال اقوال اور احوال کو سراپا عبادت بتانے والی کتاب!

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

بلا استثناء نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اعمال واقوال ہی کا نام "اسوہ حسنہ" ہے۔ اسی عظیم حقیقت کو ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انتہائی جامع اور مختصر تعبیر "کان خلقه القرآن" میں کمال بلاغت کے ساتھ سمو دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منجانب اللہ نازل فرمودہ کامل و جامع نظام دین و دنیا کی تعلیمات شرعیہ پر محیط تعبیرات ربانی کا نام "قرآن کریم" ہے۔ منجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قولاً اور عملاً اس کی تعمیلات کا نام "اسوہ حسنہ" ہے۔ قرآن کریم میں تعبیرات ربانی کی صحیح اور حقیقی مرادات کے انکشاف کا واحد اور یقینی ذریعہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قولی اور عملی تعمیلات ہی ہیں۔ عقل انسانی کی ان مرادات حقیقیہ تک رسائی اس لئے ممکن نہیں کہ عقل احتمال آفریں ہے اور اس کا ہر احتمال احتمال مزید کیلئے مانع نہیں ہوتا اس کے برخلاف حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے کلام کی مرادات قطعیہ کیلئے مہتم بالشان اہتمام مستقل یہ فرمایا گیا ہے کہ قلب نبوت پر بذریعہ وحی القائے مراد کیا گیا جس میں کسی احتمال کا شائبہ بھی ممکن نہیں اور اس مراد وحی کی ترجمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فصاحت وبلاغت سے فرماتے ہیں کہ عرب کے مدعیان فصاحت دوسروں کو عجم کہہ کر ان کی اہانت کرنے والے قرآن کریم کا مثل تو کیا لاتے وہ کلام نبوت کے مثل سے بھی عاجز و درماندہ ہو کر سراپا ندامت ہی سے دوچار ہوئے۔

DIAL!+91-1336-222452-EMAIL: sufyanqasmi@yahoo.com-sufyanqasmi@gmail.com
Mobile:+91-9897064190+Fax: 91=1336-222452

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجامعۃ الاسلامیۃ دار العلوم دیوبند وقف الہند

AL-JAMIATUL-ISLAMIA

DARUL - ULOOM, DEOBAND (WAQF) -247554 (U.P.) INDIA

خلاصہ یہ ہے کہ تعلیمات ربانی اور تعلیمات نبوی انسانوں سے صادر ہونے والے تمام اعمال، افعال، اقوال، احوال، افکار، نظریات، تہذیبات، تمدنیات، معاشرات، معیشات، تعلقات، قرابات، تجارت اور معاملات وغیرہ کے بارے میں رہنما اصول بنیادوں پر اس طرح محیط ہیں کہ زندگی کی ہر حرکت وسکون میں ان کو ملحوظ رکھنا وہ مومنانہ فریضہ ہے کہ جو بندہ مومن کو "عبدیت مقبولہ" کے مقام رفیع تک پہنچانے کا واحد اور حتمی وسیلہ ہے۔

ان ہی تعلیمات ربانی اور تعلیمات نبوی کو جامعیت کے ساتھ [illegible] کے نام سے جس کتاب میں وسعت علمی سے جمع فرمایا گیا ہے فی الوقت راقم الحروف کے سامنے اصل کتاب کے بجائے اس کی فہرست عنوانات ہے اسی کی عنوانی جامعیت اور مرتبین محترم کی فکری وسعت اور افادی حسن نیت ہی ان سطور کے لکھنے کا وسیلہ بنیں۔ کیونکہ جامعہ خیر المدارس کے سراپا خیر بانی محترم حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی سے احقر کا نیاز مندانہ تعلق خیر المدارس جالندھر کے اجتماعات میں والد ماجد حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب قدس اللہ سرہ کے واسطے خیر سے رہا ہے۔

حق تعالیٰ [illegible] کو قبولیت عامہ اور مقبولیت تامہ ارزانی فرمائے اور حضرات مرتبین کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے آمین یا رب العالمین۔

فقط والسلام

محمد سالم مدظلہ

مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

DIAL:+91-1336-222452-EMAIL: sufyanqasmi@yahoo.com-sufyanqasmi@gmail.com
Mobile:+91-9897064190+Fax: 91=1336-222452

ریاست علی بجنوری
استاذ حدیث دار العلوم دیوبند
تاریخ..........

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محلہ خانقاہ متصل مسجد رشید
دیوبند
حوالہ..........

الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں خلیفہ بنایا انسان کو عقلی دستور سے نوازا اور اپنی معرفت اور انسان کی ہدایت کیلئے دنیا میں بے شمار نشانیاں اور مضبوط دلائل مہیا کئے پھر اس کے ساتھ انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ قائم فرمایا اور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس سلسلہ کو ختم فرمادیا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو علوم و معارف اور اخلاق حسنہ کا پیکر جمیل بنایا' تاکہ خدا کی عطا کردہ عقل سلیم اور انسانی فطرت کو صحیح استعمال کرنے والے آپ کا اتباع کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار ہوں۔ کما قولہ تعالیٰ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ دین کی حفاظت کیلئے یہ انتظام فرمایا کہ قرن اول سے لیکر آج تک کے باتوفیق اہل علم اور اہل تقویٰ' قرآن کریم' سنت رسول' سیرت پاک اور دین کے تمام شعبوں کی خدمت کیلئے اپنی مساعی جمیلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح کا ایک قابل قدر کارنامہ معارف الحدیث کے نام سے طبع ہورہا ہے جسے ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے دیئے ہوئے منصوبوں کے مطابق جامعہ خیر المدارس ملتان کے فضلاء کرام میں مولانا عبدالاحد بلال اور مولانا حبیب الرحمن نے مرتب فرمایا ہے۔ اس کتاب میں انسانی زندگی کی تمام ضروریات سے متعلق اسلامی تعلیمات اور احکام کو حدیث پاک کی مستند کتابوں سے احادیث کا انتخاب کر کے فقہی ترتیب کے مطابق ذکر کیا گیا ہے اور احادیث کی شرح میں اکابر دیوبند کی تشریحات سے استفادہ کیا گیا ہے اور نہایت اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے عصر حاضر کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوگئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا کرے' تمام مسلمانوں کو اس سے استفادہ کی توفیق دے کہ وہ ان تعلیمات کی روشنی میں اپنی دنیا اور آخرت کو استوار کریں اور اس جلیل القدر خدمت میں شرکت کرنے والے تمام حضرات کو اپنے فضل و کرم سے اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔

(حضرت مولانا) ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند ۷ ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ

MADRASA MAZAHIR ULOOM (WAQF) SAHARANPUR 247001 (U.P) INDIA PH. 0132-2653016

تقریظ از حضرت مولانا مفتی محمد والقدوس خبیب رومی مدظلہ العالی

(مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

معارف القرآن، معارف الحدیث اور معارف الفقہ کے منظر عام پر آنے کے بعد [illegible] ہی کی ضرورت باقی تھی۔ اس ضرورت کو رکن مجلس مکرم محترم قاری محمد اسحاق صاحب ملتانی (مدیر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان) نے پورا کرنے کا مژدہ سنایا۔ اس مفید و مبارک تالیف کی فہرست مضامین ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ہی زندگی کا کوئی گوشہ باقی رہا ہو جس کی رہنمائی اس کتاب میں نہ کی گئی ہو۔

[illegible] دراصل سید المرسلین خاتم النبیین الامین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ورسنن پر مشتمل ضروریات دین کی تعلیم کیلئے فقہی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے جس سے مسلمانوں کے عقائد و عمل کی اصلاح ہی مقصود ہے۔

اس مجموعہ کے استناد و اعتبار کیلئے یہی کافی ہے کہ یہ ہمارے اکابر حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ وغیرہم جیسے اہل علم و فضل کی تصنیفات و تحقیقات کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔

امید ہے یہ کتاب عند اللہ مقبول اور پڑھنے سننے والوں کیلئے مفید و نافع ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مرتبین و ناشر کیلئے ذخیرۂ آخرت اور حلقۂ زمین کیلئے دنیا میں ذریعہ ہدایت اور آخرت میں وسیلہ نجات بنائے۔

ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین آمین بجاہ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین

محمد القدوس خبیب رومی

مفتی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

۲۲ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

تقریظ از حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی مدظلہ العالی

(مہتمم مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون انڈیا)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کا سفر حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے علوم و افادات کی نشر و اشاعت سے شروع ہوا تھا۔ دیکھتے دیکھتے حضرت رحمہ اللہ کی وہ کتابیں جو عرصہ سے نایاب تھیں منظر عام پر آ گئیں اسی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے اس ادارہ کو تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے بیش بہا علوم کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کی توفیق بخشی، یہ سب بانی ادارہ قاری محمد اسحاق صاحب مدظلہ کے اخلاص کا ثمرہ اور ان کے بزرگوں و مشائخ کی دعاؤں و توجہات کی برکات ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کو اکابر کے علوم و معارف کو سلیقہ کے ساتھ جمع کر کے شائع کرنے کی سعادت سے نوازا۔

یہاں تک کہ وہ خود ممتاز "صاحب تالیف" بن گئے اور ان کے قلم فیض رقم سے ایسی ایسی مفید عام کتب منصۂ شہود پر آنے لگیں کہ قدرداں ان کے منتظر و مشتاق رہتے ہیں۔

موجودہ دور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں سے مغایرت بڑھتی جا رہی ہے اور مسلمان اپنے دین کی تعلیمات کو چھوڑ کر غیروں کے طور طریق اختیار کر رہے ہیں۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ امت کو بار بار اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جاتا رہے اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر ابھارا جائے' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ایک مسلمان کیلئے زندگی کے ہر مرحلہ ہر شعبہ اور ہر عمل کیلئے نمونہ اور اسوہ ہے۔ آپ انسانیت کیلئے کامل رہنما اور معلم تھے اور مسلمانوں کی دنیوی و اخروی اصلاح و فلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور عادات و سنن کے اتباع پر ہی موقوف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت نے ایک ایک سنت کو حرز جاں بنائے رکھا اور اتباع سنت علماء اولیاء اور خاشعین کا شیوہ رہا۔ سلاسل اربعہ کے جملہ مشائخ اپنے متوسلین کو ہمیشہ اتباع سنت کی ترغیب بلکہ تاکید فرماتے رہتے ہیں۔

انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو مختلف حیثیتوں اور طریقوں سے جمع کرنے کا اہتمام زمانہ قدیم سے رہا ہے اور علمائے کرام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں تاکہ سنت کے شائقین کو سب باتیں یکجا طور پر بسہولت مل جائیں۔ حاصل ان سب کا یہ ہے کہ امت ہر شعبۂ زندگی سے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولی اور عملی ہدایات سے واقف ہو اور ان کو اپنا مقصد زندگی بنائے۔

اسی نوع کی ایک سعی جمیل اس وقت [illegible] کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کو فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان نے مرتب کیا ہے۔ اس میں روزمرہ کی زندگی سے متعلق ایسے سنن واحکام اور آداب جن کا تعلق دین کے اجزائے خمسہ (عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق) سے ہے احادیث کے مستند و معتبر ماخذ سے جامعیت کے ساتھ آگئے اور سنتوں کے شائقین کیلئے استفادہ کی راہ آسان ہوگی۔

یہ قیمتی ذخیرہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدر شناسوں کیلئے بے بہا تحفہ اور معتبر معلومات کا خزانہ ہے جو خواص و عوام کیلئے یکساں طور پر نافع اور مفید ہے۔ امت مسلمہ کو ایسی کتاب کی ضرورت تھی ہر طالب اس سے خوب مستفید ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شرف قبول بخشے اور امت محمدیہ کو زیادہ سے زیادہ استفادے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

نجم الحسن تھانوی

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

MADRASA IMDAD-UL-ULOOM

KHANQAH IMDADIA ASHRFIA THANA BHAWAN 247777 DISTT. M. NAGAR U.P. (INDIA)

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب مدظلہ العالی

(صدر و مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! دین کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے اور قرآن و سنت کے ان دو چشموں نے تا قیامت جاری رہنا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کی خدمت کے لئے قبول فرمایا۔

علمائے دیوبند کو حق تعالیٰ شانہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی خدمت کا وافر حصہ عطا فرمایا اور دنیا میں بے شمار لوگ ہمارے اکابر کی سند سے حدیث کی درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ حدیث کی بنیادی کتب کی شروح لکھ کر ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ کی یاد تازہ کر دی ہے۔

ہمارے اکابر کی خدمات جہاں علماء طلبا کیلئے ہیں وہاں سنت کی روشنی سے عامۃ المسلمین کو بھی مستفید فرمایا اور بڑی گراں قدر تصانیف اردو میں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے ایک ایک کتاب امت کیلئے سامان ہدایت ہے۔

مرور ایام سے لوگوں کی صلاحیتوں میں تنزل اور انحطاط آنے کی وجہ سے ضرورت ہوتی ہے کہ اکابر کی باتیں حالات زمانہ کے مطابق انتخاب کر کے شائع کی جائیں۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے بانی اور حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت حافظ محمد اسحاق صاحب ماشاء اللہ موفق من اللہ ہیں۔

مسلمانوں کی ضرورت کیلئے نئی سے نئی کتب سامنے لاتے رہتے ہیں۔ ان کی خدمات علماء کیلئے بھی باعث رشک ہیں۔ الحمد للہ انہوں نے ہمارے اکابر کی افادات سے [illegible] نام کی کتاب مرتب کروائی ہے۔ اس کتاب کی استناد کیلئے متن پر لکھے ہوئے اکابر کے اسمائے گرامی ہی کافی ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ سنت کے اس نور سے مسلمانوں کو روشنی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حافظ صاحب اور ان کے معاونین کی خدمات قبول فرمائے آمین۔

والسلام

محمد طیب

صدر جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

۲۷ ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ

نمبر: 69/JMQ/P تاریخ: 30-11-2010

تقریظ

حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی مدظلہ

(نائب مہتمم وناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ لاہور)

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی احادیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے جس کو صحابہ کرام اور ان کے بعد اکابرین امت نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ قرآن پاک کے بعد علم حدیث تمام علوم میں اشرف اور افضل ہے بلکہ احادیث کے بغیر دین کو سمجھنا اور عمل کرنا مشکل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اللہ پاک اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میری بات سنی پھر یاد رکھی اور یاد رکھیں اور ان کو آگے پہنچایا۔ احادیث کا ذخیرہ عربی زبان میں ہے جس کو ان پڑھ شخص کیسے سمجھ سکتا ہے جو عربی نہیں جانتا چنانچہ اردو زبان میں شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا ترجمہ و تشریح لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ لوگوں کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہو جائے۔ اسی ضرورت کو اس کتاب منتخب احادیث کے مولفین نے پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور نہایت ہی آسان اور عام فہم زبان میں زندگی کے تمام مراحل میں پیش آنے والے مسائل کو سلیقہ اور شائستگی کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور ذخیرہ آخرت بنائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا حدیث کے خدام کو دی ہے وہ ہمارے اور ان کے حق میں قبول فرمائے آمین۔

حافظ فضل الرحیم اشرفی

نائب مہتمم وناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ لاہور

الجامعة الاشرفیة شارع فیروز پور لاہور ... پاکستان
Jamia Ashrafia, Ferozepur Road, Lahore 54600

تاریخ: 30-11-2010

حوالہ: 69/UMQ/P

تقریظ

حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب مدظلہ

(مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور)

حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی مدظلہ

(نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور)

میں مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی صاحب کی طرف سے لکھی گئی تحریر سے متفق ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ پاک اس کتاب [illegible] کے مؤلف اور دیگر معاونین کی اس کوشش کو قبول فرما کر دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے اور مجھے امید ہے کہ یہ کتاب تمام مسلمانوں خصوصاً بچے اور بچیوں کیلئے بہت مفید ثابت ہوگی۔

حضرت مولانا محمد عبید اللہ
مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی
نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

تقریظ

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ

(مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

[illegible] کی فہرست مضامین دیکھنے کا موقع ملا پھر اس پر لکھی گئی تقاریظ سامنے آ گئیں۔ اس میں تو شک نہیں کہ موضوع کے اعتبار سے وقت کی اہم ترین ضرورت ان شاء اللہ اس کتاب سے پوری ہو گی۔ امت مسلمہ کیلئے جیسے معارف القرآن کی اہمیت ہے معارف الحدیث کی اہمیت ہے اسی طرح [illegible] کی اہمیت بھی اظہر من الشمس ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی مومن کیلئے مشعل راہ ہے اور ہر مومن کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے ہر عمل کیلئے سنت سے رہنمائی لیتا رہے اور ہر عمل کو سنت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرے۔

مجھے امید ہے کہ امت کی یہ تشنگی اس کتاب سے دور ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مرتبین اور ناشرین کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس کتاب کو مقبول عنداللہ بنا کر امت مسلمہ کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں آمین۔

مشرف علی تھانوی

غرہ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

محمد اکبر
مہتمم و شیخ الحدیث

جامعہ قاسم العلوم
گلگشت ملتان

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اکبر صاحب مدظلہ العالی

(مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم گلگشت ملتان)

باسمہ تعالی

الحمدللہ رب العلمین و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین

امابعد! احقر نے کتاب [illegible] کو چند چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھا ماشاءاللہ اسم با مسمی ہے۔ سنت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات مبارکہ در حقیقت قرآن پاک کی شرح اور اس کے مجملات کی تفصیل ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔

یہ حقیقت ہے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر قرآن پاک کا سمجھنا ناممکن ہے اور حدیث سمجھنے کیلئے علم فقہ سے آگاہی ضروری ہے۔ نیز قرآن پاک، حدیث شریف اور فقہ ان تینوں کا آپس میں ایک ایسا گہرا تعلق اور تلازم ہے کہ ایک کا دوسرے سے انفکاک کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الفقهاء اعلم بمعاني الاحاديث"۔

کتاب مذکور کے بارے میں اکابر کی تقریظات کے بعد مجھ جیسے ناکارہ اور اصاغر کی تقریظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن حضرت مولانا قاری محمد اسحق صاحب ملتانی کے حکم کی تعمیل میں یہ چند سطور لکھ دی ہیں۔

اللہ جل شانہ [illegible] کو خواص اور عوام دونوں کیلئے نافع اور مفید تر بنائے اور محترم مرتب کیلئے نجات دارین کا وسیلہ بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(شیخ الحدیث حضرت مولانا) محمد اکبر
خادم العلوم، جامعہ قاسم العلوم ملتان

تقریظ

از شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

باسمہ تعالیٰ و تقدس

امت مسلمہ کیلئے بالخصوص اور انسانیت کیلئے بالعموم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اسوہ حسنہ ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا انتخاب مختلف ادوار میں مختلف محدثین حضرات نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق کیا۔

ہمارے اردو دان طبقہ کیلئے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی محدث کبیر اور مولانا محمد منظور نعمانی نامور محقق نے "ترجمان السنۃ" اور "معارف الحدیث" کے نام پر کئی کئی جلدوں پر مشتمل مجموعے تیار فرمائے۔

تربیت اولاد کیلئے ایک مستقل کتاب احادیث کے انتخاب پر عرب عالم نے مرتب کی جس کا مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے "ختم نبوت فی الاحادیث" پر مشتمل مستقل کتاب تالیف کی۔

غرض امت مسلمہ کی ہر امر میں رہنمائی کیلئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیتی رہیں اور قیامت تک دیتی رہیں گی۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان اور اس کے بانی حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کیا جائے کہ انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ جتنی امت مسلمہ کی رہنمائی کیلئے احادیث مبارکہ سے فائدہ اٹھانے کی آج ضرورت ہے اس کی شاید ہی کوئی صاحب بصیرت انکار فرما سکے۔ اسی جذبے سے انہوں نے جامعہ خیر المدارس ملتان کے فضلائے کرام سے مہد سے لحد تک ہر لمحہ امت کی رہنمائی کیلئے [illegible] کا مجموعہ مرتب کر کے احسان عظیم فرمایا۔

ذخیرہ احادیث کے اس انسائیکلوپیڈیا سے فائدہ اٹھانا ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ عام فہم ترجمہ آسان اور سادہ مگر دل نشین تشریح سے دل کی دنیا کو آباد کرنے کیلئے یہ شاہکار مجموعہ لائق صد شکر ہے۔

فقیر اللہ وسایا

فہرست عنوانات

کِتَابُ الزَّکوٰۃ

كِتَابُ الْبُيُوعِ وَالْمُعَامَلَاتِ

بسم الله الرحمن الرحيم

كِتَابُ الطَّهَارَة

دین میں طہارت کا مقام

طہارت دین کا ایک علیحدہ شعبہ ہے۔ طہارت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قبا کی بستی میں رہنے والے اہل ایمان کی تعریف میں قرآن مجید کا ارشاد "فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ" (اس میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف ستھرے رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی بجائے خود کتنی اہمیت ہے۔ جیسا کہ آگے احادیث میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ ایک حدیث میں اس کو "نصف ایمان" فرمایا گیا۔ شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی ایک نفیس تحقیق قابل ذکر ہے اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

"کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح و سعادت جس شاہراہ کی طرف انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگر چہ اس کے بہت سے ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت سینکڑوں احکام ہیں لیکن اپنی بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آتے ہیں۔ ۱۔ طہارت ۲۔ اخبات ۳۔ سماحت ۴۔ عدالت۔

شاہ صاحب کے کلام کے صرف اس حصہ کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس میں انہوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان جس کا قلب بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب اور ان میں مشغول نہ ہو جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اس کو پیشاب یا پاخانہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یا وہ جماع وغیرہ سے فارغ ہوا ہوتا ہے وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا انقباض و تکدر اور گرانی و بے لطفی اور اپنی طبیعت میں سخت ظلمت کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے، پھر جب وہ اس حالت سے نکل جاتا ہے مثلاً پیشاب یا پاخانہ کا جو سخت تقاضا تھا اس سے وہ فارغ ہو جاتا ہے اور اچھی طرح استنجا اور طہارت کر لیتا ہے یا اگر وہ جماع سے فارغ ہوا تھا تو غسل کر لیتا ہے اور اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے تو نفس کے انقباض و تکدر اور طبیعت کی ظلمت کی وہ کیفیت جاتی رہتی ہے اور اس کے بجائے اپنی طبیعت میں وہ ایک انشراح و انبساط اور سرور و فرحت کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ بس در اصل پہلی کیفیت اور حالت کا نام "حدث" (ناپاکی) اور دوسری کا نام "طہارت" (پاکی و پاکیزگی) ہے، اور انسانوں میں جن کی فطرت سلیم اور جن کا وجدان صحیح ہے وہ ان دونوں حالتوں اور کیفیتوں کے فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے ہیں اور اپنی طبیعت و فطرت کے تقاضے سے "حدث" کی حالت کو ناپسند اور دوسری کو (یعنی "طہارت" کی حالت کو) پسند کرتے ہیں۔

اور نفس انسانی کی یہ طہارت کی حالت ملاء اعلیٰ یعنی ملائکۃ اللہ کی حالت سے بہت مشابہت و مناسبت رکھتی ہے کیونکہ وہ دائمی طور پر

گندگی آلودگیوں سے پاک وصاف اور نورانی کیفیات سے شاداں وفرحاں رہتے ہیں اور اسی لئے حسب امکان طہارت وپاکیزگی کا اہتمام ودوام انسانی روح کو ملکوتی کمالات حاصل کرنے اور الہامات ومنامات کے ذریعے ملاء اعلیٰ سے استفادہ کرنے کے قابل بنادیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جب آدمی حدث اور ناپاکی کی حالت میں ڈوبا رہتا ہے تو اس کو شیاطین سے ایک مناسبت ومشابہت حاصل ہوجاتی ہے اور شیطانی وساوس کی قبولیت کی ایک خاص استعداد اور صلاحیت اس میں پیدا ہوجاتی ہے اور اس کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۰۸ ج ۱)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طہارت اور حدث دراصل انسانی روح اور طبیعت کی مذکورہ بالا دو حالتوں کا نام ہے اور ہم جن چیزوں کو حدث ناپاکی اور طہارت یا پاکیزگی کہتے ہیں وہ دراصل ان کے اسباب وموجبات ہیں اور شریعت ان ہی اسباب پر احکام جاری کرتی ہے اور انہی سے بحث کرتی ہے۔

پھر اسی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے ایک دوسرے مقام پر جہاں طہارت کے احکام اور ان کے اسرار حکم کا بیان ہے فرماتے ہیں: طہارت کی تین قسمیں ہیں، ایک حدث سے طہارت (یعنی جن حالتوں میں غسل یا وضو واجب یا مستحب ہے۔ ان حالتوں میں غسل یا وضو کر کے شرعی طہارت وپاکیزگی حاصل کرنا۔ دوسرے ظاہری نجاست اور پلیدی سے جسم یا اپنے کپڑوں کو یا جگہ کو پاک کرنا۔ تیسرے جسم کے مختلف حصوں میں جو گندگیاں اور میل وکچیل پیدا ہوتا رہتا ہے اس کی صفائی کرنا (جیسے دانتوں کی صفائی ناک کے نتھنوں کی صفائی، ناخن اور زیر ناف بالوں کی صفائی) آگے طہارت کے متعلق جو حدیثیں درج ہوں گی ان میں سے بعض کا تعلق مطلق طہارت سے ہوگا جو ان تینوں قسموں پر حاوی ہے اور بعض کا تعلق کسی ایک خاص قسم سے ہوگا...... اس تمہیدی بیان کے بعد اب طہارت سے متعلق حدیثیں پڑھئے:

عَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا. (رواه مسلم)

ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طہارت وپاکیزگی جزو ایمان ہے اور کلمہ الحمدللہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ و الحمدللہ بھر دیتے ہیں، آسمان کو اور زمین کو، اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل وبرہان ہے اور صبر اجالا ہے اور قرآن یا تو حجت ہے تمہارے حق میں یا حجت ہے تمہارے خلاف ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے نجات دلا دیتا ہے یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کے بہت سے حقائق بیان فرمائے ہیں اس کا صرف پہلا جزو اور پہلا فقرہ (اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ) طہارت سے متعلق ہے اور اسی وجہ سے یہ حدیث کتب حدیث میں "کتاب الطھارۃ" میں درج کی جاتی ہے شطر کے معنی نصف اور آدھے کے ہیں بلکہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث جو امام ترمذی نے ایک دوسرے صحابی سے روایت کی ہے اس میں "اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ" ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک شطر ونصف دونوں لفظوں کا مطلب یہاں یہی ہے کہ طہارت وپاکیزگی ایمان کا خاص جزو اور اس کا اہم شعبہ اور حصہ

ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ کا جو کلام اوپر نقل ہوا ہے اس سے یہ حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو چکی ہے جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔

طہارت و پاکیزگی کی یہ اہمیت بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کا اجر و ثواب اور اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے، تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اس کی شہادت ادا کرنا ہوتا ہے کہ اللہ کی مقدس ذات ہر اس بات سے پاک اور برتر ہے جو اس کی شان الوہیت کے مناسب نہ ہو اور تحمید یعنی الحمدللہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اس شہادت کا ادا کرنا ہوتا ہے کہ ساری خوبیاں اور سارے کمالات جن کی بنا پر کسی کی حمد و ثناء کی جاسکتی ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات میں ہے اور اس لئے بس ساری حمد و ستائش بس اسی کے لئے ہے یہی تسبیح و حمد حق تعالیٰ کی نورانی اور معصوم مخلوق فرشتوں کا خاص وظیفہ ہے۔ قرآن مجید میں خود فرشتوں کا یہ بیان خود ان ہی کی زبانی نقل کیا گیا ہے "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ" (خداوندا! ہم تیری حمد و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں)۔

پس انسانوں کے لئے بھی بہترین وظیفہ اور مقدس ترین شغل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اور سارے عالم کے خالق و پروردگار کی تسبیح کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی ترغیب کے لئے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ایک کلمہ سبحان اللہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور اس سبحان اللہ کے ساتھ الحمدللہ بھی مل جائے تو ان دونوں کا نور زمین و آسمان کی ساری فضاؤں کو معمور و منور کر دیتا ہے۔

"سبحان اللہ" سے میزان اعمال کا بھر جانا اور "سبحان اللہ والحمدللہ" سے آسمان و زمین کا معمور ہو جانا یہ ان حقائق میں سے ہے جن کے ادراک کا حاسہ یہاں ہم کو نہیں دیا گیا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر اس قسم کی حقیقتوں کو کبھی کبھی یہاں بھی منکشف فرما دیتا ہے، ہم عوام کا حصہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان فرمائی ہوئی ان حقیقتوں پر ایمان لائیں، ان کا یقین کریں اور ان سے عمل کا فائدہ اٹھائیں۔ حمد و تسبیح کی اس فضیلت اور ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ "وہ نور ہے" اس دنیا میں نماز کی اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس کی برکت سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے، جس کو اللہ کے وہ بندے خود محسوس کرتے ہیں جن کی نمازیں حقیقی نمازیں ہیں پھر اسی نور کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی فواحش و منکرات سے بچتا ہوا چلتا ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" (بلاشبہ نماز میں یہ خاصیت ہے کہ وہ آدمی کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے) اور آخرت کی منزلوں میں نماز کی اس نورانیت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ وہاں کی اندھیریوں میں نماز روشنی اور اجالا بن کر نمازی کے ساتھ ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ" (اللہ کے نیک صالح بندوں کے آگے آگے اور داہنی جانب ان کے اعمال کا نور دوڑتا ہوگا۔)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دلیل و برہان ہے اس دنیا میں صدقے کے برہان ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ صدقہ کرنے والا بندہ مؤمن و مسلم ہے، اگر دل میں ایمان نہ ہو تو اپنی کمائی کا صدقہ کرنا آسان نہیں ہے اور آخرت میں اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ صدقہ کرنے والے مخلص بندے کے صدقے کو اسکے ایمان اور اسکی خدا پرستی اور نشانی ما کر اس کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ "ضیاء" یعنی روشنی اور اجالا ہے بعض

حضرات نے نماز اور صدقہ کی مناسبت سے یہاں لفظ صبر سے مراد روزہ لیا ہے، لیکن ناچیز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ صبر یہاں اپنے اصل وسیع معنی ہی میں استعمال ہوا ہے قرآن وحدیث کی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں "اللہ کے حکم کے تحت نفس کی خواہشات کو دبانا اور اس راہ میں تلخیاں اور ناگواریاں برداشت کرتے رہنا" اس لحاظ سے صبر گویا پوری دینی زندگی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس میں نماز، صدقہ، روزہ، حج اور جہاد اور ان کے علاوہ اللہ کے لئے اور دین کے احکام کی پابندی میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنا اور اپنی نفسانی خواہشات کو دبائے رکھنا سب ہی اس کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ صبر "ضیاء" ہے قرآن مجید میں چاند کی روشنی کو "نور" اور سورج کی روشنی کو "ضیاء" فرمایا گیا ہے (هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا) (یونس ۱۰:۵) اس لحاظ سے صبر اور نماز سے پیدا ہونے والی روشنیوں میں نسبت ہوگی جو سورج اور چاند میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ یا تو وہ تمہارے واسطے اور تمہارے حق میں دلیل یا تمہارے خلاف!...... مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا ہدایت نامہ ہے، اب اگر تمہارا تعلق اور رویہ اس کے ساتھ عظمت واحترام اور اتباع کا ہوگا جیسا کہ ایک صاحب ایمان کا ہونا چاہیے تو وہ تمہارے لئے شاہد و دلیل بنے گا اور اگر تمہارا رویہ اس کے برخلاف ہوگا تو پھر اس کی شہادت تمہارے خلاف ہوگی۔

ان تنبیہات و ترغیبات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اس دنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی حال اور کسی شغل میں زندگی گزار رہا ہو وہ روزانہ اپنے نفس اور اپنی جان کا سودا کرتا ہے، پھر یا تو وہ اس کو نجات دلانے والا ہے یا ہلاک کرنے والا ہے۔" مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی ایک مسلسل تجارت اور سوداگری ہے، اگر وہ اللہ کی بندگی اور رضا طلبی والی زندگی گزار رہا ہے تو اپنی ذات کے لئے بڑی اچھی کمائی کر رہا ہے اور اس کی نجات کا سامان فراہم کر رہا ہے اور اگر اس کے برعکس وہ نفس پرستی اور خدا فراموشی کی زندگی گزار رہا ہے تو وہ اپنی تباہی اور بربادی کما رہا ہے اور اپنی دوزخ بنا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ترغیبات و تنبیہات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

ناپاکی پر قبر میں عذاب

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ (وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ) مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ صَنَعْتَ هَذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر دو قبروں پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو دو آدمی ان قبروں میں مدفون ہیں ان پر عذاب ہو رہا ہے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نہیں ہو رہا ہے جس کا معاملہ بہت مشکل ہوتا (یعنی جس سے بچنا بہت دشوار ہوتا بلکہ یہ دونوں اپنے ایسے گناہ کی پاداش میں عذاب دیئے جا رہے

ہیں جس سے بچنا کچھ مشکل نہ تھا) ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ یا پاک رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا اور دوسرے کا گناہ یہ تھا کہ چغلیاں لگاتا پھرتا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اس کو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے کیا، پھر ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا گاڑھ دیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ آپ نے کس مقصد سے کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، امید ہے کہ جس وقت تک شاخ کے یہ ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں صاحبوں کے عذاب کا سبب ان کے دو خاص گناہوں کو بتایا ہے، ایک کے متعلق بتایا کہ وہ چغلی کرتا تھا جو ایک سنگین اخلاقی جرم ہے اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ اس کا ذکر ایک کافرانہ خصلت یا منافقانہ عادت کے طور پر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ" (اور مت مانو اس شخص کی بات جو (جھوٹ بولنے میں بے باک) بے تحاشا قسمیں کھانے کا عادی ہے اور عیب چینی اور چغلخوری جس کا مشغلہ ہے) (قلم) اور کتب قدیمہ کے بہت بڑے عالم کعب احبار سے مروی ہے کہ تورات میں چغل خوری کو سب سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے۔ اور دوسرے کے عذاب کا سبب آپ نے یہ بتایا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ اور پاک صاف رہنے میں بے احتیاطی کرتا (لَا يَسْتَتِرُ اور لَا يَسْتَنْزِهُ) دونوں کا حاصل مطلب یہی ہے، اور صحیح بخاری کی روایت میں اس واقعہ پر "لَا يَسْتَبْرِئُ" بھی آیا ہے اور حاصل اس کا بھی یہی ہے، بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی گندگی سے (اور اسی طرح دوسری ناپاکیوں سے) بچنا یعنی اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے اہم احکامات میں سے ہے اور اس میں کوتاہی اور بے احتیاطی ایسی معصیت ہے کہ جس کی سزا آدمی کو قبر میں بھگتنی پڑے گی۔

آگے حدیث میں جو یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور بیچ میں سے اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ان دونوں کی قبر پر گاڑھ دیا۔ اور بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب اس کی بابت دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھے امید ہے کہ جب تک ان ٹکڑوں میں کچھ تری رہے گی اس وقت تک کے لئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی" ..... اس کی ایک توجیہ بعض شارحین نے یہ ذکر کی ہے کہ کسی درخت کی شاخ میں جب تک کچھ تری یا نمی رہتی ہے اس وقت تک وہ زندہ رہتی ہے اور اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کرتی رہتی ہے ..... گویا قرآن کی آیت "وان من شيء الا يسبح" کا مطلب ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ہر چیز اس وقت تک جب تک کہ اس میں کچھ زندگی ہو اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی رہتی ہے اور جب اس چیز کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو اس کی حمد و تسبیح بھی ختم ہو جاتی ہے ..... بہر حال اسی بنا پر ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فعل اور آپ کے اس ارشاد کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی شاخ کے یہ ٹکڑے ان قبروں پر اس لئے گاڑھے کہ ان کی تسبیح و حمد کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ٹکڑوں کے خشک ہونے تک تخفیف کی جو امید ظاہر فرمائی اس کی بنیاد بس یہی تھی۔ لیکن اکثر شارحین نے اس توجیہ کو غلط قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہ توجیہ بالکل غلط بلکہ مہمل ہے۔ ذرا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام اس نقطہ نظر سے کیا ہوتا تو کھجور کی شاخ چیر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ٹکڑے قبروں پر نصب نہ کرتے کیونکہ وہ تو دو چار دن میں خشک ہو جاتے ہیں بلکہ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان قبروں پر کوئی پودا نصب کر دیتے جو بہت زمانہ تک ہرا رہتا۔ دوسری واضح دلیل اس توجیہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا اور نقطہ نظر یہ سمجھا ہوتا تو وہ سب اس پر عمل کرتے اور ہر قبر پر شاخ نصب کرتے بلکہ درخت لگاتے کہ اس دور میں عام رواج ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا بہر حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل اور اس ارشاد کی یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور پھر اس توجیہ پر بزرگان دین کے مزارات پر پھول چڑھانے کی مشرکانہ رسم کا جواز نکالنا تو روح اسلام پر سخت ظلم ہے۔

پس صحیح توجیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل اور ارشاد کی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ان مردوں کے لئے تخفیف عذاب کے لئے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح ایک ہری شاخ کے دو حصے کر کے ان قبروں پر ایک ایک گاڑ دیجئے۔ جب تک اس میں تری رہے گی اس وقت تک کے لئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔ صحیح مسلم کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے اس میں بھی دو قبروں کے عذاب کا ذکر ہے، وہ دوسرا واقعہ ہے وہاں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا کہ جا کر ان دو درختوں میں سے دو شاخیں کاٹ کے فلاں جگہ ڈال آؤ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی بابت میں نے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں دو قبریں ہیں جن پر عذاب ہو رہا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف عذاب کی استدعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے میری بات قبول فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ بہر حال حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے یہ بات صراحۃً معلوم ہو گئی کہ ہری شاخ کو یا اس کی تری کو عذاب کی تخفیف میں کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات فرمائی گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی وجہ سے ہم اتنی مدت کے لئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دیں گے۔ پس اصلی چیز تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بنا پر ایک محدود مدت تک کے لئے تخفیف کا فیصلہ۔

شارحین نے اس حدیث کی شرح میں اس پر بھی گفتگو کی ہے کہ یہ دو قبریں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑے تھے مسلمانوں کی تھیں یا غیر مسلموں کی؟ اور پھر ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں، اس کا ایک واضح قرینہ خود اسی حدیث میں یہ موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذاب کا سبب چغل خوری کی عادت اور پیشاب کے معاملے میں بے احتیاطی اور لاپروائی بتایا ہے حالانکہ یہ قبریں کافروں کی ہوتیں تو عذاب کا سب سے بڑا سبب ان کا کفر و شرک بتایا جاتا۔ علاوہ ازیں مسند احمد میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں بقیع میں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقیع سے گزرتے ہوئے ان قبروں کے عذاب کو محسوس کیا تھا، اور معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں بقیع مسلمانوں ہی کا قبرستان ہے۔ بہر حال ان سب قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

استنجاء اور طہارت سے متعلق ہدایات

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِيلَ لَهُ قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قَالَ فَقَالَ أَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ. (رواہ مسلم)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمسخر اور طنز کے طور پر) ان سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر نے تو ...... تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں۔ یہاں تک کہ پاخانہ پھرنے کا طریقہ بھی! حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا ہاں بے شک (انہوں نے ہم کو سب ہی کچھ سکھایا ہے اور استنجے کے متعلق بھی ضروری ہدایتیں دی ہیں۔ چنانچہ) انہوں نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں۔ یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں، یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں۔ یا یہ کہ ہم استنجا کریں (اونٹ، گھوڑے یا بیل وغیرہ) کسی چوپائے کے فضلے یا ہڈی سے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: جس طرح کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اسی طرح پاخانہ پیشاب بھی ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح زندگی کے دوسرے کاموں اور شعبوں میں ہدایات دی ہیں اسی طرح پاخانہ و پیشاب اور طہارت واستنجا کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، یہ درست ہے اور یہ نادرست۔

اس حدیث میں مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ پاخانہ کے لئے اس طرح بیٹھا جائے کہ قبلہ کی طرف نہ منہ ہو نہ پیٹھ۔ یہ قبلے کے ادب واحترام کا تقاضا ہے۔ ہر مہذب آدمی جس کو لطیف اور روحانی حقیقتوں کا کچھ شعور و احساس ہو۔ پیشاب یا پاخانے کے وقت کسی مقدس اور محترم چیز کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا بے ادبی اور گنوار پن سمجھتا ہے۔

(۲) دوسری ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دی کہ داہنا ہاتھ جو عام طور پر کھانے پینے، لکھنے پڑھنے، لینے دینے وغیرہ سارے کاموں میں استعمال ہوتا ہے اور جس کو ہمارے پیدا کرنے والے نے پیدائشی طور پر بائیں ہاتھ کے مقابلے میں زیادہ صلاحیت اور خاص فوقیت بخشی ہے اس کو استنجے کی گندگی کی صفائی کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ یہ بات بھی ایسی ہے کہ ہر مہذب آدمی جس کو انسانی شرف کا کچھ شعور و احساس ہے، اپنے بچوں کو یہ بات سکھانی ضروری سمجھتا ہے۔

(۳) تیسری ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دی ہے کہ استنجے میں صفائی کے لئے کم سے کم تین پتھر استعمال کرنے چاہئیں، کیونکہ عام حال یہی ہے کہ تین سے کم میں پوری صفائی نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ اس کو صفائی کے لئے تین سے زیادہ پتھروں یا ڈھیلوں کے استعمال کرنے کی ضرورت ہے تو اپنی ضرورت کے مطابق زیادہ استعمال کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیثوں میں استنجے کے لئے خاص پتھر کا ذکر اس لئے آتا ہے کہ عرب میں پتھر کے ٹکڑے ہی اس مقصد کے لئے استعمال ہوتے تھے، ورنہ پتھر کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مٹی کے ڈھیلے اور اسی طرح ہر ایسی پاک چیز سے یہ کام

لیا جا سکتا ہے جس سے صفائی کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو۔ اس کا استعمال اس کام کے لئے نامناسب نہ ہو۔

(۴) چوتھی ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں یہ دی کہ کسی جانور کی گری پڑی ہڈی سے اور اسی طرح کسی جانور کے خشک فضلے سے یعنی لید وغیرہ سے استنجا نہ کیا جائے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ ان چیزوں سے بھی استنجا کرلیا کرتے تھے، اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحۃً اس سے منع فرمادیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے استنجا کرنا سلیم الفطرت اور صاحب تمیز آدمی کے نزدیک بڑے گنوارپن کی بات ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ اَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِیْ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰى ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَيْتُهُ بِاِنَاءٍ اٰخَرَ فَتَوَضَّأَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب استنجے کو جاتے تھے تو میں آپ کو پانی لاکے دیتا تھا، پانی کے برتن تور میں (جو کانسی یا پتھر سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا) یا رکوہ میں (یعنی چمڑے کے چھوٹے مشکیزے میں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے طہارت کرتے تھے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی مٹی پر ملتے تھے، پھر دوسرا برتن پانی کا لاتا تھا تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت فرماتے تھے، پھر اس کے بعد ہاتھ کو زمین پر مل کر دھوتے تھے، اس کے بعد وضو بھی فرماتے تھے ۔۔۔ حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استنجے اور وضو کے لئے پانی لاکر دینے کی سعادت عموماً مجھے حاصل ہوتی تھی ۔۔۔ صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خدمت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی خاص حصہ تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ قضائے حاجت اور استنجے سے فارغ ہوکر وضو بھی فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ وضو کرنا صرف اولیٰ و افضل ہے فرض یا واجب نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ترک بھی کیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کے لئے پانی لے کر کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "عمر یہ کیا ہے، کس کے لئے پانی لئے کھڑے ہو؟" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، آپ کے وضو کے لئے پانی لایا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کے لئے مامور نہیں ہوں کہ جب پیشاب کروں تو ضروری وضو کروں اور اگر میں پابندی اور مداومت کروں تو امت کے لئے ایک قانون اور دستور بن جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسئلہ کی صحیح نوعیت اپنے عمل سے واضح کرنے کے لئے اور امت کو غلط فہمی اور مشقت سے بچانے کیلئے کبھی کبھی اولیٰ اور افضل کو ترک بھی فرما دیتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ وَجَابِرٍ وَاَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ

اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِى الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ نَسْتَنْجِىْ بِالْمَاءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے تینوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ مسجد قبا کے بارہ میں جب (سورہ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ" (اس مسجد میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو پاکیزگی پسند کرتے ہیں اور اللہ ایسے پاکیزگی پسند لوگوں سے محبت کرتا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس مسجد میں نمازیں پڑھنے والے اور اس کو آباد کرنے والے انصار سے) فرمایا اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے طہارت و پاکیزگی کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو وہ تمہاری کیا صفائی اور پاکیزگی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ (طہارت و پاکیزگی کی کوئی خاص بات اس کے سوا تو ہم اپنے میں نہیں پاتے) کہ نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، جنابت کا غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں (یعنی صرف پتھر وغیرہ کے استعمال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعد میں پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بس یہی بات ہے، پس تم اس کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: عرب کے بہت سے لوگ صرف ڈھیلے پتھر سے استنجا کرنے پر اکتفا کرتے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (موٹی جھوٹی غذا اور ہاضمے کی درستی کی وجہ سے) ان لوگوں کو اجابت اونٹ کی مینگنیوں کی طرح خشک ہوتی تھی اس لئے استنجے میں ان کو پانی کے استعمال کی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور پتھر کے استعمال پر اکتفا کرلیتے تھے لیکن انصار کی عادت پانی کے استعمال کی بھی تھی، تو قرآن مجید میں ان کی اس پاکیزگی پسندی کی تحسین و تعریف نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ اس کو اپنے اوپر لازم کرلیں..... اور خود آپ کا طرزِ عمل تو یہ تھا ہی ..... الغرض قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور طرزِ عمل نے امت مسلمہ کو ہدایت دی کہ اگر بالفرض کسی کا حال یہ ہو کہ اجابت کی خشکی کی وجہ سے ڈھیلے، پتھر وغیرہ کا استعمال کافی ہو تب بھی وہ پانی سے استنجا کرے اور ہاتھ کو مٹی وغیرہ سے مانجھے۔ پاکیزگی پسندی کا تقاضا یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی طریقہ پسند ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِىْ يَتَخَلّٰى فِىْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْ فِىْ ظِلِّهِمْ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ حضرت! وہ دو باتیں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک یہ کہ آدمی لوگوں کے راستے میں قضائے حاجت کرے اور دوسرے یہ کہ ان کے سائے کی جگہ میں ایسا کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ لوگ جس راستے پر چلتے ہوں یا سائے کی جگہ آرام کرنے کے لئے بیٹھتے ہوں اگر کوئی گنوار آدمی وہاں قضائے حاجت کرے گا تو لوگوں کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے گی اور وہ اس کو برا بھلا کہیں گے اور لعنت کریں گے۔ لہٰذا ایسی باتوں سے بچنا چاہیے اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے، اس میں راستے اور

سائے کے علاوہ ایک تیسری جگہ موارد کا بھی ذکر ہے۔ جس سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں پانی کا کوئی انتظام ہو اور اس کی وجہ سے لوگ وہاں آتے ہوں۔ اصل مقصد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کا بس یہ ہے کہ اگر گھر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ضرورت پیش آ جائے تو ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور ان کے لئے باعث تکلیف نہ بنے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِىْ مُسْتَحَمِّهٖ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی ہرگز ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل خانے میں پہلے پیشاب کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے، اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

تشریح: مطلب یہ کہ ایسا کرنا بہت ہی غلط اور بڑی بدتمیزی کی بات ہے کہ آدمی اپنے غسل کرنے کی جگہ میں پہلے پیشاب کرے اور پھر وہیں غسل یا وضو کرے، ایسا کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے پیشاب کی چھینٹوں کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ اس آخری جملے سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب غسل خانہ میں پیشاب کے بعد غسل یا وضو کرنے سے ناپاک جگہ کی چھینٹوں کے اپنے اوپر پڑنے کا اندیشہ ہو ورنہ اگر غسل خانہ کی بناوٹ ایسی ہے کہ اس میں پیشاب کے لئے الگ جگہ بنی ہوئی ہے یا اس کا فرش ایسا بنایا گیا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد پانی بہا دینے سے اس کی پوری صفائی اور طہارت ہو جاتی ہے تو پھر اس کا حکم یہ نہیں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِىْ جُحْرٍ. (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: جنگل میں اور اسی طرح گھروں میں جو سوراخ ہوتے ہیں وہ عموماً حشرات الارض کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گنوار آدمی یا نادان بچہ کسی سوراخ میں پیشاب کرے تو ایک تو اس میں رہنے والے حشرات الارض کو بے ضرورت اور بے فائدہ تکلیف ہوگی، دوسرے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ سوراخ سانپ یا بچھو جیسی کسی زہریلی چیز کا ہو اور اچانک نکل کر کاٹ لے ایسے واقعات بکثرت نقل بھی کئے گئے ہیں، بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (جو امت کے ہر طبقے کے لئے اصل مربی اور معلم ہیں) سوراخ میں پیشاب کرنے سے ان ہی وجوہ سے بتاکید منع فرمایا ہے۔

قضاء حاجت کے مقام پر جانے کی دُعا

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. (رواه ابو داؤد وابن ماجه)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حاجت کے ان مقامات

میں خبیث مخلوق شیاطین وغیرہ رہتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب بیت الخلاء جاوے تو چاہیے کہ پہلے یہ دعا کرے کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں خبیثوں اور خبیثنیوں سے۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

تشریح: جس طرح ملائکہ کو طہارت و نظافت اور ذکر اللہ سے اور ذکر و عبادت کے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہیں ان کا جی لگتا ہے اسی طرح شیاطین جیسی خبیث مخلوقات کو گندگیوں سے اور گندے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہی اُن کے مراکز اور دلچسپی کے مقامات ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو یہ تعلیم دی کہ قضائے حاجت کی مجبوری سے جب کسی کو ان گندے مقامات میں جانا ہو تو پہلے رہنے والے خبیثوں اور خبیثنیوں کے شر سے اللہ سے پناہ مانگے، اُس کے بعد وہاں قدم رکھے .... ہم عوام کا حال یہ ہے کہ نہ ذکر و عبادت کے مقامات میں ہم فرشتوں کی آمد اور اُن کا نزول محسوس کرتے ہیں اور نہ گندے مقامات پر ہمیں شیاطین کے وجود کا احساس ہوتا ہے لیکن صادق و مصدوق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ کے بعض بندے اس کے خاص فضل سے ان حقیقتوں کو کبھی کبھی خود بھی اسی طرح محسوس کرتے ہیں اور اس سے ان کے ایمان میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔

قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دُعا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ "غُفْرَانَكَ". (رواه الترمذی و ابن ماجه)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے "غُفْرَانَكَ" (اے اللہ تیری پوری مغفرت کا طالب و سائل ہوں)۔ (ترمذی و سنن ابن ماجہ)

تشریح: قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مغفرت طلبی کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ لطیف اور دل کو لگنے والی توجیہ اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کے لئے ایک قسم کے انقباض اور گرانی کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ وقت پر خارج نہ ہو تو اُس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہو جائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے۔ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ صحیح احساس رکھنے والے عارفین کے لئے بالکل یہی حال گناہوں کا ہے وہ ہر طبعی انقباض اور دنیا کے ہر اندرونی اور بیرونی بوجھ اور ہر گرانی سے زیادہ گناہوں کے بوجھ اور اُن کی گرانی اور اذیت کو محسوس کرتے ہیں اور گناہوں کے بارے میں اپنی پیٹھ کے ہلکا ہونے کی فکر ان کو بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہم جیسے عام انسانوں کو پیٹ اور آنتوں سے گندے فضلے کے خارج ہونے کی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس بشری تقاضے سے فارغ ہوتے اور انسانی فطرت کے مطابق طبیعت ہلکی اور منشرح ہوتی تو مذکورہ بالا احساس کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ جس طرح تو نے اس گندے فضلے کو میرے جسم سے خارج کر کے میری طبیعت کو ہلکا کر دیا اور مجھے راحت و عافیت عطا فرمائی اسی

طرح میرے گناہوں کی پوری پوری مغفرت فرما کر میری روح کو پاک صاف اور گناہوں کے بوجھ سے میری پیٹھ کو ہلکا کر دے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔ (رواہ النسائی)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ" الخ (اس اللہ کے لئے حمد و شکر جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی۔ (سنن نسائی)

تشریح: حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء سے باہر آ کر "غُفْرَانَکَ" کہتے تھے اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے یہ دوسری دعا معلوم ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ مضمون کے لحاظ سے یہ دونوں دعائیں موقع کے بہت مناسب اور برمحل ہیں، اس لئے خیال یہ ہے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہتے ہوں گے اور کبھی وہ۔ واللہ اعلم۔

وضو کے فضائل و برکات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بہیمیت سے مغلوب نہیں ہوئی ہے وہ حدث کی حالت میں یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے ان کا وضو ٹوٹ جائے تو اپنے باطن میں وہ ایک گونہ ظلمت و کدورت اور ایک طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں۔ (اور اصل حدث کی یہی کیفیت ہے) اور شریعت اسلامی نے اسی کے ازالے کے لئے وضو مقرر فرمایا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح امت کو وضو کا طریقہ اور اس کے متعلق احکام بتلائے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے ہیں، پہلے چند حدیثیں اسی سلسلہ کی پڑھ لی جائیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھوتا ہے اور اس پر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرہ سے وہ سارے گناہ نکل جاتے ہیں (اور گویا دُھل جاتے ہیں) جو اس کی آنکھ سے ہوئے تھے، اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں اور دُھل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں سے ہوئے، اس کے بعد جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے پاؤں سے خارج ہو جاتے ہیں جو اس کے پاؤں سے ہوئے اور جن کے لئے اس کے پاؤں استعمال

ہوئے یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہونے کے ساتھ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: یہاں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔

۱) حدیث شریف میں وضو کے پانی کے ساتھ گناہوں کے جسم سے نکل جانے اور دھل جانے کا ذکر ہے، حالانکہ گناہ میل کچیل اور ظاہری نجاست جیسی کوئی چیز نہیں ہے جو پانی کے ساتھ نکل جائے اور دھل جائے۔ بعض شارحین حدیث نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ گناہوں کے نکل جانے کا مطلب صرف معافی اور بخشش ہے اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ بندہ جو گناہ جس عضو سے کرتا ہے اس کا ظلماتی اثر اور اس کی نحوست پہلے اس عضو میں اور پھر اس شخص کے دل میں قائم ہو جاتی ہے، پھر جب اللہ کے حکم سے اور اپنے کو پاک کرنے کے لئے وہ بندہ سنن و آداب کے مطابق وضو کرتا ہے تو جس جس عضو سے اس نے گناہ کئے ہوتے ہیں اور گناہوں کے جو گندے اثرات اور جو ظلمتیں اس کے اعضاء اور اس کے قلب میں قائم ہو چکی ہوتی ہیں وضو کے پانی کے ساتھ وہ سب دھل جاتی اور زائل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی اور مغفرت بھی ہو جاتی ہے۔ یہی دوسری توجیہ اس عاجز کے نزدیک حدیث کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اس حدیث میں چہرہ کے دھونے کے ساتھ صرف آنکھوں کے گناہوں کے دھل جانے اور نکل جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے حالانکہ چہرہ میں آنکھوں کے علاوہ ناک اور زبان و دہن بھی ہیں اور بعض گناہوں کا تعلق انہی سے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں اعضاء وضو کا استیعاب نہیں فرمایا ہے بطور تمثیل کے آنکھوں اور ہاتھوں پاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ اس مضمون کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مالک اور امام نسائی نے عبداللہ الصنابحی سے روایت کیا ہے) اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ اس میں کلی اور ناک کے پانی (مضمضہ واستنشاق) کے ساتھ زبان و دہن اور ناک کے گناہوں کے نکل جانے اور دھل جانے کا اور اسی طرح کانوں کے مسح کے ساتھ کانوں کے گناہوں کے نکل جانے کا بھی ذکر ہے۔

۳) نیک اعمال کی یہ تاثیر ہے کہ وہ گناہوں کو مٹاتے اور ان کے داغ دھبوں کو دھو ڈالتے ہیں قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ارشاد فرمایا گیا ہے "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (ھود، ۱۱:۱۱۴) یعنی نیک اعمال گناہوں کو مٹا دیتے ہیں ...... اور احادیث میں خاص خاص اعمال حسنہ کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ فلاں نیک عمل گناہوں کو مٹا دیتا ہے، فلاں نیک عمل گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے، فلاں نیک عمل گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اس قسم کی بعض حدیثیں اس سلسلہ میں پہلے گذر چکی ہیں اور آئندہ بھی مختلف ابواب میں آئیں گی۔ ان میں سے بعض حدیثوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ان نیک اعمال کی برکت سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، اسی بنا پر اہل حق اہل السنۃ اس کے قائل ہیں کہ اعمال حسنہ سے صرف صغائر ہی کی تطہیر ہوتی ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ. (النساء ۴:۳۱)

اگر تم کبائر منہیات (بڑے بڑے گناہوں) سے بچتے رہو گے تو تمہاری (معمولی) برائیاں اور غلطیاں ہم تم سے دفع کر دیں گے۔

الغرض مندرجہ بالا حدیث میں وضو کی برکت سے جن گناہوں کے نکل جانے اور دھل جانے کا ذکر ہے اُن سے مراد صغائر ہی ہیں کبائر کا معاملہ بہت سنگین ہے اس زہر کا تریاق صرف توبہ ہی ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ. (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو وہ اعمال نہ بتاؤں جن کی برکت سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجے بلند فرماتا ہے؟ حاضرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا حضرت ضرور بتلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (۱) تکلیف اور ناگواری کے باوجود پوری طرح کامل وضو کرنا۔ (۲) اور مسجد وں کی طرف قدم زیادہ پڑنا (۳) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا، بس یہی ہے حقیقی رباط یہی ہے اصلی رباط۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین عملوں کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور درجوں میں ترقی ہوتی ہے ایک یہ کہ وضو کرنے میں اگر کسی وجہ سے تکلیف اور مشقت ہو تو اس کے باوجود وضو پورا پورا کیا جائے اور اس میں خلاف سنت اختصار سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً سردی کا موسم ہے اور پانی ٹھنڈا ہے، یا پانی کم ہے جو پورا وضو سنت کے مطابق کرنے اور ہر عضو کو تین تین دفعہ دھونے کے لئے کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنے کے لئے پانی کچھ دور سے لانا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں تکلیف اور مشقت اٹھا کر سنت کے مطابق کامل وضو کرنا ایسا محبوب عمل ہے جس کی برکت سے بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اس کے درجے بلند کر دیے جاتے ہیں۔ دوسرا عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا "مسجد کی طرف قدموں کا زیادہ پڑنا" یعنی مسجد سے زیادہ تعلق رکھنا اور نماز کے لئے بار بار مسجد کی طرف جانا اور ظاہر ہے کہ جس کا مکان مسجد سے جتنے زیادہ فاصلے پر ہوگا اس کا حصہ اس سعادت میں اسی حساب سے زیادہ ہوگا اور تیسرا عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا "ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا" اور دل کا اسی میں لگا رہنا اور ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندہ کا ہوگا جس کے دل کو نماز سے چین و سکون ملتا ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ" والی کیفیت کا کوئی ذرہ جس کو نصیب ہوگا۔

حدیث کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہی حقیقی رباط ہے، یہی اصلی رباط ہے" رباط کے معروف معنی اسلامی سرحد پر پڑاؤ کے ہیں۔ دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لئے جو مجاہدین سرحد پر متعین کر دیے جاتے ہیں اُن کے پڑاؤ کو رباط کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا عظیم الشان عمل ہے، ہر وقت جان خطرہ میں رہتی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تین اعمال کو غالباً اس لحاظ سے "رباط" فرمایا ہے کہ ان تینوں عملوں کا اہتمام شیطان کی غارت گری سے حفاظت کی بڑی محکم تدبیر ہے اور شیطانی حملوں سے اپنے ایمانوں کی حفاظت مقصدی لحاظ سے ملکی سرحدات کی حفاظت سے بھی اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِىْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ

مَابَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَ اِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ. (رواہ النسائی)

شبیب بن ابی روح رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ روم شروع کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس میں اشتباہ ہو گیا اور خلل پڑ گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔ (سنن نسائی)

تشریح: معلوم ہوا کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے بُرے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں اور اتنے پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہوتا تھا تو پھر ہم عوام کس شمار وقطار میں ہیں لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر زنگ کی تہیں کی تہیں جم گئی ہیں اس لئے ہم کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسانوں کے قلوب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے اصحاب قلوب صوفیاء کرام نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

مسواک کی اہمیت اور فضیلت

طہارت ونظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری اُمت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا۔ مسواک کے جو طبی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے آج کل کا ہر صاحب شعور اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد مسواک کی ترغیب وتاکید کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات پڑھئے!

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ. (رواہ الشافعی)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔'' (مسند امام شافعی)

تشریح: کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ حیاۃ دنیا کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجر اخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں۔ منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے، یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کے لئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی کرتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نیند سے جاگنے کے بعد، خاص کر رات کو تہجد کے لئے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے، اس کے علاوہ باہر سے جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کئے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا بھی ہو جب بھی مسواک کر لینی چاہیے۔ ہمارے علمائے کرام نے انکی حدیث کی بناء پر لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے لیکن پانچ موقعوں پر مسواک کی اہمیت زیادہ ہے۔ وضو میں، نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت، اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو گیا ہو، اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے اور سوتے سے اٹھنے کے وقت اور منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آ جانے کے وقت ان کی صفائی کے لئے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ. (رواہ مسلم)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دس چیزیں ہیں جو امور فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا ترشوانا، داڑھی کا چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے اہتمام سے) دھونا، بغل کے بال لینا، موئے زیر ناف کی صفائی کرنا اور پانی سے استنجا کرنا۔ حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ان دس چیزوں کو "مِنَ الْفِطْرَةِ" یعنی امور فطرت میں سے کہا گیا ہے۔ بعض شارحین حدیث کی رائے یہ ہے کہ الفطرۃ سے مراد یہاں سنت انبیاء یعنی پیغمبروں کا طریقہ ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی حدیث کی مستخرج ابی عوانہ کی روایت میں فطرۃ کی جگہ سنت کا لفظ ہے، یعنی اس میں "عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ" کی بجائے "عَشْرٌ مِنَ السُّنَّةِ" کے الفاظ ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو الفطرۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طریقہ پر خود زندگی گزاری اور اپنی اپنی امتوں کو جس پر چلنے کی ہدایت کی اس میں یہ دس باتیں شامل تھیں۔ گویا یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم اور ان کے مشترکہ معمولات سے ہیں۔

بعض شارحین نے الفطرۃ سے دین فطرت یعنی دین اسلام مراد لیا ہے۔ قرآن مجید میں دین کو فطرت کہا گیا ہے، ارشاد ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (پس سیدھا کرو اپنا رُخ سب طرف سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف، اللہ کی بنائی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا، اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں، یہ دین ہے سیدھا پکا) (الروم ۳۰:۳۰)

اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں دین فطرت یعنی اسلام کے اجزاء یا احکام میں سے ہیں۔

اور بعض شارحین نے الفطرۃ سے انسان کی اصل فطرت و جبلت ہی مراد لی ہے اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں جو اللہ نے اس کی بنائی ہے۔ گویا جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان اور نیکی اور طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور کفر اور فواحش و منکرات اور گندگی و ناپاکی کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح مذکورہ بالا دس چیزیں ایسی ہیں کہ انسانی فطرت (اگر کسی خارجی اثر سے ماؤف اور فاسد نہ ہو چکی ہو) تو ان کو پسند ہی کرتی ہے اور حقیقت شناسوں کو یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو دین اور زندگی کا طریقہ لے کر آتے ہیں وہ دراصل انسانی فطرت کے تقاضوں ہی کی مستند اور منضبط تشریح ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث کے لفظ الفطرۃ کا مطلب خواہ سنت انبیاء ہو خواہ دین فطرت اسلام ہو اور خواہ انسان کی اصل فطرت و جبلت ہو، حدیث کا مدعا تینوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا اور وہ یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اس منضبط طریقۂ زندگی اور اس دین کے اجزاء و احکام میں سے ہیں جو دراصل انسان کی اصل فطرت و جبلت کا تقاضا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے خاص حکیمانہ طرز پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں فرماتے ہیں:

"یہ دس گنی باتیں جو دراصل طہارت و نظافت کے باب سے تعلق رکھتی ہیں ملت حنفیہ کے مؤسس و مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں۔ اور ابراہیمی طریقہ پر چلنے والی حنفی امتوں میں عام طور سے ان کا رواج رہا ہے اور ان پر ان کا عقیدہ بھی رہا ہے۔ قرنہا قرن تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اور مرتے رہے ہیں، اسی لئے ان کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ ملت حنفی کے شعائر ہیں۔ اور ہر ملت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقرر و معلوم شعائر ہوں اور وہ ایسے علانیہ ہوں جن سے اس ملت والوں کو پہچانا جا سکے اور ان میں کوتاہی کرنے پر ان سے مواخذہ کیا جا سکے تاکہ اس ملت کی فرمانبرداری اور نافرمانی احساس اور مشاہدہ کی گرفت میں آسکے، اور یہ بھی قرین حکمت ہے کہ شعائر ایسی چیزیں ہوں جو نادر الوقوع نہ ہوں اور ان میں معتدبہ فوائد ہوں اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کریں اور ان دس چیزوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

جسم انسانی کے بعض حصوں میں پیدا ہونے والے بالوں کے بڑھنے سے پاکیزگی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم فطرت اسی طرح منقبض اور مکدر ہوتی ہے جس طرح کہ حدث سے یعنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے سے ہوا کرتی ہے۔ بغل میں اور ناف کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا حال یہی ہے۔ اسی لئے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے

قلب و روح میں ایک نشاط اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہے۔ اور بالکل یہی حال ناخنوں کا بھی ہے۔ اور ڈاڑھی کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لئے شرف اور جمال ہے اور اسی سے ان کی مردانہ ہیئت کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ سنت انبیاء ہے۔ اس لئے اس کا رکھنا ضروری ہے۔ اور اس کا صاف کرانا مجوس وہنود وغیرہ اکثر غیر مسلم قوموں کا طریقہ ہے۔ نیز چونکہ بازاری قسم کے اور نچلی سطح کے لوگ عموماً ڈاڑھیاں نہیں رکھتے اس لئے ڈاڑھیاں نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھ جانے اور لمبا رکھنے میں کھلا ہوا ضرر یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں اور ناک سے خارج ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی وہی ہے اس لئے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ ہونے پائیں اس واسطے مونچھوں کے ترشوانے کا حکم دیا گیا ہے اور کلی اور پانی کے ذریعہ ناک کی صفائی اور مسواک اور پانی سے استنجا اور اہتمام سے انگلیوں کے ان جوڑوں کو دھونا جن میں میل کچیل رہ جاتا ہے، صفائی اور پاکیزگی کے نقطۂ نظر سے ان سب چیزوں کی ضرورت واہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔"

بعض اکابر علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جسم کی صفائی اور اپنی ہیئت اور صورت کی درستی اور ایسی ہر چیز کا ازالہ اور اس سے اجتناب جس سے گھن آئے اور کراہیت پیدا ہو احکام فطرت میں سے ہے اور طریقہ انبیاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صورت کی تحسین کو اپنا خاص انعام و احسان بتلایا ہے۔ "وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ"۔

اس حدیث کو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے، ان سے روایت کرنے والے طلق بن حبیب ہیں، اور ان سے روایت کرنے والے مصعب بن شیبہ ہیں۔ ان کے شاگرد زکریا بن ابی زائدہ ہیں۔ ان ہی زکریا نے اپنے شیخ مصعب سے یہ حدیث روایت کی ہے جس میں انہوں نے دس چیزوں میں سے نو تو وثوق سے ذکر کیا اور دسویں کے متعلق بتلایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہی، البتہ میرا خیال ہے کہ وہ مضمضہ (کلی) کرنا تھا۔

وضو نماز کی کنجی ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ. (رواه احمد)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے۔ (مسند احمد)

تشریح: اس حدیث میں طہور یعنی وضو کو نماز کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ گویا جس طرح کوئی شخص کسی مقفل گھر میں کنجی سے اس کا تالا کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر وضو کے نماز میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ان چاروں حدیثوں کی تعبیر میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن ماحصل اور مدعا سب کا یہی ہے کہ نماز کے قابل قبول ہونے کے لئے وضو شرط ہے۔ نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری اور اس سے مخاطب و مناجات کی عملی اور انتہائی شکل ہے، جس کے آگے اس دنیا میں ممکن نہیں، اس لئے اس کے ادب کا حق تو یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے سارے جسم کے غسل اور بالکل پاک صاف اچھا لباس پہننے کا حکم دیا جاتا لیکن چونکہ اس پر عمل بہت مشکل

ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم صرف اتنا ضروری قرار دیا کہ نماز پاک کپڑے پہن کر پڑھی جائے اور سارے جسم کے غسل کے بجائے صرف وضو کرلیا جائے جس میں وہ سارے ظاہری اعضاء دھل جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے وہی سارے جسم کے قائم مقام قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ نیز ہاتھ پاؤں اور چہرہ اور سر یہی وہ اعضاء ہیں جو عام طور پر لباس سے باہر رہتے ہیں اس لئے وضو میں صرف انہی کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وضو نہ ہونے کی حالت میں طبیعت میں جو ایک خاص قسم کا روحانی تکدر اور انقباض ہوتا ہے اور وضو کرنے کے بعد انشراح و انبساط کی ایک خاص کیفیت اور ایک خاص طرح کی لطافت و نورانیت جو انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے۔ جن بندگان خدا کو ان کیفیتوں کا احساس اور تجربہ ہوتا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نماز کے لئے وضو کو لازمی شرط قرار دیئے جانے کا اصل راز کیا ہے، باقی اتنی بات تو ہم سب عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس اور عالی بارگاہ میں حاضری کا ادب ہے۔ اللہ کے جو بندے صرف اتنی بات سمجھ کر بھی وضو کریں گے۔ ان شاء اللہ وہ بھی اپنے وضو میں ایک خاص لذت و نورانیت محسوس کریں گے۔

وضو کا طریقہ

عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلٰثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلٰثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (رواہ البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی ڈالا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لے کر اس کو نکالا اور ناک کی صفائی کی پھر تین دفعہ اپنا پورا چہرہ دھویا۔ اس کے بعد داہنا ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا۔ پھر اسی طرح بایاں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، اس کے بعد سر کا مسح کیا، پھر داہنا پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بایاں پاؤں تین دفعہ دھویا۔ (اس طرح پورا وضو کرنے کے بعد) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے وضو کے مطابق وضو کیا پھر دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ کے ساتھ) ایسی پڑھی جو حدیث نفس سے خالی رہی (یعنی دل میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں سوچیں) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہوگئے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا جو طریقہ بتلایا ہے بلکہ عملاً کر کے دکھایا ہے، یہی وضو کا افضل اور مسنون طریقہ ہے البتہ اس میں کلی اور پانی سے ناک کی صفائی سے متعلق نہیں بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے دفعہ کیا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں تین تین دفعہ کی تصریح ہے۔

آگے حدیث میں جو دو رکعتیں خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے، ضروری نہیں کہ وہ نفل ہی ہوں، بلکہ اگر کسی کو

مسنون طریقہ پر وضو کر کے کوئی فرض یا سنت نماز بھی ایسی نصیب ہوگی جو حدیث نفس سے یعنی ادھر ادھر کے خیالات سے خالی رہی تو ان شاء اللہ حدیث کی موعود مغفرت اس کو بھی حاصل ہوگی۔

شارحین احادیث اور عارفین نے لکھا ہے کہ حدیث نفس یہ ہے کہ ادھر ادھر کا کوئی خیال ذہن میں آئے اور دل اس میں مشغول ہو جائے، لیکن اگر کوئی خطرہ دل میں گزرے اور دل اس میں مشغول نہ ہو بلکہ اس کو ہٹانے اور دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ مضر نہیں ہے اور یہ چیز کاملین کو بھی پیش آتی ہے۔

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ کی اس مندرجہ بالا آیات میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا، ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے، یا جن کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اور اس کے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے۔ مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کی بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا اور مل مل کر دھونا، ڈاڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچنے میں شبہ نہ رہ جائے اسی طرح کلی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور خاتمہ وضو کی دعا کرنا، یہ سب وضو کی سنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (رواه الترمذى و ابن ماجه)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لئے بغیر وضو کیا، اس کا وضو ہی نہیں۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: امت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ اللہ کا نام لئے بغیر کیا جائے وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہوگا اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے۔ اگلے ہی نمبر پر ابو ہریرہ و ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا نام لئے بغیر جو وضو کیا جائے وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَإِنَّهُ يُطَهِّرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ يُطَهِّرْ إِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ. (رواه الدار قطنى)

حضرت ابو ہریرہ و ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام لے، تو یہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے اور جو کوئی وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام نہ لے، تو وہ وضو اس کے صرف اعضائے وضو ہی کو پاک کرتا ہے۔ (سنن دار قطنی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ پڑھ کر یا اسی طرح کوئی کلمہ ذکر زبان سے ادا کر کے کیا جائے تو اس کے اثر سے سارا جسم مطہر اور منور ہو جاتا ہے اور جو وضو اللہ کا نام لئے اور اس کا ذکر کئے بغیر کیا جائے تو اس سے صرف اعضاء وضو ہی کی طہارت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وضو بہت ناقص قسم کا ہوتا ہے۔

وضو کا ایک ادب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلوٰةِ الْفَجْرِ حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلاً أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُورًا فِي سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا وَصَلَّيْتُ بِذَالِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد بلال سے فرمایا تمہیں اپنے جس اسلامی عمل سے سب سے زیادہ امید خیر و ثواب کی ہو وہ مجھے بتلاؤ کیونکہ میں نے تمہارے چپلوں کی چاپ جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوں، تو تمہیں سب سے زیادہ ثواب اور رحمت کی امید ہو) بلال نے عرض کیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ امید اپنے اس عمل سے ہے کہ میں نے رات یا دن کے کسی وقت میں جب بھی وضو کیا ہے تو اس وضو سے میں نے نماز ضرور ہی پڑھی ہے، جتنی نماز کی بھی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت توفیق ملی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں کی آہٹ یا چپلوں کی چاپ جنت میں سننے کی جو اطلاع دی ہے، جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ یہ خواب کا واقعہ ہے اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی ہی میں جنت میں کس طرح پہنچ گئے البتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت میں دیکھنا اور وہاں کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنتی ہیں بلکہ درجہ اول کے جنتیوں میں ہیں۔

اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خواہ فرض ہو، خواہ سنت، خواہ نفل۔

مسنون وضو

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے ایک برتن میں پانی منگوایا، پھر اس میں سے پانی اپنی دونوں ہتھیلیوں پر تین بار بہایا اور دونوں ہتھیلیاں تین بار دھوئیں۔ پھر اپنا داہنا ہاتھ اس برتن میں ڈال کر پانی لے کر کلی کی اور ناک جھاڑی، پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا پھر سر کا مسح کیا۔ پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ

رأيتُ رسولَ اللهِ صلى اللهُ عليهِ وسلَّم توضَّأ نحوَ وضوئي هذا ثم قال من توضَّأ نحوَ وضوئي ثم صلَّى ركعتين لا يُحدِّثُ فيهما نفسَهُ غفرَ اللهُ لهُ ما تقدَّمَ من ذنبِه.

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ میرے اسی طریقہ پر وضو کیا پھر فرمایا کہ جو شخص میرے اس طریقے کے مطابق وضو کرے، پھر دو رکعت نماز نفل پڑھے (تحیۃ الوضوء) جس میں وہ اپنے جی میں بھی کوئی بات نہ کرے تو اس کے پچھلے تمام گناہ (صغیرہ) معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: یہ حدیث اگرچہ ظاہر میں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں معلوم ہوتی کیونکہ یہ روایت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ تاہم یہ حدیث حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے کیونکہ روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ میرے وضو کی طرح وضو فرمایا، پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص میرے اسی وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پوری نماز میں کوئی وسوسہ اور دنیاوی بات اس کے دل میں نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہ (صغیرہ) معاف فرما دیتے ہیں۔

اس حدیث میں کلی کرنے اور ناک صاف کرنے کا ذکر تو کیا گیا ہے لیکن ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں ہے، اس کی توضیح یہی ہے کہ ناک جھاڑنا اور صاف کرنا تو ناک میں پانی لینے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس لئے روایت ضمناً خود ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلے ناک میں پانی ڈالا ہوگا، پھر ناک جھاڑی اور صاف کی ہوگی۔ اسی طرح سر کے مسح کے لئے صرف سر کا ذکر ہے، راوی نے کانوں کے مسح کا ذکر نہیں کیا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کان سر کے ساتھ اور اس کے تابع ہیں، سر کے ساتھ ہی ان کا مسح ہوتا ہے، علیحدہ سے مستقل مسح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث مذکورہ میں یہ بات جو کہی گئی ہے کہ وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھی جانے والی نماز میں اپنے جی میں بھی کوئی بات نہ کرے، یعنی کسی قسم کا وسوسہ و خیال نہ آئے، اس سے دنیاوی بات مراد ہے۔ آخرت کا یا دوزخ، جنت کا خیال آئے تو وہ حدیث شریف کے خلاف نہ ہوگا۔ اسی طرح یہ بات بھی سمجھ لیں کہ گناہوں کی معافی صرف صغیرہ گناہوں کی ہوتی ہے، گناہ کبیرہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور حقوق العباد کے گناہ صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہوں گے۔

غسل کا طریقہ

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی رکھا کہ آپ غسل فرمائیں تو

فأفرغَ على يديهِ فغسلهما مرتين أو ثلاثًا ثم أفرغَ بيمينهِ على شمالهِ فغسلَ مذاكيرَهُ ثم دلكَ يدَهُ بالأرضِ ثم مضمضَ واستنشقَ ثم غسلَ وجهَهُ ويديهِ ثم غسلَ رأسَهُ ثلاثًا ثم أفرغَ على جسدِهِ ثم تنحَّى عن مقامِهِ فغسلَ قدميهِ.

آپ نے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی بہایا اور انہیں دو یا تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا

اور شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنے ہاتھ مٹی پر رگڑ کر دھوئے۔ پھر کلی کی اور ناک (میں پانی لے کر) صاف کیا۔ پھر اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے۔ پھر تین بار اپنا سر دھویا، پھر اپنے پورے جسم پر پانی بہایا۔ پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس روایت کی راویہ حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ ہیں۔ یہ غسل آپ نے ان کے مکان میں فرمایا ہوگا۔

حدیث شریف میں "شرمگاہ" کے معنی میں لفظ "مذاکیر" استعمال کیا گیا ہے۔ غسل جنابت میں سب سے پہلے دونوں ہاتھ پاک کئے جائیں گے۔ پھر "شرمگاہ" اور نجاست دھوئی جائے گی۔ حدیث زیر درس میں شرمگاہ کے دھونے کے بعد ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر دھونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے غرض یہ ہے کہ نجاست کی جگہوں پر ہاتھ لگنے کی وجہ سے ہاتھ میں بدبو آجاتی ہے۔ اسے دور کرنے کے لئے ہاتھ کو مٹی پر رگڑنے سے وہ بدبو دور ہو جاتی ہے۔ صفائی و پاکیزگی کی یہ ضرورت اب صابن کے استعمال سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن سنت کا ثواب و فضیلت تو مٹی ہی سے صاف کرنے میں حاصل ہوگی۔

اس حدیث میں پچھلی حدیث کے برخلاف ناک میں صرف پانی ڈالنے کا تو ذکر ہے لیکن ناک جھاڑنے اور صاف کرنے کا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں۔ کہیں ایک کو ذکر کیا لیکن دوسرے کو ذکر نہیں کیا۔ اور کہیں دونوں کا ذکر کر دیا۔ اسی طرح اگلے فقرہ میں چہرہ اور ہاتھ دھونے کا ذکر ہوا۔ مگر سر اور کان کے مسح کا ذکر رہ گیا۔ بلکہ سر کو تین بار دھونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے نماز کے وضو کی طرح وضو کیا۔ اس روایت کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے وضو میں سر دھونے سے پہلے سر اور کانوں کا مسح بھی فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے سر مبارک دھونے سے پہلے سر کے بالوں کی جڑ میں پانی کے ساتھ خلال فرمایا تھا تاکہ سردی کی وجہ سے زکام کا اثر نہ ہونے پائے۔ اس روایت میں پاؤں دھونے کے لئے اس اصل جگہ سے ہٹ جانے کا ذکر ہے۔ اس کی غرض بھی صرف یہ ہے کہ بعض جگہوں پر غسل کی وجہ سے کیچڑ ہو جاتا ہے اس لئے وہاں دوسری جگہ پاؤں دھوئے اور جوتے پہن لئے۔

گناہوں کو ختم کرنے والے اعمال

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے اصحاب کرام سے) فرمایا کیا میں تم لوگوں کو ایسے کام نہ بتا دوں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں معاف کر کے مٹا دیں اور جن کی وجہ سے گناہوں کا کفارہ فرما دیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، ہاں ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتائیں: آپ نے فرمایا

اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ.

ایسے وقت میں وضو کرنا جب (سردی یا کسی بھی وجہ سے) وضو کرنا گراں اور ناگوار لگے، ہو اس وقت خوب اچھی طرح سے تمام اعضاء وضو کو دھونا اور مسجد تک جانے کیلئے زیادہ قدم چل کر جانا اور ایک نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں لگ جانا (یہ تین کام گنانے کے بعد) آپ نے فرمایا جو شخص یہ تینوں کام کرتا ہے تو سمجھئے کہ وہ سرحد کی فوج میں رہ کر حفاظت اور پہرہ میں لگا رہا ہے۔ (بخاری مسلم)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بیان کئے ہوئے مضمون کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے اپنے مخاطب صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسے کام نہ بتا دوں؟ یہ استفہام اسی لئے تھا کہ چونکہ کچھ اہم بات بیان ہونے

جاری ہے، اس لئے تمام مخاطب پوری طرح متوجہ ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ اس وقت کوئی اہم بات ارشاد فرمانے والے ہیں۔ چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے کہ حدیث زیر درس میں نہایت اہمیت و فضیلت رکھنے والے تین چھوٹے چھوٹے اور نہایت آسان کام جو کران پر بڑے اجر و ثواب ملنے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ یعنی جس وقت وضو کرنا زیادہ سردی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے گراں اور ناگوار لگ رہا ہو، اس وقت طبیعت کے تقاضے کے خلاف خوب اچھی طرح مبالغہ کے ساتھ تمام اعضاء وضو کو دھو کر وضو کیا جائے، اور مسجد میں نماز جماعت کے لئے جتنے زیادہ قدم طے کئے جائیں گے اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔

اس موقع پر الفاظ حدیث میں پہلے تو ایک لفظ "خطایا" آیا ہے۔ یہ خطیہ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں جان بوجھ کر کوئی گناہ کرنا۔ دوسرا ایک لفظ "ذنب" آیا ہے۔ ذنب ایسے گناہ کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت و مواخذہ اور پکڑ ہوتی ہے۔ جبکہ وہ "ذنب" اور گناہ اپنی مرضی و اختیار سے جان بوجھ کر کیا گیا ہو۔ اس حدیث میں وضو کے وقت "اسباغ" کا لفظ آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وضو میں تمام اعضائے وضو کو خوب مبالغہ کے ساتھ اچھی طرح دھویا جائے کہ کوئی حصہ چھوٹنے نہ پائے۔ اسی موقع پر دوسرا ایک لفظ "علی المکارہ" آیا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت سردی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے وضو کرنا گوارا ہو اس ناگواری کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے خوب اچھی طرح وضو کیا جائے۔ دوسرے فقرہ میں ایک لفظ "کثرۃ الخطا الی المساجد" آیا ہے یہ لفظ "خطا" (حرف خا کے پیش کے ساتھ) خطوہ کی جمع ہے جس کے معنی "قدم" کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے زیادہ قدم چل کر دور سے آنا بھی بہت بڑی فضیلت اور اجر و ثواب کا کام ہے۔ جن کے مکان، دکان، کارخانے وغیرہ مسجد سے دور ہوں اور وہ زیادہ قدم چل کر مسجد آئیں وہ اس کے مستحق ہوں گے۔

تیسرا فقرہ "انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ" ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت کی نماز پڑھنے کے بعد اسی سے دوسرے وقت کی نماز کے انتظار میں لگ جائے۔ فجر کے بعد ظہر کا، ظہر کے بعد عصر کا، اور عصر کے بعد مغرب کا انتظار، اور مغرب کے بعد نماز عشاء کی فکر و انتظار میں لگا رہے۔ یہ انتظار بھی بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ ان تینوں کاموں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا ان مجاہدین کو ملتا ہے جو اسلامی فوجی چھاؤنیوں کی نگرانی میں لگا ہے۔

غسل جنابت کا طریقہ اور اس کے آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح اپنے قول و عمل سے وضو کا طریقہ اور اس کے آداب سکھائے اور بتلائے ہیں، اسی طرح غسل کا طریقہ اور اس کے آداب بھی تعلیم فرماتے ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ، قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي ثَلَاثًا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال برابر بھی جگہ دھونے سے چھوڑ دی تو اس کو دوزخ کا ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حدیث کے راوی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن بن گیا (یعنی میں نے معمول بنا لیا کہ جب ذرا بڑھے میں نے ان کو صاف کر دیا) ابوداؤد کی روایت کے مطابق یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں سارے جسم کو اس طرح دھویا جانا ضروری ہے کہ ایک بال بھر جگہ بھی دھونے سے باقی نہ رہ جائے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غسل کی سہولت کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر کے بال صاف کرانے کا اپنا جو معمول بنا لیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اس مقصد سے سر منڈانے کا طریقہ بھی جائز اور مستحسن ہے۔ اگرچہ اولیٰ سر پر بال رکھنے ہی کا طریقہ ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور باقی خلفائے راشدین کا معمول تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَتْنِيْ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةُ قَالَتْ اَدْنَيْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ غُسْلَهٗ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ اَفْرَغَ بِهٖ عَلٰى فَرْجِهٖ وَغَسَلَهٗ بِشِمَالِهٖ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الْاَرْضَ فَدَلَكَهَا دَلْكًا شَدِيْدًا ثُمَّ تَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اَفْرَغَ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ مِلْءَ كَفِّهٖ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى عَنْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ بِالْمِنْدِيْلِ فَرَدَّهٗ۔ (رواہ البخاری و مسلم و ھذا لفظ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے بیان کیا، کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل جنابت کے لئے پانی بھر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھ دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دو دفعہ یا تین دفعہ دھویا، پھر اپنا داہنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کے اس برتن میں ڈالا اور اس سے پانی لے کر اپنے مقام استنجا پر ڈالا، اور بائیں ہاتھ سے اس کو دھویا، پھر اپنے اس بائیں ہاتھ کو زمین پر مارا اور اس کو خوب زمین کی مٹی سے ملا اور رگڑا، پھر وضو کیا، جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد تین دفعہ اپنے سر پر پانی لپ بھر بھر کے ڈالا، پھر اپنے سارے جسم کو دھویا، پھر اس جگہ سے ہٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رومال دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو واپس فرما دیا (صحیحین ہی کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رومال استعمال کرنے کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسم پر سے پانی کو سونت دیا اور جھاڑ دیا) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو تین دفعہ دھوتے تھے (کیونکہ ان ہاتھوں ہی کے ذریعہ پورے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام استنجا کو بائیں ہاتھ سے دھوتے تھے اور داہنے ہاتھ سے

اس پر پانی ڈالتے تھے اس کے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی سے مل مل کے اور رگڑ رگڑ کر خوب مانجھتے اور دھوتے تھے، پھر اس کے بعد وضو فرماتے تھے (جس کے ضمن میں تین تین دفعہ کلی کرکے اور ناک میں پانی لے کر اس کی اچھی طرح صفائی کرکے منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کو غسل دیتے تھے اور حسب عادت ریش مبارک میں خلال کرکے اس کے ایک ایک بال کو غسل دیتے اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) اس کے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے تھے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے تھے، پھر غسل کی اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو پھر دھوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ غسل کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور باسلیقہ طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ غسل کی جگہ سے ہٹ کر پھر پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غالباً اس لئے دھوتے تھے کہ غسل کی وہ جگہ صاف اور پختہ نہیں ہوتی تھی۔

جمعہ کے دن غسل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّغْتَسِلَ فِیْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ رَاْسَهٗ وَجَسَدَهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر حق ہے (یعنی اس کے لئے ضروری ہے) کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے اس میں اپنے سر کے بالوں کو اور سارے جسم کو اچھی طرح دھوئے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جمعہ کے غسل کا تاکیدی حکم ہے اور صحیحین ہی کی ایک اور حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے غسل جمعہ کے لئے "واجب" کا لفظ بھی آیا ہے لیکن امت کے اکثر آئمہ اور علماء شریعت کے نزدیک اس سے اصطلاحی وجوب مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بھی وہی تاکید ہے جو حضرت ابوہریرہ کی مندرجہ بالا حدیث کا مدعا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری وضاحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے جو انہوں نے بعض اہل عراق کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سوال وجواب کی پوری تفصیل اس طرح مروی ہے کہ:

عراق کے بعض لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت حاضر ہوئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی طہارت و پاکیزگی ہے اور بڑی خیر ہے اس کے لئے جو اس دن غسل کرے اور جو (کسی وجہ سے اس دن) غسل نہ کرے تو (وہ گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ غسل) اس پر واجب نہیں ہے۔ (اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کے حکم کی شروعات کیسے ہوئی (واقعہ یوں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں) مسلمان لوگ غریب اور محنت کش تھے، صوف (یعنی اونٹ، بھیڑ وغیرہ کے بالوں سے بنے ہوئے بہت موٹے کپڑے) پہنتے تھے اور محنت مزدوری

میں اپنی پشتوں پر بوجھ لادتے تھے اور ان کی مسجد (مسجد نبوی) بھی بہت تنگ تھی اور اس کی چھت بہت نیچی تھی اور ساری مسجد بس ایک چھپر کا سائبان تو (جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن رہتی تھی) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جمعہ کو جب کہ سخت گرمی کا دن تھا گھر سے مسجد تشریف لائے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ صوف کے موٹے موٹے کپڑوں میں ان کو پسینے چھوٹ رہے تھے اور ان سب چیزوں نے مل ملا کر مسجد کی فضا میں بدبو پیدا کر دی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا کہ:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ أَحَدُكُمْ أَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهِ وَطِيْبِهِ.

اے لوگو! جب جمعہ کا یہ دن ہوا کرے تو تم لوگ غسل کیا کرو، اور جو اچھا خوشبودار تیل اور جو بہتر خوشبو جس کو دستیاب ہو وہ لگایا کرے)

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) اس کے بعد خدا کے فضل سے فقر و فاقہ کا وہ دور ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشحالی اور وسعت نصیب فرمائی، پھر صوف کے وہ کپڑے بھی نہیں رہے جن سے بدبو پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت و مشقت بھی نہیں رہی اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہو گئی اور اس کو وسیع کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کے پسینہ وغیرہ سے جو بدبو مسجد کی فضا میں پیدا ہو جاتی تھی وہ بات نہیں رہی۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس خاص حالت کی وجہ سے جس کی ان کے اس بیان میں تفصیل کی گئی ہے غسل جمعہ مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد جب وہ حالت نہیں رہی تو اس حکم کا وہ درجہ تو نہیں رہا، لیکن بہرحال اس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اب بھی اس میں خیر اور ثواب ہے۔ یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے۔

تیمم کا حکم

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِيْ فَأَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ فَأَتَى النَّاسُ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ فَقَالُوْا أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ أَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَبِالنَّاسِ مَعَهُ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ أَبُوْبَكْرٍ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلٰى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَعَاتَبَنِيْ أَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِيْ بِيَدِهِ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِيْ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى

اَصْبَحَ عَلٰی غَیْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ آیَۃَ التَّیَمُّمِ فَتَیَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَیْدُ بْنُ الْحُضَیْرِ وَھُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ مَاھِیَ بِاَوَّلِ بَرَکَتِکُمْ یَا اٰلَ اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ فَبَعَثْنَا الْبَعِیْرَ الَّذِیْ کُنْتُ عَلَیْہِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَہٗ. (رواہ البخاری و مسلم و اللفظ مسلم)

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، بیان فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں (تحقیقی قول کے مطابق غزوۂ ذات الرقاع میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر تھے (یہ دونوں مقام مدینہ طیبہ اور خیبر کے درمیان پڑتے ہیں) تو وہاں میرا ایک ہار (جو درحقیقت میری بڑی بہن اسماء کا تھا، اور میں نے عاریۃً ان سے لے کر گلے میں ڈال لیا تھا، ٹوٹ کر گر گیا اور گویا گم ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کر دی) تو اس کو تلاش کرانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں قیام فرمالیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی ٹھہر گئے، اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو کچھ لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ دیکھتے ہیں (آپ کی صاحبزادی) حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا کیا ہے، انہوں نے (ہار گم کر کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے، حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابوبکر صدیق میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اور آپ کو نیند آ گئی تھی، پس مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی اور صورت حال یہ ہے کہ یہاں (قریب میں) کہیں پانی نہیں ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ۔ والد ماجد نے مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور جو اللہ کو منظور تھا، اس وقت انہوں نے مجھے وہ سب کہا اور (غصہ سے) میرے پہلو میں کونچے لگائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اس لئے میں بالکل نہیں ہلی (کہ میرے حرکت کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام میں خلل نہ پڑے) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی ایسے مقام پر اور ایسی حالت میں کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، تو سب لوگوں نے تیمم کیا (اور تیمم کر کے نماز ادا کی گئی) تو اُسید بن حضیر نے (جو ان نقباء انصار میں سے ایک تھے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی) کہا کہ اے آل ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ تیمم کا حکم تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعے اُمت کو برکتیں مل چکی ہیں) حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (اس سب کے بعد) جب اس اونٹ کو اٹھایا گیا جو میری

سواری میں تھا، تو میرا وہ ہار اس کے نیچے مل گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّىْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ اَمَا تَذْكُرُ اَنَّا كُنَّا فِىْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ هٰذَا فَضَرَبَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ. (رواہ البخاری و مسلم نحوہ)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی ہے، اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں؟) حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جو وہاں موجود تھے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی) تو آپ نے تو اس حالت میں نماز نہیں پڑھی، اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہوگا، تو جب ہم سفر سے واپس آئے) تو میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ (زمین پر سارے جسم کو لٹانے اور خاک آلود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی) تمہارے لئے بس اتنا کرنا کافی تھا، یہ کہہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو پھونکا (تا کہ جو خاک دھول لگی ہو وہ اڑ جائے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نماز نہ پڑھنے کی شارحین نے مختلف توجیہیں کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ سہل الفہم یہ ہے کہ غالباً ان کو پانی مل جانے کا انتظار تھا اور اس کی کچھ امید تھی، اس لئے انہوں نے اس وقت تیمم کر کے نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا، واللہ اعلم۔ اور حضرت عمار کو اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ غسل جنابت کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا طریقہ ہے، اس لئے وہ اپنے اجتہاد سے زمین میں لوٹے پوٹے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے اپنے اس عمل کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس غلطی کی تصحیح فرما دی اور بتلا دیا کہ جنابت کی حالت میں غسل کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا ہے، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ وضو والے تیمم کا طریقہ جانتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف بس اشارہ فرما دیا۔

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تیمم میں مٹی یا خاک منہ پر یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر زمین پر یا مٹی پر ہاتھ مارنے سے ہاتھوں کو خاک دھول لگ جائے تو اس کو پھونک دینا بہتر ہے۔

تیمم

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے جنابت ہوگئی جہاں مجھے پانی نہ مل سکا تو میں نے تیمم کے لئے زمین پر لوٹ لگائی (کہ پورے بدن پر مٹی لگ جائے) اور نماز پڑھ لی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ

وَإِنَّمَا يَكْفِيكَ هٰذَا وَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ.

تمہارے لئے صرف اتنا ہی کافی تھا (یہ فرما کر) آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے (اور ہاتھوں پر لگی ہوئی مٹی کو جھاڑنے کے لئے) ہاتھوں پر منہ سے پھونک ماری پھر ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر لیا (بخاری و مسلم) (اور دار قطنی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا) (دار قطنی)

تشریح: حدیث شریف میں "أَجْنَبْتُ" کا لفظ آیا ہے یعنی مجھ کو جنابت ہوگئی، احتلام ہو گیا، غسل واجب ہو گیا اور یہ حالت سفر میں تھے، وہاں پانی نہ تھا، اس کے بعد دوسرا لفظ "تَمَعَّكْتُ" آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے کپڑے اتار کر زمین پر لوٹ لگائی کہ سارے بدن پر مٹی لگ جائے (یعنی حضرت عمارؓ کو قرآن مجید کی آیت معلوم تھی، تیمم کا حکم بھی معلوم تھا مگر یہ سمجھے کہ غسل کے تیمم کے لئے شاید پورے بدن پر مٹی لگانی پڑتی ہوگی۔ اسی لئے اپنی سمجھ کے مطابق یہی کیا) اور سفر سے واپس آنے پر اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ غسل کے تیمم کا طریقہ بھی یہی کافی تھا کہ اس طرح تیمم کرتے۔ یہ فرما کر آپ نے تیمم کر کے انہیں دکھلا دیا۔ اور مٹی پر ہاتھ مارنے کے بعد ہاتھوں پر پھونک اس لئے ماری کہ چہرے پر مٹی لگ کر بدصورت نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تیمم کے وقت دو بار ہاتھ مارے تھے ایک بار چہرے پر ملا تو دوسری بار دونوں ہاتھ کہنیوں تک ملے تھے۔ احتیاط اسی میں ہے، احناف کا مسلک بھی اسی احتیاط پر مبنی ہے۔

۞ ۞ ۞

کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

نماز کی برکات

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا هَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالُوْا لَا یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گی؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: صاحب بیان بندہ جس کو نماز کی حقیقت نصیب ہو۔ جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی روح گویا اللہ تعالیٰ کے بحر جلال و جمال میں غوطہ زن ہوتی ہے، اور جس طرح کوئی میلا کچیلا اور گندہ کپڑا دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک و صاف اور اجلا ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے انوار کی موجیں اس بندہ کے سارے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہیں، اور جب دن میں پانچ دفعہ یہ عمل ہو تو ظاہر ہے کہ اس بندہ میں میل کچیل کا نام و نشان بھی نہ رہے گا، یہی حقیقت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے۔

نماز کے اوقات

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلَوَاتِ فَقَالَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مَالَمْ یَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَالَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَیَسْقُطْ قَرْنُهَا الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ مَالَمْ یَسْقُطِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ. (رواہ البخاری و مسلم واللفظ لمسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز کے اوقات

کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو (یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور افق پر اس کا کنارہ ذرا بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آ جاتا، اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں اکثر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا آخری وقت کیا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی نماز کے بارہ میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔" اس شفق کی تعیین اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں، اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی رہتی ہے، اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے، پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور سیاہی آ جاتی ہے۔ پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے اس لئے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آ جاتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سرخی اور اس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے، اس لئے ان کے قول کے مطابق مغرب کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے اور وہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق ہے۔ اسی لئے بہت سے اکابر احناف نے اسی پر فتویٰ بھی دیا ہے۔

عشاء کا آخری وقت اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں میں آدھی رات تک بتایا گیا ہے لیکن دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے اس لئے جن حدیثوں میں عشاء کا وقت آدھی رات تک بتایا گیا ہے، ان کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے بعد پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازوں کے بارے میں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پنجگانہ نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انہوں نے بتایا کہ ظہر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی)

پڑھتے تھے، اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا (اس کی گرمی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اسوقت جب آفتاب غروب ہوتا، عشاء (کے بارے میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سویرا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو موخر کر کے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح: حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں ظہر کی نماز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا۔ جب سخت گرمی پڑتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حدت ختم ہو جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور اسی کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے۔ (صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں "فابردوا بالصلوٰۃ" کا لفظ ہے، اگرچہ مراد اس سے بھی ظہر ہی ہے)

تشریح: دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنہیں ہم خود بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں جو ہمارے احساس وادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کبھی ان کی طرف اشارے فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے" یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری سبب تو آفتاب ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن عالم باطن، اور عالم غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے اور یہ ان حقائق میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں۔ دراصل ہر راحت اور لذت کا مرکز اور سرچشمہ جنت ہے، اور ہر تکلیف و مصیبت کا اصل خزانہ اور سرچشمہ جہنم ہے، اس دنیا میں جو کچھ راحت ولذت یا تکلیف ومصیبت ہے وہ وہیں کے لامحدود خزانہ کا کوئی ذرہ اور اسی اتھاہ سمندر کا کوئی قطرہ اور وہیں کی ہواؤں کا کوئی جھونکا ہے، اور اس کو اس مرکز ومخزن سے خاص نسبت ہے، اسی بنیاد پر اس حدیث میں گرمی کی شدت کو جہنم کی تیزی اور اس کے جوش وخروش سے منسوب کیا گیا ہے اور اصل مقصد بس اتنا ہے کہ گرمی کی شدت کو جہنم سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ غضب خداوندی کا ایک مظہر ہے اور خنکی وٹھنڈک رحمت خداوندی کی لہر ہے اس لئے جس موسم میں نصف النہار کے وقت سخت گرمی ہو اور گرمی کی شدت سے فضا جہنم بن رہی ہو تو ظہر کی نماز کچھ تاخیر کر کے ایسے وقت پڑھی جائے جب گرمی کی شدت ٹوٹ جائے وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِىْ فَيَاْتِى الْعَوَالِىَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ پس عوالی (یعنی مدینہ کی بالائی آبادیوں) کی طرف جانے والا آدمی (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز عصر پڑھ کے) چلتا تھا تو وہ عوالی ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب اس وقت بھی اونچا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی حکومت کے بھی تقریباً پچاس سال انہوں نے دیکھے ہیں، ان کے زمانے میں جو اسی کے بعض خلفاء اور امراء عصر کی نماز میں بہت تاخیر کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اس طرز عمل کو بہت غلط اور خلاف سنت سمجھتے تھے اور حسب موقع اپنی اس رائے کا اظہار فرماتے تھے، اس حدیث کے بیان کرنے سے بھی ان کا مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کا نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت عصر پڑھتے تھے کہ آفتاب خوب بلند اور اپنی حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عصر پڑھ کر اگر کوئی شخص عوالی کی طرف جاتا تو جس وقت وہ وہاں پہنچتا اس وقت بھی آفتاب بلندی پر ہوتا۔

عوالی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو بجانب مشرق تھوڑے فاصلہ پر ہیں۔ ان میں سے جو قریب ہیں وہ دو تین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ پانچ چھ میل پر ہیں۔

عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اُمَّتِىْ بِخَيْرٍ اَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَالَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰى اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ. (رواه ابوداؤد)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی، جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر کر کے نہ پڑھے کہ ستارے گنجان ہو جائیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عموماً اول وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، بلا کسی عذر اور مجبوری کے اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ ستاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اگرچہ اس کا وقت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ تاہم اگر کبھی کسی اہم دینی مشغولیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، صحیح بخاری میں عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کے بعد وعظ شروع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور آسمان پر ستارے نکل آئے اور آپ کی بات جاری رہی، حاضرین میں سے بعض نے کہا "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور کچھ تنبیہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کا حوالہ دے کر ان کو بتلایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر بھی کی جا سکتی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِىْ اَشَىْءٌ شَغَلَهٗ فِىْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ

ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْلَا اَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِىْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى۔ (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت باہر تشریف لائے جب تہائی رات جا چکی تھی یا اس کے بعد اور ہمیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھر والوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آ گئی تھی۔ بہرحال جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلداری کے لئے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اس نماز کے انتظار میں ہو جس کا تمہارے سوا کسی دوسرے دین والے انتظار نہیں کرتے، اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت کے لئے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (ہمیشہ دیر کر کے) اسی وقت پڑھا کرتا (کیونکہ اس نماز کے لئے یہی وقت افضل ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کا افضل وقت اگرچہ وہی ہے جب کہ تہائی رات گزر جائے لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لئے زحمت اور مشقت ہے اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بڑا حرج بھی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عموماً اس سے پہلے ہی نماز پڑھ لیتے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اگر لوگ عشاء کے لئے سویرے جمع ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی پڑھ لیتے تھے اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرز عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت اور افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابل لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہوگا اور عوام کے ساتھ اس شفقت و رعایت کا ثواب ان شاء اللہ اس ثواب سے زیادہ ہوگا جو ترک افضل کی وجہ سے فوت ہوگا۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی فضیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشاء کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ کسی اور امت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِى الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً۔ (رواه البخارى)

حضرت قتادہ تابعی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص صحابی زید بن ثابت نے ایک دن ساتھ سحری کھائی، پھر جب وہ دونوں حضرات سحری سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپ نے نماز پڑھائی (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پوچھا کہ ان دونوں کے کھانے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ بس اس قدر کہ کوئی آدمی جتنی دیر میں قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اس حساب سے اس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام عادت اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے، لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام طریقہ نہیں تھا جیسا کہ ابو برزہ اسلمی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس دن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی، جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ "أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ" (رواه ابو داؤد والترمذى والدارمى)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرو نماز فجر (یعنی صبح کا اُجالا پھیل جانے پر فجر کی نماز پڑھو) کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی)

تشریح: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اُجالا پھیل جانے پر پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہے۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو کئی طریقوں سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجیہ سب سے زیادہ راجح ہے کہ رافع بن خدیج کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لئے افضل تو اسفار ہی ہے، یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی جائے جب صبح کا اُجالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے اور فجر کے لئے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ آج تک بھی اہل صلاح و تقویٰ کا عام حال ہے) اس لئے ان کے لئے سہولت اسی میں تھی کہ فجر کی نماز تاخیر سے نہ پڑھی جائے، دیر کر کے اسفار میں پڑھنے کی صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز زیادہ تر سویرے غلس ہی میں پڑھتے تھے، گویا جس طرح عشاء کی نماز کے لئے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عشاء عموماً سویرے پڑھتے تھے، اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت کے لئے غلس میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے بندوں کی رعایت اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم اور بالاتر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گزار اور فجر کے لئے اول وقت میں اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگوں کو سہولت اسفار میں (یعنی اُجالا پھیل جانے پر پڑھنے میں) ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غلس میں ہو تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم

شریک جماعت ہوسکیں گے۔ ان سب وجوہ سے ہمارے زمانے میں کچھ تاخیر کرکے اسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہوگا تاہم اگر کسی جگہ کے یہ نمازی اول وقت ہی میں جمع ہوجاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لئے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لئے یہی بہتر ہوگا کہ وہ اول وقت یعنی غلس ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری معمول تھا۔ بہت سے دینی حلقوں میں رمضان مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلس میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

نماز مقررہ وقت ادا نہ ہو سکے تو....

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا . (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز کے وقت سوتا رہ گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے یا سو کے اٹھے اسی وقت پڑھ لے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب سو کر اٹھے یا بھول جانے کی صورت میں جس وقت یاد آئے اسی وقت بلا تاخیر نماز پڑھ لے اس صورت میں وہ نماز ادا ہی کے حکم میں ہوگی اور اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

بعض سفروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کے بیشتر حصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء چلتے رہے، اس کے بعد تھوڑا آرام کر لینے کے ارادے سے لیٹ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لئے جگانے کی ذمہ داری لے لی، لیکن تقدیر الٰہی کہ صبح صادق کے بالکل قریب خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ لگ گئی اور سب سوتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھلی، پھر سب لوگ گھبرا کر اٹھے، سب کو نماز کا وقت نکل جانے کا اس دن بہت رنج ہوا اور صدمہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دلوا کر جماعت سے نماز پڑھی اور فرمایا کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت نکل جانے سے گناہ نہیں ہوتا، گناہ اور جرم جب ہے جب آدمی جاگتے ہوئے اور دانستہ نماز قضا کر دے۔ (ملخصاً صحیح مسلم)

نماز کی پابندی کرنا

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیتم لو ان نھراً بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمس مرات ھل یبقی من درنہ شیءٌ قالوا لا یبقی من درنہ شیءٌ قال فذلک مثل الصلوات الخمس یمحو اللہ بھن الخطایا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بتلاؤ تو اگر کسی کے دروازہ پر ایک نہر ہو اور اس میں وہ ہر روز پانچ بار غسل کیا کرے تو کیا اس کا کچھ میل کچیل باقی رہ سکتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ بھی میل باقی نہ رہے گا آپ نے فرمایا کہ یہی حالت پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تقریر گذری ہے کتنی بڑی فضیلت نماز کی ثابت ہوتی ہے۔ مسلم کی ایک حدیث میں اجتناب کبائر کا شرط فرمایا ہے مگر یہ کیا تھوڑی دولت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان میں ترک نماز کی کسر ہے (جب ترک نماز کیا وہ کسر مٹ گئی اور کفر گویا چاہیے بندہ کے اندر آ وے یا نہ آ وے مگر دوری تو نہ رہی)۔ (مسلم)

فائدہ: دیکھو نماز چھوڑنے پر کتنی بڑی وعید ہے کہ وہ بندہ کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز نماز کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس پر محافظت رکھے وہ قیامت کے روز اس کے لیے روشنی اور دستاویز اور نجات ہوگی اور جو شخص اس پر محافظت نہ کرے وہ اس کے لیے نہ روشنی ہوگی اور نہ دستاویز اور نہ نجات اور وہ شخص قیامت کے دن قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا (یعنی دوزخ میں اگر چہ ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نہ ہو مگر ہونا ہی بڑی سخت بات ہے)۔ (احمد و دارمی و بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان جو ایک عہد کی چیز (یعنی عہد کا سبب) ہے وہ نماز ہے۔ پس جس شخص نے اس کو ترک کر دیا وہ (برتاؤ کے حق میں) کافر ہو گیا (یعنی ہم اس کے ساتھ کافر کا سا برتاؤ کریں گے کیونکہ اور کوئی علامت اسلام کی ان میں نہیں پائی جاتی کیونکہ وضع و لباس و گفتگو سب مشترک تھے تو ہم کافر ہی سمجھیں گے)۔ (احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ)

فائدہ: اس سے پتہ ثابت ہوا کہ ترک نماز بھی ایک علامت ہے کفر کی گو کوئی دوسری اسلامی علامت ہونے سے ترک نماز سے کافر نہ سمجھیں مگر کفر کی کسی علامت کو اختیار کرنا کیا تھوڑی بات ہے؟

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز کی تاکید کرو جب وہ سات برس کے ہوں اور اس پر ان کو مارو جب وہ دس برس کے ہوں۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص قبیلہ قضاعہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان ہوئے ان میں ایک شہید ہو گیا اور دوسرا ایک برس روز پیچھے (موت طبعی سے) مرا۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے پیچھے مرنے والے کو (خواب میں) دیکھا کہ اس شہید سے پہلے جنت میں داخل کیا گیا۔ مجھ کو بہت تعجب ہوا۔ صبح کو میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس (مرنے والے) نے اس (شہید) کے بعد رمضان کے روزے نہیں رکھے اور برس روز تک ہزاروں رکعتیں پڑھیں (اگر صرف فرض و واجب وسنت مؤکدہ ہی لی جاویں تو دس ہزار رکعت کے قریب ہوتی ہیں یعنی اس لیے وہ شہید سے بڑھ گیا)۔ (احمد و ابن ماجہ و ابن حبان و بیہقی)

فائدہ: حضرت ابن ماجہ و ابن حبان نے اتنا اور زیادہ روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کے درجوں میں اتنا فرق ہے کہ آسمان و زمین کے فاصلے سے بھی زیادہ فاصلہ اور ظاہر ہے کہ زیادہ دخل اس فضیلت میں نماز ہی کو ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کی کثرت کا بیان بھی فرمایا۔ تو نماز ایسی چیز ٹھہری کہ اس کی بدولت شہید سے بھی بڑا رتبہ مل جاتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں آپ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے۔ (دارمی)

فائدہ: نماز ہی کا نام لینا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ سب عبادات سے بڑھ کر جنت میں لے جانے والی ہے۔

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اول جس چیز کا بندے سے قیامت میں حساب ہوگا وہ نماز ہے۔ اگر وہ ٹھیک اتری تو اس کے سارے عمل ٹھیک اتریں گے اور اگر وہ خراب نکلی تو اس کے سارے عمل خراب نکلیں گے۔ (طبرانی اوسط)

فائدہ: معلوم ہوتا ہے نماز کی برکت سب عبادات میں اثر کرتی ہے اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی بڑا عمل ہونے کی؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اس کے پاس دین نہیں نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑ سے نسبت ہے۔ (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے) اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں۔ (طبرانی اوسط وصغیر)

فائدہ: جس چیز پر دین کا اتنا بڑا دارومدار ہو اس کو چھوڑ کر کسی نیک عمل کو کافی سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے!

حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو شخص پانچ نماز کی محافظت کرے یعنی ان کے رکوع کی بھی، ان کے سجدوں کی بھی، اور ان کے وقتوں کی بھی (یعنی ان میں کوتاہی نہ کرے) اور اس کا اعتقاد رکھے کہ سب نمازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یا یہ فرمایا کہ اس کے لیے واجب ہو گئی۔ یا یہ فرمایا کہ وہ دوزخ پر حرام ہو جاوے گا۔ (ان سب کا ایک ہی مطلب ہے)۔ (احمد)

مساجد کی تعمیر

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من بنی مسجدا یبتغی بہ وجہ اللہ بنی اللہ لہ بیتا وفی روایۃ بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ.

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی مسجد بنائے جس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا خوش کرنا ہو (اور کوئی بری غرض نہ ہو) اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی کی مثل (اس کا گھر) جنت میں بنادے گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے نیت کی درستی کی تاکید بھی معلوم ہوئی اور اگر نئی مسجد نہ بنا وے بلکہ بنی ہوئی کی مرمت کر دے اس کا ثواب بھی اس سے معلوم ہوا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کی مرمت کر کے یہ حدیث بیان کی تھی اور دوسری حدیثوں سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کوئی مسجد بنادے (بنانے میں مال خرچ کرنا یا جان کی محنت خرچ کرنا دونوں آ گئے۔ چنانچہ جمع الفوائد میں رزین سے حضرت ابو سعید کی روایت آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد نبوی کے بننے کے وقت خود بھی اینٹیں اٹھا رہے تھے) خواہ وہ قطاۃ پرندہ کے گھونسلے کے برابر ہو یا اس سے بھی چھوٹی ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنادے گا۔ (ابن خزیمہ وابن ماجہ)

فائدہ: اس حدیث سے بنی ہوئی مسجد میں چندہ دینے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کیونکہ گھونسلے کی برابر بنانے کا مطلب

بھی ہو سکتا ہے کہ پوری مسجد نہیں بنا سکا اس کے بننے میں تھوڑی سی شرکت کر لی جس سے اس کی رقم کے مقابلہ میں اس مسجد کا اتنا ذرا سا حصہ آ گیا اور اوپر کی حدیث میں جو آیا ہے کہ اس کی مثل جنت میں گھر بنے گا اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ اس صورت میں گھونسلے کے برابر گھر بن جائے گا کیونکہ مثل کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے بڑے ہونے میں اس کی مثل ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسا اس شخص کا اخلاص ہوگا اس کی مثل گھر بنے گا، لیکن لمبائی چوڑائی میں بہت بڑا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بناوے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناوے گا جو اس سے بہت لمبا چوڑا ہوگا۔ (احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عبادت کے لیے حلال مال سے کوئی عمارت (یعنی مسجد) بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں موتی اور یاقوت کا گھر بناوے گا۔ (طبرانی اوسط)

فائدہ: یہ بھی مسجد کا ادب ہے کہ اس میں حرام مال نہ لگاوے خواہ وہ حرام روپیہ پیسہ ہو خواہ زمین ہو جیسا کہ بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ زمیندار کی زمین میں بدون اس کی اجازت کے مسجد بنا لیتے ہیں اور پھر اس کے روک ٹوک کرنے پر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس کو اسلام کی بڑی طرفداری و خدمت سمجھتے ہیں۔ خاص کر اگر زمیندار غیر مسلم ہو تو تب تو اس کو کفر و اسلام کا مقابلہ سمجھتے ہیں۔ سو خوب سمجھ لو کہ اس زمین میں جو مسجد بنائی جاوے وہ شرع سے مسجد ہی نہیں ہے۔ البتہ زمیندار کی خوشی سے اپنی ملک کرا کر پھر اس میں مسجد بناتے رہیں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام عورت تھی (شاید حبشن ہو) جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، ایک رات کو وہ مر گئی۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی گئی، آپ نے فرمایا تم نے مجھ کو اس کی خبر کیوں نہ کی؟ پھر آپ صحابہ کو لے کر باہر تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس پر تکبیر فرمائی (مراد نماز جنازہ ہے) اور اس کے لیے دعا کی پھر واپس تشریف لے آئے۔ (ابن ماجہ و ابن خزیمہ) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا تو نے کس عمل کو زیادہ فضیلت کا پایا؟ اس نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو۔ (ابوالشیخ اصبہانی)

فائدہ: دیکھئے مسجد میں جھاڑو دینے کی بدولت ایک غریب گمنام حبشن کی جس کی مسکنت و گمنامی کے سبب اس کی وفات کی بھی اطلاع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں کی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتنی بڑی قدر فرمائی کہ اس کی وفات کی خبر نہ دینے کی بھی شکایت فرمائی، پھر قبر پر تشریف لے گئے اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھی اور یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور اس کے لیے دعا فرمائی پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پوچھنے پر خود اس نے اس عمل کی کتنی بڑی فضیلت بیان کی۔ افسوس اب مسجد میں جھاڑو دینے کو لوگ عیب اور ذلت سمجھتے ہیں۔

حضرت ابوقرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بڑی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے کوڑا کباڑ نکالنا بڑی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔ (طبرانی کبیر)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد میں سے ایسی چیز باہر

کرتا جس سے تکلیف ہوتی تھی (یعنی کانٹا) یا زمین سے الگ کر کے پتھر ہٹا دیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم اور ان کو صاف پاک رکھنے کا حکم فرمایا۔ (احمد و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و ابن خزیمہ)

فائدہ: پاک رکھنا یہ کہ اس میں کوئی ناپاک آدمی یا ناپاک کپڑا یا ناپاک تیل وغیرہ نہ جانے پائے اور صاف رکھنا یہ کہ اس میں سے کوڑا کباڑ نکالتے رہیں۔ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بڑی حدیث میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدوں کو جمعہ جمعہ (خوشبو کی) دھونی دیا کرو۔ (ابن ماجہ و طبرانی)

فائدہ: جمعہ کی قید نہیں، صرف یہ مصلحت ہے کہ اس روز نمازی زیادہ ہوتے ہیں جن میں ہر طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ کبھی دھونی دے دینا یا اور کسی طرح خوشبو لگا دینا، چھڑک دینا سب برابر ہے۔

آدابِ مساجد

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رایتم من یبیع او یبتاع فی المسجد فقولوا لا اربح اللہ تجارتک واذا رایتم من ینشد ضالۃ فقولوا لا رد اللہ علیک وفی روایۃ فیلھا فان المساجد لم تبن لھذا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں خرید و فروخت کر رہا ہے تو یوں کہہ دیا کرو، اللہ تعالیٰ تیرے تجارت میں نفع نہ دے اور جب ایسے شخص کو دیکھو کہ کھوئی چیز کو مسجد میں پکار پکار کر تلاش کر رہا ہے تو یوں کہو اللہ تعالیٰ تیرے پاس وہ چیز نہ پہنچاوے۔ (ترمذی و نسائی و ابن خزیمہ و حاکم)

اور ایک روایت میں یہ بھی ارشاد ہے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ (مسلم)

فائدہ: مراد اس چیز کا تلاش کرنا ہے جو باہر کھوئی گئی اور مسجد میں اس لیے پکار رہا ہے کہ مختلف لوگوں کا مجمع ہے شاید کوئی پتہ دیدے اور یہ بددعا دینا تنبیہ کے لیے ہے لیکن اگر لڑائی دنگے کا ڈر ہو تو دل میں کہہ لے۔ اس حدیث میں باطنی ادب مسجد کا مذکور ہے کہ وہاں دنیا کے کام نہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چند امور ہیں جو مسجد میں مناسب نہیں، اس کو راستہ نہ بنایا جائے (جیسا بعض لوگ چکر سے بچنے کے لیے مسجد کے اندر ہو کر دوسری طرف نکل جاتے ہیں) اور اس میں ہتھیار نہ سوتے جائیں اور نہ اس میں کمان کھینچی جائے اور نہ اس میں تیروں کو بکھیرا جائے (تاکہ کسی کے چبھ نہ جاویں) اور نہ کچا گوشت لے کر اس میں سے گذرے اور نہ اس میں کسی کو سزا دی جائے اور نہ اس میں کسی سے بدلہ لیا جاوے (جس کو شرع میں حد و قصاص کہتے ہیں) اور نہ اس کو بازار بنایا جائے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: یہ سب باتیں مسجد کے ادب کے خلاف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قریب آخر زمانہ میں ایسے

لوگ دنیا کے جھگڑوں کی باتیں مسجدوں میں ہوا کریں گی اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی کچھ پروا نہ ہوگی (یعنی ان سے خوش نہ ہوگا)۔ (ابن حبان)

فائدہ: دنیا کی باتیں کرنا بھی مسجد کی بے ادبی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت کی نیت سے مسجد کی طرف چلے تو اس کا ایک قدم ایک گناہ کو مٹاتا ہے اور ایک قدم اس کے لیے نیکی لکھتا ہے جانے میں بھی لوٹنے میں بھی۔ (احمد طبرانی ابن حبان)

فائدہ: کیا ٹھکانا ہے رحمت کا کہ جاتے ہوئے تو ثواب ملتا ہے لوٹنے میں بھی ویسا ہی ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص رات کی اندھیری میں مسجد کی طرف چلے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز نور کے ساتھ ملے گا۔ (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دیگا جس روز سوائے اس کے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہو۔ (بخاری مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان بدبودار ترکاریوں سے (یعنی پیاز و لہسن سے جیسا کہ دوسری حدیثوں میں آیا ہے) بچو کہ ان کو کھا کر مسجدوں میں آؤ۔ اگر تم کو ان کے کھانے کی ضرورت ہی ہو تو ان (کی بدبو) کو آگ سے مار دو۔ (یعنی پکا کر کھاؤ کچی کھا کر مسجد میں نہ آؤ)۔ (طبرانی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف جائے اور اس کا ارادہ صرف یہ ہو کہ کوئی اچھی بات (یعنی دین کی بات) سیکھے یا سکھائے اس کو حج کرنے کے برابر پورا ثواب ملے گا۔ (طبرانی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مسجد جیسے نماز کے لیے ہے ایسے ہی علم دین سیکھنے کے لیے بھی ہے۔ سو مسجد میں ایسے شخص کو رہنا چاہیے جو دین کی باتیں بتلایا کرے۔ یہ سب حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں بجز دو حدیثوں کے کہ اس میں مشکوٰۃ و جمع الفوائد کا نام لکھ دیا ہے۔ دستور العمل جو ان سب آیات اور احادیث سے ثابت ہوا یہ ہے۔

(الف) کہ ہر بڑی چھوٹی بستی میں وہاں کی ضرورت کے موافق مسجد بنانا چاہیے۔

(ب) مگر وہ حلال مال سے اور حلال زمین میں ہو۔

(ج) مسجد کا ادب کرے یعنی اس کو پاک صاف رکھے۔ اس میں جھاڑو دیا کرے۔ اس کی ضروری خدمت کا خیال رکھے۔ بدبودار جیسے تمباکو وغیرہ چیز کھا کر یا لے کر اس میں نہ جائے۔ وہاں دنیا کا کوئی کام یا بات نہ کرے۔

(د) مردوں کو نماز مسجد میں پڑھنا چاہیے اور بدوں عذر کے جماعت نہ چھوڑنا چاہیے۔ مسجد میں اور جماعت سے نماز پڑھنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ آپس میں تعلق بڑھے اور ایک کو دوسرے کا حال معلوم رہے۔ مالک کی حدیث سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کی نماز میں نہیں پایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار تشریف لے گئے اور حضرت سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا تو سلیمان کی ماں سے پوچھا میں نے سلیمان کو صبح میں نہیں دیکھا۔

اس حدیث کے ذیل میں علماء نے یہ فائدہ بھی ذکر کیا ہے۔
(ا) مسجد میں ایسے شخص کو رکھیں کہ دوسری بستی والوں کو مسئلے مسائل بھی بتلاتا رہے۔
(ب) جب فرصت ملا کرے مسجد میں جا کر بیٹھ جایا کرے مگر وہاں جا کر دین کے کاموں میں یا دین کی باتوں میں لگا رہے۔ اگر سب آدمی اس کی پابندی رکھیں تو علاوہ ثواب کے جماعت کو بھی قوت پہنچے۔
تنبیہ: حدیثوں میں صاف آیا ہے کہ عورتوں کے لیے گھروں میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجدوں میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

عن ابی هريرة رضي الله عنه وابي سعيد رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقعد قوم يذكرون الله الا حفتهم الملئكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھیں ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر (اللہ تعالیٰ کی) رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر چین کی کیفیت اترتی ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہو اور جو شخص ذکر نہ کرتا ہو ان کی حالت زندہ اور مردہ کی سی حالت ہے (یعنی پہلا شخص مثل زندہ کے ہے اور دوسرا مثل مردہ کے کیونکہ روح کی زندگی یہی اللہ کی یاد ہے، یہ نہ ہو تو روح مردہ ہے)۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اس کے (یعنی اپنے بندہ کے) ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو پھر وہ اگر اپنے جی میں میرا ذکر کرے تو میں اپنے جی میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرے تو میں اس کا ذکر ایسے مجمع میں کرتا ہوں جو اس مجمع سے بہتر ہوتا ہے۔ (یعنی فرشتوں اور پیغمبروں کے مجمع میں)۔ (بخاری، مسلم)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے جی کا یہ مطلب نہیں جیسا ہمارا جی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس یاد کی کسی کو خبر نہیں ہوتی جیسے دوسری حالت میں مجمع کو خبر ہوتی اور وہاں کے مجمع کا یہاں کے مجمع سے اچھا ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مجمع کے زیادہ شخص اس مجمع کے زیادہ شخصوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص، ہر شخص سے اچھا ہو۔ سو اگر دنیا میں کوئی مجمع ذکر کا ایسا ہو جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہوں جیسا آپ کے زمانہ میں تھا تو کسی فرشتہ یا پیغمبر کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم نہ آئے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں میں گذرا کرو تو اس کے میوے منہ بھر کھایا کرو۔ لوگوں نے عرض کیا جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ذکر کے حلقے (یعنی مجمعے)۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی جگہ بیٹھے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے اللہ کی طرف سے اس پر گھاٹا ہوگا اور جو شخص کسی جگہ لیٹے جس میں اللہ کا ذکر نہ کرے اللہ کی طرف سے اس پر گھاٹا ہوگا۔ (ابوداؤد)

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ کوئی موقع اور کوئی حالت ذکر سے خالی نہ ہونا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کے شرائع اعمال مجھ پر بہت سے ہوگئے (مراد نفلی اعمال ہیں کیونکہ تاکیدی اعمال تو بہت نہیں ہیں مطلب یہ کہ ثواب کے کام اتنے ہیں کہ سب کا یاد رکھنا اور عمل کرنا بہت مشکل ہے) اس لیے آپ مجھ کو کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے کہ اس کا پابند ہو جاؤں (اور وہ سب کے بدلے میں کافی ہو جائے) آپ نے فرمایا (اس کی پابندی کرو کہ) تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے (یعنی چلتی رہے)۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا بندوں میں سب سے افضل اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے برتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو مرد کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں اور جو عورتیں (اسی طرح کثرت سے) ذکر کرنے والی ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے (کیا یہ) اس سے بھی (افضل ہے؟) آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص کفار و مشرکین میں اس قدر تلوار مارے کہ تلوار بھی ٹوٹ جائے اور یہ شخص بھی تمام خون میں (اپنے زخموں سے) رنگین ہو جائے۔ اللہ کا ذکر کرنے والا درجہ میں اس سے بھی افضل ہے۔ (احمد و ترمذی)۔ وجہ ظاہر ہے کہ جہاد خود اللہ ہی کی یاد کے لیے مقرر ہوا ہے جیسے وضو نماز کے لیے مقرر ہوا ہے۔ سورۂ حج آیت اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ میں اس کا صاف ذکر ہے تو یہ اصل ہوئی اور اصل کا افضل ہونا ظاہر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک قلعی ہے اور دلوں کی قلعی اللہ کا ذکر ہے۔ (بیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان آدمی کے قلب پر چمٹا ہوا بیٹھا رہتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب (یاد سے) غافل ہوتا ہے وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر اللہ کے سوا بہت کلام مت کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے سوا بہت کلام کرنا قلب میں سختی پیدا کرتا ہے اور سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ قلب ہے جس میں سختی ہو۔ (ترمذی)

فائدہ: اخیر کی تین حدیثوں کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ اصل صفائی اچھے عملوں سے ہوتی ہے اور اصل سختی برے عملوں سے اور دونوں عملوں کی جڑ قلب کا ارادہ ہے اور ارادہ کی جڑ خیال۔ پس جب ذکر میں کمی ہوتی ہے تو شیطان برے برے خیال قلب میں پیدا کرتا ہے جس سے برے ارادوں کی نوبت آجاتی ہے اور نیک ارادوں کی ہمت نہیں رہتی۔ پس نیک کام نہیں ہوتے اور برے ہونے لگتے ہیں اور جب ذکر کی کثرت ہوتی ہے تو برے خیال قلب میں پیدا نہیں ہوتے پس برا ارادہ بھی نہیں ہوتا اور گناہ بھی نہیں ہوتے اور نیک کاموں کا ارادہ اور نیک کام ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح سے صفائی اور سختی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے مگر یہ باتیں خود بخود نہیں ہو جاتیں کرنے سے ہوتی ہیں سو اگر کوئی خالی ذکر کیا کرے اور نیک کاموں کے کرنے کا اور برے کاموں سے بچنے کا ارادہ اور ہمت نہ کرے وہ دھوکہ میں ہے۔ یہاں تک کی حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہت لوگ دنیا میں نرم

نرم بستروں پر اللہ کا ذکر کرتے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو اونچے اونچے درجوں میں داخل فرمائے گا۔ (ابن حبان)

فائدہ: یعنی کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب تک امیری سامان کو نہ چھوڑے ذکر اللہ سے نفع نہیں ہوتا۔

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں۔ (احمد و ابو یعلیٰ و ابن حبان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اتنا ذکر کرو کہ منافق (یعنی بددین) لوگ تم کو ریاکار و مکار کہنے لگیں۔ (طبرانی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والوں کو کوئی حسرت نہ ہوگی مگر جو گھڑی ان پر ایسی گذری ہوگی جس میں انہوں نے اللہ کا ذکر نہ کیا ہوگا۔ اس گھڑی پر ان کو حسرت ہوگی۔ (طبرانی و بیہقی)

فائدہ: مگر اس حسرت میں دنیا کی سی تکلیف نہ ہوگی۔ پس یہ شبہ نہ رہا کہ جنت میں تکلیف کیسی؟

حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے باپ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بی بی کے ہاں گئے اور اس بی بی کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھ رہی تھیں۔ (اور آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔) (ابوداؤد)

فائدہ: یہ اصل ہے تسبیح پر گننے کی (کما قرر الشامی) یہ پانچ حدیثیں ترغیب کی ہیں۔ یہاں تک تو عام ذکر کا بیان تھا بعضے خاص خاص ذکروں کا بھی ثواب آتا ہے ان میں سے بعضے آسان اور مختصر بطور نمونہ بتاتا ہوں جیسے:

(الف) لا الٰہ الا اللہ یا مع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ب) سبحان اللہ (ج) الحمد للہ (د) اللہ اکبر (ہ) لا حول ولا قوۃ الا باللہ (و) استغفر اللہ و اتوب الیہ (ز) درود شریف جو کسی طرح سے ہے ایک ہلکا سا یہ ہے اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔ (نسائی عن زید بن خارجہ)

خلاصہ: یہ کہ ذکر سے غافل مت ہو خواہ کوئی خاص ذکر کرو یا عام پھر خواہ ہر وقت کوئی پھر خواہ بے گنتی خواہ انگلیوں یا تسبیح پر گنتی سے اور بعض دعائیں خاص وقتوں کی بھی ہیں۔ اگر شوق ہو تو کسی دیندار عالم سے پوچھ لو ورنہ نمونے کے طور پر جو ابھی لکھ دی ہیں یہ کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔

فائدہ: جس قدر ہو سکے اللہ کا نام لیتے رہنا۔ قرآن و حدیث میں اس کا حکم بھی ہے اور فضیلت اور ثواب بھی اور کچھ مشکل کام بھی نہیں۔ تو ایسے آسان کام میں بے پروائی یا سستی کر کے حکم کے خلاف کرنا اور اتنا بڑا ثواب کھو کر اپنا نقصان کرنا کیسی بے جا اور بری بات ہے؟ پھر اللہ کا نام لیتے رہنے میں نہ کسی گنتی کی قید ہے اور نہ وقت کی اور نہ تسبیح رکھنے کی نہ پکار کر پڑھنے کی، نہ وضو کی نہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی، نہ کسی خاص جگہ کی نہ ایک جگہ بیٹھنے کی، ہر طرح سے آزادی اور اختیار ہے۔ پھر کیا مشکل ہے؟ البتہ اگر کوئی اپنی خوشی سے تسبیح پر پڑھنا چاہے خواہ گنتی یاد رکھنے کے لیے یا اس لیے کہ تسبیح ہاتھ میں ہونے سے پڑھنے کا خیال آجاتا ہے، خالی ہاتھ یاد نہیں رہتا تو اس مصلحت کے لیے تسبیح رکھنا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے اور اس کا

خیال نہ کرے کہ تسبیح رکھنے سے دکھلاوا ہو جائے گا۔ دکھلاوا تو نیت سے ہوتا ہے یعنی جب یہ نیت ہو کہ دیکھنے والے مجھ کو بزرگ سمجھیں گے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو وہ دکھلاوا نہیں۔ اس کو دکھلاوا سمجھنا اور ایسے وہموں سے ذکر کو چھوڑ دینا یہ شیطان کا دھوکا ہے۔ وہ اس طرح سے بہکا کر ثواب سے محروم رکھنا چاہتا ہے اور وہ ایک دھوکا یہ بھی دیتا ہے کہ جب دل تو دنیا کے کام میں پھنسا رہا اور زبان سے اللہ کا نام لیتے رہے تو اس کا کیا فائدہ؟ سو خوب سمجھ لو کہ یہ بھی غلطی ہے جب دل سے ایک دفعہ یہ نیت کر لی کہ ہم ثواب کے واسطے اللہ کا نام لینا شروع کرتے ہیں اس کے بعد اگر دل دوسری طرف بھی ہو جاوے مگر نیت نہ بدلے برابر ثواب ملتا رہے گا۔ البتہ جو وقت اور کاموں سے خالی ہو اس میں دل کو ذکر کی طرف متوجہ رہنے کی بھی کوشش کرے فضول قصوں کی طرف خیال نہ لے جاوے تاکہ اور زیادہ ثواب ہو۔

نماز چھوڑنا کافرانہ عمل ہے

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ لَا تُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ إِنْ قُطِّعْتَ وَ حُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے اور خبردار کبھی بالارادہ نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو اس کے بارے میں وہ ذمہ داری ختم ہوگئی جو اللہ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحب ایمان بندوں کے لئے ہے، اور خبردار شراب کبھی نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: جس طرح ہر حکومت پر اس کی رعایا کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، اور رعایا جب تک بغاوت جیسا کوئی سنگین جرم نہ کرے ان حقوق کی مستحق سمجھی جاتی ہے، اسی طرح مالک الملک حق تعالیٰ شانہ نے تمام ایمان لانے والوں اور دین اسلام قبول کرنے والوں کے لئے کچھ خاص احسانات و انعامات کی ذمہ داری محض اپنے لطف و کرم سے لے لی ہے (جس کا ظہور ان شاء اللہ آخرت میں ہوگا) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے بتا دیا ہے کہ دیدہ و دانستہ اور بالارادہ نماز چھوڑ دینا دوسرے تمام گناہوں کی طرح صرف ایک گناہ نہیں ہے بلکہ باغیانہ قسم کی ایک سرکشی ہے جس کے بعد وہ شخص رب کریم کی عنایت کا مستحق نہیں رہتا اور رحمت خداوندی اس سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث بعض دوسری کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی ذکر کی گئی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بارہ میں قریب قریب انہی الفاظ میں تاکید و تنبیہ فرمائی ہے، لیکن اس کے آخری الفاظ تارک نماز کے بارہ میں یہ ہیں:

فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ.

جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب)

ان حدیثوں میں ترک نماز کو کفر یا ملت سے خروج اسی بناء پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کی ایسی اہم نشانی اور اسلام کا ایسا خاص الخاص شعار ہے کہ اس کو چھوڑ دینا بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اللہ و رسول سے اور اسلام سے تعلق نہیں رہا اور اس نے اپنے کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیا ہے۔ خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سعادت میں چونکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص مؤمن اور مسلمان ہوتے کے بعد تارک نماز بھی ہو سکتا ہے اس لئے اس دور میں کسی کا تارک نماز ہونا اس کے مسلمان نہ ہونے کی عام نشانی تھی۔ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ جلیل القدر تابعی عبداللہ بن شقیق نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ:

كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو بھی کفر نہیں سمجھتے تھے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ جامع ترمذی)

تو اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام دین کے دوسرے ارکان و اعمال مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اسی طرح اخلاق و معاملات وغیرہ ابواب کے احکام میں کوتاہی کرنے کو تو بس گناہ و معصیت سمجھتے تھے، لیکن نماز چونکہ ایمان کی نشانی اور اس کا عملی ثبوت ہے اور ملت اسلامیہ کا خاص شعار ہے، اس لئے اس کے ترک کو وہ دین اسلام سے بے تعلقی اور اسلامی ملت سے خروج کی علامت سمجھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسلام میں اذان کا آغاز

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ قَالَ لَمَّا أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهِ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِي وَأَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِي يَدِهِ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ أَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ؟ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ؟ فَقُلْتُ نَدْعُوْ بِهِ إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ أَفَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَقُلْتُ لَهُ بَلٰى فَقَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ..... قَالَ ثُمَّ اسْتَأْخَرَ عَنِّي غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ قَالَ تَقُوْلُ إِذَا أَقَمْتَ الصَّلٰوةَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهِ فَإِنَّهُ أَنْدٰى

صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أُلْقِيهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهِ قَالَ فَسَمِعَ ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ وَيَقُولُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أُرِيَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ. (رواہ ابوداؤد والدارمی)

عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کے صاحبزادے محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناقوس کے لئے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے تا کہ اس کے ذریعہ نماز با جماعت کا اعلان لوگوں کے لئے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے تھا میں نے اس سے کہا اے بندۂ خدا یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعے اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لئے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو ایک ایسی چیز بتا دوں جو اس کام کے لئے اس سے بہت بہتر ہے، میں نے کہا ہاں ضرور بتایئے! اس نے کہا کہو:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.

عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ پوری اذان بتا کے وہ شخص مجھ سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑے سے توقف کے بعد اس نے کہا پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.

(عبداللہ بن زید فرماتے ہیں) کہ جیسے ہی صبح ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ رؤیا حق ہے۔ ان شاء اللہ (اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ) تم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کرو جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے ان کلمات کے ذریعہ اذان کہیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے تو میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا، میں ان کلمات کی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے۔ عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنے گھر میں سنا تو وہ جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کر رہے تھے، قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ (سنن ابی داؤد و مسند دارمی)

تشریح: اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس میں عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے اعلان کے واسطے ناقوس بنوانے کے لئے فرمایا تھا، اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ابو عمیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب ناقوس

کی تجویز پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ نصاریٰ کی چیز ہے" اس عاجز کے نزدیک اس اختلاف روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کے لئے جو چند تجویزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تھیں۔ ان میں جھنڈے والی اور آگ روشن کرنے والی اور یہودیوں کے نرسنگھے والی تجویزوں کے متعلق تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان کو نامنظور کر دیا تھا اور اس لئے ان میں سے ہر تجویز کے بعد کوئی دوسری تجویز پیش کی گئی، لیکن ناقوس والی آخری تجویز کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ فرمایا کہ "ھو من امر النصاریٰ" (وہ نصاریٰ کی چیز ہے) اور کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اس کی نامنظوری سمجھی جاتی اور ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس وقت کے لب ولہجے سے بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری تجاویز کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس تجویز کو کچھ ترجیح ہے اور اسی بناء پر انہوں نے یہ خیال کر لیا ہو کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادل ناخواستہ اس تجویز کو قبول فرمالیا ہے اور جب تک کہ کوئی اور بہتر تجویز سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی تجویز ہی پر عمل ہوگا (اور غالباً اسی لئے اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور تجویز نہیں پیش کی گئی) بہرحال اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غالباً اسی صورت کو "امر بالناقوس" سے تعبیر فرمادیا ہے، کبھی کبھی کسی چیز کی اجازت اور تھیار دینے کو بھی امر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے قرآن وحدیث میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دو دو دفعہ کہے گئے تھے اقامت میں ان کو صرف ایک ایک دفعہ کہا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو روایت ہے اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات کے ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم تھا، لیکن بعض دوسری حدیثوں میں اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا دو دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے۔ بعض ائمہ نے اپنے اصول اور اپنی معلومات کی بناء پر ایک ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسری قسم کی روایات کو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت میں کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ وَلَا تَقُومُوا حَتّٰى تَرَوْنِي۔ (رواه الترمذي)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اذان دو تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر دیا کرو (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑ دو اور وقفہ کیا کرو) اور جب اقامت کہو تو رواں کہا کرو، اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فصل کیا کرو کہ جو شخص کھانے پینے میں مشغول ہے وہ فارغ ہو جائے اور جس کو استنجے کا تقاضا ہے وہ جا کر اپنی ضرورت سے فارغ ہولے اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں اذان واقامت سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تو بالکل واضح ہیں۔ کسی تشریح کی محتاج نہیں، البتہ آخری ہدایت "ولا تقوموا حتی ترونی" (اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو) وضاحت طلب ہے، غالباً کبھی

بھی ایسا ہوتا تھا کہ حجرہ شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسجد تشریف لانے سے پہلے یہ اندازہ کرکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے عنقریب باہر تشریف لانے والے ہیں لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میں جب تک مسجد میں نہ آجاؤں اور تم مجھے دیکھ نہ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔ اس ممانعت کی یہ وجہ تو ظاہر ہے کہ پہلے سے کھڑے ہوجانا بےوجہ کی تکلیف اٹھانا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لانے میں دیر ہوجائے، لیکن اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع پسند طبیعت کے لئے یہ بات بھی تکلیف اور گرانی کا باعث ہوتی ہوگی کہ اللہ کے بندے صف باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں کھڑے ہوں۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِي فَقَالَ إِذَا سَافَرْتُمَا فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا. (رواه البخارى)

مالک بن الحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ایک چچازاد بھائی بھی ساتھ تھے، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو نماز کے لئے اذان اور اقامت کہو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور نماز پڑھائے۔ (صحیح بخاری)

تشریح۔ صحیح بخاری ہی کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ یہ مالک بن الحویرث اپنے قبیلہ کے بعض اور آدمیوں کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور دین سیکھنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کی نیت سے قریباً بیس دن قیام کیا تھا، اپنی اس روایت میں انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس وقت کا ہے جب وطن واپس جانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو رخصت فرمایا تھا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دو ہدایتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ سفر میں بھی نماز کے لئے اذان و اقامت کا اہتمام کیا جائے، اور دوسری یہ کہ جو بڑا ہو وہ امامت کرے، چونکہ دین اور علم دین کے لحاظ سے یہ اور ان کے ساتھی بظاہر برابر تھے، کسی کو دوسرے کے مقابلے میں کوئی خاص فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے، اور ایسی صورت میں یہی اصول اور مسئلہ ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلوٰةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُونَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ شیطان جب نماز کی پکار یعنی اذان سنتا ہے تو مقام روحاء کے برابر دور چلا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔ اللہ کی مخلوق میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض دوسری چیزوں کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ مثلاً اندھیرے کے لئے آفتاب ناقابل برداشت ہے۔ آفتاب کے نکلتے ہی اندھیرا کافور ہوجاتا ہے۔ اسی طرح سردی کے لئے آگ ناقابل برداشت ہے، جہاں آگ روشن کردی جائے وہاں سے سردی دفع ہوجاتی ہے، بس کچھ یہی حال شیطان کا اذان کی پکار سے ہوتا ہے، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جیسے ہی وہ اس کو سنتا ہے اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی روحاء مدینہ سے فاصلہ پر مقام روحاء ہے۔ (حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی طلحہ بن نافع کا بیان اسی حدیث کے ساتھ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ روحاء مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے) حدیث کی روح یہ ہے کہ اذان چونکہ توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح شیطان مردود کے لئے وہ گویا بم کا گولا ہے جہاں اللہ کے منادی نے اذان شروع کی وہ اس سے ایسا بھاگتا ہے جیسے آفتاب سے اندھیرا کافور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

مساجد کی عظمت اور ضروری احکام

جو عظیم و وسیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں۔ ان کی تحصیل و تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو، اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت کو بنایا گیا ہے، ذرا سا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل، تنظیم اور تربیت وحفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترک جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں (جیسا کہ ناظرین عنقریب ہی پڑھیں گے) اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبۃ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی "خدا کا گھر" اور امت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت ومحبوبیت بیان فرما کر امت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا رخ ہر وقت مسجد کی طرف رہے، اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے حقوق اور آداب بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ جس وقت بھی صبح کو یا شام کو اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت کی مہمانی کا سامان تیار کراتا ہے۔ وہ جتنی دفعہ بھی صبح یا شام کو جائے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندہ صبح یا شام جس وقت بھی اور دن میں جتنی دفعہ بھی خدا کے گھر یعنی (یعنی مسجد میں) حاضر ہوتا ہے رب کریم اس کو اپنے عزیز مہمان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ کی حاضری پر جنت میں اس کے لئے مہمانی کا خاص سامان تیار کراتا ہے۔ جو وہاں پہنچنے کے بعد بندہ کے سامنے آنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رب کریم کے جنت والے سامان مہمانی کا یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، کنز العمال میں تاریخ حاکم کے حوالے سے بروایت عبداللہ بن عباس ایک حدیث کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں:

اَلْمَسَاجِدُ بُیُوْتُ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ زُوَّارُ اللّٰهِ وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُوْرِ اَنْ یُّكْرِمَ زَائِرَهٗ۔ (کنز العمال ص ۱۲۳ ج۴)

مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور ان میں حاضر ہونے والے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ملاقاتی (اور مہمان) ہیں اور جس کی

ملاقات کو کوئی آئے اس پر حق ہے کہ وہ آنے والے ملاقاتی کا اکرام اور اس کی خاطر داری کرے۔

"تاریخ حاکم" جس کے حوالے سے یہ روایت کنز العمال میں نقل کی گئی ہے اس کی روایتیں محدثین کے نزدیک عموماً ضعیف ہیں خود کنز العمال کے مقدمہ میں بھی اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ لیکن اس کی اس روایت کا مضمون بخاری و مسلم کی مندرجہ بالا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کے بالکل مطابق ہے اس لئے تشریح میں یہاں اس کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ اَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِي الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوةِ. (رواہ فی شرح السنہ)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔ (شرح السنہ)

تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ میں دنیوی معاملات اور دنیا کی لذتوں سے بے تعلق اور کنارہ کش ہو جانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور وہ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض معروض کرتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ رجحان بہت تیز تھا، انہوں نے ایک دفعہ کئی باتیں اسی طرح کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیں، ان میں سے آخری بات یہ تھی کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دی جائے، جس کے بعد ہم تارک الدنیا راہبوں والی زندگی گزاریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جن روحانی مقاصد اور اخروی منافع کے لئے پچھلی اُمتوں میں رہبانیت تھی میری اُمت کو وہ چیزیں نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے ہی پر اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں اور بس یہی میری اُمت کی رہبانیت اور درویشی ہے۔ دراصل نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا بھی ایک طرح کا "اعتکاف" ہے۔ کاش ہم اس کی قدر و قیمت جانیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مجھے خدا کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا ہے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا (یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور پیشین گوئی) فرمایا کہ یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش و زیبائش اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں میں کی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

نماز کیلئے عورتوں کی مسجد میں آمد

عَنْ اُمِّ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّةِ اَنَّهَا جَاءَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اُحِبُّ الصَّلٰوةَ مَعَكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّكِ

تُحِبِّيْنَ الصَّلٰوةَ مَعِيْ وَصَلٰوتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ دَارِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ مَسْجِدِيْ. (رواه احمد ، كنز العمال)

مشہور صحابی ابو حمید ساعدی کی بیوی ام حمید ساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جماعت سے مسجد میں) نماز ادا کیا کروں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ (یعنی میرے پیچھے جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کی بڑی چاہت ہے، اور مسئلہ شریعت کا یہ ہے کہ تمہاری وہ نماز جو تم اپنے گھر کے اندرونی حصہ میں پڑھو وہ اس نماز سے افضل اور بہتر ہے جو تم اپنے بیرونی دالان میں پڑھو اور بیرونی دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو تمہارے مکان سے قریب ہے) نماز پڑھو اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آ کر نماز پڑھو۔ (کنز العمال بحوالہ مسند احمد)

تشریح: اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی نماز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کی وضاحت بار بار اور مختلف موقعوں پر فرمائی ہے لیکن اس کے باوجود بہت سی صحابیات کا دلی جذبہ یہی ہوتا تھا کہ چاہے ہمارے لئے اپنے گھروں میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہو، لیکن ہم کم از کم رات کی نمازیں مسجد میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہی پڑھ لیا کریں۔ اور چونکہ اس جذبہ کی بنیاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کی سچی ایمانی محبت تھی اور اس زمانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ عورتیں اگر رات کو مسجدوں میں جانے کی اجازت چاہیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ بہر حال یہ اجازت دینے کا حکم اس وقت کا ہے جب کہ عورتوں کے مسجد جانے میں کسی برائی کا خطرہ اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا اور بعض صحابہ کرام صرف عرفی غیرت یا اپنی خاص افتاد طبع کی وجہ سے اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے تھے، لیکن جب عورتوں اور مردوں دونوں کے حالات میں تبدیلی آ گئی اور فتنوں کے اندیشے پیدا ہو گئے تو وہ خود حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (جن سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کے ظاہری و باطنی حال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج و منشاء سے واقف نہیں ہو سکتا) وہ فرمایا جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آپ پڑھیں گے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ. (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے اپنے (طرز زندگی میں) اب پیدا کر لی ہیں تو آپ خود ان کو مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے، جس طرح کہ (اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے) بنی اسرائیل کی عورتوں کو (ان کی عبادت گاہوں میں جانے سے اگلے پیغمبروں کے زمانہ میں) روک دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... یہ بات حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضورؐ کے وصال کے بعد اپنے زمانہ میں فرمائی تھی اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ اسی بناء پر جمہور صحابہؓ کی یہ رائے ہو گئی تھی کہ اب عورتوں کو مسجد میں نہ جانا چاہئے۔ بعد کے زمانوں میں ان تبدیلیوں میں جو اور ترقی ہوئی اور ہمارے معاشرے کی خرابیوں میں جو بے حساب اضافہ ہوا اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

باجماعت نماز کے فضائل و احکام

نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایمان کی نشانی اور اسلام کا شعار بھی ہے اور اس کا ادا کرنا اسلامیت کا ثبوت اور اس کا ترک کر دینا دین سے بے اعتنائی اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے تعلقی کی علامت ہے، اس لئے ضروری تھا کہ نماز کی ادائیگی کا کوئی ایسا بندوبست ہو کہ ہر شخص اس فریضہ کو اعلانیہ علی رؤس الاشہاد یعنی سب کے سامنے ادا کرے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز باجماعت کا نظام قائم فرمایا اور ہر مسلمان کے لئے جو بیمار یا کسی دوسری وجہ سے معذور نہ ہو جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دیا۔ ہمارے نزدیک اس نظام جماعت کا خاص راز اور اس کی خاص الخاص حکمت یہی ہے کہ اس کے ذریعہ افراد امت کا روزانہ بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبہ کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہ کر سکتے۔

نیز نماز باجماعت کی وجہ سے مسجد میں عبادت و انابت اور توجہ الی اللہ و دعوات صالحہ کی جو فضا قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اس کے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مختلف الاحوال بندوں کے قلوب ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسمانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے اور جماعت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے (جس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں دی ہے) نماز جیسی عبادت میں ملائکۃ اللہ کی جو معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے یہ سب اسی نظام جماعت کے برکات ہیں۔

پھر اس سب کے علاوہ اس نظام جماعت کے ذریعہ امت میں جو اجتماعیت پیدا کی جا سکتی ہے اور محلہ کی مسجد کے روزانہ پنج وقتی اجتماع اور پوری بستی کی جامع مسجد کے ہفتہ وار وسیع اجتماع اور سال میں دو دفعہ عیدگاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماع سے جو تنظیمی اجتماعی اور ملی فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں ان کا سمجھنا تو آج کے ہر آدمی کے لئے بہت آسان ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيْضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِىْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِىَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةَ فِى الْمَسْجِدِ الَّذِىْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ إِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّهُنَّ (أَىِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ) مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِىْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّىْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِىْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے کو (یعنی مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز با جماعت میں شریک نہ ہونے والا یا تو بس کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت ڈھکی چھپی نہیں ہوتی تھی، بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا۔ یا کوئی بیچارہ مریض ہوتا تھا (جو بیماری کی مجبوری سے مسجد تک نہیں آسکتا تھا) اور بعضے مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو "سنن ہدیٰ" کی تعلیم دی ہے۔ (یعنی دین و شریعت کی ایسی باتیں بتلائی ہیں جن سے ہماری ہدایت و سعادت وابستہ ہے) اور انہی "سنن ہدیٰ" میں سے ایسی مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہو جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے "سنن ہدیٰ" مقرر فرمائی ہیں (یعنی ایسے اعمال کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقام قرب و رضا تک پہنچانے والے ہیں) اور یہ پانچوں نمازیں جماعت سے مسجد میں ادا کرنا انہی "سنن ہدیٰ" میں سے ہیں اور اگر تم اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ یہ ایک آدمی جماعت سے الگ اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے (یہ اس زمانے کے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ تھا) تو تم اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا طریقہ چھوڑ دو گے اور جب تم اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا طریقہ چھوڑ دو گے تو یقین جانو کہ تم راہ ہدایت سے ہٹ جاؤ گے اور گمراہی کے غار میں جا گرو گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمودہ "سنن ہدیٰ" میں سے ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان اہم دینی تعلیمات میں سے ہے، جن سے امت کی ہدایت وابستہ ہے۔ آگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جماعت کی پابندی ترک کر کے اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھنے لگنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لینا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس امت کے اس اولین دور میں جو مثالی اور معیاری دور تھا، منافقوں اور مجبور مریضوں کے علاوہ ہر مسلمان جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے بعض صاحب عزیمت بندے تو بیماری کی حالت میں بھی دوسروں کے سہارے آ کر جماعت میں شرکت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس پورے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت کی حیثیت ان کے اور عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک دینی واجبات کی سی ہے۔ بعض حضرات نے اس روایت کے لفظ "سنن الہدیٰ" سے یہ سمجھا ہے کہ جماعت کا درجہ فقہی اصطلاح کے مطابق بس "سنت" کا ہے، غالباً انہوں نے غور کرتے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس پورے ارشاد کو سامنے نہیں رکھا۔ آگے درج ذیل ہونے والی حدیث سے اس مسئلہ پر اور زیادہ روشنی پڑے گی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلوٰةٌ أَثْقَلُ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ

الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيمَ ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ بَعْدُ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منافقوں پر کوئی نماز بھی فجر و عشاء سے زیادہ بھاری نہیں ہے، اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے اور کیا برکتیں ہیں تو وہ ان نمازوں میں بھی حاضر ہوا کرتے اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا (یعنی اگر بالفرض کسی بیماری کی وجہ سے وہ چل کر نہ آ سکتے تو گھٹنوں کے بل گھسٹ کے آتے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا) کہ میرے جی میں آتا ہے کہ (کسی دن) میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لئے اقامت کہے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ (میری جگہ) وہ لوگوں کی امامت کرے اور خود آگ کے شعلے ہاتھ میں لوں اور ان لوگوں پر (یعنی ان کے موجود ہوتے ہوئے ان کے گھروں میں) آگ لگا دوں جو اس کے بعد بھی (یعنی اذان سننے کے بعد بھی) نماز میں شرکت کرنے کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اللہ اکبر! کتنی سخت وعید ہے، اور کیسے جلال اور غصہ کا اظہار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جماعت میں غیر حاضر ہوتے تھے۔

اور اسی بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی طرح کا ایک زوردار ارشاد حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ صاف اور صریح ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ عَنْ تَرْكِ الْجَمَاعَةِ أَوْ لَأُحَرِّقَنَّ بُيُوتَهُمْ. (كنز العمال بحواله ابن ماجه)

لوگوں کو چاہیے کہ وہ جماعت ترک کرنے سے باز آئیں، نہیں تو ان کے گھروں میں آگ لگوا دوں گا۔

یہ تارکین جماعت جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنے سخت غصہ کا اظہار فرمایا، خواہ عقیدے کے منافق ہوں یا عمل کے منافق (یعنی دینی اعمال میں سستی اور کوتاہی کرنے والے) بہرحال اس وعید اور دھمکی کا تعلق ان کے عمل "ترک جماعت" سے ہے۔ اسی بناء پر بعض ائمہ سلف (جن میں سے ایک امام احمد ابن حنبل بھی ہیں) اس طرف گئے ہیں کہ ہر غیر معذور شخص کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے، یعنی ان کے نزدیک جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے اسی طرح اس کو جماعت سے پڑھنا ایک مستقل فرض ہے اور جماعت کا تارک ایک فرض عین کا تارک ہے۔ لیکن محققین احناف نے "جماعت" سے متعلق تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا درجہ واجب کا ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے، اور مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ایک طرح کی تہدید اور دھمکی ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں چیزوں کے خواص اور اثرات میں درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے اور اس کی بناء پر ان چیزوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں بھی فرق ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے اور اس کا صحیح اور تفصیلی علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی شی کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں عمل کے مقابلے میں اتنے درجہ افضل ہے تو وہ اس انکشاف کی بناء پر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا جاتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۲۷ گنا زیادہ ملنے والا ہے، وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ایمان کو بتلائی۔ اب صاحب ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اس پر دل سے یقین کرتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے۔

اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۶ درجہ کی کمی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسارہ اور بڑی محرومی ہے۔

جماعت سے رخصت کی صورتیں

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا (کھانے کے لئے) سامنے رکھ دیا جائے اور (دوسری طرف مسجد میں) جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے وہ کھانا کھا لے اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے جلد بازی سے کام نہ لے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: شارحین نے لکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آدمی کو بھوک اور کھانے کا تقاضا ہو اور کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو، ایسی حالت میں اگر آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانا چھوڑ کے نماز میں شریک ہو تو اس کا قوی امکان ہے کہ اس کا دل نماز پڑھتے ہوئے بھی کھانے میں لگا رہے، اس لئے ایسی صورت میں شریعت کا حکم اور حکمت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ پہلے کھانے سے فارغ ہو اس کے بعد نماز پڑھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ خود ان کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو ایسی صورت میں آپ کھانا چھوڑ کے نہیں بھاگتے تھے بلکہ کھانا کھاتے رہتے تھے، حالانکہ (مکان مسجد کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے) امام کی قرأت کی آواز کانوں میں آ رہی ہوتی تھی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریعت وسنت کے بے حد پابند بلکہ عاشق تھے، ان کا یہ طرز عمل خود ان کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث ہی کی وجہ سے تھا۔

جماعت میں صف بندی

نماز کے لئے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نظم جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین ترتیب اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو، نہ پیچھے، پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے، دانا، سردار اور صاحب علم و فہم اگلی صفوں میں، اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اب احادیث کو ملاحظہ فرمائیں۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتّٰى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَأَى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ أَنْ يُكَبِّرَ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ. (رواہ مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کرتے تھے گویا کہ ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو کس طرح برابر کھڑا ہونا چاہیے) اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کہہ کے نماز شروع فرما دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ: حَتّٰى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ

"گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفوں کے ذریعہ تیر سیدھے کریں گے۔"

کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ اہل عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لئے جو تیر تیار کرتے تھے ان کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی، اس لئے کسی چیز کی برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں مبالغے کے موقع پر یہاں کہا جاتا تھا کہ وہ چیز ایسی برابر اور اس قدر سیدھی ہے کہ اس کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے۔ الغرض اس حدیث کے راوی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب بس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی اور برابر کرنے کی کوشش فرماتے

تھے کہ ہم میں سے کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو، یہاں تک کہ طویل مدت کی اس مسلسل کوشش اور تربیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان ہو گیا کہ ہم کو یہ بات سمجھ آ گئی، لیکن اس کے بعد جب ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ میں ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی تو بڑے جلال کے انداز میں فرمایا کہ: اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم بے پروائی اور کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے رخ ایک دوسرے سے مختلف کر دے گا، یعنی تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کر دی جائے گی اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی، جو امتوں اور قوموں کے لئے اس دنیا میں سو عذابوں کا ایک عذاب ہے۔ صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں کوتاہی اور غفلت پر باہمی اختلاف اور پھوٹ کی وعید متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور بلاشبہ اس قصور اور اس کی اس سزا میں خاص مناسبت ہے۔ افسوس بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس معاملہ میں بھی کوتاہی خاص کر بعض علاقوں میں بہت عام ہو چکی ہے۔

عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلٰوةَ. (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد)

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی، اس لئے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ: اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل بھر چکی ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ آگے کی صف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹ کے اپنے ساتھ کھڑا کر لے، بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا، اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے اور اس صورت میں عند اللہ یہ شخص معذور ہو گا۔

صف بندی میں ترتیب

عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے اپنے گھر میں، اور میرے ساتھ (میرے بھائی) یتیم نے بھی (یعنی ہم دونوں صف بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے) اور ہماری والدہ ام سلیم ہم دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں صرف ایک عورت بھی شریک ہو تو اس کو بھی مردوں اور بچوں سے الگ سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے، حتیٰ کہ اگر بالفرض آگے صف میں اس کے سگے بیٹے ہی ہوں تب بھی وہ ان کے ساتھ کھڑی نہ ہو، بلکہ الگ پیچھے کھڑی ہو۔ (صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ ام سلیم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے پیچھے کھڑا کیا تھا)

اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کس قدر ناپسندیدہ ہے، لیکن عورتوں کا مردوں یا کمسن لڑکوں کے ساتھ بھی کھڑا ہونا چونکہ شریعت کی نگاہ میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور خطرناک ہے، اس لئے عورت اگر اکیلی ہو تو اس کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ اکیلی ہی صف کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔

امامت

دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے، جو جسم انسانی میں قلب کا ہے، اس لئے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری، اور رسول اللہ کی ایک طرح کی نیابت ہے، اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو، اور وہ وہی ہو سکتا ہے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبۃً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو، اور چونکہ آپ کی وراثت میں اول اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اس لئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اتارا، اس کی تلاوت، اس کی تدبر اور اس کے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اس سے پیچھے ہوں گے آپ کی اس نیابت یعنی امامت کیلئے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہوگا۔ اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے اس لئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہوگا، اور اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر کے سے ہوں تو پھر جو کوئی ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور محاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا امامت کیلئے وہ لائق ترجیح ہوگا، اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی سی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلم فضیلت ہے۔ بہرحال امامت کیلئے یہ اصولی ترتیب عقل سلیم کے بالکل مطابق مقتضائے حکمت ہے، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت ہے۔

امام کیلئے ہدایات

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ السَّقِيمَ وَالضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طول نہ دے) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: بعض صحابہ کرام جو اپنے قبیلہ یا محلہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے اپنے عبادتی ذوق و شوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے بعض بیمار یا کمزور یا بوڑھے یا تھکے ہارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی، اس غلطی کی اصلاح کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشاء اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہیے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں کبھی کوئی بیمار یا کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے، اس لئے نماز زیادہ طویل نہ پڑھے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سے چھوٹی سورتیں ہی پڑھی جائیں اور رکوع سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح بھی نہ پڑھی جائے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی معتدل نماز پڑھاتے تھے وہی امت کے لئے اس بارے میں اصل معیار اور نمونہ ہے اور اسی کی روشنی میں ان ہدایات کا مطلب سمجھنا چاہیے۔

نماز کس طرح پڑھی جائے؟

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِىْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِى الثَّالِثَةِ اَوْ فِى الَّتِىْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا (وَفِىْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا) ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِىْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ایک جانب تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے نماز پڑھی، اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ: پھر جا کر نماز پڑھو تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور اس نے پھر سے نماز پڑھی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھر فرمایا کہ: تم جا کے پھر نماز پڑھو تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ اس آدمی نے تیسری دفعہ میں یا اس کے بعد والی دفعہ میں عرض کیا کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں؟! (جیسی مجھے پڑھنی آتی ہے وہ تو میں کئی دفعہ پڑھ چکا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف اپنا رخ کرو، پھر تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز شروع کرو اس کے بعد (جب قرأت کا موقع آ جائے تو) جو قرآن تمہیں یاد ہو اور تمہیں پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو۔ (اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ: سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے سوا جو چاہو پڑھو) پھر قرأت کے بعد رکوع کرو، یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ رکوع میں، پھر رکوع سے اٹھو، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ

مطمئن اور ساکن ہو جاؤ پھر سجدہ میں پھر اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (اور ایک راوی نے اس آخری فقرہ دوسرے سجدہ کے بجائے کہا ہے (پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ) پھر اپنی پوری نماز میں یہی کرو (یعنی ہر رکعت میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ اور تمام ارکان اچھی طرح اطمینان و سکون سے اور ٹھہر ٹھہر کے ادا کرو)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح یہ صاحب جن کا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہوا ہے مشہور صحابی رفاعہ بن رافع کے بھائی خلاد بن رافع تھے اور سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آ کر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں لیکن انہوں نے ان رکعتوں میں بہت جلد بازی سے کام لیا اور رکوع و سجود وغیرہ جس طرح تعدیل و اطمینان کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کے کرنا چاہیئے نہیں کیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی" اور دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

آپ نے پہلی دفعہ میں صاف صاف ان کو یہ نہیں بتلا دیا کہ تم سے نماز میں یہ غلطی ہوئی ہے اور تم کو نماز اس طرح پڑھنا چاہیئے، بلکہ تیسری یا چوتھی دفعہ میں ان کے دریافت کرنے پر بتلایا جانے والے چاہتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے نقطۂ نظر سے یہی بہترین طریقہ ہو سکتا تھا آدمی کو جو سبق اس طرح دیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صاحب کو اس موقع پر دیا، وہ کبھی زندگی بھر نہیں بھولتا اور دوسرے لوگوں میں بھی اس کا چرچا خوب ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر نماز کے متعلق تمام ضروری باتیں نہیں بتلائیں۔ مثلاً یہ نہیں بتلایا کہ رکوع میں، قومہ میں، سجود میں کیا پڑھا جائے، یہاں تک کہ قعدۂ اخیر اور تشہد اور سلام کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے کیا کہ ان سب باتوں سے وہ صاحب واقف تھے۔ ان کی خاص غلطی جس کی اصلاح ضروری تھی یہ تھی کہ وہ رکوع، سجدہ وغیرہ تعدیل کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا نہیں کرتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اسی غلطی کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی فرمائی اور اسی کی اصلاح فرما دی۔

حدیث کے آخری حصہ کے بارے میں راویوں کے بیان میں ذرا سا اختلاف ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے سجدے سے اٹھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: "ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا" (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ) اور بعض دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: "ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا" (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ)۔ یہ دونوں روایتیں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہیں۔ جن ائمہ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں بھی دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے ذرا بیٹھ جانا چاہیئے (جس کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے) اُن کے نزدیک پہلی روایت راجح ہے۔ اور دوسرے حضرات دوسری روایت کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔

اس حدیث کی خاص ہدایت یہی ہے کہ پوری نماز ٹھہر ٹھہر کے اور اطمینان سے پڑھی جائے اور اگر کسی نے بہت جلدی جلدی اس طرح نماز پڑھی کہ اس کے ارکان پوری طرح ادا نہ ہو سکے، مثلاً رکوع و سجدہ میں بس جانا آنا ہوا، اور جتنا توقف ضروری ہے وہ بھی نہیں ہوا تو ایسی نماز ناقابل اعتبار اور واجب الاعادہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے؟

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ. (رواہ مسلم)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے تھے اور قرأت کا آغاز الحمدللہ رب العالمین سے کرتے تھے، اور جب آپ رکوع میں جاتے تو سر مبارک کو نہ تو اوپر کی جانب اٹھاتے اور نہ نیچے کی جانب جھکاتے، بلکہ درمیانی حالت میں رکھتے تھے (یعنی بالکل کمر کے متوازی) اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سجدہ میں اس وقت تک نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے نہ بیٹھ جاتے دوسرا سجدہ نہیں فرماتے اور ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے، اور اس وقت اپنے بائیں پاؤں کو نیچے بچھا لیتے اور داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے اور "عقبۃ الشیطان" (یعنی شیطان کی طرح) بیٹھنے سے منع فرماتے تھے، اور اس بات سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی (سجدہ میں) اپنے بازو (یعنی کلائیاں کہنیوں تک) زمین پر رکھے جس طرح درندے اپنی کلائیاں زمین پر بچھا کے بیٹھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کے نماز ختم فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: نماز عبادت بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اس لئے اس کے لئے قیام، قعود، رکوع و سجود کی وہ شکلیں اور ہیئتیں مقرر کی گئی ہیں جو عبادت اور بندگی کی بہترین اور مکمل ترین تصویر ہیں، اور ان نامناسب ہیئتوں سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے جن میں استکبار، یا بے پروائی یا بد منظری کی شان ہو یا کسی بد فطرت مخلوق کی ہیئت سے مشابہت ہو۔ اسی اصول کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سجدے میں آدمی کلائیاں زمین پر اس طرح بچھا دے جس طرح کتے اور بھیڑیے وغیرہ درندے بچھا کر بیٹھتے ہیں اور اسی اصول کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح بیٹھنے سے بھی منع فرمایا جس کو اس حدیث میں "عقبۃ الشیطان" اور ایک دوسری حدیث میں "اقعاء الکلب" فرمایا گیا ہے۔ شارحین اور فقہاء نے اس کی تشریح دو طرح سے کی ہے۔

اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس سے مراد دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھنا ہے اور چونکہ اس طریقے میں کچھ استکبار اور جلد بازی کی شان ہے، اور اس شکل میں صرف گھٹنے اور پنجے ہی زمین سے لگتے

ہیں۔ نیز کتے، بھیڑیے وغیرہ درندے بھی اسی طرح ایڑیوں پر بیٹھا کرتے ہیں، اس لئے نماز میں اس طرح بیٹھنے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ یہ ممانعت صرف اسی صورت میں ہے جبکہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے، اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو تو وہ معذور ہے، اور اس کے حق میں بلا کراہت جائز ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بطریق مسنون قعدہ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے کبھی کبھی اس طرح بھی بیٹھ جاتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں جو مروی ہے کہ انہوں نے اس طرح بیٹھنے کو "سنۃ نبیکم" فرمایا تو اس کا مطلب بھی بظاہر یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کسی معذوری کی وجہ سے اس طرح بھی بیٹھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بہرحال اگر کوئی معذور ہو تو وہ اس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے، ورنہ عام حالات میں اور بلا عذر نماز میں اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ رَاَیْتُهٗ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَیْهِ وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ یَدَیْهِ مِنْ رُكْبَتَیْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ اسْتَوٰی حَتّٰی یَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهٗ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ یَدَیْهِ غَیْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَیْهِ الْقِبْلَةَ فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّكْعَتَیْنِ جَلَسَ عَلٰی رِجْلِهِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْاُخْرٰی وَقَعَدَ عَلٰی مَقْعَدَتِهٖ. (رواه البخاری)

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز یعنی اس کی تفصیلات آپ سب لوگوں سے زیادہ یاد ہیں (اس کے بعد فرمایا کہ) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ نماز شروع کرتے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مونڈھوں تک لے جاتے اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے، پھر اپنی کمر پوری طرح موڑ دیتے (اور بالکل سیدھی برابر کر دیتے) پھر جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو بالکل سیدھے اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر منکا (یعنی ہر جوڑ) ٹھیک اپنی جگہ پر آ جاتا (یہاں سیدھے کھڑے ہونے کی حالت میں وہ رہتا ہے) پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھ دیتے کہ نہ تو ان کو زمین پر بچھا دیتے اور نہ ان کو سکیڑ لیتے (مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو سکیڑ نہیں لیتے تھے بلکہ آگے بڑھا کر اپنے چہرے کے مقابلے میں دائیں بائیں رکھ لیتے تھے، لیکن کلائیاں

اور ہتھیلیاں زمین سے الگ اور اٹھی رہتی تھیں) اور پاؤں کی انگلیوں کا رُخ سجدہ میں قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔ پھر جب دو رکعت پڑھ کے آپ (التحیات کے لئے) بیٹھتے تو داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے۔ پھر جب آخری رکعت پڑھ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قعدہ اخیرہ کرتے تو اس طرح بیٹھتے کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں کو (اس کے نیچے سے) آگے کی جانب نکال دیتے اور اپنی سرینوں پر بیٹھ جاتے (جس کو تورّک کہتے ہیں)۔ (صحیح بخاری)

تشریح: ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں دوسرے ایک صحابی مالک بن الحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ "حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے، لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے جب ہاتھ اس طرح اُٹھائے جائیں کہ انگلیاں کانوں تک پہنچ جائیں تو ہاتھوں کا نیچے والا حصہ مونڈھوں کے مقابل ہو گا، اور اس صورت کو کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اور مونڈھوں تک اٹھانے سے بھی۔

ایک اور صحابی وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضاحت کے ساتھ یہی بات کہی ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں اُن کے الفاظ یہ ہیں: "رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذَى إِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ" (آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ وہ مونڈھوں کے برابر ہو جاتے اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے محاذات میں آ جاتے)

حضرت ابو حمید ساعدی کی اس حدیث میں ایک خاص بات یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قعدۂ اخیرہ میں اس طریقے پر بیٹھتے تھے جس کو تورّک کہتے ہیں، لیکن حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو حدیث ابھی اوپر گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹھنے کا عام طریقہ وہی تھا جو حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قعدۂ اولیٰ کا بیان کیا ہے اور جس کو اصطلاح میں افتراش کہتے ہیں۔ بعض ائمہ اور شارحین حدیث کا خیال اس بارے میں یہ ہے کہ قعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹھنے کا عام طریقہ تو وہی تھا جو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے، لیکن کبھی کبھی سہولت کے لئے یہ ظاہر کرنے اور بتانے کے واسطے کہ اس طرح بھی بیٹھا جا سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تورّک بھی کیا ...... دوسری رائے اس کے بالکل برعکس بھی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں ہی طریقے مشروع ہیں۔

خاص اذکار اور دُعائیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے مختلف اجزاء یعنی قیام اور رکوع و سجود وغیرہ میں جن کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا کرتے تھے اور اس سے جو دعائیں اور التجائیں کرتے تھے (جن میں سے چند ان شاء اللہ آگے درج ہونے والی حدیثوں میں ناظرین کو معلوم ہوں گی) ان اذکار و دعوات سے دل کی جس کیفیت کی ترجمانی ہوتی ہے

وہی دراصل نماز کی حقیقت اور روح ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے ان حدیثوں کو پڑھیے اور ان کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجئے، یہی دولت عظمیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص الخاص ورثہ ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ؟ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر سکوت فرماتے تھے (یعنی آواز سے کچھ نہیں پڑھتے تھے، لیکن محسوس ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموشی سے کچھ پڑھتے ہیں) تو میں نے ایک دفعہ عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتا دیجئے کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کی خاموشی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا پڑھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ ... الخ کہ اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کر دے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دیا ہے، اور اے اللہ! مجھے خطاؤں سے ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولے سے دھو ڈال۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ عام معاصی اور منکرات سے معصوم اور محفوظ تھے لیکن "قربان را بیش بود حیرانی" کے فطری اصول پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لغزشوں سے سخت لرزاں و ترساں رہتے تھے، جو بر بنائے بشریت آپ سے سرزد ہو سکتی تھیں اور معصیت نہ ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالی اور مقام قرب کے لحاظ سے قابل گرفت ہو سکتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قسم کی دعاؤں میں "خطایا" یا "ذنوب" جیسے الفاظ جہاں جہاں آتے ہیں وہاں ان سے اسی قسم کی لغزشیں مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث میں جو دعا مذکور ہوئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اے میرے اللہ! اولاً تو مجھے ہر قسم کی خطاؤں اور غلطیوں سے اس قدر دور رکھ جس قدر کہ تو نے مشرق کو مغرب سے اور مغرب کو مشرق سے دور رکھا ہے اور بر بنائے بشریت جب کوئی خطا مجھ سے سرزد ہو جائے تو اس کو معاف فرما کر اس کے اثر سے بھی مجھے ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ میل کچیل دور کر کے سفید کپڑا بالکل پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اپنی رحمت کے نہایت ٹھنڈے پانی سے میرے باطن کو غسل دے کر خطا قصور سے پیدا ہونے والی اپنے غضب کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کو بالکل ٹھنڈا کر دے اور اس کے بجائے اپنی رضا کی ٹھنڈک اور سکینت میرے باطن کو نصیب فرما دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کے بعد اور قرأت سے پہلے کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پہلے اللہ کی تسبیح اور حمد اس طرح کرتے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ... الخ اے اللہ! تیری ذات پاک اور منزہ ہے اور میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں، اور سارے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں، میں تیری حمد کرتا ہوں اور تیرا نام پاک اور بڑا بابرکت ہے، اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے اور تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: حافظ مجد الدین ابن تیمیہؒ نے منتقی میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اور صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق، دارقطنی کے حوالے سے حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق یہ نقل کرنے کے بعد کہ یہ حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کا افتتاح سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ... الخ سے کرتے تھے لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد عموماً اور اکثر و بیشتر یہی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ... پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے احادیث میں وارد شدہ افتتاح نماز کی دوسری دعاؤں کے مقابلے میں یہی راجح و افضل ہے۔ اگرچہ دوسری ثابت شدہ دعاؤں کا پڑھنا بھی بالکل صحیح ہے۔ مثلاً وہ دعا جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متذکرہ بالا روایت میں ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہے یعنی اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ ... الخ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ رَبِّيْ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا إِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ وَإِذَا رَكَعَ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ، وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ قَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَإِذَا سَجَدَ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيْ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ثُمَّ

يَكُوْنُ مِنْ اٰخِرِ مَا يَقُوْلُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيْمِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ. (رواہ مسلم)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھتے: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ ... اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ تک (یعنی میں نے اپنا رخ ہر طرف سے یکسو ہو کر اس اللہ کی طرف کر دیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، اور میں ان میں سے نہیں ہوں جو اس کے تعلق میں کسی اور کو شریک کرتے ہیں۔ میری عبادت اور میری ہر قسم کی قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہ اور مالک ہے، تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، تو میرا مالک و رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے کو تباہ کیا ہے، اور مجھے اپنی خطاؤں کا اقرار ہے پس اے میرے مالک! میری ساری خطائیں معاف کر دے، گناہوں کا بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں، اور برے اخلاق میری طرف سے ہٹا دے اور دور کر دے ایسا کرنے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں، تیرے حضور میں اور تیری خدمت و اطاعت کے لئے حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ مولا! ہر قسم کی خیر اور بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے اور برائی کا تیری طرف گزر نہیں۔ مجھے تیرا ہی سہارا ہے اور تیری ہی طرف میرا رخ ہے، تو برکت والا اور رفعت والا ہے۔ میں تجھ سے مغفرت اور بخشش کا سائل ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں)۔ (یہ دعا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت شروع کرنے سے پہلے پڑھتے) پھر جب (قرأت سے فارغ ہو کر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع میں جاتے تو کہتے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ ...... وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ" تک (یعنی اے اللہ! میں تیرے حضور میں جھکا ہوا ہوں، اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے سپرد کر دیا ہے۔ میرے کان اور میری آنکھیں اور میرا مغز و استخوان اور میرے رگ پٹھے سب تیرے حضور میں جھکے ہوئے ہیں) ... پھر جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو (سیدھے کھڑے ہو کر) اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ" (یعنی اے اللہ! تیرے ہی لئے حمد ہے، ایسی وسیع اور ایسی حمد جس سے آسمان و زمین کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور ان کے درمیان کا سارا خلا پُر ہو جائے) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں جاتے تو (اللہ کے حضور میں زمین پر اپنی پیشانی رکھ کے) عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ ... اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" تک (یعنی اے اللہ! میں تیرے لئے اور تیرے حضور میں سجدہ کر رہا ہوں اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے حوالے کر دیا ہے۔ میرا چہرہ اپنے اس خالق کے سامنے سجدہ کر رہا ہے جس نے اس کی تخلیق کی اور اس کی یہ صورت بنائی اور اس کے کان اور اس کی آنکھیں بنائیں، مبارک ہے بہترین خالق)۔ پھر تشہد یعنی التحیات اور سلام کے درمیان (سب سے آخر میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ ..... لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ"

تک۔ (یعنی اے اللہ! جو خطائیں میں نے پہلے کیں یا پیچھے کیں اور چھپ کر کیں یا علانیہ کیں اور جو بھی میں نے زیادتی کی اور جس کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے اس سب کو معاف فرما دے اور مجھے بخش دے، تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے ڈال دینے والا ہے یعنی تو جسے چاہے آگے بڑھائے اور جسے چاہے پیچھے ہٹائے۔ تیرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں) ...(صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کے دفاتر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے متعلق روایات کا جو ذخیرہ ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی جو تفصیل اور رکوع و سجود اور قومہ وغیرہ کی جو دعائیں ذکر کی ہیں یہ روز مرہ کی فرض نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام اور دائمی معمول نہیں تھا، غالباً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ غالب ہے کہ آپ تہجد کی نماز اس طرح پڑھتے ہوں۔ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو تہجد ہی کی احادیث کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہوئی ہیں، ان سے کچھ سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کس ذوق سے ادا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی ذرہ ہم کو نصیب فرمائے۔

نماز میں خاص کر تہجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور بھی بہت سی دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، جو ان شاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر ذکر کی جائیں گی، ان سب دعاؤں میں ایک خاص روح ہے، اگر اس کا اطمینان ہو کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو گی تو فرض نمازوں میں بھی امام ان دعاؤں میں سے پڑھ سکتا ہے اور نوافل میں تو اس دولت عظمیٰ سے حصہ لینا ہی چاہیے۔ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ۔

نماز کے بعد پڑھنے کی دعا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ أُوْصِيْكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ.

اے معاذ! بخدا! میں تم سے محبت رکھتا ہوں تم کو تاکید کے ساتھ یہ نصیحت و ہدایت کرتا ہوں کہ تم ہر نماز کے بعد (یہ دعا کرنا اور یوں کہنا) ہرگز نہ چھوڑنا (ہر نماز کے بعد) کہنا اور دعا مانگنا۔

"اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"

(اے اللہ! تو میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر و شکر کرتا رہوں اور تیری عبادت بہترین طور پر ادا کرتا رہوں) (مسند احمد، ابو داؤد، نسائی)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا نام لے کر اور یا معاذ! کہہ کر مخاطب فرمایا ہے، جس سے غرض یہ تھی کہ آپ کی زبان مبارک سے اپنا نام سنتے ہی حضرت معاذ پوری طرح متوجہ ہو جائیں اور جو کچھ آپ فرمانا چاہتے ہیں وہ پوری توجہ اور غور کے ساتھ سنیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جوان انصاری صحابی ہیں جنہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے علم و تفقہ کا اندازہ ہو چکا تھا اور آپ نے انہیں اس منصب کا اہل سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک روز اس طرح ان کا امتحان بھی لیا تھا۔

آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے معاذ! (یہ بتاؤ کہ) تم یمن میں پیش آنے والے معاملات و مقدمات کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس معاملہ کا حکم تم کو اللہ کی کتاب میں نہ ملے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پھر آپ کی سنت و حدیث کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ اگر اس کا حکم میری حدیث و سنت میں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ تب میں اپنی عقل و رائے اور اپنی سوجھ بوجھ سے کام لوں گا اور اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔

حضرت معاذؓ کے یہ جوابات سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت و خوشی کے ساتھ فرمایا: الحمد للہ، خدا کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے نمائندہ کو ایسی بات سمجھا دی جسے اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے ساتھ اپنی محبت کے اظہار میں قسم بھی کھائی ہے جو نفس حقیقت واقعہ کے مطابق بھی ہے اور عرب میں اس طرح کا استعمال رائج بھی تھا۔ اس لئے کسی کو اس پر کوئی شک نہ ہونی چاہئے۔ بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات مظہر احکام بھی تو تھی، پھر اس طرح کی قسم اس بات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے تو آپ کا مقصد بھی اس قسم سے یہی ہے کہ حضرت معاذؓ بخوبی نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنے کی تاکید اچھی طرح سمجھ لیں اور پابندی کے ساتھ یہ دعا ضرور پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر دل سے بھی ہو اور زبان سے بھی ہو اور اس کی نعمتوں کا شکر بھی ہر وقت ہر آن ہوتا رہے کہ وہ نعمتیں جس مقصد کے لئے دی گئی ہیں۔ اسی میں صرف ہوں۔ عبادات بھی حسن و خوبی کے ساتھ ادا ہوتی رہیں، ان میں کوئی نقصان، کوتاہی و بے ادبی نہ ہونے پائے ورنہ ان عبادات پر وہ ثمرات و حسنات مرتب نہ ہوں گے جو ان عبادات سے مطلوب ہیں۔

نماز میں خشوع و خضوع

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ- قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ.

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ رکوع اور سجدے میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے۔ (مسند، ابوداؤد، ترمذی)

فائدہ: بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں جو جماعت کا بھی اہتمام فرماتے ہیں لیکن اس کے باوجود ایسی بری طرح پڑھتے ہیں کہ وہ نماز بجائے اس کے کہ اجر و ثواب کا سبب ہو ناقص ہونے کی وجہ سے منہ پر ماردی جاتی ہے گو نہ پڑھنے سے یہ بھی بہتر ہے کیونکہ نہ پڑھنے کی صورت میں جو عذاب ہے وہ بہت زیادہ سخت ہے اور اس صورت میں یہ ہوا کہ وہ قابل قبول نہ ہوئی اور منہ پر پھینک کر ماردی گئی اس پر کوئی ثواب نہ ہوا۔ لیکن نہ پڑھتے تو جس درجہ کی نافرمانی اور نحوست ہوتی وہ تو اس صورت میں نہ ہوگی البتہ یہ مناسب ہے کہ جب آدمی وقت خرچ کرے کاروبار چھوڑے مشقت اٹھائے تو اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ جتنی زیادہ وزنی اور قیمتی نماز پڑھ سکے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے گو وہ قربانی کے بارے میں ہے مگر حکم تو سارے ایک ہی ہیں۔ فرماتے ہیں نہ تو حق تعالیٰ شانہ کے پاس ان (جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون۔ بلکہ اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ لہٰذا جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کی مقبولیت ہوگی۔ نماز کے بارے میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں جو ایسے ہیں کہ دکھلاوا کرتے ہیں۔

بے خبر ہونے کی بھی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وقت کی خبر نہ ہو قضا کر دے۔ دوسرے یہ کہ متوجہ نہ ہو۔ ادھر ادھر مشغول ہو۔ تیسرے یہ کہ یہی خبر نہ ہو کتنی رکعتیں ہوئیں۔ دوسری جگہ منافقین کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھلاتے ہیں۔ (کہ ہم بھی نمازی ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت تھوڑا سا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے رکوع سجدہ کو اچھی طرح ادا کرے۔ ہمہ تن متوجہ رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔ قتادہ سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ نماز کا قائم کرنا اس کے اوقات کی حفاظت رکھنا اور وضو کا اور رکوع سجدے کا اچھی طرح ادا کرنا ہے۔ یعنی جہاں جہاں قرآن شریف میں اقام الصلوٰۃ اور یقیمون الصلوٰۃ آیا ہے یہی مراد ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

(۱) کوے کی سی ٹھونگیں مارنے سے۔

(۲) اور (سجدے) میں درندوں کی طرح بازوؤں کو بچھانے سے۔

(۳) اور اس سے بھی کہ آدمی مسجد میں کسی مخصوص جگہ کو اپنے لئے مقرر کر لے جیسا کہ اونٹ کر لیا کرتا ہے۔

تشریح: (۱) کوے کی سی ٹھونگیں مارنے کا مطلب واضح ہے کہ رکوع کیا تو وہیں سے سجدے میں چلے گئے۔ سجدے سے اٹھے تو سر اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً کوے کی سی ٹھونگ دوسری مار دی۔ یعنی رکوع و سجدے اتنی جلدی جلدی نہ کئے جائیں کہ ابھی سر جھکایا اور فوراً ہی اٹھ گئے۔

(۲) سجدے میں کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی اور پہلو سے الگ رہنی چاہئیں البتہ کوئی بیمار ہے، بہت بوڑھا ہے اور وہ کہنیاں زمین پر ٹکا کر سہارا لینے کے لئے مجبور ہے تو اس کی بات اور ہے علماء نے لکھا ہے کہ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملانے کا اور رکوع میں انگلیوں کو کشادہ و منجمد کرنے کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ شریعت نے انگلیوں کو ملانے کا ' کھولنے کا حکم بے فائدہ نہیں فرمایا ہے یعنی ایسے معمولی آداب کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اور نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ کا جمائے رکھنا اور رکوع کی حالت میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدے میں ناک پر رکھنا اور بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر نگاہ رکھنا نماز میں خشوع کو پیدا کرتا ہے اور اس سے نماز میں دلجمعی نصیب ہوتی ہے جب ایسے معمولی آداب بھی اتنے اہم فائدے رکھتے ہیں تو بڑے آداب اور سنتوں کی رعایت کا خود اندازہ کر لیجئے کہ کس قدر فائدہ بخشے گی۔

(۳) اونٹ کی عادت یہ ہوتی ہے کہ جس جگہ وہ بیٹھنے لگتا ہے وہاں پھر دوسرے اونٹ کو نہیں بیٹھنے دیتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو مسجد کے اندر کوئی خاص جگہ اپنے لئے ایسی نہیں مقرر رکھنی چاہئے کہ اگر کسی وقت کوئی دوسرا وہاں بیٹھ جائے تو اسے ناگوار ہو۔ مسجد تمام مسلمانوں کی جگہ ہے جو شخص جہاں پہلے آ کر بیٹھ گیا وہ اسی کی جگہ ہے۔

عبادت اور خشوع و خضوع سے متعلق اولیاء اللہ کے چند واقعات

حضرت محمد بن نصرؒ کا خشوع و خضوع

حضرت محمد بن نصرؒ مشہور محدث ہیں۔ اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے جس کی نظیر مشکل ہے۔ ایک مرتبہ پیشانی پر ایک بھڑ نے نماز میں کاٹا جس کی وجہ سے خون بھی نکل آیا مگر نہ حرکت ہوئی نہ خشوع و خضوع میں کوئی فرق آیا۔ کہتے ہیں کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حرکت کھڑے رہتے تھے۔ حضرت بقی بن مخلدؒ روزانہ تہجد اور وتر کی تیرہ رکعت میں ایک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

حضرت مسروقؒ اور حضرت سعیدؒ کی عبادت

مسروقؒ ایک محدث ہیں ان کی بیوی کہتی ہیں کہ وہ نمازیں اتنی لمبی لمبی پڑھا کرتے کہ ان کی پنڈلیوں پر ہمیشہ اس کی وجہ سے ورم رہتا تھا اور میں ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی ان کے حال پر ترس کھا کر رویا کرتی تھی۔ سعید بن المسیبؒ کے متعلق لکھا

ہے کہ پچاس برس تک عشاء اور صبح ایک ہی وضو سے پڑھی اور ابو المعتمر کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک ایسا ہی کیا۔ امام غزالی نے ابو طالب مکی سے نقل کیا کہ چالیس تابعین سے تواتر کے طریق سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کی وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے ان میں سے بعض کا چالیس برس تک یہی عمل رہا (اتحاف)

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مقام عبادت

حضرت امام اعظمؒ کے متعلق تو بہت کثرت سے یہ چیز نقل کی گئی کہ تیس یا چالیس یا پچاس برس عشاء اور صبح ایک وضو سے پڑھی اور یہ اختلاف نقل کرنے والوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ جس شخص کو جتنے سال کا علم ہوا اتنا ہی نقل کیا۔ لکھا ہے کہ آپ کا معمول صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سونے کا تھا اور یہ کہ فرمایا کہ میں نے ان کا حق نہیں رہایا اور جو دوسروں کا حق تھا وہ ان کو دیا نہیں پس اگر وہ صالح ہیں تو اللہ جل شانہ خود ان کا کفیل ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وھو یتولی الصلحین (وہی متولی ہے صلحاء کا) اور اگر وہ گنہگار ہیں تو ان کی مجھے بھی کچھ پرواہ نہیں۔

علماء وفقہاء کے حالات

حضرت سعید بن جبیرؒ ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔ حضرت محمدؒ بن منکدرؒ حفاظ حدیث میں ہیں۔ ایک رات تہجد میں اتنی کثرت سے روئے کہ حد نہیں کسی نے دریافت کیا تو فرمایا تلاوت میں یہ آیت آ گئی تھی۔ وبدا لھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون الخ (سورہ زمر ر۵) اس سے پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا کی ساری چیزیں ہوں اور اتنی ہی ان کے ساتھ اور بھی ہوں تو وہ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹنے کے لئے فدیہ کے طور پر دینے لگیں اس کے بعد ارشاد ہے۔ وبدا لھم الآیۃ اور اللہ کی طرف سے ان کے لئے (عذاب کا) وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور اس وقت ان کو اپنی تمام بداعمالیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ حضرت محمدؒ ابن منکدر وفات کے وقت بھی بہت گھبرا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی آیت سے ڈر رہا ہوں۔

حضرت ثابت بنانیؒ کی قبر میں نماز

حضرت ثابت بنانی حفاظ حدیث میں ہیں اس قدر کثرت سے اللہ کے سامنے روتے تھے کہ حد نہیں کسی نے عرض کیا کہ آنکھیں جاتی رہیں گی۔ فرمایا ان آنکھوں سے اگر روئیں نہیں تو فائدہ ہی کیا ہے۔ اس کی دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ اگر کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہو سکتی ہو تو مجھے بھی ہو جائے۔ ابوسنانؒ کہتے ہیں خدا کی قسم میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ثابت کو دفن کیا۔ دفن کرتے ہوئے لحد کی ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے اس نے مجھے کہا چپ ہو جاؤ۔ جب دفن کر چکے تو ان کے گھر جا کر ان کی بیٹی سے دریافت کیا کہ ثابت کا عمل کیا تھا۔ اس نے کہا کیوں پوچھتے ہو؟ ہم نے قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا کہ پچاس برس شب بیداری کی اور صبح کو ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ اگر تو کسی کو یہ دولت عطا کرے کہ وہ قبر میں نماز پڑھے تو مجھے بھی عطا فرما۔

امام ابو یوسفؒ کی نوافل

حضرت امام ابو یوسفؒ باوجود علمی مشاغل کے جو سب کو معلوم ہیں اور ان کے علاوہ قاضی القضاۃ ہونے کی وجہ سے قضا کے مشاغل علیحدہ تھے۔ لیکن پھر بھی دو سو رکعات نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔

نماز کا ثواب خشوع خضوع کے مطابق ہوتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے ثواب کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے اسی طرح بعض کے لئے نواں حصہ بعض کے لئے آٹھواں حصہ ساتواں چھٹا۔ پانچواں چوتھائی تہائی آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔

فائدہ۔ یعنی جس درجہ کا خشوع اور اخلاص نماز میں ہوتا ہے اتنی ہی مقدار اجر وثواب کی ملتی ہے حتیٰ کہ بعض کو پورے اجر کا دسواں حصہ ملتا ہے اگر اس کے موافق خشوع خضوع ہو اور بعض کو آدھا مل جاتا ہے اور اسی طرح دسویں سے کم اور آدھے سے زیادہ بھی مل جاتا ہے حتیٰ کہ بعض کو پورا پورا اجر مل جاتا ہے اور بعض کو بالکل بھی نہیں ملتا کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرض نماز کے لئے اللہ کے یہاں ایک خاص وزن ہے جتنی اس میں کمی رہ جاتی ہے اس کا حساب کیا جاتا ہے احادیث میں آیا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا کہ پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ملے گا۔ (جامع الصغیر)

خشوع اور بغیر خشوع والی نماز کا فرق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے وضو بھی اچھی طرح کرے خشوع وخضوع سے بھی پڑھے کھڑا بھی پورے وقار سے ہو۔ پھر اسی طرح رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے اطمینان سے کرے غرض ہر چیز کو اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی۔ اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے وقت کو بھی ٹال دے وضو بھی اچھی طرح نہ کرے رکوع سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا۔ اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔

فائدہ: خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نماز کو اچھی طرح پڑھیں کہ اللہ کی اہم ترین عبادت ان کے لئے دعا کرتی ہے لیکن عام طور سے جیسی نماز پڑھی جاتی ہے کہ رکوع کیا تو وہیں سے سجدے میں چلے گئے۔ سجدے سے اٹھے تو سر اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً کوے کی سی ٹھونگ دوسری دفعہ ماردی۔ ایسی نماز کا جو حشر ہے وہ اس حدیث شریف میں ذکر فرما دیا اور پھر جب وہ بربادی کی بددعا کرے تو اپنی بربادی کا گلہ کیوں کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمان گرتے جا رہے ہیں اور ہر طرف تباہی ہی تباہی کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جو نماز خشوع خضوع سے پڑھی جاتی ہے آسمان کے دروازے اس کیلئے کھل جاتے ہیں وہ نہایت نورانی ہوتی ہے وہ نمازی کیلئے حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں سفارش کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس نماز میں رکوع اچھی طرح نہ کیا

جائے کہ کر پوری پھٹ جائے اس کی مثال اس عورت کی سی ہے جو حاملہ ہو اور جب بچہ ہونے کا وقت قریب آ جائے تو اسقاط کر دے (ترغیب) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو روزے سے بجز بھوکا اور پیاسا رہنے کے کوئی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کو جاگنے کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملتی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو قیامت کے دن پانچوں نمازیں ایسی لے کر حاضر ہو کہ ان کے اوقات کی بھی حفاظت کرتا رہا ہو اور وضو کا بھی اہتمام کرتا رہا ہو اور ان نمازوں کو خشوع خضوع سے پڑھتا رہا ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ نے عہد فرمایا ہے کہ اس کو عذاب نہیں کیا جائے گا اور جو ایسی نمازیں نہ لے کر حاضر ہو اس کے لئے کوئی عہد نہیں ہے چاہے اپنی رحمت سے معاف فرما دیں چاہے عذاب دیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا تمہیں معلوم بھی ہے اللہ جل شانہٗ نے کیا فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہی جانتے ہیں؟ حضورؐ نے اہتمام کی وجہ سے تین مرتبہ یہی دریافت فرمایا اور صحابہ کرام یہی جواب دیتے رہے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنی عزت اور بڑائی کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ جو شخص ان نمازوں کو اوقات کی پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے گا میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جو پابندی نہ کرے گا تو میرا دل چاہے گا رحمت سے بخش دوں گا ورنہ عذاب دوں گا۔ (فضائل اعمال)

بدترین چور

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِيْ يَسْرِقُ صَلٰوتَهٗ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَسْرِقُ صَلٰوتَهٗ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدترین چوری کرنے والا شخص وہ ہے جو نماز میں سے بھی چوری کر لے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں سے کس طرح چوری کرے گا۔ ارشاد فرمایا کہ اس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح نہ کرے۔ (رواہ احمد)

فائدہ: یہ مضمون کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے اول تو چوری خود ہی کس قدر ذلت کی چیز ہے اور چور کو کیسی حقارت سے دیکھا جاتا ہے پھر چوری میں بھی اس حرکت کو بدترین چوری ارشاد فرمایا ہے کہ رکوع سجدہ کو اچھی طرح نہ کرے۔

سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت علم دنیا سے اٹھ جانے کا وقت (منکشف ہوا) ہے۔ حضرت زیادؓ صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ علم ہم سے کس طرح اٹھ جائے گا ہم لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں (اور وہ اسی طرح اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور سلسلہ چلتا رہے گا) حضورؐ نے فرمایا میں تو تجھ کو بڑا سمجھدار خیال کرتا تھا یہ یہودی و نصاریٰ بھی تو توراۃ انجیل پڑھتے پڑھاتے ہیں پھر کیا کارآمد ہوا۔ ابو الدرداءؓ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے دوسرے صحابی حضرت عبادہؓ سے جا کر یہ قصہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو الدرداءؓ سچ کہتے ہیں اور میں بتاؤں کہ سب سے پہلے کیا چیز دنیا سے اٹھے گی۔ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھ جانے کا تو دیکھے گا

کہ بھری مسجد میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ جو حضورؐ کے رازدار کہلاتے ہیں۔ وہ بھی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس نماز کی طرف توجہ ہی نہیں فرماتے جس میں رکوع سجدہ اچھی طرح نہ کیا جائے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے کہ آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے مگر ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع اچھی طرح کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا سجدہ کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا۔

نماز میں سکون کا اہتمام ضروری ہے

حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومان فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی تھی نماز میں ادھر ادھر جھکنے لگی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دیکھ لیا تو مجھے اس زور سے ڈانٹا کہ میں (ڈر کی وجہ سے) نماز توڑنے کے قریب ہوگئی پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کوئی شخص نماز کو کھڑا ہو تو اپنے تمام بدن کو بالکل سکون سے رکھے یہود کی طرح ہلے نہیں۔ بدن کے تمام اعضاء کا نماز میں بالکل سکون سے رہنا نماز کے پورا ہونے کا جزو ہے۔

فائدہ:۔ نماز کے درمیان میں سکون سے رہنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ اکثر آسمان کی طرف دیکھنے کی تھی کہ وحی کے فرشتے کا انتظار رہتا تھا اور جب کسی چیز کا انتظار ہوتا ہے تو اس طرف نگاہ بھی لگ جاتی ہے اسی وجہ سے کبھی نماز میں نگاہ اوپر اٹھ جاتی تھی۔ جب قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون نازل ہوئی تو پھر نگاہ نیچے رہتی تھی۔ صحابہؓ کے متعلق بھی حدیث میں آیا ہے کہ اول اول ادھر ادھر توجہ فرمالیا کرتے تھے مگر اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد سے کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسی آیت شریفہ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے ہمہ تن نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ اپنی نگاہوں کو سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ حضرت علیؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ خشوع کیا چیز ہے۔ فرمایا کہ خشوع دل میں ہوتا ہے (یعنی دل سے نماز میں متوجہ رہنا) اور یہ بھی اس میں داخل ہے کہ کسی طرف توجہ نہ کرے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خشوع کرنے والے وہ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور نماز میں سکون سے رہنے والے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ نفاق کے خشوع سے اللہ ہی سے پناہ مانگو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور نفاق کا خشوع کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ظاہر میں تو سکون ہو اور دل میں نفاق ہو۔ حضرت ابوالدرداءؓ بھی اس قسم کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جس میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ نفاق کا خشوع یہ ہے کہ ظاہر بدن تو خشوع والا معلوم ہو اور دل میں خشوع نہ ہو۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ دل کا خشوع اللہ کا خوف ہے اور نگاہ کو نیچی رکھنا۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر رہا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو بدن کے سارے اعضاء میں سکون ہوتا۔ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کا نماز میں سے اچک لینا ہے؟ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ نماز میں اوپر دیکھتے ہیں وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں ورنہ نگاہیں اوپر کی اوپر ہی رہ جائیں گی (درمنثور) بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ خشوع سکون کا نام ہے یعنی نماز نہایت سکون سے پڑھی جائے متعدد احادیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نماز اس طرح پڑھا کرو گویا یہ آخری نماز ہے۔ نماز اس طرح پڑھا کرو جیسا وہ شخص پڑھتا ہے جس کو یہ گمان ہو کہ اس وقت کے بعد مجھے دوسری نماز کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ (فضائل اعمال)

نماز کیسی ہونی چاہئے؟

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ فَقَالَ مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلٰوتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ.

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد ان الصلوۃ تنھی الخ (بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور ناشائستہ حرکتوں سے) کے متعلق دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نماز ایسی نہ ہو اور اس کو بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں۔ (ابن ابی حاتم)

فائدہ: بیشک نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے اور اس کو اپنی اصلی حالت پر پڑھنے کا ثمرہ یہی ہے کہ وہ ایسی نامناسب باتوں سے روک دے۔ اگر یہ بات پیدا نہیں ہوئی تو نماز کے کمال میں کمی ہے۔ بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز میں گناہوں سے روک ہے اور گناہوں سے ہٹاتا ہے حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد ان الصلوۃ تنھی کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اخلاص' اللہ کا خوف' اللہ کا ذکر۔ جس نماز میں یہ چیزیں نہیں وہ نماز ہی نہیں۔ اخلاص نیک کاموں کا حکم کرتا ہے۔ اور اللہ کا خوف بری باتوں سے روکتا ہے اور اللہ کا ذکر قرآن پاک ہے جو مستقل طور پر اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو نماز ی بری باتوں اور مناسب حرکتوں سے نہ روکے وہ نماز بجائے اللہ کے قرب کے اللہ سے دوری پیدا کرتی ہے۔ حضرت حسنؓ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی نماز اس کو بری باتوں سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں اس نماز کی وجہ سے اللہ سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مضمون نقل فرمایا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو نماز کی اطاعت نہ کرے اس کی نماز ہی کیا اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور بری باتوں سے رکے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح ہوتے چوری کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کو اس فعل سے عنقریب ہی روک دے گی۔ (درمنثور) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بری باتوں میں مشغول ہو تو اس کو اہتمام سے نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے بری باتیں اس سے خود ہی

چھوٹ جائیں گی۔ ہر ہر بری بات کے چھڑانے کا اہتمام دشوار بھی ہے اور دیر طلب بھی اور اہتمام سے نماز میں مشغول ہو جانا آسان بھی ہے اور دیر طلب بھی نہیں۔ اس کی برکت سے بری باتیں اس سے اپنے آپ ہی چھوٹتی چلی جائیں۔ (فضائل نماز)

معاویہ بن حکم سلمی کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ مسلمان ہونے کے لئے حاضر ہوا تو مجھے بہت سی چیزیں سکھائی گئیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی تھا کہ جب کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا چاہئے۔ چونکہ نئی تعلیم تھی اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نماز میں کیا کہنا چاہئے۔ ایک صاحب کو نماز میں چھینک آئی میں نے جواب میں یرحمک اللہ کہا۔ آس پاس کے لوگوں نے مجھے تنبیہ کے طور پر گھورا مجھے اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نماز میں بولنا جائز نہیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ تمہارے افسوس تمہیں کیا ہوا کہ مجھے کڑوی کڑوی نگاہوں سے گھورتے ہو۔ مجھے اشارہ سے ان لوگوں نے چپ کر دیا۔ میری سمجھ میں تو آیا نہیں مگر میں چپ ہو گیا۔ جب نماز ختم ہو چکی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے ماں باپ آپ پر قربان) نہ مجھے مارا نہ ڈانٹا نہ برا بھلا کہا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ نماز میں بات کرنا جائز نہیں۔ نماز تو تسبیح و تکبیر اور قرأۃ قرآن ہی کا موقع ہے۔ خدا کی قسم حضور جیسا شفیق استاذ نہ میں نے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ دوسری تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قانتین کے معنی خاشعین کے ہیں یعنی خشوع سے نماز پڑھنے والے۔ اسی کے موافق مجاہد یہ نقل کرتے ہیں جو اوپر ذکر کیا گیا کہ یہ سب چیزیں خشوع میں داخل ہیں یعنی لمبی لمبی رکعات کا ہونا اور خشوع خضوع سے پڑھنا نگاہ کو پست رکھنا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ (فضائل نماز)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ کی کیفیت نماز

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں حضور اقدسؐ رات کو جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے کو رسی سے باندھ لیا کرتے کہ نیند کے غلبہ سے گر نہ جائیں۔ اس پر طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ نازل ہوئی اور یہ مضمون تو کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ حضورؐ اتنی طویل رکعت کیا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آ جاتا تھا۔ اگرچہ ہم لوگوں پر شفقت کی وجہ سے حضورؐ نے یہ ارشاد فرما دیا کہ جس قدر تحمل اور نباہ ہو سکے اتنی محنت کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ تحمل سے زیادہ بار اٹھانے کی وجہ سے بالکل ہی جاتا رہے۔ چنانچہ ایک صحابی عورت نے بھی اسی طرح رسی میں اپنے کو باندھنا شروع کیا تو حضورؐ نے منع فرما دیا۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ تحمل کے بعد جتنی لمبی نماز ہوگی اتنی ہی بہتر اور افضل ہوگی۔ آخر حضورؐ کا اتنی لمبی نماز پڑھنا کہ پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا تھا کوئی بات تو رکھتا ہے۔ صحابہ کرام عرض بھی کرتے کہ سورۂ فتح میں آپ کی مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرما لیا ہے تو حضورؐ فرماتے کہ پھر میں شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی آواز (سانس رکنے کی وجہ سے) ایسی مسلسل آتی تھی جیسا چکی کی آواز ہوتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایسی آواز ہوتی تھی جیسے کہ ہنڈیا کے پکنے کی آواز ہوتی ہے۔ (ترغیب)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے کہ اسی حالت میں صبح فرمادی۔

فقہاء صحابہ کی نماز

مجاہدؒ نے بیان کیا ہے کہ فقہائے صحابہؓ کی یہی نماز تھی۔ وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے اللہ سے ڈرتے تھے۔ حضرت حسنؓ جب وضو فرماتے تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے تو ارشاد فرمایا کہ ایک بڑے جبار بادشاہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑے ہونے کا وقت آ گیا۔ پھر وضو کر کے جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ "یا اللہ تیرا بندہ تیرے دروازہ پر حاضر ہے اے احسان کرنے والے اور بھلائی کا برتاؤ کرنے والے بداعمال تیرے پاس حاضر ہے تو نے ہم لوگوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اچھے لوگ بروں سے درگزر کریں تو اچھائی والا ہے اور میں بدکار ہوں۔ اے کریم میری برائیوں سے ان خوبیوں کی بدولت جن کا تو مالک ہے درگزر فرما"۔ اس کے بعد مسجد میں داخل ہوتے۔

حضرت زین العابدینؒ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے۔ تہجد کبھی سفر یا حضر میں ناغہ نہیں ہوا جب وضو کرتے تو چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن میں لرزہ آ جاتا۔ کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی یہ نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے عرض کیا تو فرمایا کہ دنیا کی آگ سے آخرت کی آگ نے غافل رکھا آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے تکبر کرنے والے پر تعجب ہے کہ کل تک ناپاک نطفہ تھا اور کل کو مردار ہو جائے گا پھر تکبر کرتا ہے؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تعجب ہے کہ لوگ فنا ہونے والے گھر کے لئے تو فکر کرتے ہیں ہمیشہ رہنے والے گھر کی فکر نہیں کرتے۔ آپ کا معمول تھا کہ رات کو چھپ کر صدقہ کیا کرتے' لوگوں کو یہ خبر بھی نہ ہوتی کہ کس نے دیا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو سو گھرانے ایسے نکلے جن کا گزارا آپ کی اعانت پر تھا۔ (نزہت البساتین)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا۔ بدن پر کپکپی آ جاتی۔ کسی نے پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت ہے جس کو آسمان و زمین نہ اٹھا سکے۔ پہاڑ اس کے اٹھانے سے عاجز ہو گئے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کو پورا کر سکوں گا یا نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور قصہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تو قصہ مشہور ہے کہ جب لڑائی میں ان کے تیر لگ جاتے تو وہ نماز ہی میں نکالے جاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ران میں ایک تیر گھس گیا۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی نہ نکل سکا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ جب یہ نماز میں مشغول ہوں اس وقت نکالا جائے۔ آپ نے جب نفلیں شروع کیں اور سجدہ میں گئے تو ان لوگوں نے اس کو زور سے کھینچ لیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آس پاس مجمع دیکھا۔ فرمایا کیا تم تیر نکالنے کے واسطے آئے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم نے نکال بھی لیا۔ آپ نے فرمایا مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب اذان کی آواز سنتے تو اس قدر روتے کہ چادر تر ہو جاتی۔ رگیں پھول جاتیں، آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ کسی نے عرض کیا کہ ہم تو اذان سنتے ہیں مگر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا آپ اس قدر گھبراتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مؤذن کیا کہتا ہے تو راحت و آرام سے محروم ہو جائیں اور نیند اڑ جائے۔ اس کے بعد اذان کے ہر ہر جملہ کی تنبیہ کو مفصل ذکر فرمایا۔

حضرت اویسؒ کا رکوع و سجدہ

حضرت اویس قرنیؒ مشہور بزرگ اور افضل ترین تابعی ہیں۔ بعض مرتبہ رکوع کرتے اور تمام رات اسی حالت میں گزار دیتے۔ کبھی سجدہ میں یہی حالت ہوتی کہ تمام رات ایک ہی سجدہ میں گزار دیتے۔ (ایضاً)

حضرت حاتمؒ کی نماز

عصامؒ نے حضرت حاتم زاہد بلخیؒ سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں۔ فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے اول نہایت اطمینان سے اچھی طرح وضو کرتا ہوں پھر اس جگہ پہنچتا ہوں جہاں نماز پڑھنا ہے اور اول نہایت اطمینان سے کھڑا ہوتا ہوں کہ گویا کعبہ میرے منہ کے سامنے ہے اور میرا پاؤں پل صراط پر ہے۔ داہنی طرف جنت ہے بائیں طرف دوزخ ہے۔ موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ پھر کوئی اور نماز شاید میسر نہ ہو اور میرے دل کی حالت کو اللہ ہی جانتا ہے اس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ اکبر کہتا ہوں۔ پھر معنی کو سوچ کر قرآن پڑھتا ہوں تواضع کے ساتھ رکوع کرتا ہوں، عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں اور اطمینان سے نماز پوری کرتا ہوں اس طرح کہ اللہ کی رحمت سے اس کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہوں اور اپنے اعمال سے مردود ہو جانے کا خوف کرتا ہوں، عصامؒ نے پوچھا کہ کتنی مدت سے آپ ایسی نماز پڑھتے ہیں؟ حاتمؒ نے کہا تیس برس سے عصامؒ رونے لگے کہ مجھے ایک بھی نماز ایسی نصیب نہ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ حاتمؒ کی ایک مرتبہ جماعت فوت ہوگئی جس کا بے حد اثر تھا۔ ایک دو ملنے والوں نے تعزیت کی۔ اس پر رونے لگے اور یہ فرمایا کہ اگر میرا ایک بیٹا مر جاتا تو آدھا بلخ تعزیت کرتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دس ہزار آدمیوں سے زیادہ تعزیت کرتے، جماعت کے فوت ہونے پر ایک دو آدمیوں نے تعزیت کی۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ دین کی مصیبت لوگوں کی نگاہ میں دنیا کی مصیبت سے ہلکی ہے۔

اللہ والوں کے چند واقعات

حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ بیس برس کے عرصہ میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور میں مسجد میں پہلے سے موجود نہ ہوں۔ محمد بن واسعؒ کہتے ہیں کہ مجھے دنیا میں صرف تین چیزیں چاہئیں۔ ایک ایسا دوست ہو جو میری لغزشوں پر متنبہ کرتا رہے۔ ایک بقدر زندگی روزی جس میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ ایک جماعت کی نماز ایسی کہ اس میں جو کوتاہی ہو جائے وہ تو معاف ہو اور جو ثواب ہو وہ مجھے مل جائے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد فرمانے لگے

کہ شیطان نے اس وقت مجھ پر ایک حملہ کیا۔ میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ میں افضل ہوں۔ (اس لئے کہ افضل کو امام بنایا جاتا تھا) آئندہ کبھی بھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ میمونؒ بن مہران ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گئے تو جماعت ہو چکی تھی۔ انا للہ و انا الیہ رٰجعون پڑھا اور فرمایا کہ نماز کی فضیلت مجھے عراق کی سلطنت سے بھی زیادہ محبوب تھی۔

کہتے ہیں کہ ان حضرات کرام میں سے جس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی تھی تین دن تک اس کا رنج کرتے تھے اور جس کی جماعت جاتی رہتی سات دن تک اس کا افسوس کرتے تھے۔ (احیاء)

بکر بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے مالک اپنے مولا سے بلا واسطہ بات کرنا چاہے تو جب چاہے کر سکتا ہے کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر اور نماز کی نیت باندھ لے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم حضورؐ سے باتیں کرتے تھے لیکن جب نماز کا وقت آ جاتا تو ایسے ہو جاتے گویا ہم کو پہچانتے ہی نہیں اور ہمہ تن اللہ کی طرف مشغول ہو جاتے تھے۔ سعید تنوخیؒ جب تک نماز پڑھتے رہتے مسلسل آنسوؤں کی لڑی رخساروں پر جاری رہتی۔ خلف بن ایوبؒ سے کسی نے پوچھا کہ یہ مکھیاں تم کو نماز میں دق نہیں کرتیں؟ کہنے لگے کہ میں اپنے کو کسی ایسی چیز کا عادی نہیں بناتا جس سے نماز میں نقصان آئے۔ یہ بدکار لوگ حکومت کے کوڑوں کو برداشت کرتے رہتے ہیں محض اتنی سی بات کے لئے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا متحمل مزاج ہے اور پھر اس کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔ میں اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کرنے لگوں۔

بہجۃ النفوس میں لکھا ہے کہ ایک صحابیؓ رات کو نماز پڑھ رہے تھے ایک چور آیا اور گھوڑا کھول کر لے گیا۔ لے جاتے ہوئے اس پر بھی نظر پڑ گئی مگر نماز نہ توڑی۔ بعد میں کسی نے کہا بھی کہ آپ نے پکڑ نہ لیا۔ فرمایا جس چیز میں میں مشغول تھا وہ اس سے بہت اونچی تھی۔

مسلم بن یسار اور دوسرے بزرگوں کے واقعات

مسلم بن یسارؒ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں سے کہہ دیتے کہ تم باتیں کرتے رہو مجھے تمہاری باتوں کا پتہ نہیں چلے گا۔ ربیعؒ کہتے ہیں کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں مجھ پر اس کا فکر سوار ہو جاتا ہے کہ مجھ سے کیا کیا سوال و جواب ہوگا۔ عامر بن عبداللہؒ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں کی باتوں کی تو کیا خبر ہوتی ڈھول کی آواز کا بھی پتہ نہ چلتا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تمہیں نماز میں کسی چیز کی بھی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا ہاں مجھے اسکی خبر ہوتی ہے کہ ایک دن اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہوگا اور دونوں گھروں جنت یا دوزخ میں سے ایک میں جانا ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا یہ نہیں پوچھتا۔ ہماری باتوں میں سے بھی کسی کی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا کہ مجھ میں نیزوں کی بھالیں گھس جائیں یہ زیادہ اچھا ہے اس سے کہ مجھے نماز میں تمہاری باتوں کا پتہ چلے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر آخرت کا منظر اس وقت میرے سامنے ہو جائے تو میرے یقین اور ایمان میں اضافہ نہ ہو (کہ غیب پر ایمان اتنا ہی پختہ ہے جتنا مشاہدہ پر ہوتا ہے) ایک صاحب کا کوئی عضو خراب ہو گیا تھا جس کے لئے اس کے کاٹنے کی ضرورت تھی۔ لوگوں نے تجویز کیا کہ جب یہ نماز کی نیت باندھیں اس وقت کاٹنا چاہئے۔ ان کو پتہ بھی نہ چلے گا۔

چنانچہ نماز پڑھتے ہوئے اس عضو کو کاٹ دیا گیا۔ ایک صاحب سے پوچھا گیا کہ تمہیں نماز میں دنیا کا بھی خیال آ جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہ نماز میں آتا ہے نہ بغیر نماز کے۔ ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ تمہیں نماز میں کوئی چیز یاد آ جاتی ہے انہوں نے فرمایا کہ نماز سے بھی زیادہ کوئی محبوب چیز ہے جو نماز میں یاد آوے۔

رات دن کی نماز میں مصروفیت

بہجۃ النفوس میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص ملنے کے لئے آیا۔ وہ ظہر کی نماز میں مشغول تھے وہ انتظار میں بیٹھ گیا۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو نفلوں میں مشغول ہو گئے اور عصر تک نفلیں پڑھتے رہے۔ یہ انتظار میں بیٹھا رہا۔ نفلوں سے فارغ ہوئے تو عصر کی نماز شروع کر دی اور اس سے فارغ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور مغرب تک مشغول رہے اور پھر مغرب کی نماز پڑھی اور نفلیں شروع کر دیں۔ عشاء تک اس میں مشغول رہے۔ یہ بیچارہ انتظار میں بیٹھا رہا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر پھر نفلوں کی نیت باندھ لی اور صبح تک اس میں مشغول رہے۔ پھر صبح کی نماز پڑھی اور ذکر شروع کر دیا اور اوراد و وظائف پڑھتے رہے۔ اسی میں مصلے پر بیٹھے بیٹھے آنکھ جھپک گئی تو فوراً آنکھوں کو ملتے ہوئے اٹھے۔ استغفار و توبہ کرنے لگے اور یہ دعا پڑھی۔

اعوذ باللہ من عین لا تشبع من النوم (اللہ ہی سے پناہ مانگتا ہوں ایسی آنکھ سے جو نیند سے بھرتی ہی نہیں)

ایک صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ وہ رات کو سونے کیلئے لیٹتے تو کوشش کرتے کہ آنکھ لگ جائے مگر جب نیند نہ آتی تو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے اور عرض کرتے یا اللہ تجھ کو معلوم ہے کہ جہنم کی آگ کے خوف نے میری نیند اڑا دی اور یہ کہہ کر صبح تک نماز میں مشغول رہتے۔

ساری رات بے چینی اور اضطراب یا شوق و اشتیاق میں جاگ کر گزار دینے کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ ہم لوگ اس لذت سے اس قدر دور ہو گئے ہیں کہ ہم کو ان واقعات کے صحیح ہونے میں بھی تردد ہونے لگا۔ لیکن اول تو جس کثرت اور تواتر سے یہ واقعات نقل کئے گئے ہیں ان کی تردید میں ساری ہی تواریخ سے اعتماد اٹھتا ہے کہ واقعہ کی صحت کثرت نقل ہی سے ثابت ہوتی ہے دوسرے ہم لوگ اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں کو آئے دن دیکھتے ہیں جو سینما اور تھیٹر میں ساری رات کھڑے کھڑے گزار دیتے ہیں کہ ان کو تھکاوٹ ہوتی ہے نہ نیند ستاتی ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ہم اپنے معاصی کی لذتوں کا یقین کرنے کے باوجود ان طاعات کی لذتوں کا انکار کریں حالانکہ طاعات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے قوت بھی عطا ہوتی ہے۔ ہمارے جس تردد کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم ان لذتوں سے نا آشنا ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس لذت تک پہنچا دیں تو زہے نصیب۔

نماز میں قرأتِ قرآن

قیام اور رکوع و سجود کی طرح قرآن مجید کی قرأت بھی نماز کا ایک لازمی جزو اور بنیادی رکن ہے اور اس کا محل و موقع قیام ہے۔
جیسا کہ معلوم اور معمول ہے قرأت کی ترتیب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے (اس موقع کی تین ماثورہ دعائیں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وغیرہ عنقریب ہی مذکور ہو چکی ہیں) اس کے بعد قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ جو گویا اس کا افتتاحیہ ہے یعنی سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بڑا جامع اور مؤثر بیان بھی ہے، ہر قسم کے شرک کی نفی کے ساتھ اس کی توحید کا اثبات و اقرار بھی ہے۔ صراطِ مستقیم یعنی دین حق اور شریعت الٰہیہ کے لئے اپنی ضرورت مندی اور محتاجی کی بناء پر اس کی ہدایت کے لئے عاجزانہ اور فقیرانہ سوال اور دعا بھی ہے۔ بہرحال سب سے پہلے یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے، اور اپنی جامعیت اور خاص عظمت و اہمیت کی وجہ سے یہ متعین طور سے اس درجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر گویا نماز ہی نہیں ہوتی، اس کے بعد نمازی کو اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی بھی سورت یا کسی سورۃ کا کوئی بھی حصہ پڑھے۔ قرآن مجید کا جو حصہ بھی وہ پڑھے گا اس میں اس کے لئے ہدایت کا کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوگا، یا تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ کا بیان ہوگا یا یوم آخرت اور جنت و دوزخ اور نیک کرداری و بدکرداری کی جزا و سزا کا ذکر ہوگا، یا عملی زندگی سے متعلق کوئی فرمان ہوگا، یا کسی سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ کا تذکرہ ہوگا۔ الغرض پڑھنے والے کے لئے کوئی نہ کوئی رہنمائی اس میں ضرور ہوگی، یہ گویا اس کی دعا ہدایت (اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ) کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقد جواب ہوگا جو اسی کی زبان پر جاری ہوگا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورۃ یا کسی سورۃ سے کچھ آیتیں پڑھی جائیں گی۔ اور اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی، لیکن اس کے ساتھ کچھ اور پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد چند احادیث ملاحظہ فرمایئے جن میں سے بعض تو نماز کے اندر قرأت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں، اور زیادہ تر وہ ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ قراۃ فی الصلوٰۃ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا اور کس نماز میں آپ کتنی قرأت کرتے تھے اور کون کون سی سورتیں زیادہ تر پڑھتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا. (رواہ ابو داؤد والنسائی و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا

ہے کہ مقتدی لوگ امام کی اقتدا اور اتباع کریں لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: امام کی قرأت کے وقت خاموشی سے سننے کی یہ ہدایت بالکل انہی الفاظ میں بعض اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ہدایت انہی الفاظ میں مروی ہے اور وہیں ایک شاگرد کے سوال کے جواب میں امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اس حدیث کی بھی تصحیح اور توثیق کی ہے اور بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت کا مأخذ و منشا قرآن مجید کا یہ واضح فرمان ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (الاعراف ع ۲۴)

"اور جب قرآن پاک کی قرأت ہو تو تم اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو، شاید کہ اس کی وجہ سے تم رحمت کے قابل ہو جاؤ۔"

امام ابو حنیفہؒ جہری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا خاص استدلال حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہے جس کو امام محمد، امام طحاوی اور امام دار قطنی وغیرہ نے خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اپنی مصنفات میں روایت کیا ہے۔

نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدُ تَخْفِيفًا (رواه مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ ق اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ہلکی ہوتی تھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: شارحین نے آخری فقرہ "وکانت صلاته بعد تخفیفا" کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ فجر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء یہ سب بہ نسبت فجر کے ہلکی ہوتی تھیں اور ان میں بہ نسبت فجر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرأت کم فرماتے تھے۔ دوسرا مطلب اس فقرے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد کم تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے جماعت میں سب سابقین اولین ہی ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازیں عموماً طویل ہوتی تھیں، اور بعد کے دور میں جب ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی، اور ان میں دوم سوم درجہ کے اہل ایمان بھی ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازیں نسبتاً ہلکی پڑھنے لگے تھے کیونکہ جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں اس کا امکان زیادہ ہو گیا تھا کہ کچھ لوگ مریض یا کمزور یا کم ہمت یا زیادہ بوڑھے ہوں جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو جائے۔

اگرچہ واقعاتی لحاظ سے دونوں ہی باتیں صحیح ہیں لیکن اس عاجز کے خیال میں دوسری تشریح اقرب ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمٓ تَنْزِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل (یعنی سورۃ السجدہ) اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان (یعنی سورۃ الدھر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئیں اور کتب حدیث میں ان کے علاوہ جو اور روایات اس سلسلہ میں ملتی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت فجر کی نماز میں بہ نسبت دوسری نمازوں کے اکثر و بیشتر کسی قدر طویل ہوتی تھی، لیکن کبھی کبھی (غالباً کسی خاص داعیہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز بھی قل یٰایها الکافرون اور قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس جیسی چھوٹی سورتوں سے پڑھا دیتے تھے۔ اسی طرح ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول نماز کی رکعتوں میں مستقل سورتیں پڑھنے کا تھا لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی سورت میں سے کچھ آیات پڑھ دیتے تھے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی قرأت فرمائی۔

جمعہ کی فجر میں سورۃ "الم تنزیل السجدہ" اور سورۃ "الدھر" پڑھنے کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت اور جزا و سزا کا بیان بہت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے اور قیامت جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتایا گیا ہے جمعہ ہی کے دن قائم ہونے والی ہے اس لئے غالباً آپ اس کی تذکیر و یاد دہانی کے لئے جمعہ کی فجر میں یہ دونوں سورتیں پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ واللہ اعلم۔

ظہر و عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت

عن ابی قتادۃ قال کان النبی ﷺ یقرأ فی الظھر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الایۃ احیانا ویطول فی الرکعۃ الاولی مالا یطول فی الرکعۃ الثانیۃ وھکذا فی العصر وھکذا فی الصبح۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے علاوہ دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخر کی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ اور کبھی کبھی (سری نماز میں بھی) ایک آدھ آیت اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ ہم سن لیتے تھے اور پہلی رکعت میں طویل قرأت فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں اتنی طویل نہیں فرماتے تھے اور اسی طرح عصر میں اور اسی طرح فجر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ (صحیح مسلم، صحیح بخاری)

تشریح۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی ظہر کی سری نماز میں ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھ دیتے تھے کہ پیچھے والے اس کو سن لیتے تھے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً ایسا کبھی غلبہ استغراق میں ہو جاتا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بقصد تعلیم ایسا کرتے ہوں۔ یعنی یہ بتانا چاہتے ہوں کہ میں فلاں سورۃ پڑھ رہا ہوں یا یہ کہ اس عمل سے یہ

مسئلہ واضح فرمانا چاہتے ہوں کہ اگر سری نماز میں ایک آدھ آیت اتنی آواز سے پڑھ دی جائے کہ پیچھے والے مقتدی سن لیں تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔

عن جابر بن سمرة قال كان النبي صلى الله عليه وآله وسلم يقرأ في الظهر بالليل اذا يغشى وفي رواية بسبح اسم ربك الاعلى وفي العصر نحو ذالك وفي الصبح اطول من ذلك (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی نماز میں سورۃ واللیل اذا یغشی پڑھتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ سورۂ سبح اسم ربک الاعلی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی قریب قریب اتنی ہی بڑی سورت پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں اس سے زیادہ طویل (صحیح مسلم)

نماز مغرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ صَلّٰى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِيْ رَكْعَتَيْنِ۔ (رواہ النسائی)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری سورۂ اعراف مغرب کی دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھی۔ (سنن نسائی)

تشریح: ان احادیث میں نماز مغرب میں جن سورتوں کی قرأت کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ان چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے جن کو "قصار" کہا جاتا ہے، بلکہ سب ان بڑی سورتوں میں سے ہیں جن کو "طوال" کہا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث میں جس میں سورۂ اعراف کی قرأت کا ذکر ہے وہ تو پورے سوا سیپارہ کی ہے۔ بہر حال ان چار حدیثوں میں تو نماز مغرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طویل طویل سورتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے لیکن آگے درج ذیل ہونے والی بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکثر معمول مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا، اس لئے اکثر علمائے کرام کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں نماز مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے (جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طویل طویل سورتیں پڑھیں) یہ سب اتفاقی واقعات ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمومی اور اکثری معمول مغرب میں چھوٹی ہی سورتوں کی قرأت کا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکتوب سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا تھا۔ ان شاء اللہ عنقریب ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مکتوب بھی درج ذیل کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

نماز عشاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَاْتِيْ قَوْمَهُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهُ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ

فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ أَنَافَقْتَ يَافُلَانُ؟ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَآتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَاُخْبِرَنَّهُ فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، فَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلَى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالضُّحٰى، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل کا معمول تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھتے، پھر آ کر اپنے قبیلہ کی مسجد میں امامت کرتے۔ ایک رات انہوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھی، پھر اپنے قبیلہ میں آئے اور ان کی امامت کی اور (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ شروع کر دی، ایک شخص نماز توڑ کر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے تنہا اپنی نماز پڑھی (چونکہ یہ بات بہت غیر معمولی تھی اور اس دور میں نماز با جماعت کا اہتمام نہ کرنا منافقوں ہی کا طریقہ تھا، اس لئے) لوگوں نے اس کو بہت محسوس کیا اور اس شخص سے کہا" فلانے! تو منافق تو نہیں ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا" خدا کی قسم نہیں! بلکہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ بات رکھوں گا۔" چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا" یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارا کام اونٹوں کے ذریعہ پانی کھینچنا ہے، ہم لوگ دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں اور (گزشتہ رات ایسا ہوا کہ) معاذ عشاء کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھنے کے بعد اپنے قبیلہ کی مسجد میں آئے (اور یہاں انہوں نے نماز پڑھانی شروع کی) تو سورۂ بقرہ شروع کر دی؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر حضرت معاذ کی طرف رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا: معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو، سورہ والشمس وضحها، سورہ والضحی، سورہ واللیل اذا یغشی اور سبح اسم ربک الاعلی پڑھا کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء کی نماز دو دفعہ پڑھتے تھے، ایک دفعہ مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقتدی بن کر، اور دوسری دفعہ اپنے قبیلہ کی مسجد میں امام بن کر، لیکن جمہور ائمہ وعلماء اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک دفعہ کی نماز وہ نفل کی نیت سے پڑھتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جو نماز وہ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں پڑھتے تھے وہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں امام بن کر نفل کی نیت سے پڑھتے تھے، اسی بناء پر حضرت امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز پڑھی جا سکتی ہے، ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی تحقیق یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر بحث واقعہ کے متعلق ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ وہ فرض عشاء کی نیت سے اپنے قبیلہ کی مسجد ہی میں نماز پڑھاتے تھے اور چونکہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت کے وقت تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی قرأت میں برکات میں حصہ لینے کے لئے اور سیکھنے کی غرض سے وہ نفل کی نیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی شریک ہو جاتے تھے۔ اس مسئلہ پر بھی دونوں طرف بڑی فاضلانہ فقیہانہ اور محدثانہ بحثیں کی گئی ہیں۔ اہل علم شروح حدیث فتح الباری، عمدۃ القاری اور فتح الملہم میں دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث کی خاص ہدایت جو ہمارے موضوع اور عنوان سے متعلق ہے بس یہ ہے کہ ائمہ کو چاہیے کہ وہ نماز اتنی طویل نہ پڑھیں جو مقتدیوں کے لئے باعث مشقت ہو جائے، خاص کر ضعیفوں، کمزوروں اور محنت پیشہ لوگوں کا لحاظ رکھیں۔

مختلف اوقات کی نمازمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوقات

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْأُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ. (رواہ النسائی)

سلیمان بن یسار تابعی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (اپنے زمانہ کے ایک امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ میں نے کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو فلاں امام کی بہ نسبت"۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ ان صاحب کے پیچھے میں نے بھی نماز پڑھی ہے ان کا معمول یہ تھا کہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتیں لمبی پڑھتے تھے اور آخری اور دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے اور عصر ہلکی ہی پڑھتے تھے، اور مغرب میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ (سنن نسائی)

تشریح: "مفصل" قرآن مجید کی آخری منزل کی سورتوں کو کہا جاتا ہے یعنی سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک، پھر اس کے بھی تین حصے کئے گئے ہیں۔ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک کی سورتوں کو "طوال مفصل" کہا جاتا ہے اور بروج سے لے کر سورۂ لم یکن تک کی سورتوں کو "اوساط مفصل" اور لم یکن سے لے کر آخر تک کی سورتوں کو "قصار مفصل" کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں ان صاحب کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا جن کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان ہے کہ:

"ان کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھی اور کسی شخص کے پیچھے میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو بہ نسبت ان کی نماز کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ ہو۔"

بہر حال ان صاحب کا نام نہ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا اور نہ سلیمان بن یسار تابعی نے، بعض شارحین حدیث نے محض قیاس اور اندازہ سے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے مگر کوئی بات بھی اس بارے میں قابل اطمینان نہیں ہے، لیکن حدیث کا مضمون بالکل واضح اور نام معلوم نہ ہونے سے اصل مقصد اور مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سلیمان بن یسار تابعی نے ان صاحب کی نماز کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات کی نماز کی قرأت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا عام معمول بھی وہی تھا جو ان صاحب کا معمول سلیمان بن یسار نے بیان کیا ہے یعنی ظہر کی قرأت میں تطویل، عصر میں تخفیف، مغرب میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خط لکھا تھا (جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے) اس میں بھی مختلف اوقات کی نمازوں کی قرأت کے بارے میں یہی ہدایت کی گئی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خط کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

كَتَبَ عُمَرُ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنِ اقْرَأْ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَفِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَفِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ۔ (مصنف عبدالرزاق)

(حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو (مصنف عبدالرزاق)

امام ترمذی نے اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے ظہر میں اوساط مفصل پڑھنے کی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی القراءۃ فی الظہر والعصر)
ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ہدایت جب ہی فرمائی، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولی اور عملی تعلیم سے انہوں نے ایسا ہی سمجھا ہوگا۔ اسی بناء پر اکثر ائمہ مجتہدین نے مختلف اوقات کی نمازوں میں قرأت کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خط کو رہنما بنا کر اسی کے مطابق عمل کو اولیٰ اور مستحسن قرار دیا ہے۔

جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت

عن عبيدالله ان عمر بن الخطاب سأل اباواقد الليثي ما كان يقرأ به رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في الاضحى والفطر فقال يقرأ فيهما بق والقرآن المجيد واقتربت الساعة. (رواه مسلم)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے) عبیداللہ بن مسعود (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ "عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا پڑھتے تھے" انہوں نے فرمایا کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں میں "ق والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ" پڑھتے تھے"۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں علی الترتیب اکثر و بیشتر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے اور عیدین کی نماز میں بھی یا تو یہی دونوں آخری سورتیں سورۂ اعلیٰ و غاشیہ پڑھا کرتے تھے یا "ق والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ"۔

نماز پنجگانہ اور جمعہ و عیدین کی نمازوں میں قرأت سے متعلق اب تک جو حدیثیں درج کی گئی ہیں اور کچھ ان کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے، اس سے ناظرین نے یہ دو باتیں ضرور سمجھ لی ہوں گی۔

(۱)..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری معمول یہ تھا کہ فجر میں قرأت طویل فرماتے تھے اور زیادہ تر طوال مفصل

پڑھتے تھے، ظہر میں بھی کسی قدر طویل قرأت فرماتے تھے، عصر مختصر اور ہلکی پڑھتے تھے، اور اسی طرح مغرب بھی، عشاء میں اوساط مفصل پڑھنا پسند فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا۔

(۲)... کسی نماز میں ہمیشہ کسی خاص سورت کے پڑھنے کا نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا اور نہ عملاً ایسا کیا، ہاں بعض نمازوں میں اکثر و بیشتر بعض خاص سورتیں پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

وقد اختار رسول اللّٰه صلى الله عليه وآله وسلم بعض السور فى بعض الصلوات لفوائد من غير حتم ولا طلب مؤكد فمن اتبع فقد احسن ومن لا فلا حرج. "حجة الله البالغة" (مقصد دوم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض نمازوں میں کچھ مصالح اور فوائد کے پیش نظر بعض خاص سورتیں پڑھنی پسند فرمائیں، لیکن قطعی طور پر شان کی تعیین کی نہ دوسروں کو تاکید فرمائی کہ وہ ایسا ہی کریں۔ پس اس بارے میں اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرے (اور ان نمازوں میں وہی سورتیں اکثر و بیشتر پڑھے) تو اچھا ہے، اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے بھی کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔

مسئلہ آمین

سورۂ فاتحہ جو تعیین اور حتمی طور سے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ اس کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور چوتھی آیت میں اس کی توحید کا اقرار و اظہار اور دعا کی تمہید ہے، اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا اور اس کا سوال ہے، اور اسی پر یہ سورۂ ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ختم پر "آمین" کہنے کی ہدایت فرمائی ہے اور جب نماز جماعت کے ساتھ کسی امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہو تو حکم ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کی آخری دعائیہ آیتیں پڑھنے کے بعد اس حکم کے مطابق آمین کہے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطلاع ہے کہ اس وقت اللہ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب امام (سورۂ فاتحہ کے ختم پر) "آمین" کہے تو تم مقتدی بھی آمین کہو جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: کسی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کیے ہیں، ان میں سب سے زیادہ واضح یہ ہے کہ ملائکہ کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے نہ اس سے پہلے ہو نہ اس کے بعد میں اور ملائکہ کی آمین کا وقت وہی ہے جب کہ امام آمین کہے۔ اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرکے آمین کہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ بھی اسی وقت آمین کہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی اسی وقت آمین کہتے ہیں، اور

اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو بندے فرشتوں کی آمین کے ساتھ آمین کہیں گے ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰہُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں اچھی طرح درست اور سیدھی کرو پھر تم میں سے کوئی امام بنے، پھر جب وہ امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ سورۂ فاتحہ کی آخری آیت "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" پڑھے تو تم کہو آمین (یعنی اے اللہ! قبول فرما۔ جب تم ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ سورۂ فاتحہ میں کی ہوئی ہدایت کی دعا قبول فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: آمین دراصل قبولیت دعا کی درخواست ہے اور بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ میرا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول ہی کرے اس لئے سائلانہ دعا کرنے کے بعد وہ آمین کہہ کے پھر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! محض اپنے کرم سے میری حاجت پوری فرما دے اور میری دعا قبول فرما لے۔ اس طرح یہ مختصر سا لفظ رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے والی ایک مستقل دعا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ابو زہیر نمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

"ایک رات ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے جا رہے تھے ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جو بڑے الحاح اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنی دعا پر مہر لگا دے تو یہ ضرور قبول کرا لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ کس چیز کی مہر؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آمین کی مہر۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے ختم پر آمین کہنا ان چیزوں میں سے ہے جن سے دعا کی قبولیت کی خاص امید کی جا سکتی ہے۔

رفع یدین

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ . . . رَفَعَہُمَا کَذٰلِکَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ وَکَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ) دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہتے تھے اور اسی طرح جب رکوع سے اٹھتے تھے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے تھے اور کہتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد" اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے اور رکوع

سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی کے ساتھ سجدے میں رفع یدین نہ کرنے کی تصریح ہے۔ اور ان ہی کی بعض دوسری روایات میں تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اور یہ روایت بھی صحیح بخاری ہی میں موجود ہے۔

اور مالک بن الحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں میں (جن کو امام نسائی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے) سجدے کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، جس کی حضرت ابن عمر کی مندرجہ بالا حدیث میں صراحۃً نفی کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان میں ہر روایت اور ہر بیان بجائے خود صحیح ہے اور مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر کے اس بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے اور حضرت ابن عمر کے بیان میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کبھی کیا جس کو مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر نے تو دیکھا اور حضرت ابن عمر نے اتفاق سے نہیں دیکھا اس لئے اپنے علم کے مطابق انہوں نے اس کی نفی کی، اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی یا اکثری عمل ہوتا تو ناممکن تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگرد علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ ہم سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی نماز پڑھاؤں! یہ کہہ کر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی، اور اس میں بس پہلی ہی دفعہ (تکبیر تحریمہ کے ساتھ) رفع یدین کیا، اس کے سوا رفع یدین بالکل نہیں کیا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ممتاز اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت تھی کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کھڑے ہوں، انہوں نے اپنے شاگردوں کو دکھانے اور سکھانے کے لئے اہتمام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی نماز پڑھائی اور اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کی بناء پر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی یا اکثری معمول نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب صف اول میں کھڑے ہونے والوں میں تھے اس سے یقیناً واقف ہوتے اور تعلیم کے اس موقع پر رفع یدین ہرگز ترک نہ کرتے۔

ان سب حدیثوں کو سامنے رکھ کر یہ عاجز راقم سطور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول نماز میں رفع یدین کا بھی رہا ہے اور ترک رفع یدین کا بھی۔ یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری نماز میں سوائے تکبیر تحریمہ کے کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے وقت اور اس سے

اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے اور شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے مسلسل مطالعہ اور مشاہدے سے یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بہت سے صحابہ نے یہ سمجھا کہ اصل رفع یدین ہے۔ پھر رائے اور فکر کا یہی اختلاف تابعین اور بعد کے اہل علم میں بھی رہا۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی مذکورہ بالا حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اور حسب عادت یہ بتانے کے بعد کہ فلاں فلاں دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی رفع یدین کی احادیث روایت کی گئی ہیں لکھا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں انہوں نے رفع یدین کو اختیار کیا ہے، اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں اور فلاں حضرات اسی کے قائل ہیں۔"

اس کے بعد ترک رفع یدین کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد اور اسی مضمون کی براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک دوسری حدیث کا حوالہ دینے کے بعد امام ترمذی نے لکھا ہے کہ:

"متعدد صحابہ کرام اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے ترک رفع یدین کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں فلاں حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے۔"

الغرض آمین بالجہر اور آمین بالسر کی طرح رفع یدین اور ترک رفع یدین بلاشبہ دونوں عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان ترجیح و اختیار میں اختلاف اسی وجہ سے واقع ہوا ہے کہ ان میں سے بعض نے اپنے غور و فکر، اپنے دینی وجدان اور ادراک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کے مطالعہ و تجربہ کی بناء پر یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے اور رفع یدین جب ہوا ہے وقتی اور عارضی طور پر ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعود جیسے صحابہ کرام نے یہی سمجھا اور امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری وغیرہ ائمہ نے اسی کو اختیار کیا، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ نے اس کے برعکس سمجھا اور حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا، اور علماء نے لکھا اختلاف بھی صرف فضیلت میں ہے اور رفع اور ترک رفع کا جواز سب کے نزدیک مسلم ہے۔

اللہ تعالیٰ غلو اور نفسانیت سے حفاظت فرمائے اور اتباع حق کی توفیق دے آمین

نوٹ: اس طرح کے تمام فروعی اختلافات میں جماعت حق کا مسلک اعتدال معلوم کرنے کیلئے مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" قابل مطالعہ ہے۔ نیز: متکلم اسلام حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ کی کتب بھی قابل مطالعہ ہیں جن سے اہل سنت والجماعت (حنفی دیوبندی) کے مسلک کی حقانیت آشکارا ہوتی ہے۔ (مرتب)

رکوع و سجود کے احکام

عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يُقِيمُ فِيهَا صُلْبَهُ بَيْنَ رُكُوعِهَا وَسُجُودِهَا. (رواه احمد)

حضرت طلق بن علی حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت کو سیدھی برابر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ (مسند احمد)

تشریح: نماز کی طرف اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز اس کے نزدیک قابل قبول نہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع و سجود کو قاعدے کے مطابق صحیح طور سے ادا نہیں کرے گا، اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ اعتدال کے ساتھ کرو اور کوئی اپنی بانہیں سجدے میں اس طرح نہ بچھا دے جس طرح کتا زمین پر بانہیں بچھا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: سجدے میں اعتدال کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ سجدہ طمانیت کے ساتھ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ سر زمین پر رکھا اور فوراً اٹھالیا۔ اور بعض شارحین نے اعتدال کے حکم کا مطلب یہ بھی سمجھا ہے کہ ہر عضو سجدے میں اس طرح رہے جس طرح کہ اس کو رہنا چاہئے۔ دوسری ہدایت اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ سجدے میں کلائیوں کو زمین سے اوپر اٹھا رہنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں کتے کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واسطے دی کہ اس کی شناعت اور قباحت اچھی طرح سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِي رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِي سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ. (رواه الترمذي وابو داؤد وابن ماجه)

عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے رکوع میں ۳ بار سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہوا، اسی طرح جب اپنے سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ ۳ بار کہے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہوا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدے میں اگر تسبیح ۳ دفعہ سے کم کہی گئی تو رکوع اور سجدہ تو ادا ہو جائے گا لیکن اس میں ایک گونہ نقصان رہے گا، کمال اور تکمیل کے لئے کم سے کم ۳ دفعہ تسبیح کہنا ضروری ہے، اور اس سے زیادہ کہنا اور بہتر ہے۔ ہاں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اتنا زیادہ تطویل نہ کرے جو مقتدیوں کے لئے زحمت اور گرانی کا باعث ہو۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی سے ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق فرمایا کہ اس جوان کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے رکوع و سجود کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا کہ وہ تقریباً دس دس دفعہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رکوع، سجود میں تقریباً دس دس دفعہ تسبیح کہتے تھے، اس لئے بہتر یہ ہے

کہ جو شخص نماز پڑھائے وہ کم سے کم تین دفعہ اور زیادہ سے زیادہ دس دفعہ تسبیح پڑھا کرے۔

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکوع اور سجدے میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی امت کو ہدایت و تلقین فرمائی اور یہی آپ کا معمول بھی تھا، لیکن دوسری بعض احادیث میں رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں تسبیح و تقدیس کے بعض دوسرے کلمات اور دعاؤں کا پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَاَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے اللّٰھم اغفرلی ذنبی کلہ (اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، ان میں سے چھوٹے بھی، بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے ہوئے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: بعض قرآن کی بناء پر بعض علمائے امت کا یہ خیال ہے کہ رکوع اور سجود میں یہ دعائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد وغیرہ نفل نمازوں میں پڑھتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی فرض نمازوں میں بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، اور ان مبارک دعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع و سجود میں تسبیح کے ساتھ کبھی کبھی یہ دعائیں بھی پڑھنی چاہئیں۔ خاص کر نوافل میں جن میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا چاہے رکوع و سجدہ کرے۔ ہاں فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی ممانعت ہے کہ رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ پس رکوع میں تو تم لوگ اپنے مالک و پروردگار کی عظمت و کبریائی بیان کیا کرو، اور سجدے میں دعا کی خوب کوشش کیا کرو، سجدے کی دعا (خاص طور سے) اس کی مستحق ہے کہ قبول کی جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: قرآن مجید کی قرأت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے نماز کا اہم رکن ہے۔ لیکن اس کا محل قیام ہے اور کلام الٰہی و فرمان خداوندی کے شایان شان بھی ہے کہ اس کی تلاوت و قرأت قیام کی حالت میں ہو (شاہی فرامین کے کھڑے ہو کر ہی پڑھے جانے کا دستور ہے) اور رکوع و سجود کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، اپنی بندگی و سرافگندگی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا و استغفار ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بھی مدت العمر یہی رہا اور اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبانی بھی اسی کی ہدایت فرمائی۔

وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہنے کی تلقین و

ہدایت فرمائی ہے اور اسی کے مطابق خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور یہاں اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے میں دعا کرنے کی تاکید فرمائی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ دعا اور سوال کی ایک سادہ اور کھلی ہوئی صورت تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف اپنی حاجت مانگے اور ایک یہ بھی ہے کہ جس سے مانگنا ہو فقیرانہ انداز میں بس اس کے کمالات اور کمالات کے گیت گائے۔ ہماری اس دنیا میں بھی بہت سے مانگنے والے اسی طرح مانگتے ہیں۔ بہرحال یہ بھی دعا کا ایک طریقہ ہے اور اسی بناء پر ایک حدیث میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو افضل الدعا کہا گیا ہے۔ (جامع ترمذی) اس لحاظ سے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى بھی ایک دعائیہ کلمہ ہے اور جو شخص سجدے میں صرف یہی کلمہ بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہے اس کا سجدہ بھی دعا سے خالی نہیں ہے لیکن سجدے کی جو دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول و ماثور ہے (جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہے) ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے ان کی شان کچھ اور ہی ہے۔

سجدہ کی فضیلت

عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ هُوَ ذٰلِكَ، قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ (رواہ مسلم)

ربیعہ بن کعب اسلمی (جو اصحاب صفہ میں سے تھے اور سفر و حضر میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے) بیان فرماتے ہیں کہ: میں ایک رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھا (جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کے لئے رات کو اٹھے) تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر حاضر خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مسرت اور انبساط کے خاص عالم میں) مجھ سے فرمایا: "ربیعہ کچھ مانگو" (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے دل میں اگر کسی خاص چیز کی چاہت اور آرزو ہو تو اس وقت مانگ لو میں اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کروں گا، اور امید ہے کہ وہ تمہاری مراد پوری کر دے گا) ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا میری مانگ یہ ہے کہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہی یا اس کے سوا کچھ اور؟ میں نے عرض کیا: میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے اس معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ میری مدد کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مقربین بارگاہ خداوندی پر کبھی کبھی ایسے احوال آتے ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت رحمت حق متوجہ ہے اور جو کچھ مانگا جائے امید ہے کہ ان شاء اللہ مل ہی جائے گا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربیعہ بن کعب کی خدمت سے متاثر ہو کر ان سے فرمایا کہ "سَلْ" (جس چیز کی تمہیں چاہت ہو مانگو) تو غالباً وہ کوئی ایسی ہی گھڑی تھی، لیکن جب انہوں نے اس کے جواب میں "جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت" مانگی اور مکرر دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ: "مجھے تو بس یہی چاہئے اس کے سوا کچھ نہیں" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: "فَاَعِنِّيْ

عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ" (پھر اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو سجدوں کی کثرت کے ذریعہ) گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے ان کو بتایا کہ تم جو جنت میں میری رفاقت چاہتے ہو یہ بہت بلند درجہ اور عظیم مرتبہ ہے، میں تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرتا ہوں اور کروں گا لیکن اتنا بلند مقام حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے عملی کوشش کرو، اور وہ خاص عمل جو اس منزل تک پہنچانے میں خصوصیت کے ساتھ مددگار ہو سکتا ہے اللہ کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے لہٰذا تم اس کا خاص اہتمام کر کے اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو اور اپنے عمل سے میری دعا کو قوت پہنچاؤ۔

واضح رہے کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں کثرت سجود سے مراد نمازوں کی کثرت ہے لیکن چونکہ جنت اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت حاصل ہونے میں نماز کے دوسرے ارکان و اجزاء سے زیادہ سجدہ کو دخل ہے، اس لئے بجائے کثرت صلوٰۃ کے کثرت سجود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قومہ اور جلسہ

رکوع اور سجدے کے درمیان قومہ کا حکم ہے اور اسی طرح ایک رکعت کے دو سجدوں کے درمیان جلسہ مشروع ہے۔ ان دونوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول ذیل کی حدیث میں پڑھئے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (کبھی ایسا ہوتا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو (اتنی دیر تک) کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہوتا کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا، پھر سجدہ میں جاتے اور اس سے اٹھنے کے بعد دونوں سجدوں کے درمیان (اتنی دیر) بیٹھتے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہو ہو گیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قومہ اور جلسہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ کبھی شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، عام عادت شریفہ یہ نہیں تھی، ورنہ اگر روز مرہ کا معمول یہی ہوتا یا بکثرت ایسا ہوا کرتا تو کسی کو سہو کا شبہ بھی نہ ہوتا۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی جو کلمات اور جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب نہایت ہی مبارک اور مقبول دعائیں ہیں۔ البتہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہدایت کے مطابق اس کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کا طرز عمل مقتدیوں کے لئے زحمت و مشقت کا باعث نہ بن جائے۔

قعدہ، تشہد اور سلام

نماز کا خاتمہ قعدہ اور سلام پر ہوتا ہے یعنی یہ دونوں اس کے آخری اجزاء ہیں، جہاں کہیں تین یا چار رکعت والی ہو تو پہلی دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک دفعہ درمیان میں بھی بیٹھا جاتا ہے اس کو قعدہ اولیٰ کہتے ہیں لیکن اس میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تیسری یا

چوتھی رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہیں اور اس میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھنے کے بعد سلام پر نماز ختم کر دی جاتی ہے۔

ذیل کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ قعدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح قعدہ فرماتے تھے اور اس میں کیا پڑھنے کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی ہے اور سلام پر کس طرح نماز ختم کرنی چاہیے۔

قعدہ کا صحیح اور مسنون طریقہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَرٰى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِى الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهُ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِىْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ اِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِىَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَىَّ لَا تَحْمِلَانِىْ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے۔ (کہتے ہیں کہ والد ماجد کی پیروی میں) میں بھی اسی طرح چہار زانو بیٹھنے لگا۔ حالانکہ میں اس وقت بالکل نوعمر تھا تو والد ماجد نے مجھے اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا اور مجھے بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ داہنا پاؤں کھڑا کرو اور بایاں پاؤں موڑ کر بچھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ خود آپ جو چہار زانو بیٹھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ (میں مجبوری اور معذوری کی وجہ سے اس طرح بیٹھتا ہوں) میرے پاؤں اب میرا بوجھ نہیں سہارتے۔ (صحیح بخاری)

تشہد

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ كَفِّىْ بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِى السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مجھے تشہد تعلیم فرمایا جس طرح کہ آپ قرآن مجید کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے (آپ نے مجھے تلقین فرمایا): التحیات للہ والصلوات والطیبات الخ (ترجمہ) ادب و تعظیم اور اظہار نیاز کے سارے کلمے اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں) تم پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں (صرف وہی معبود برحق ہے)۔ اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

قرآن مجید میں درود وسلام کا حکم

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَقَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) روای ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ ہم آپ کی خدمت میں سلام کس طرح عرض کیا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتا دیا کہ ہم تشہد میں السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتا دیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا: یوں کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صلی علی محمد و علیٰ ال محمد ـ" اے اللہ! اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمدؐ پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی ابراہیم پر اور ان کے گھر والوں پر، تو حمد وستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں پر، تو حمد وستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی اس آیت (ان اللہ وملئکتہ الخ) میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے اس کی بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں۔

كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ اِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِيْ صَلٰوتِنَا.

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم جب نماز میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھا کریں؟

اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ سوال نماز میں درود شریف پڑھنے کے بارے میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ درود کا خاص محل نماز ہے۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بہ سند قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

يَتَشَهَّدُ الرَّجُلُ ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهٖ.

آدمی نماز میں (یعنی قعدہ اخیرہ میں) تشہد پڑھے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے، اس کے بعد اپنے لئے دعا کرے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سننے کے بعد ہی فرمائی

ہوگی وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نماز ہی کو درود شریف پڑھنی چاہیے۔

بہر حال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو آخر قعدۂ اخیرہ ہے۔ اسی لئے جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ درود کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، بس اسی کے جواب میں آپ نے یہ درود ابراہیمی تلقین فرمایا جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

درود شریف میں "آل" کا مطلب

اس درود میں 'آل' کا لفظ جو چار دفعہ آیا ہے اس کا ترجمہ ہم نے "گھر والوں" کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان خاص کر قرآن و حدیث کے محاورے میں کسی شخص کے 'آل' ان کو کہا جاتا ہے جو اس کے ساتھ خاص الخاص تعلق رکھتے ہوں خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو (جیسے اس شخص کے بیوی بچے) یا رفاقت، معیت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت کا (جیسے کسی کے مشن کے خاص ساتھی اور مخلص و متبعین) اس لئے اصل لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں لیکن آگے حضرت ابوحمید ساعدی کی جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں 'آل' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل و اولاد ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قُولُوا. اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کس طرح پڑھا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔ اللهم صلي علي محمد و ازواجه و ذريته اے اللہ! اپنی خاص عنایت و رحمت فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے عنایت و رحمت فرمائی آل ابراہیم پر، اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آل ابراہیم پر، اے اللہ! تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ (صحیح مسلم، صحیح بخاری)

تشریح: اس حدیث میں درود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں لیکن معنی مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ علماء اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک درود نماز میں پڑھا جا سکتا ہے، لیکن معمول زیادہ تر پہلے ہی والا ہے۔

اس حدیث میں بجائے آل کے ازواجه و ذريته کے الفاظ ہیں۔ اس سے یہ بات بظاہر متعین ہو جاتی ہے کہ پہلی والی

حدیث میں جو آل کا لفظ آیا ہے اس سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت طیبہ ہی مراد ہیں، اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف ان کو حاصل ہے (جو دوسروں کو اگر چہ وہ مرتبہ میں ان سے افضل ہوں حاصل نہیں) اسی طرح درود و سلام میں شرکت کا یہ خاص شرف بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے اور گویا یہ ان کی خاص سعادت ہے اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ازواج مطہرات وغیرہ امت میں سب سے افضل ہوں۔ بس اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ اہل عقیدت و محبت جب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص تحفہ بھیجتے ہیں تو ان کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے ہی ہوتے ہیں اور فطری طور پر وہ اس سے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارے یہ تحفہ خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے استعمال کریں۔ اگر چہ ان بزرگ کے دوستوں یا خادموں میں ایسے بھی لوگ ہیں جن کو یہ تحفہ پیش کرنے والے محبین و معتقدین بھی گھر والوں سے بدرجہا افضل سمجھتے ہوں۔ بس درود و سلام بھی جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے عقیدت و محبت کا تحفہ اور نیاز مندی کا نذرانہ ہے، اس کو محبت کے فطری قانون ہی کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی خاص کلامی اور قانونی بحث اٹھانا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے کہ درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لئے بہترین موقع ہو سکتا ہے، اللہ کے بندے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربار عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہو گئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لئے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی شریک ازواج مطہرات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت طیبہ کے لئے بہتر سے بہتر دعا کرے۔ اس کے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبۂ محبت کا اظہار اور احسان مندی کا حق ادا کر سکے۔ اسی کے لئے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلقین فرمائے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دُعا

مستدرک حاکم کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کیا جا چکا ہے کہ نمازی تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کا یہ حکم غالباً اس وقت بھی تھا جب کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں کیا گیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث

اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

ثُمَّ يَتَخَيَّرُ أَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَلْيَدْعُ بِهِ.

یعنی۔نمازی جب تشہد پڑھ چکے تو جو دعا اسے اچھی معلوم ہو اس کا انتخاب کرلے اور اللہ سے وہی دعا کرے۔

بہرحال سلام سے پہلے دعا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلیما بھی ثابت ہے اور عملاً بھی، اور اس موقع کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض خاص دعائیں بھی تعلیم فرمائیں ہیں۔اس سلسلہ کی صرف دو حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا " اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو یہ دعا اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ارشاد فرماتے تھے کہ کہو: اللھم انی اعوذبک یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں دجال کے فتنے سے، اور پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔(صحیح مسلم)

تشریح: یہ دعا جیسے کہ ظاہر ہے کہ دنیا وآخرت کے آفات ومصائب اور ہر قسم کی بدبختیوں سے حفاظت کے لئے بڑی جامع دعا ہے۔اس میں سب سے پہلے جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے جو شدید ترین اور ناقابل تصور عذاب اور انسان کی سب سے بڑی بدبختی ہے۔اس کے بعد دجال کے فتنہ عظیمہ سے جو اس دنیا میں برپا ہونے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے۔جس میں ایمان کا سلامت رہنا بے حد مشکل ہے۔اس کے بعد علی الاطلاق زندگی اور موت کے سارے فتنوں اور ساری آزمائشوں سے جس میں ہر چھوٹی بڑی بلا اور ہر گناہ اور گمراہی داخل ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس موقع کے لئے یہ دعا تعلیم فرماتے تھے۔لیکن اسی دعا کے بارے میں صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے۔اور اس میں مندرجہ بالا دعا کے بالکل آخر میں یہ اضافہ بھی ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ.

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہ کی ہر بات سے اور قرض کے بارے"

بہتر ہے کہ یہ دعا اسی اضافہ کے ساتھ نماز میں سلام سے پہلے پڑھی جائے۔

عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلِّمْنِيْ دُعَاءً أَدْعُوْ بِهِ فِيْ صَلَاتِيْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرما دیجئے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یوں عرض کیا کرو: اللهم انی ظلمت نفسی ...... (اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے (یعنی گناہ کر کے اپنے آپ کو بہت ہی تباہ و برباد کیا ہے) اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکے اور معافی دے سکتا ہو۔ پس اے میرے اللہ! تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے)۔ ... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تو صراحۃً مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر یہ دعا نماز میں پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی لیکن یہ بات لفظوں میں مذکور نہیں ہے کہ نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی مگر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ چونکہ نماز میں دعا کا اصل خاص محل و موقع یہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی موقع کے لئے فرمایا تھا: "تشہد کے بعد سلام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے بندہ کوئی اچھی دعا منتخب کرے اور وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے۔" (جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح والی حدیث سے ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظاہر یہی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی موقع کی دعا کے لئے تعلیم کی درخواست کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا ان کو اسی موقع کے لئے تعلیم فرمائی۔ غالباً اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ حدیث "باب الدعاء قبل السلام" کے زیر عنوان روایت کی ہے۔

اس دعا میں غور کرنے اور سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بار بار جنت کی بشارت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور جو یقیناً امت میں سب سے افضل ہیں اور ان کی نماز پوری امت میں سب سے بہتر اور کامل نماز ہے۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری مرض میں ان کو امام بنایا اور ان کے پیچھے خود نمازیں پڑھیں، وہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی خاص دعا تعلیم فرما دیجئے جو میں نماز میں (یعنی اس کے خاتمہ پر سلام سے پہلے) اللہ سے مانگا کروں!۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جواب میں ان کو یہ دعا تعلیم فرماتے ہیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! نماز پڑھ کر بھی دل میں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور کچھ کر لیا، بلکہ نماز جیسی عبادت کے خاتمہ پر بھی اپنے کو سر سے پاؤں تک قصور وار اور خطا کار قرار دیتے ہوئے اس کے سامنے اپنی گناہ گاری کا اقرار کرو اور اس سے معافی اور بخشش اور رحم کی بھیک مانگو اور یہ کہہ کے مانگو کہ میرے اللہ! میرے پاس کوئی عمل اور کوئی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر بخشش اور معافی بھی میرا حق ہو، تو اپنی صفت مغفرت و رحمت کا لحاظ فرما کر مجھ گناہ گار کو عطا فرما دے اور میرے لئے مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرما دے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ تشہد اور درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئیں۔ ان کا یاد کرنا اور ان کا مطلب بھی ذہن میں بٹھا لینا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں ہے۔ معمولی توجہ سے تھوڑے سے وقت میں یہ کام ہو سکتا ہے۔ بڑی

سے نصیبی اور ناقدری کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے ان جواہرات سے ہم محروم رہیں۔ خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک ایک دُعا دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

سلام کے بعد ذکر و دُعا

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّيْ لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ "رَبِّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ." (رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے فرمایا اے معاذ! مجھے تم سے محبت ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (تو اس محبت کی بناء پر میں تم سے کہتا ہوں کہ) ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ ضرور کیا کرو، اور کبھی اسے نہ چھوڑو۔ "رَبِّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" (اے پروردگار! میری مدد فرما، اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی اور اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ کلمہ استغفار پڑھتے (اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے) اور اس کے بعد کہتے: "اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" (اے اللہ! تو ہی سالم ہے (اور محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، حوادث و آفات سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے) اور تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے سلامتی (جس کے لئے چاہے اور جب چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے، اور جس کے لئے نہ چاہے نہ کرے) تو بڑی برکت والا ہے۔ اے بزرگی و برتری اور تعظیم و اکرام والے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی سلام پھیرنے کے بعد متصلاً پہلے تین دفعہ استغفار کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ! یہ دراصل کمال عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصوروار اور حق عبادت ادا کرنے سے قاصر و عاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگی جائے۔

اس حدیث میں استغفار کے بعد جو چھوٹی سی دُعا حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے یعنی: "اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" عوام میں اس دُعا کے اندر ومنک السلام کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے: والیک یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا الجنۃ دار السلام محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے۔ لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ... (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دے کوئی اسے روک سکنے والا نہیں، اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کرے کوئی اسے دے سکنے والا نہیں، اور کسی سرمایہ دار کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کر سکتا (یعنی بڑے سے بڑے سرمایہ دار اور صاحب جاہ و عظمت بھی ہر آن تیرے کرم کا محتاج ہے)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

عَنْ سَعْدٍ أَنَّهُ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ. اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ. (رواہ البخاری)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعوذ کے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ ... اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بخل و کنجوسی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمی عمر سے (یعنی ایسے بڑھاپے سے جس میں حواس اور قویٰ صحیح سلامت نہ رہیں اور آدمی بالکل نکما اور دوسروں کے لئے بوجھ بن جائے) اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے۔ (صحیح بخاری)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللہ کی تسبیح کا کلمہ سبحان اللہ کہے اور اسی طرح ۳۳ دفعہ اللہ کی حمد کا کلمہ الحمد للہ کہے اور ۳۳ ہی دفعہ اللہ اکبر کہے، یہ سب ۹۹ کلمے ہو گئے اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر تو اس کی سب خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت کی اس قسم کی بشارتوں کے بارے میں شرح حدیث کے

اس سلسلہ میں پہلے کئی جگہ ایک اصولی بات تفصیل سے لکھی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ان تین کلموں کا عدد ۳۳، ۳۳ بتایا گیا ہے، اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ پڑھنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ لیکن کعب بن عجرہ وغیرہ بعض دوسرے صحابہ کی روایت میں سبحان اللہ اور الحمد للہ ۳۳، ۳۳ دفعہ اور سو کی گنتی پوری کرنے کیلئے اللہ اکبر ۳۴ دفعہ پڑھنے کی ترغیب و تعلیم بھی وارد ہوئی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی اس طرح بتایا ہے اور کبھی اس طرح دونوں ہی طریقے صحیح اور ثابت ہیں۔ اپنے ذوق کے مطابق بندہ جس کو چاہے اختیار کرے۔ یہی تین کلمے اسی تعداد میں سونے کے وقت پڑھنے کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں عرف عام میں اسی کو "تسبیح فاطمہ" بھی کہتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد نہیں بیٹھتے تھے مگر بقدر اس کے کہتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (اے اللہ! تو سالم ہے، یعنی محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، اور تمام آفات و حوادث سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے، اور سلامتی تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے، یعنی جب جس کے لئے تو چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ تو برکت والا ہے اے بزرگی اور برتری والے، تعظیم و اکرام والے۔) (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دعا اللھم انت السلام کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس کے بعد فوراً اٹھ جاتے تھے لیکن جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اس کے علاوہ بھی مختلف دعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب اور تعلیم دیتے تھے۔

بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اللھم انت السلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور توحید و تکبیر کے جن کلمات اور جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد متصلاً نہیں پڑھتے تھے بلکہ بعد کی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئی ہیں (اور ان کے علاوہ بھی نماز کے بعد دعاؤں کے بارے میں جو بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں محفوظ ہیں) ان میں سے اکثر کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد متصلاً یہ دعائیں اور ذکر کے یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم

دیتے تھے، اس لئے اس عاجز کے نزدیک صحیح طریق کار وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے۔ وہ سلام کے بعد کی ان تمام ماثورہ دعاؤں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں (اور جن میں سے اکثر ان صفحات میں بھی نقل ہو چکی ہیں) فرماتے ہیں:

"بہتر یہ ہے کہ یہ دعائیں اور ذکر الٰہی کے یہ کلمے (سلام پھیرنے کے بعد متصلاً) بعد والی سنتوں سے پہلے ہی پڑھے جائیں کیونکہ اس سلسلہ کی بعض حدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے۔ الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے۔ رہی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف اللھم انت السلام کہنے کے بقدر ہی بیٹھتے تھے" تو اس کی کئی توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے، اس کے بعد نشست بدل دیتے تھے اور داہنی جانب یا بائیں جانب مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ (جیسا کہ آپ کا یہ معمول بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے) اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللھم انت السلام پڑھ کے اٹھ جاتے تھے اور ایسا آپ غالباً اس لئے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے بھی معلوم ہو جائے کہ سلام کے بعد ان دعاؤں اور ذکر کے ان کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ایک مستحب اور نفلی عبادت کا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ثانی ص ۲)

نماز جمعہ کا اہتمام اور اس کے آداب

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ وَمَسَّ مِنْ طِيبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ أَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلَّى مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ صَلوٰتِهِ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور جو اچھے کپڑے اسے میسر تھے وہ پہنے خوشبو اگر اس کے پاس تھی تو وہ بھی لگائی پھر وہ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوا اور اس کی احتیاط کی کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا نہیں گیا پھر سنتوں اور نفلوں کی جتنی رکعتوں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ پڑھیں، پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے آیا تو دوب اور خاموشی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سنا، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اس بندے کی نماز اس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان کے گناہوں خطاؤں کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔ شریعت میں غسل جمعہ کا جو درجہ ہے اور اس کا جو خاص مقصد و منشاء ہے اس کا بیان تفصیل کے ساتھ "مسنون یا

مستحب غسل" کے عنوان سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا حدیث میں غسل کے علاوہ چند اور اعمال کا بھی ذکر ہے۔ بقدر امکان ہر قسم کی پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام، اچھے لباس کا اہتمام، خوشبو کا استعمال، مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور اجتناب جس سے لوگوں کو ایذا پہنچے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کے بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے جانا وغیرہ، پھر وہاں حسب توفیق نوافل پڑھنا اور خطبہ کے وقت ادب اور توجہ کے ساتھ اس کو سننا، پھر نماز پڑھنا، جمعہ کی جو نماز اس اہتمام اور آداب کے ساتھ پڑھی جائے اس کو اس حدیث میں پورے ہفتے کے گناہوں کا کفارہ اور بخشش و معافی کا وسیلہ فرمایا گیا ہے۔ یوں بھی غور کر کے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سب اعمال جب صحیح ذہنوں کے ساتھ کئے جائیں گے تو ان بندوں کے دلوں اور ان کی روحوں کی کیا کیفیات ہوں گی اور ان کی زندگی پر اس نماز کے کیا اثرات پڑیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شان مغفرت کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهٖ. (رواہ ابن ماجہ و رواہ مالک عن یحیی بن سعید)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کے رکھ لے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے ماسوا کوئی خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شان فقر و زہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو۔ اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لئے جو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے چونکہ حسب استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبرانی نے معجم صغیر اور اوسط میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے تھے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا۔"

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ قَصْدًا وَّ خُطْبَتُهٗ قَصْدًا. (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لئے) بیٹھتے تھے۔ آپ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا اور نہ بہت زیادہ اختصار

بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرِنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کے لئے اس سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آ پہنچا ہے (اپنی پوری جارحانہ تیاریوں کے ساتھ) بس صبح شام تم پر آ پڑنے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت کی آمد ان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تفہیم اور تمثیل کے لئے) اپنی دو انگلیوں یعنی کلمہ والی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی کو ملا دیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ پر جوش اور پر جلال خطبہ ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال قال کے بالکل مطابق ہوتا تھا خصوصیات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ میں قیامت کے قرب اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور اس کے بیچ والی انگلی کو باہم ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے۔ اب درمیان میں کوئی اور نبی بھی آنے والا نہیں ہے، میرے ہی دور میں قیامت آنے والی ہے، اس لئے اس کی تیاری کرو۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے یہاں تک کہ مسجد سے گھر تشریف لے جاتے تھے پھر گھر ہی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ امام ترمذی نے خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت اور اس کے بعد چار رکعت، گویا کل چھ رکعت بھی پڑھتے تھے۔ اس لئے ائمہ مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض حضرات دو کو ترجیح دیتے ہیں بعض چار رکعت کو اور بعض چھ رکعت کو۔

فرائض نماز

(۱) تکبیر تحریمہ (۲) قیام (کھڑا ہونا) (۳) قرءت (قرآن شریف میں سے کوئی سورت یا آیت پڑھنا) (۴) رکوع کرنا (۵) دونوں سجدہ کرنا (۶) قعدہ اخیرہ میں التحیات کی مقدار بیٹھنا (۷) اپنے اختیار سے نماز سے فارغ ہونا حکم یہ ہے کہ اگر ان امور میں سے کوئی بھی چھوٹ جاوے تو نماز نہ ہوگی دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

واجبات نماز

(۱) سورہ فاتحہ پڑھنا (۲) اس کے ساتھ کوئی سورت ملانا (۳) فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کیلئے مقرر کرنا (۴) سورہ فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا (۵) سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک بھی رکھنا (۶) دوسرے سجدہ کو پہلے سجدہ کے متصل کرنا (۷) ارکان کو سکون سے ادا کرنا (۸) قعدہ اولیٰ یعنی تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بیٹھنا (۹) قعدہ اولیٰ میں تشہد کا پڑھنا (۱۰) قعدہ اخیرہ میں تشہد کا پڑھنا (۱۱) تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لیے فوراً کھڑا ہونا (۱۲) لفظ سلام کے ساتھ سلام پھیرنا (۱۳) وتر کی نماز میں دعا قنوت پڑھنا (۱۴) عیدین کی تکبیرات کہنا (۱۵) عیدین کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے لیے تکبیر کہنا (۱۶) لفظ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنا (۱۷) امام کو زور سے قرأت کرنا فجر، عشاء، مغرب، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان شریف کی وتر میں (۱۸) ظہر عصر میں اور دن کی سنت اور نفلوں میں آہستہ قرأت کرنا۔

حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی چھوٹ جاوے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جائے گی۔

نماز کی سنتیں

(۱) تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا (مردوں کیلئے)

(۲) دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اپنے حال پر کھلی اور قبلہ رُخ رکھنا (۳) تکبیر کہتے وقت سر کو نہ جھکانا (۴) امام کا تکبیر تحریمہ اور ایک رُکن سے دُوسرے میں جانے کی تمام تکبیریں بقدر حاجت بلند آواز سے کہنا (۵) سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا (۶) ثنا پڑھنا۔

(۷) تعوذ یعنی اعوذ باللہ الخ پڑھنا (۸) بسم اللہ الخ پڑھنا۔ (۹) فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا۔ (۱۰) آمین کہنا (۱۱) ثنا اور تعوذ اور بسم اللہ اور آمین سب کو آہستہ پڑھنا (۱۲) سنت کے موافق قرأت کرنا یعنی جس جس

نماز میں جس قدر قرآن مجید پڑھنا سنت ہے اس کے موافق پڑھنا (۱۳) رکوع اور سجدے میں تین تین بار تسبیح پڑھنا۔
(۱۴) رکوع میں سر اور پیٹھ کو ایک سیدھ میں برابر رکھنا۔ اور دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ لینا (۱۵) قومہ میں امام کو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور مقتدی کو رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا۔ اور منفرد کو تسمیع اور تحمید دونوں کہنا (۱۶) سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر پیشانی رکھنا۔ (۱۷) جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور سیدھے پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلے کی طرف رہیں اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔
(۱۸) تشہد میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ پر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا (۱۹) قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود پڑھنا (۲۰) درود کے بعد دعا پڑھنا (۲۱) پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

مفسداتِ نماز

مفسدات نماز ان چیزوں کو کہتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یعنی ٹوٹ جاتی ہے اور اسے لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ زبان سے کوئی کلمہ نکالنا اگرچہ غلطی سے یا بھول کر ہو۔

۲۔ انسانی کلام کے مشابہ کلام سے دعا کرنا مثلاً اے اللہ کھانا کھلا دیجئے مجھے۔

۳۔ ملاقات کی نیت سے سلام کرنا اگرچہ بھول کر ہو۔

۴۔ زبان سے یا مصافحہ کرنے کے ذریعہ کسی کے سلام کا جواب دینا۔

۵۔ عمل کثیر کرنا مثلاً دونوں ہاتھوں سے پاجامہ باندھنا۔

۶۔ قبلہ کی طرف سے سینہ کا پھر جانا۔

۷۔ جو چیز منہ کے اندر نہ ہو اس کا کھانا اگرچہ تھوڑی ہو۔

۸۔ دانتوں کے درمیان کی چیز کا کھانا جبکہ چنے کے بقدر ہو۔

۹۔ کسی چیز کا پینا۔ ۱۰۔ بلا کسی عذر کے کھنکارنا۔ ۱۱۔ اف اف کرنا۔

۱۲۔ آہ آہ کرنا۔ ۱۳۔ اوہ اوہ کرنا۔

۱۴۔ مصیبت و درد کی وجہ سے رونے کی آواز کو بلند کرنا۔

۱۵۔ چھینکنے والے کے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہنا۔

۱۶۔ کسی کے اس سوال پر کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور شریک ہے مصلی کا اس کے جواب میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا۔

۱۷۔ کسی بری خبر پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا۔

۱۸۔ خوشخبری پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا۔

۱۹۔ تعجب خیز خبر کو سن کر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ یا سُبْحٰنَ اللّٰہِ کہنا۔

۲۰۔ کسی کو کسی امر کی طرف متوجہ کرنے کے ارادے سے قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھنا جیسے یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وغیرہ

۲۱- تیمم کیے ہوئے شخص کو پانی پر قادر ہو جانا۔　　　　۲۲- موزوں کے مسح کی مدت کا پورا ہو جانا۔

۲۳- مسح کیے ہوئے موزوں کا اتار دینا۔

۲۴- کسی ان پڑھ کا نماز جائز ہونے کے بقدر قرآن پاک سیکھ لینا۔

۲۵- ننگے بدن والے شخص کا ستر ڈھانکنے کے بقدر کپڑے پر قادر ہو جانا۔

۲۶- اشارہ سے رکوع و سجدہ کرنے والے شخص کا رکوع و سجدہ کرنے پر قادر ہو جانا۔

۲۷- صاحب ترتیب کو اپنی فوت شدہ نماز کا یاد آ جانا اور وقت میں گنجائش بھی ہونا۔

۲۸- ایسے شخص کو خلیفہ بنانا جو امامت کے قابل نہ ہو۔

۲۹- نماز فجر پڑھتے وقت سورج کا نکل آنا　۳۰- عیدین کی نماز میں زوال آفتاب ہو جانا۔

۳۱- نماز جمعہ پڑھنے کی حالت میں عصر کا وقت آ جانا۔

۳۲- زخم اچھا ہونے کی وجہ سے حالت نماز میں پٹی کا گر جانا۔

۳۳- معذور کے عذر کا ختم ہو جانا　۳۴- قصداً حدث کرنا (مثلاً وضو توڑ دینا)

۳۵- کسی دوسرے کے عمل سے حدث لاحق ہو جانا مثلاً چھینٹا آ جانا۔

۳۶- بے ہوش ہو جانا۔　　　　۳۷- مجنون اور پاگل ہو جانا۔

۳۸- کسی پر نظر ڈالنے سے غسل کی حاجت ہو جانا۔

۳۹- نماز میں اس طرح سونے کہ سونے سے نماز فاسد ہو اور احتلام ہو جائے۔

۴۰- اجنبی عورت کا بغیر کسی پردے کے مرد کے پہلو میں کھڑا ہونا جبکہ نماز میں دونوں مشترک ہوں، دونوں کی تحریمہ ایک ہو اور مرد نے عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہو۔

۴۱- جس شخص کو حدث لاحق ہو جائے اس کا ستر کھل جائے گو وہ اس کے کھولنے پر مجبور ہو۔

۴۲- جس شخص کا وضو ٹوٹ گیا ہو اس کو وضو کے لیے جاتے ہوئے یا فارغ ہو کر آتے ہوئے قرأت کرنا۔

۴۳- حدث لاحق ہونے کا علم ہونے کے باوجود بلا قصد ایک رکن کی مقدار ٹھہر جانا۔

۴۴- حدث لاحق شدہ شخص کو قریب پانی ملنے کے باوجود دور جانا۔

۴۵- حدث لاحق ہونے کے گمان سے مسجد سے باہر نکل جانا۔

۴۶- مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کی صورت میں حدث کے گمان سے صفوں سے باہر نکل جانا۔

۴۷- اس گمان سے نماز سے پھر جانا کہ وضو نہیں ہے یا یہ کہ مدت مسح پوری ہو گئی ہے یا اس پر فوت شدہ نماز ہے یا بدن یا کپڑے پر نجاست لگی ہوئی ہے حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہو اگرچہ مسجد سے باہر نہ نکلا ہو۔

۴۸- دوسرے مقتدیوں کے امام کو لقمہ دینا۔

٤٩- ایک نماز سے دوسری نماز میں منتقل ہونے کی تکبیر کہنا۔

٥٠- تکبیر کے ہمزہ پر مد کرنا۔

٥١- جو سورتیں یا آیتیں یاد نہ ہوں ان کو نماز میں پڑھنا ٥٢- ستر کھلے رہنے کے ساتھ ایک رکن ادا کرنا یا اتنی مقدار ٹھہر رہنا۔

٥٣- ایسی نجاست کا ہونا خواہ وہ حکمی ہو یا حقیقی ہو جو کہ مانع صلوٰۃ ہو۔

٥٤- مقتدی کا کسی رکن میں امام سے سبقت لے جانا کہ امام اس رکن میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔

٥٥- مسبوق کا اتباع کرنا امام کے سجدہ سہو میں مثلاً امام پر سجدہ سہو واجب تھا غلطی سے اس نے سلام پھیر دیا مسبوق اپنی رکعت کو پورا کرنے لگا کہ امام کو یاد آیا اور اس نے سجدہ سہو کیا تو یہ مسبوق بھی اس میں اس کی اتباع کرے۔

٥٦- قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد یاد آتا کہ سجدہ فرض رہ گیا ہے اس کو ادا کرنے کے بعد دوبارہ قعدہ اخیرہ کی مقدار نہ بیٹھنا۔ ٥٧- حالت نوم میں ادا کیے ہوئے رکن کو بیداری کے بعد اس کا اعادہ نہ کرنا۔

٥٨- قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام کے قہقہہ لگانے سے مسبوق کی نماز فاسد ہو؛ اور امام کی نماز فاسد نہ ہوگی البتہ امام پر واجب ہے کہ دوبارہ وضو کرے تاکہ اعادہ کرے۔

٥٩- اس نماز میں جو دو رکعت والی نہ ہو (مثلاً عشاء اور مغرب) اس نماز میں دو رکعت پر اس گمان سے سلام پھیر دیا کہ مسافر ہوں حالانکہ وہ مسافر نہیں بلکہ مقیم ہے۔

٦٠- جو شخص یہ سمجھتا تھا کہ مسلمان حاکم کی حکومت کے علاوہ شہر میں چار رکعت والی فرض نماز دو رکعت ہے اس گمان سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ (منقول از علم الفقہ)

مکروہاتِ نماز

مکروہات نماز وہ افعال کہلاتے ہیں جن کے کرنے سے نماز مکروہ یعنی ناقص ہو جاتی ہے اور ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان کے چھوڑنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

١- نماز کی حالت میں اپنے بدن یا کپڑے سے کھیلنا۔

٢- کنکریوں کو ہٹانا اگر سجدہ کرنے میں دقت ہو تو ایک مرتبہ ہٹانے کی اجازت ہے۔

٣- انگلیاں چٹخانا۔ ٤- تشبیک کرنا یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا۔

٥- ہاتھ کو کمر پر رکھنا۔ ٦- حالت نماز میں گردن ادھر ادھر پھیرنا۔

٧- کتے کی طرح بیٹھنا یعنی سرین زمین پر رکھ لینا اور دونوں گھٹنے کھڑے کر لینا۔

٨- ذراعین (یعنی کہنیوں کو) کو بچھا دینا ٩- آستین کو سمیٹنا۔

١٠- کرتا یا قمیض ملنے کے باوجود صرف لنگی یا پاجامہ میں نماز پڑھنا۔

١١- سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا۔

١٢- بلا عذر چار زانو (پالتی مار کر) بیٹھنا ١٣- مرد کا قبل نماز جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا۔

۱۴۔ اعتجار کرنا یعنی رومال کو سر پر اس طرح باندھنا کہ سر کا درمیانی حصہ کھلا رہے۔

۱۵۔ رکوع سے اٹھتے وقت کرتے و شلوار یا سجدہ میں جاتے وقت لنگی یا پاجامہ سمیٹنا۔

۱۶۔ رومال یا کسی کپڑے کا سر یا کندھے پر اس طرح ڈالنا کہ اس کے کنارے لٹکے رہیں۔

۱۷۔ اشتمال الصماء کرنا یعنی کپڑا اپنے پورے بدن پر سر سے پیر تک اس طرح لپیٹنا کہ ہاتھ نہ نکال سکے۔

۱۸۔ داہنے کندھے کے نیچے (بغل) سے کپڑا نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈالنا

۱۹۔ نماز نفل کے ہر شفع میں پہلی رکعت کا دوسری رکعت سے زیادہ طویل کرنا۔

۲۰۔ تمام نمازوں میں دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیات یا اس سے زیادہ طویل کرنا۔

۲۱۔ فرض کی کسی بھی رکعت میں کسی سورت کا مکرر پڑھنا۔

۲۲۔ فرض میں سورتوں کا بے ترتیب پڑھنا۔

۲۳۔ نماز میں دو سورتوں کا اس طرح پڑھنا کہ درمیان میں کوئی چھوٹی سورت چھوڑ دینا۔

۲۴۔ اپنی سجدہ کی جگہ پر لگی ہوئی خوشبو کو سونگھنا۔

۲۵۔ اپنے کپڑے سے خوشبو کو سونگھنا۔ ۲۶۔ پنکھا جھلنا ایک دو بار۔

۲۷۔ حالت سجدہ یا اس کے علاوہ میں ہاتھ پیر کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب سے پھیر لینا (ہٹا دینا)

۲۸۔ حالت رکوع میں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر نہ رکھنا ۲۹۔ جمائی لینا۔

۳۰۔ دونوں آنکھوں کا بند کرنا ۳۱۔ آنکھوں کا آسمان کی طرف اٹھانا۔

۳۲۔ انگڑائی لینا ۳۳۔ عمل قلیل کرنا مثلاً بال کا اکھاڑنا۔ ۳۴۔ جوں کا پکڑنا اور اس کو مار ڈالنا۔

۳۵۔ منہ اور ناک ڈھک لینا۔ ۳۶۔ منہ میں کسی ایسی چیز کا رکھنا جو کہ قرأت مسنونہ کیلئے مانع ہو۔

۳۷۔ عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا۔ ۳۸۔ بغیر کسی عذر کے سجدہ میں صرف پیشانی رکھنا ناک نہ رکھنا۔

۳۹۔ راستہ میں نماز پڑھنا۔ ۴۰۔ غسل خانہ میں نماز پڑھنا۔

۴۱۔ بیت الخلاء میں نماز پڑھنا۔ ۴۲۔ قبرستان میں نماز پڑھنا۔

۴۳۔ دوسرے کی زمین میں بغیر اس کی رضامندی کے نماز پڑھنا۔

۴۴۔ جس جگہ نجاست پڑی ہو اس کے قریب نماز پڑھنا۔

۴۵۔ پیشاب پاخانہ کے تقاضے کے وقت نماز پڑھنا۔

۴۶۔ ریح کے خارج کرنے کے تقاضے کے وقت نماز پڑھنا۔

۴۷۔ اتنی مقدار نجاست لگے رہنے کے ساتھ نماز پڑھنا کہ اس کے دھونے بغیر نماز ہو جائے جبکہ جماعت یا وقت نماز فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ ۴۸۔ اپنے گندے کپڑوں میں نماز پڑھنا جس کو معزز شخص کے سامنے پہن کر نہ جا سکیں۔

۴۹۔ ننگے سر نماز پڑھنا۔ ۵۰۔ بھوک لگنے کی صورت میں فرض پڑھنا جبکہ کھانا تیار ہو۔

۵۱۔ ہر وہ چیز جو نماز کے خشوع میں خلل پیدا کرنے والی ہو اس کا کرنا مثلاً لہو ولعب۔

۵۲۔ قرآن پاک کی آیات و تسبیحات کا انگلیوں پر شمار کرنا۔

۵۳۔ امام کا محراب کے اندر یا بین السارتین (ستونوں) کھڑا ہونا۔

۵۴۔ امام کا ایک ذراع (ہاتھ) اونچی جگہ پر یا پست زمین میں تنہا کھڑا ہونا۔

۵۵۔ اگلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود پچھلی صف میں کھڑا ہونا۔

۵۶۔ اپنا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جس میں جاندار کی تصویر ہو۔

۵۷۔ ایسی جگہ نماز پڑھنا کہ جہاں نمازی کے سر کے اوپر یا دائیں یا بائیں یا آگے یا پیچھے جاندار کی تصویر ہو۔

۵۸۔ سجدہ کی جگہ پر کسی جاندار کی تصویر ہونا۔

۵۹۔ مسجد میں نماز کے لیے کسی جگہ کو متعین کر لینا۔

۶۰۔ تنور یا انگیٹھی کے سامنے نماز پڑھنا کہ اس میں دھواں ہو۔

۶۱۔ سونے والوں کے پیچھے نماز پڑھنا۔ ۶۲۔ پیشانی سے مٹی صاف کرنا۔

۶۳۔ کسی ایک سورت کا متعین کر لینا کہ اس کے علاوہ دوسری سورت نہ پڑھے۔

۶۴۔ ایسی جگہ بغیر سترہ لگائے نماز پڑھنا کہ جہاں لوگوں کے گزرنے کا امکان ہو۔

۶۵۔ چوری کے کپڑے میں نماز پڑھنا۔

۶۶۔ کسی شخص کا نماز پڑھنے والے کی طرف منہ کر کے بیٹھنا اور مصلی کا ایسی صورت میں نماز پڑھنا۔ (منقول از علم الفقہ و حاشیہ الطحطاوی)

مردوں کیلئے نماز پڑھنے کی پوری ترکیب

جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے اپنا بدن حدث اکبر اور حدث اصغر اور ظاہری ناپاکی سے پاک کرو اور پاک کپڑے پہن کر پاک جگہ پر قبلے کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑے ہو کہ دونوں قدموں کے درمیان چار انگل یا اس کے قریب قریب فاصلہ رہے۔ پھر جو نماز پڑھنی ہے اس کی نیت دل سے کرو مثلاً یہ کہ فجر کی نماز فرض خدا کے واسطے پڑھتا ہوں اور زبان سے بھی کہہ لو تو اچھا ہے پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل ہوں اور انگلیاں کھلی کھلی رہیں۔ اس وقت اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لو سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رہے اور انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقے کے طور پر گٹے کو پکڑ لو اور باقی تین انگلیاں کلائی پر رہیں۔ اور نظر سجدہ کی جگہ پر رہے ہاتھ باندھ کر آہستہ آہستہ ثناء پڑھو۔ پھر تعوذ۔ پھر تسمیہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھو جب سورہ فاتحہ ختم کر لو تو آہستہ سے آمین کہو۔ پھر کوئی سورۃ یا کوئی بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیتیں پڑھو (تینوں) اگر تم امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہو تو صرف ثناء پڑھ کر خاموش کھڑے رہو۔ تعوذ اور تسمیہ اور سورہ فاتحہ اور سورۃ کچھ نہ پڑھو) قرأت صاف صاف اور صحیح صحیح پڑھو جلدی نہ کرو پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں جاؤ انگلیوں کو کھول کر زانو سے گھٹنوں کو پکڑ لو پیٹھ کو ایسا سیدھا کر لو کہ اگر اس پر پانی کا پیالہ رکھ دیا جائے تو ٹھیک رکھا رہے سر کو پیٹھ کی سیدھ میں رکھو نہ اونچا کرو نہ نیچا رکھو۔ ہاتھ پسلیوں سے علیحدہ رہیں اور پنڈلیاں سیدھی کھڑی رہیں۔ پھر رکوع کی تسبیح تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ پڑھو۔ پھر تسمیع کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ تحمید بھی پڑھ لو امام صرف تسمیع پڑھے اور مقتدی صرف تحمید پڑھیں اور منفرد تسمیع و تحمید دونوں پڑھے پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں جاؤ پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی رکھو چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور انگوٹھے کان کے مقابل رہیں۔ ہاتھوں کی انگلیاں ملی رکھو تاکہ سب کے سرے قبلہ کی طرف رہیں کہنیاں پسلیوں سے اور پیٹ رانوں سے علیحدہ رہے کہنیاں زمین پر نہ بچھاؤ سجدے میں تین یا پانچ مرتبہ سجدے کی تسبیح کہو پھر پہلے پیشانی پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہتے ہوئے اٹھو اور سیدھے بیٹھ جاؤ پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کرو۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے اٹھو اٹھنے میں پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھا کر پنجوں کے بل سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ لو۔ اور بسم اللہ اور سورہ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھو (امام کے پیچھے ہو تو کچھ نہ پڑھو خاموش کھڑے رہو) پھر اسی قاعدے سے

رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، دوسرا سجدہ کرو۔ دوسرے سجدے سے اٹھ کر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ سیدھا پاؤں کھڑا رکھو دونوں پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلے کی طرف رہیں۔ اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھو اور التحیات پڑھو جب اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ پر پہنچو تو سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لو اور چھنگلیا اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کر لو اور کلمہ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرو وَلَآ اِلٰهَ پر انگلی اٹھاؤ اور اِلَّا اللّٰهُ پر جھکا دو۔ اور اسی طرح اخیر تک حلقہ باندھے رکھو۔ تشہد ختم کر کے اگر دو رکعت والی نماز ہے تو درود شریف پڑھو۔ اس کے بعد دعا پڑھو۔ پھر پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرو۔ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت دائیں طرف منہ پھیرو اور بائیں طرف سلام میں بائیں طرف منہ پھیرو۔ دائیں سلام میں دائیں طرف کے فرشتوں اور نمازیوں کی نیت کرو اور بائیں سلام میں بائیں طرف کے فرشتوں اور نمازیوں کی نیت کرو اور جس طرف امام ہو اس طرف کے سلام میں امام کی بھی نیت کرو اور امام دونوں سلاموں میں مقتدیوں کی نیت کرے اور اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہے تو تشہد کے بعد درود نہ پڑھو۔ بلکہ تکبیر کہتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ اور تیسری اور چوتھی رکعت اگر نماز فرض ہے تو اس کے قاعدے سے اور واجب یا سنت یا نفل ہے تو اس کے قاعدے سے پوری کر کے سلام پھیر دو۔

دعا کا طریقہ

۱۔ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے جائیں کہ وہ سینے کے سامنے آ جائیں دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو نہ ہاتھوں کو بالکل ملائیں اور نہ دونوں کے درمیان فاصلہ رکھیں۔

۲۔ دعا کرتے وقت ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کے سامنے رکھیں۔ اور آخر میں یہ دعا پڑھیں

رَحْمَتِي اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

خواتین کیلئے مکمل طریقہ نماز

یہ باتیں یاد رکھئے اور ان پر عمل کا اہتمام کیجئے:

۱۔ آپ کا رخ قبلہ کی طرف ہونا ضروری ہے۔

۲۔ آپ کو سیدھا کھڑا ہونا چاہئے اور آپ کی نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہئے گردن کو جھکا کر ٹھوڑی سینے سے لگا لینا مکروہ ہے اور بلاوجہ سینے کو جھکا کر کھڑا ہونا بھی درست نہیں لہٰذا اس طرح سیدھی کھڑی ہوں کہ نظر سجدے کی جگہ پر رہے۔

۳۔ آپ کے پاؤں کی انگلیوں کا رخ بھی قبلے کی جانب رہے اور دونوں پاؤں سیدھے قبلہ رخ رہیں (پاؤں کو دائیں بائیں ترچھا رکھنا خلاف سنت ہے) دونوں پاؤں قبلہ رخ ہونے چاہئیں۔

۴۔ دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم چار انگل کا فاصلہ رکھنا چاہئے۔

۵۔ خواتین کسی موٹی اور بڑی چادر سے اپنے سارے جسم کو اچھی طرح ڈھانپ لیں، جس میں سر، سینہ، بازو، بالیں،

پنڈلیاں، مونڈھے، گردن وغیرہ سب ڈھکے رہیں، ہاں اگر چہرہ یا قدم یا گٹوں تک ہاتھ کھلے رہیں تو نماز ہو جائے گی کیونکہ یہ تینوں چیزیں ستر سے مستثنیٰ ہیں اور اگر یہ بھی ڈھکی رہیں تب بھی نماز ہو جائے گی۔

۵۔ نماز کے لئے ایسا باریک دوپٹہ استعمال کرنا جس میں سر، گردن، حلق اور حلق کے نیچے کا بہت سا حصہ نظر آتا رہے، اسی طرح بازو، کہنیاں اور کلائیاں نہ چھپیں یا پنڈلیاں کھلی رہیں تو ایسی صورت میں نماز بالکل نہیں ہوگی، لہٰذا نماز کے وقت سارے جسم کو چھپانے کا خاص اہتمام کریں اور اس مقصد کے لئے موٹا دوپٹہ استعمال کریں۔

۶۔ اگر نماز کے دوران چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے سوا جسم کا کوئی عضو بھی چوتھائی کے برابر اتنی دیر کھلا رہ گیا جس میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہا جا سکے تو نماز ہی نہیں ہوگی اور اس سے کم کھلا رہ گیا تو نماز ہو جائے گی مگر گناہ ہوگا۔

۷۔ ایسے کپڑے پہن کر نماز میں کھڑا ہونا مکروہ ہے جنہیں پہن کر انسان لوگوں کے سامنے نہ جاتا ہو۔ (یعنی ایسے میلے کچیلے یا ایسے خراب کپڑے پہن کر کہیں نہ جا سکتی ہو تو احکم الحاکمین رب العالمین کی بارگاہ میں ایسے کپڑے پہن کر جانا بہت بری بات ہے، جس قدر گنجائش ہو صاف ستھرے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی چاہئے)

ابتداءِ نماز

۱۔ دل میں نیت کر لیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہی ہوں، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں۔

۲۔ دونوں ہاتھ دوپٹے سے باہر نکالے بغیر کندھوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور انگلیاں اوپر کی طرف سیدھی ہوں، خواتین کانوں تک ہاتھ نہ اٹھائیں۔

۳۔ مذکورہ بالا طریقہ پر ہاتھ اٹھاتے وقت "اللہ اکبر" کہیں دونوں ہاتھ سینے پر بغیر حلقہ بنائے اس طرح رکھیں کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر آ جائے، خواتین کو مردوں کی طرح ناف پر ہاتھ نہ باندھنے چاہئیں۔

۱۔ اکیلے نماز پڑھنے کی حالت میں پہلی رکعت میں پہلے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ۔۔۔ آخر تک پڑھیں، اس کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھیں اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھیں اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جب وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہیں اس کے بعد فوراً آمین کہیں، اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر کوئی سورۃ پڑھیں یا کہیں سے بھی تین آیتیں پڑھیں۔

۲۔ اگر اتفاقاً امام کے پیچھے ہوں تو صرف سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھ کر خاموش ہو جائیں اور امام کی قرأت کو دھیان لگا کر سنیں، اگر امام آہستہ آواز سے نہ پڑھ رہا ہو تو زبان ہلائے بغیر دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ کا دھیان کئے رکھیں۔

۳۔ جب خود قرأت کر رہی ہوں تو سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت بہتر یہ ہے کہ ہر آیت پر رک کر سانس توڑ دیں، پھر دوسری آیت پڑھیں، کئی کئی آیتیں ایک سانس میں نہ پڑھیں، مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ...... پر سانس توڑ دیں پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ..... پر، اسی طرح پوری سورۂ فاتحہ پڑھیں لیکن اس کے بعد کی قرأت میں ایک سانس میں ایک سے

زیادہ آیتیں بھی پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں اور خواتین کو ہر نماز میں الحمد شریف اور سورۃ وغیرہ ساری چیزیں آہستہ پڑھنی چاہئیں۔

۴۔ بغیر کسی ضرورت کے جسم کے کسی حصہ کو حرکت نہ دیں جتنے سکون کے ساتھ کھڑی ہوں اتنا ہی بہتر ہے، اگر کھجلی وغیرہ کی ضرورت ہو تو صرف ایک ہاتھ استعمال کریں اور وہ بھی سخت ضرورت کے وقت اور کم سے کم۔

۵۔ جسم کا سارا زور ایک پاؤں پر دے کر دوسرے پاؤں کو اس طرح چھوڑ دینا کہ اس میں خم آ جائے نماز کے ادب کے خلاف ہے اس سے پرہیز کریں، یا تو دونوں پاؤں پر برابر زور دیں، یا ایک پاؤں پر زور دیں تو اس طرح کہ دوسرے پاؤں میں خم پیدا نہ ہو۔

۶۔ جمائی آنے لگے تو اس کو روکنے کی پوری کوشش کریں، اگر کوشش کے باوجود نہ رکے تو حالت قیام میں الٹا یا دایاں ہاتھ ورنہ بایاں ہاتھ منہ پر رکھیں۔ ۷۔ کھڑے ہونے کی حالت میں نظریں سجدہ کی جگہ پر رکھیں، ادھر ادھر یا سامنے دیکھنے سے پرہیز کریں۔

رکوع میں

۱۔ جب قیام سے فراغت ہو جائے تو رکوع کرنے کیلئے "اللہ اکبر" کہیں، جس وقت رکوع کرنے کیلئے جھکیں اسی وقت تکبیر کہنا بھی شروع کر دیں اور رکوع میں جاتے ہی تکبیر ختم کر دیں۔

۲۔ خواتین رکوع میں معمولی جھکیں کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں مردوں کی طرح خوب اچھی طرح نہ جھکیں۔

۳۔ خواتین گھٹنوں پر ہاتھ کی انگلیاں ملا کر رکھیں، مردوں کی طرح کشادہ کر کے گھٹنوں کو نہ پکڑیں اور گھٹنوں کو (ذرا آگے) کو جھکا لیں اور اپنی کہنیاں بھی پہلو سے خوب ملا کر رکھیں۔

۴۔ کم از کم اتنی دیر رکوع میں رہیں کہ اطمینان سے تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہا جا سکے، اور فرصت ہو تو پانچ یا سات مرتبہ یا نو مرتبہ یا گیارہ مرتبہ یا طاق عدد میں زیادہ سے زیادہ مرتبہ پڑھے۔

۵۔ رکوع کی حالت میں نظریں پاؤں کی طرف ہونی چاہئیں۔

۶۔ دونوں پاؤں پر زور برابر رہنا چاہئے اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ایک دوسرے کے قریب رہنے چاہئیں۔

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت

۱۔ رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اس قدر سیدھی ہو جائیں کہ جسم میں کوئی خم باقی نہ رہے۔

۲۔ اس حالت میں بھی نظر سجدے کی جگہ پر رہنی چاہئے۔

۳۔ بعض خواتین کھڑے ہوتے وقت کھڑی ہونے کے بجائے کھڑے ہونے کا صرف اشارہ کر دیتی ہیں اور جسم کے جھکاؤ کی حالت ہی میں سجدے کے لئے چلی جاتی ہیں ان کے ذمے نماز کا لوٹانا واجب ہو جاتا ہے لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں جب تک سیدھے ہونے کا اطمینان نہ ہو جائے سجدے میں نہ جائیں۔

۴۔ کم از کم اتنی دیر سیدھی کھڑی رہیں کہ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ آرام سے پڑھ لیں اور اگر توفیق ہو تو

"رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ۔ (بخاری، ابوداؤد)

"اے ہمارے رب آپ ہی کیلئے سب تعریف ہے بہت زیادہ تعریف جو پاکیزہ برکت والی تعریف۔"

یہ دعا یاد کر لیں اور اس کو پڑھیں تو ثواب بھی بہت زیادہ بڑھ جائے گا اور نماز بھی اطمینان والی ہو جائے گی۔

سجدہ: سجدے میں جاتے وقت اس طریقہ کا خیال رکھیں:

۱۔ خواتین سیدھا آگے کو جھکا کر سجدے میں جائیں۔ پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھیں، گھٹنوں کے بعد پہلے ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک، پھر پیشانی۔

۲۔ سجدے میں خواتین خوب سمٹ کر اور دب کر اس طرح سجدہ کریں کہ پیٹ رانوں سے اور بازو بھی پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں، نیز پاؤں کو کھڑا کرنے کے بجائے انہیں دائیں طرف نکال کر بچھا دیں جہاں تک ہو سکے انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھیں۔

۳۔ خواتین کو کہنیاں سمیت پوری باہیں بھی زمین پر رکھ دینی چاہئیں۔

۴۔ سجدے کی حالت میں کم از کم اتنی دیر ٹھہریں کہ تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں پیشانی ٹیکتے ہی فوراً اٹھا لینا منع ہے۔ (اور اگر زیادہ وقت میں گنجائش ہو تو سجدہ میں پانچ مرتبہ سات مرتبہ نو مرتبہ حاق فرمائیں جتنی زیادہ ہو سکے اللہ کی تسبیح بیان کریں۔ اور نوافل میں تسبیح کے بعد قرآن و حدیث کی دعائیں سجدہ میں پڑھیں۔ کم از کم سجدہ میں رَبِّ اغْفِرْلِیْ والی دعا تین مرتبہ پڑھیں کہ اے اللہ میرے گناہ معاف فرما۔ اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدوں میں جو دعائیں مانگی ہیں، ان کو کتاب "حصن حصین" میں سے یاد کر لیجئے۔

دونوں سجدوں کے درمیان

۱۔ ایک سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جائیں پھر دوسرا سجدہ کریں، ذرا سا سر اٹھا کر سیدھے ہوئے بغیر دوسرا سجدہ کر لینا مکروہ ہے اور اس طرح کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہو جاتا ہے۔

۲۔ خواتین پہلے سجدے سے اٹھ کر بائیں کولہے پر بیٹھیں اور دونوں پاؤں داہنی طرف کو نکال دیں اور دائیں پنڈلی کو بائیں پنڈلی پر رکھیں اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھیں اور انگلیاں خوب ملا کر رکھیں۔

۳۔ بیٹھنے کے وقت نظریں اپنی گود پر ہونی چاہئیں۔

۵۔ اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں کم از کم ایک مرتبہ سبحان اللہ کہا جا سکے اور اگر اتنی دیر تک بیٹھیں کہ اس میں

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے عافیت دے اور مجھے ہدایت پر رکھ اور مجھے رزق عطا فرما اور میری شکستگی کو جوڑ دے اور مجھے بلند فرما۔" پڑھ سکیں تو بہت بہتر ہے۔

دوسرا سجدہ اور اس سے اٹھنا

۱۔ دوسرے سجدے میں بھی اس طرح جائیں کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں پھر ناک، پھر پیشانی۔

۲۔ دوسرے سجدے کی ہیئت وہی ہونی چاہئے جو پہلے سجدے میں بیان کی گئی۔

۳۔ سجدے سے اٹھتے وقت پہلے پیشانی زمین سے اٹھائیں پھر ناک، پھر ہاتھ، پھر گھٹنے۔

۴۔ اٹھتے وقت زمین کا سہارا نہ لیں تو بہتر ہے لیکن اگر جسم بھاری ہو یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے مشکل ہو تو سہارا لینا بھی جائز ہے۔

۵۔ اٹھنے کے بعد ہر رکعت کے شروع میں سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیں۔

قعدہ

۱۔ قعدے میں بیٹھنے کا طریقہ وہی ہوگا جو سجدوں کے بیچ میں بیٹھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ التحیات پڑھتے وقت جب اشہد ان لا پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کریں اور الا اللہ پر گرا دیں۔

۳۔ اشارے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں، چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کر لیں اور شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھائیں کہ انگلی قبلے کی طرف جھکی ہوئی ہو، بالکل سیدھی آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے۔

۴۔ الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی تو نیچے کر لیں لیکن باقی انگلیوں کی جو ہیئت اشارے کے وقت بنائی تھی اس کو آخر تک برقرار رکھیں۔

سلام پھیرتے وقت

۱۔ دونوں طرف سلام پھیرتے وقت گردن کو اتنا موڑیں کہ پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کو آپ کے رخسار نظر آ جائیں۔

۲۔ سلام پھیرتے وقت نظریں کندھے کی طرف ہونی چاہئیں۔ جب دائیں طرف گردن پھیر کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہیں تو یہ نیت کریں کہ دائیں طرف جو فرشتے ہیں ان کو سلام کر رہا ہوں، اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت کر لیں۔

ننگے سر نماز پڑھنا کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عام معمول کے خلاف ہے

قَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ. (بخاری)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (گرمی کے موسم میں جب کہ مسجد کا فرش خوب گرم ہوتا تھا) اپنے عماموں اور ٹوپیوں (کے کپڑے کے ابھرے ہوئے حصے) پر سجدہ کرتے تھے اور سجدے کے وقت ہاتھوں کو فرش کی تپش سے بچانے کے لیے یہ تدبیر کرتے تھے کہ) ان کے ہاتھ آستینوں کے اندر رہتے تھے۔

فائدہ: سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کا عمل صحابہؓ کے دور سے امت میں تواتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ ننگے سر نماز پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ یَلْبَسُ الْقَلَانِسَ تَحْتَ الْعَمَائِمِ وَبِغَیْرِ الْعَمَائِمِ وَیَلْبَسُ الْعَمَائِمَ بِغَیْرِ الْقَلَانِسِ وَکَانَ یَلْبَسُ الْقَلَانِسَ الْیَمَانِیَّۃَ وَھُنَّ الْبِیْضُ الْمُضَرَّبَۃُ وَیَلْبَسُ ذَوَاتِ الْاٰذَانِ فِی الْحَرْبِ وَکَانَ رُبَّمَا نَزَعَ قَلَنْسُوَتَہٗ فَجَعَلَھَا سُتْرَۃً بَیْنَ یَدَیْہِ فَیُصَلِّیْ (کنز العمال)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹوپی پہنتے تھے عمامہ کے ساتھ بھی اور عمامہ کے بغیر بھی اور ٹوپی کے بغیر بھی عمامہ باندھ لیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یمنی ٹوپی بھی استعمال کرتے تھے جو سفید اور سلی ہوئی ہوتی تھی اور جنگ میں کانوں (کو ڈھانپنے) والی ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی کبھی آپ اپنی ٹوپی اتار کر اس کو سترہ کے طور پر اپنے سامنے رکھ دیتے اور نماز پڑھتے۔

اس حدیث کو مستقل معمول کے طور پر ننگے سر نماز پڑھنے پر دلیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ "ربما" کا لفظ تقلیل کے لیے ہے یعنی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ پھر اس میں یہ ذکر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی اتار کر ننگے سر نماز پڑھتے تھے بلکہ قوی احتمال ہے کہ ٹوپی اتار کر صرف عمامہ باندھے ہوں جیسا کہ حدیث کے شروع کے حصہ میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹوپی کے بغیر بھی عمامہ باندھ لیتے تھے۔

جب پیشاب پاخانہ کا زور ہو

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا صَلٰوۃَ بِحَضْرَۃِ طَعَامٍ وَلَا ھُوَ یُدَافِعُہُ الْاَخْبَثَانِ (مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نماز (کامل) نہیں ہے جبکہ کھانا حاضر ہو (اور بھوک زوروں کی ہو) اور نہ اس حالت میں جب کہ پیشاب اور پاخانہ کا زور ہو۔

فائدہ: کامل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان حالتوں میں ذہن ان چیزوں کی طرف لگا رہتا ہے اور قلبی فراغت اور ذہنی یکسوئی نہیں ہوتی جو نماز کے خشوع کے لیے ضروری ہے۔

بلاضرورت تنہا امام کا مقتدیوں سے ڈیڑھ فٹ یا زائد اونچا کھڑے ہونا

عَنْ ھَمَّامٍ اَنَّ حُذَیْفَۃَ اَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ عَلٰی دُکَّانٍ فَاَخَذَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ بِقَمِیْصِہٖ فَجَبَذَہٗ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالَ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا یُنْھَوْنَ عَنْ ذٰلِکَ قَالَ بَلٰی قَدْ ذَکَرْتُ حِیْنَ مَدَدْتَنِیْ (ابوداؤد)

ہمام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدائن میں (ایک) اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کی (نماز میں) امامت کی۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قمیص پکڑ کر کھینچی (تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چبوترے سے نیچے اتر آئے) جب حضرت حذیفہ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ کو

معلوم نہیں کہ صحابہ کو اس سے منع کیا جاتا تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کیوں نہیں (مجھے معلوم تھا لیکن مجھے خیال نہیں رہا تھا) جب آپ نے مجھے کھینچا تو مجھے یہ بات یاد آگئی تھی (اور میں از خود نیچے اتر آیا تھا)۔

بلاضرورت تنہا امام کا محراب میں کھڑے ہونا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ كَرِهَ الصَّلٰوةَ فِي الْمِحْرَابِ۔ (بزار)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ (امام کے بلاضرورت) محراب کے اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو مکروہ جانتے تھے۔

جو باتیں نماز میں مکروہ نہیں

کسی کی پشت کی طرف نماز پڑھنا

عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا لَمْ يَجِدْ سَبِيْلًا اِلٰى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ قَالَ لِيْ وَلِّنِيْ ظَهْرَكَ۔ (ابن ابی شیبہ)

نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب (سنن ونوافل پڑھنے کے لیے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کی اوٹ نہ پاتے تو مجھے فرماتے تھے کہ تم میری طرف اپنی پشت کر کے بیٹھ جاؤ۔)

تلوار یا نیزے کا سامنے ہونا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْكُزُ الْعَنَزَةَ وَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سترہ کے طور پر) چھوٹا نیزہ گاڑ لیتے تھے اور اس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔

کسی کے پاؤں سامنے ہونا

عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى الْفِرَاشِ الَّذِيْ يَنَامَانِ عَلَيْهِ۔ (بخاری)

(مشہور تابعی) عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بچھے کرے میں رات کے وقت) نماز پڑھتے تھے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے اور قبلہ کے درمیان (ٹانگ پھیلائے ہوئے) اس بستر پر لیٹی ہوتی تھیں جس پر دونوں سوتے تھے۔

چٹائی یا جائے نماز پر نماز پڑھنا

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ لَهٗ حَصِيْرٌ يَبْسُطُهٗ وَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چٹائی تھی جس کو بچھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نماز پڑھتے تھے۔

عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلَى الْخُمْرَةِ. (بخاری)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

ضرورت ہو تو کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَلْتَفِتُ فِي الصَّلَاةِ يَمِيْنًا وَشِمَالًا. (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کوئی ضرورت ہوتی تو گردن ہلائے بغیر کن انکھیوں سے) دائیں بائیں دیکھ لیا کرتے تھے۔

کھٹمل کو مارنا

عَنْ أَبِيْ رَزِيْنٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ أَخَذَ قَمْلَةً فِي الصَّلَاةِ فَدَفَنَهَا. (کتاب الآثار)

ابورزین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کے دوران ایک کھٹمل پکڑا (جس کے تکلیف دینے کا ان کو اندیشہ تھا اور اس سے نماز کی طرف توجہ میں فرق آتا اور چونکہ قعدہ میں تھے اس لیے اس کو مارا) پھر اس کو مٹی میں دبا دیا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقْتُلُ الْقَمْلَةَ فِي الصَّلَاةِ حَتّٰى يَظْهَرَ دَمُهَا عَلٰى يَدِهٖ. (عبد الرزاق)

عبدالرحمٰن بن اسود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں (تکلیف کے اندیشہ سے) کھٹمل کو مار دیتے تھے حتیٰ کہ (بعض اوقات) اس کا خون ان کے ہاتھ پر لگ جاتا تھا۔

سانپ اور بچھو کو مارنا

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ. (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نماز کے دوران سانپ اور بچھو (نظر آئے اور اس سے خود کو خطرہ ہو تو اس) کو قتل کر دو۔

فائدہ: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کی مطلق اجازت دی ہے۔ لہٰذا اگر بہت سی حرکات بھی کرنی پڑیں تب بھی نماز نہ ٹوٹے گی جبکہ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ عمل کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اس لیے ایک دو ضربوں سے یعنی عمل قلیل سے مارا جا سکے تو مار دو نماز نہ ٹوٹے گی اور اگر عمل کثیر کی ضرورت ہو تو ان کو قتل کرنے کی خاطر نماز توڑنے کی اجازت دی ہے۔

اذان، پہلی صف اور صبح و عشاء کی نماز

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا (بخاری و مسلم)

اگر لوگ جانتے ہوتے کہ اذان دینے میں اور صف اول کی نماز میں کتنا ثواب ہے اور پھر انہیں یہ موقع قرعہ اندازی کے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تو لوگ اس کے لئے قرعہ اندازی بھی کر لیتے اور اگر جان لیتے کہ مسجد کو جلدی جانے میں کتنا ثواب ہے تو اس میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کیا کرتے۔ اور اگر لوگ جانتے ہوتے کہ اذان دینے میں اور صف اول کی نماز عشاء کے لئے اندھیرے میں جانا اور (نیند قربان کر کے) فجر کے وقت مسجد جانا کس قدر ثواب رکھتا ہے تو ضرور جاتے، چاہے گھٹنوں کے بل جاتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ "اگر لوگ جانتے ہوتے" کی تعبیر سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ یہ کام بے حد اجر و ثواب رکھتے ہیں جس کی حد لوگوں کے علم میں نہیں ہے۔ حدیث شریف میں صرف نداء کا لفظ فرمایا گیا ہے اس سے مراد ندائے صلوٰۃ یعنی اذان ہے۔ اور صف اول وہی ہے جو اس لحاظ سے پہلی ہوتی ہے یعنی امام سے ملی ہوئی صف، صف اول ہے۔

روایت حدیث میں " ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا " کے فقرے سے یہ فرمایا گیا ہے کہ اذان اور صف اول کی فضیلت حاصل کرنے میں لوگوں کو اس درجہ رغبت و شوق ہو جائے گا کہ اس کے لئے قرعہ اندازی کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ روایت حدیث میں ایک لفظ "تہجیر" آیا ہے کہ اگر لوگوں کو تہجیر کی فضیلت معلوم ہو جائے تو اس میں بھی ایک دوسرے پر سبقت کرنے کے لئے فکر کرنے لگیں۔ تو اس تہجیر کا مفہوم بھی وہی ہے جو تبکیر کا ہے۔ یعنی جلدی جانا، خاص طور پر جمعہ اور ظہر کی نماز میں جلدی کرنا مراد ہے کیونکہ تہجیر کا لفظ "ہاجرۃ" سے ماخوذ ہے اور "ہاجرۃ" سخت گرمی کے لئے بولا جاتا ہے۔ روایت میں ایک لفظ "عتمۃ" آیا ہے اس سے عشاء کی نماز مراد ہے۔ آخر روایت میں ایک لفظ "حبوا" آیا ہے۔ اس سے مراد ہے گھٹنوں کے بل چلنا، جیسے بچے چلتے ہیں۔ جسے ہم لوگ "گھیاں" چلنا کہتے ہیں۔

صبح وشام کی سنتیں اور نوافل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں، اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں اور مجھ سے بیان کیا میری بہن ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے صبح صادق ہو جانے پر۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ کی تمام حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی صرف دو ہی پڑھتے تھے۔ بہر حال دونوں ہی عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں اور جس پر بھی عمل کیا جائے سنت ادا ہو جائے گی۔ اس ناچیز نے بعض اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر ۴ رکعت سنت پڑھتے ہیں۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ جماعت کا وقت قریب ہے تو صرف ۲ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں۔

ظہر کی سنتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت

عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰى اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ. (رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجه)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چونکہ دو ہی رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے۔ اس لئے ظہر کے بعد مؤکدہ سنت تو صرف دو ہی رکعت ہے، لہٰذا چار رکعت پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان مؤکدہ دو رکعتوں کے علاوہ مزید دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔

فائدہ: ہمارے دیار میں ظہر کی دو سنتوں کے بعد مزید دو نفل پڑھنے کا کافی رواج ہے، لیکن اکثر عوام ان نفلوں کو (بلکہ عام طور سے ہر وقت کے نوافل) کو بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نفل بیٹھ کر ہی پڑھنے چاہئیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح حدیث ہے کہ بیٹھ کے نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہوکے پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ملے گا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ رَأَيْتُ حَبِيبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواہ الطبرانی)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ (معجم طبرانی)

تشریح: مغرب کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہیں۔ ان کے علاوہ ۴ رکعت نفل اور پڑھی جائیں تو ۶ ہو جائیں گی، اور بندہ گناہوں کی مغفرت کی اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا جو اس حدیث میں دی گئی ہے۔

وتر

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلٰوةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَذٰلِكَ أَفْضَلُ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ اٹھ نہ سکے گا (یعنی سوتا رہ جائے گا) تو اس کو چاہئے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کے ساتھ ہی) وتر پڑھ لے، اور جس کو اس کی پوری امید ہو کہ وہ (تہجد کے لئے) آخر شب میں اٹھ جائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے، اس لئے کہ اس وقت کی نماز میں ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: وتر کے بارے میں عام حکم یہی ہے کہ جو اس حدیث سے معلوم ہوا۔ یعنی یہ کہ نماز وتر رات کی سب نمازوں کے بعد اور آخر میں پڑھی جائے، یعنی نوافل کے بعد بھی اور یہ کہ جس کسی کو آخر شب میں اٹھنے کے بارے میں اطمینان ہو وہ وتر شروع رات میں نہ پڑھے بلکہ آخر شب میں تہجد کے ساتھ پڑھے اور جس کو یہ اطمینان نہ ہو وہ شروع رات ہی میں پڑھ لیا کرے۔ لیکن بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خاص حالات کی بناء پر شروع رات ہی میں وتر پڑھ لینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی میں سے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ان کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وہ چند خاص وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں۔"

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ؟ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَثَلٰثٍ وَسِتٍّ وَثَلٰثٍ وَثَمَانٍ وَثَلٰثٍ وَعَشْرٍ وَثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ. (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن ابی قیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے اُم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ چار اور تین اور چھ اور تین اور آٹھ اور تین اور دس اور تین۔ اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تہجد اور وتر کے مجموعے کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا، انہوں نے اس حدیث میں عبد اللہ بن ابی قیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد کبھی صرف چار رکعت پڑھتے تھے، کبھی چھ رکعت، کبھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت، لیکن چار رکعت سے کم اور دس رکعت سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول نہیں تھا، اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

قنوت وتر

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند کلمات تعلیم فرمائے جن کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں۔ اللهم اهدنی فی من هدیت۔ اے اللہ جن بندوں کو تو ہدایت عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی ہدایت دے، اور جن کو عافیت (یعنی دنیا اور آخرت کی تمام بلاؤں سے سلامتی) عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی عافیت دے، اور میرا متولی اور کارساز بن جا ان بندوں کے ساتھ جن کا تو کارساز بنے، اور مجھے برکت دے ان تمام چیزوں میں جو تو مجھے عطا فرمائے اور اپنے فیصلوں کے اثرات بد سے میری حفاظت فرما تو ہی سارے فیصلے کرتا اور احکام جاری کرتا اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بلاشبہ جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل و خوار نہیں (وہ ہر حال میں معزز و محترم ہے) تو برکت والا ہے اور تیری شان بلند ہے اے میرے مالک اور پروردگار!۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح: اس قنوت کی بعض روایات میں "انه لا يذل من واليت" کے بعد "ولا يعز من عاديت" بھی روایت کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس سے تیری دشمنی ہو وہ کسی حال میں باعزت نہیں۔ اور بعض روایات میں تبارکت ربنا وتعالیت کے بعد استغفرک واتوب الیک بھی روایت کیا گیا ہے۔ یعنی اے میرے رب میں تجھ سے گناہوں کی مغفرت

اور بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور بعض روایات میں توبہ اور استغفار کے اس کلمہ کے بعد اس درود کا بھی اضافہ ہے وصلی اللہ علی النبی (اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) اکثر ائمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لئے اسی قنوت کو اختیار فرمایا ہے۔ حنفیہ میں جو قنوت رائج ہے اللھم انا نستعینک ونستغفرک اس کو امام ابن ابی شیبہ اور امام طحاوی وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی نے بعض اکابر احناف سے نقل کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اللھم انا نستعینک کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی یہ قنوت اللھم اھدنی فیمن ھدیت بھی پڑھی جائے۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِي اٰخِرِ وِتْرِهٖ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ. (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وتر کے" آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے" اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک "اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور تیرے عذاب سے تیری عافیت بخشی کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، مجھ سے تیری ثناء صفت کا حق ادا نہیں ہو سکتا (بس یہی عرض کر سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثناء صفت بیان کی ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: سبحان اللہ! کیا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی جائے پناہ نہیں، بس اسی کی رحمت و عنایت اور اسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں صرف اتنا ذکر ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا اپنے وتر کے" آخر میں کرتے تھے" اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دعا کرتے تھے، اور بعض ائمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد آپ یہ دعا کرتے تھے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری سجدوں میں آپ یہ دعا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے رات کی نماز کے سجدے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہی دعا کرتے ہوئے سنا تھا۔ بہرحال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ. (رواہ ابوداؤد والنسائی وزاد "ثلث مرات يطيل")

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تھے تو کہتے تھے سبحان الملک القدوس۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے، اور اس کو طویل

کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے) اور بعض روایات میں ہے کہ "یرفع صوتہ بالثالثة" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

وتر کے بعد کی دو رکعت نفل

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ. رواه الترمذي وزاد ابن ماجه خفيفتين وهو جالس

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں اضافہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

تشریح: وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابو امامہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ انہی احادیث کی بناء پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارے میں عام امتیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں مسئلہ وہی ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ہوتا ہے) لیکن میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے، مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ وتر کے بعد ان دو رکعتوں کے لئے کوئی الگ اصول نہیں ہے، بلکہ وہی عام اصول اور قاعدہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

تہجد کی فضیلت اور اہمیت

عشاء اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اگر عشاء اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضا میں جیسا سکون رات کے سناٹے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا، اور اگر عشاء کے بعد آدمی کچھ دیر کے لئے سو جائے اور آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ جائے (جو تہجد کا اصلی وقت ہے) تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کر نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلاً.

رات میں نماز کے لئے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ دبانے والا عمل ہے اور اس وقت (دعا یا قرأت میں) جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے)۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا.

(ان کے پہلو (اس وقت میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے) خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید و بیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں) آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے۔ جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے، اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (السجدہ)

اور قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو "مقام محمود" کی امید دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا.

اور اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ رات کو قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے (یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجئے) یہ حکم آپ کے لئے زائد اور مخصوص ہے، امید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب "مقام محمود" پر فائز کرے گا۔

"مقام محمود" عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ "مقام محمود" اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اس لئے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے ان شاء اللہ "مقام محمود" میں کسی درجہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہوگی۔

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر قیام فرمایا (یعنی رات کو نماز تہجد اتنی طویل پڑھی) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک متورم ہو گئے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ یہ کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ کی اگلی پچھلی ساری تقصیریں معاف ہو گئی ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اعلان فرما کر آپ کو اس بارے میں مطمئن بھی کر دیا ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو کیا میں (اس کے احسان عظیم کا) زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں (اور اس شکر گزاری میں اس کی اور زیادہ عبادت نہ کروں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم گنہگاروں کی طرح عبادت و ریاضت کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چلنا پھرنا حتی کہ سونا بھی کار ثواب تھا، لیکن پھر بھی آپ راتوں میں اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم جیسے راحت طلب نام لیواؤں اور نیابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدعیوں کے لئے بڑا سبق ہے۔

عقیدۂ عصمتِ رسالت

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے۔ اور ذنب کے معنی عام طور سے گناہ کے لئے جاتے ہیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ جب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم عقیدہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے ان میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان برائیوں سے محفوظ ہیں جو معصیات اور منکرات کے قبیلہ سے ہیں اور جو امت کے حق میں بھی گناہ ہیں، لیکن ایسی باتیں ہر نبی سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو اگرچہ معصیت اور گناہ نہ ہوں لیکن خلاف اولیٰ یا آپ کی شان عالی کے لحاظ سے نامناسب ہوں۔ جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا واقعہ یا عبداللہ بن ام مکتوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی برتنے کا واقعہ جن پر سورۂ تحریم اور سورۂ عبس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت کے ساتھ میں انداز میں تنبیہ فرمائی گئی۔ بہر حال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں معصیت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں۔

قرآن و حدیث میں جہاں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی بھی پیغمبر کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں اسی قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے۔ ذنب کے لغوی معنی میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللَّهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللَّهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلَّى فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ. (رواہ ابو داؤد و النسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی رحمت اس بندے پر جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نہیں اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو بیدار کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اس بندی پر جو رات کو نماز تہجد کے لئے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: اس حدیث کو سمجھنے کے لئے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے یہ بات فرمائی تھی وہ نماز تہجد کے بارے میں آپ کے ارشادات سن سن کر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دیکھ دیکھ کر یقین کے ساتھ جانتے تھے اس میں بندہ کیا پاتا ہے اور اس سے محروم رہ جانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ فرق مراتب کے باوجود عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صحابیات کا یہی حال تھا، اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے ہر ایک اس دولت کا شائق اور حریص تھا، اس کے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہوگا کہ کسی رات کو ایک شوہر کی آنکھ وقت پر کھل گئی اور بیوی سوتی رہ گئی یا بیوی کی آنکھ کھل گئی اور شوہر سوتا رہ گیا اور پھر جاگنے والے نے سونے والے کو اٹھانا چاہا اور وہ اگر کسل اور

سے روایت کی گئی ہے، اور بعض طرق میں اس سے زیادہ تفصیل ہے نیز بیان اور ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے۔ مثلاً یہ کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ آل عمران کی آخری آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سو کے اٹھ کر وضو فرمانے سے پہلے پڑھیں۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا نوری: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن صبح کی نماز میں کی تھی۔ اسی طرح کا ایک فرق یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کے درمیان میں ذرا دیر کے لئے سو جانے کا ذکر جو اس روایت میں کیا گیا ہے دوسری روایات اس سے خالی ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح ہر دو رکعت کے بعد سونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام عادت مبارکہ نہیں تھی، اس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاقاً ایسا کیا ہوگا۔

اس روایت میں دو خفیف رکعتیں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، بظاہر ان کا ذکر راوی کے بیان سے رہ گیا، اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری روایتوں میں صراحۃً تیرہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور اس روایت کے مطابق کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی ہیں، ان دونوں باتوں میں تطبیق اسی طرح دی جا سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس کے راوی نے پہلی دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالباً ان کو نماز تہجد سے خارج تحیۃ الوضو سمجھا ہے۔ واللہ اعلم۔

دعاء نوری جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اس میں نو دعائیہ کلمے ہیں، بعض دوسری روایات میں ان سے زیادہ کلمات نقل کیے گئے ہیں۔ بڑی مبارک اور نورانی دعا ہے۔ حاصل اس دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ میرے قلب اور میرے قالب اور میری روح اور میرے جسم میں اور جسم کے ہر حصے میں اور میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نور پیدا فرما دے اور مجھے از سرتا پا نور بنا دے، میرے گرد و پیش اور اوپر نیچے ہر طرف نور ہی نور کر دے۔ قرآن مجید کی آیت "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دعا کا مقصد یہ ہوگا کہ میرا وجود اور گرد و پیش بس آپ کے نور سے منور ہو جائے، اور میرا ظاہر و باطن اور پورا ماحول بس آپ کے رنگ میں رنگ جائے۔ صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ۔

عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثَلَاثًا ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوْعِهِ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُوْدِهِ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْأَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک رات تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز شروع کرتے ہوئے کہا: اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ " (اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، بڑی بادشاہت والا، بڑے دبدبے والا، کبریائی اور عظمت والا) اس کے بعد آپ نے نماز شروع کی، پھر (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا (یعنی جس طرح قیام بہت طویل کیا کہ ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی، اسی طرح اس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکوع بھی بہت طویل کیا) اور اس رکوع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ " پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو رکوع ہی کی طرح بہت دیر تک کھڑے رہے اور اس قومہ میں آپ کی زبان پر یہ کلمہ تھا: "لِرَبِّيَ الْحَمْدُ" (ساری حمد وستائش بس میرے رب کے لئے ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سجدہ قیام ہی کی طرح طویل تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں کہتے تھے: " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى " پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان آپ اپنے سجدے کی طرح یعنی تقریباً اس کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس درمیانی جلسہ میں دعا کرتے تھے: " رَبِّ اغْفِرْلِيْ، رَبِّ اغْفِرْلِيْ " (اے میرے رب میری مغفرت فرما! اے میرے مالک مجھے معاف کر دے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام پڑھیں۔ (امام ابوداؤد کے استاذ الاستاذ) شعبہ بن الحجاج کو اس میں شبہ ہو گیا ہے کہ ان کے استاذ عمرو بن مرہ نے چوتھی رکعت میں سورۂ مائدہ پڑھنے کا ذکر کیا تھا یا سورۂ انعام پڑھنے کا۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح: اس طرح طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تہجد پڑھنے کے واقعات حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے ایک رات کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تہجد کا ذکر کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھیں۔ اور اس کے بعد دو رکعتوں میں بھی اسی طرح دو بڑی بڑی سورتیں (غالباً نساء اور مائدہ) پڑھیں۔ اور یہ ساری سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آجاتی تو اثناء قرأت ہی میں ٹھہر کر رحمت کی دعا کرتے اور جہاں عذاب کی آیت آجاتی وہاں اسی طرح اس سے پناہ مانگتے۔

واضح رہے کہ نماز تہجد میں اسی طرح دوسری نفل نمازوں میں قرأت کے درمیان ٹھہر کے دعا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَصْبَحَ بِاٰيَةٍ وَالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (رواہ النسائی و ابن ماجۃ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی اور وہ (سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی) یہ آیت تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۔ الآیۃ (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز تہجد پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی خاص حالت اور کیفیت میں اسی ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ " اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ " یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک پر جلال سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور عاجزانہ گزارش کا ایک جز ہے۔ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسیحیوں پر حجت قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے اپنی امت سے کہا تھا کہ اللہ کے

علاوہ مجھے اور میری ماں مریم کو بھی معبود و خدا بنا لینا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے جواب میں اپنی بات سے اپنی قطعی براءت ظاہر کریں گے اور عرض کریں گے کہ خداوندا! آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے آپ علام الغیوب ہیں آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کو توحید کی دعوت و تعلیم دی تھی، ان میں یہ شرک دنیا سے میرے جانے کے بعد آیا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے جو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب کا آخری جزء ہے۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (مائدہ)

خداوندا! اگر تو ان کو (ان کے سنگین جرم کی وجہ سے) عذاب میں ڈالے تو یہ سب تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف کر دے (تو یہ بھی تیرے بس میں ہے) بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے (تیرا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ کسی کے دباؤ سے اور مجبوری سے نہیں ہوگا بلکہ اپنے ذاتی ارادے سے اور حکمت کے تقاضے سے ہوگا۔)

رات کی نماز میں صبح تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر پہنچ کے غالباً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کا دھیان آ گیا جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ اگلی امتوں کی طرح اس میں بھی عقیدہ اور عمل کا بہت کچھ فساد آئے گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی فکر میں عیسیٰ علیہ السلام کی یہ عرضداشت بطور معذرت گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور دہراتے رہے۔ واللہ اعلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی نماز میں قراءت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی آہستہ پست آواز سے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ يُصَلِّي يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهِ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَهُ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أُوقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آپ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں جب یہ دونوں حضرات (دوسرے کسی وقت) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ساتھ جمع ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں رات تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بہت آہستہ نماز پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں جس کے حضور میں عرض معروض کر رہا تھا اس کو میں نے سنا دیا اور اس

نے میری سن لی (یعنی اللہ تعالیٰ نے) پھر اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے پاس سے میں گزرا تو تم خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بلند آواز سے قرأت کر کے اونگھتے ہوؤں کو اٹھاتا اور شیطان کو بھگانا چاہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم کسی قدر اونچی آواز سے پڑھا کرو اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تم کسی قدر ہلکی آواز سے پڑھا کرو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ تہجد کی نماز میں قرأت معتدل آواز سے ہو، نہ بالکل مخفی ہو نہ بہت زیادہ جہر سے، حدیث بالا حدیث کا منشاء یہی ہے لیکن اگر کسی وقت خاص وجہ سے آہستہ پڑھنا زیادہ مناسب ہو تو وہی بہتر ہوگا اور اس کے برعکس کسی دوسرے وقت اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت وہی افضل ہوگا۔

چاشت یا اشراق کے نوافل

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح فجر سے لے کر ظہر تک کے طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے مگر اس درمیان میں "صلوٰۃ الضحیٰ" کے عنوان سے کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ جتنی ہو سکیں نفل رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اگر یہ رکعتیں طلوع آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو چاشت کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

"دن (جو اہل عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے جن کو چار پہر کہتے ہیں) حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اس لئے پہلے پہر کے شروع میں نماز فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر و عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" (نماز چاشت) مقرر کر دی گئی ہے، اور اس کے فضائل و برکات بیان کر کر کے اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کر لیں۔ پھر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش چار رکعت اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى حَتَّى نَقُولَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتَّى نَقُولَ لَا يُصَلِّيهَا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کبھی کبھی) چاشت کی نماز (ایسے اہتمام اور پابندی سے) پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب غالباً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی نہیں چھوڑیں گے (اور برابر پڑھا ہی کریں گے) اور (کبھی کبھی) اس کو (اس طرح) چھوڑ دیتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ

اب (غالباً) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو نہیں پڑھیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز چاشت نہ پڑھنے کی وجہ کو بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسا اوقات ایسے اعمال بھی ترک فرما دیتے تھے جن کا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت محبوب ہوتا تھا، اس خطرے کی وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پابندی سے کرتے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید اور پیروی میں عام مسلمان بھی اس کو پابندی سے کرنے لگیں تو اس کی فرضیت کا حکم نہ آ جائے۔"

الغرض اشراق اور چاشت جیسے نوافل بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مصلحت سے ترک کر دیتے تھے، اور ایسے مقصد سے ترک کرنے والے کو ترک کرنے کے زمانہ میں بھی عمل کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص تھی، کسی دوسرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے

فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد و اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات متعین ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ خاص حالات سے ہے، جیسے دوگانہ وضو (جس کو عرف عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ الحاجت، صلوٰۃ توبہ، اور نماز استخارہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضروریات پیش آئیں جن سے ان نوافل کا تعلق ہے، یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس نوع کے باقی نوافل سے متعلق حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

صلوٰۃ الحاجۃ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہرصورت) اس کو چاہئے

کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثنا کرے اور اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:

" لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ...... (اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوندا! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ اے ارحم الراحمین سب مہربانوں سے بڑے مہربان۔!!! (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: یہ ایک حقیقت ہے کہ جس میں کسی مومن کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں اور صلوٰۃ حاجت کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور مؤثر ترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے "صلوٰۃ حاجت" کو خزائن الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ان حاجتوں کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو۔ اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا دراصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلہ کار ہے، اس کے بعد جب وہ کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہوا بھی دیکھے گا تو اس کے توحیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

صلوٰۃ استخارہ

بندوں کا علم ناقص ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے "صلوٰۃ استخارہ" تعلیم فرمائی اور بتایا کہ جب کوئی خاص اور اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا کر لیا کرو۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ

أَمْرِي (أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ) فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي (أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ) فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ. (رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اس کے انجام کے بارے میں فکرمند ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہئے) پہلے دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلے سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں اور تیری صفت قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں، کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں، اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے، پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کردے اور آسان بھی فرمادے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر و بھلائی کو مقدر فرمادے، وہ جہاں اور جس کام میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کردے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دعا کرتے ہوئے صراحۃً اس کا نام لے۔ (صحیح بخاری)

صلوٰۃ التسبیح

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ أَلَا أُعْطِيكَ أَلَا أَمْنَحُكَ أَلَا أُخْبِرُكَ أَلَا أَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ قَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ خَطَأَهُ وَعَمْدَهُ صَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَأَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا.

فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ

فَلَیْلَۃٌ فِیْ عُمْرِکَ مَرَّۃً (رواہ ابو داؤد و ابن ماجۃ و البیہقی فی الدعوات الکبیر ، وروی الترمذی عن ابی رافع نحوہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا: اے عباس، اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گراں قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایسا عمل ہے کہ) جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرما دے گا اگلے بھی اور پچھلے بھی، پرانے بھی اور نئے بھی، بھول چوک سے ہونے والے بھی اور دانستہ ہونے والے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونے والے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے) آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھیں، پھر جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ دفعہ کہیں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" اس کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ پڑھیں، پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدے سے اٹھ کر جلسہ میں یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدے کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے) یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اور اس ترتیب سے ہر رکعت میں یہ کلمہ پچھتر دفعہ کہیں۔ (میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھ ہی لیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح: کتب حدیث میں صلوٰۃ التسبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت کی گئی ہے۔ امام ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو اور فضل بن عباس نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں ابن الجوزی کا رد کرتے ہوئے "صلوٰۃ التسبیح" کی روایات اور ان کی سندی حیثیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم "حسن" یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی ضرور ہے، اور بعض تابعین اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التسبیح کا پڑھنا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت تھی، اور زمانہ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التسبیح اکثر صالحین امت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نمازوں میں (خاص کر نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات

والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لئے بھی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لئے عوام کے لئے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔ صلوٰۃ التسبیح کا جو طریقہ اوپر کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قرأت سے پہلے ثناء یعنی سبحانک اللّٰهم وبحمدک۔ اور رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کا بھی ذکر ہے اور ہر رکعت کے قیام میں قرأت سے پہلے کلمہ سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اكبر پندرہ دفعہ اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا ذکر بھی ہے، اسی طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقہ میں دوسرے سجدے کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا، اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چار رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہوگی۔ بہرحال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں۔ پڑھنے والے کے لئے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

"صلوٰۃ التسبیح" کی تاثیر اور برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ (سورہ ہود ۱۱۴)

لیکن اس تاثیر میں "صلوٰۃ التسبیح" کو جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ اس کی برکت سے بندہ کے اگلے پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمروؓ) کو "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا:

"فَإِنَّكَ لَوْ كُنْتَ أَعْظَمَ أَهْلِ الْأَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذٰلِكَ."

"تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گناہگار ہو گے تو بھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا۔"

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے ان خوش نصیب بندوں میں سے کر دے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ؟ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ. (رواہ ابو داؤد و النسائی و ابن ماجۃ والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی میں ان کی وفات ہوئی۔ اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا اور اسی میں موت اور فنا کی بیہوشی اور بے حسی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی۔ لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (آپ کے وفات فرما جانے کے بعد) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا۔ آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: حضرت اوس بن اوس ثقفی کی اس حدیث میں جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہئے۔ گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ تلبیہ لبیک اللھم لبیک ہے، اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہئے۔

مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام

درود شریف کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام ہے کہ امت کا درود میرے پاس پہنچایا جاتا ہے اور میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دنیا سے میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فرشتے پہنچاتے ہیں) اس پر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس وقت تک جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ملائکہ کا آنا اور درود وغیرہ پہنچانا اور پیش کرنا معلوم ہے اور سمجھ میں آتا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں دفن کر دیئے جائیں گے اور عام طبعی قانون کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک زمین کے اثر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر درود شریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کیسے پیش کیا جائے گا؟ انہوں نے یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے پیغمبروں کے اجسام ان کی وفات کے بعد قبروں میں جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، زمین ان پر اپنا عام طبعی عمل نہیں کر سکتی، یعنی جس طرح دنیا میں خاص تدبیروں اور دواؤں سے موت کے بعد بھی اجسام کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت اور خاص حکم سے پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کے جسموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبروں میں محفوظ کر دیا ہے اور وہاں ان کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل رہے گی (جو اس عالم کے قوانین کے مطابق ہوگی) اس لئے درود کے پہنچنے اور پیش کئے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا ہی فرما دیتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت وقبولیت کی ایک خاص رات (شب قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندے کو اگر توبہ واستغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے۔ اسی طرح ہر ہفتے میں بھی جمعے کے دن رحمت وقبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی امید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں سے نقل کیا ہے کہ: جمعے کے دن کی اس ساعت اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے، اور معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات تورات اور کتب سابقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔

جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے وقت کی تعیین وتخصیص میں شارحین حدیث نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا صراحتاً یا اشارۃً بعض احادیث میں بھی ذکر ہے، صرف وہی یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے منبر پر جائے اس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے بس یہی وہ ساعت اجابت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیت کی دعا کا خاص وقت ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقفہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ دونوں قول ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا ہے کہ:

"ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعیین نہیں ہے، بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگان خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت ودعا کا خاص وقت ہے اس لئے اس کی امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو۔ اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزول قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا نچوڑ ہے اس لئے اس وقت بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقفہ میں ہو۔"

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ: "جمعہ کے دن کی اس خاص ساعت کو اسی طرح اور اسی مصلحت سے مبہم رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شب قدر کو مبہم رکھا گیا ہے پھر جس طرح رمضان مبارک کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شب قدر کے بارے میں کچھ اشارات بعض حدیثوں میں کئے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے لئے نماز وخطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقفہ کے لئے بھی احادیث میں اشارات کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعا کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔"

صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقاء

جمعہ اور عیدین کی نمازیں (جن سے متعلق احادیث صفحات ماسبق میں درج کی گئی ہیں) وہ اجتماعی نمازیں ہیں جن کا دن و تاریخ مقرر اور معلوم ہے۔ ان کے علاوہ دو نمازیں اور بھی ہیں جو اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہیں، لیکن نہ ان کا دن مقرر ہے اور نہ تاریخ۔ ان میں ایک "صلوٰۃ کسوف" ہے جو سورج کے گہن میں آ جانے کے وقت پڑھی جاتی ہے اور دوسرے "صلوٰۃ استسقاء" جو کسی علاقہ میں سوکھا پڑنے اور بارش نہ ہونے کی صورت میں بارش کی دعا کے لئے پڑھی جاتی ہے۔

نماز کسوف

سورج یا چاند کا گہن میں آ جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور اس کے جلال و جبروت کی نشانیوں میں سے ہے جن کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے اور جن کا حق ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو اللہ کے بندے عاجزی کے ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ٹھیک اسی دن جس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیرخوار صاحبزادے ابراہیم (علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا سورج کو گہن لگا۔ عربوں میں زمانہ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گہن لگتا ہے اور گویا وہ اس کے ماتم میں اپنا چہرا ڈھانک لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج کے گہن میں آ جانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہنچ سکتی تھی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہ بات آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکر مندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی، یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں بہت طویل قرأت کی اور قرأت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار اللہ کے حضور جھک جاتے تھے (گویا رکوع میں چلے جاتے تھے) اور پھر کھڑے ہو کر قرأت کرنے لگتے تھے، اسی طرح اس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کئے اور اثنائے نماز میں دعا بھی بہت اہتمام و ابتہال کے ساتھ کی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں خاص صورت سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی اصل بنیاد کوئی نہیں، یہ تو دراصل اللہ کی قدرت و سطوت اور اس کے جلال و جبروت کی نشانی ہے، جب ایسی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ نماز کی عبادت اور اس سے دعا کرنی چاہئے۔ اس تمہید کے بعد "صلوٰۃ کسوف" سے متعلق ایک حدیث ذیل میں پڑھئے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ

فَأَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرىٰ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اِنْ مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آفتاب کو گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت طویل قیام فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع میں گئے اور بہت طویل رکوع فرمایا، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور پھر بہت طویل قیام فرمایا لیکن قیام پہلے قیام کی بہ نسبت کچھ کم طویل تھا، اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع میں گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طویل رکوع کیا لیکن پہلے رکوع کی بہ نسبت یہ رکوع کچھ کم طویل تھا، پھر آپ سجدہ میں گئے اور سجدہ بھی آپ نے بہت طویل کیا، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بھی بالکل اسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا۔ اس کے بعد (قاعدہ کے مطابق قعدہ وغیرہ اور سلام کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ختم کردی اور آفتاب گہن سے نکل گیا اور (معمول کے مطابق) روشن ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اس میں فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت و حیات سے ان کو گہن نہیں لگتا (بلکہ زمین و آسمان کی دوسری مخلوقات کی طرح ان پر بھی اللہ کا حکم چلتا ہے اور ان کی روشنی اور تاریکی بس مالک الملک اور قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے) لہٰذا جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی کبریائی بیان کرو اور اس کے حضور میں نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کسی غلام یا باندی کی بدکاری سے کسی کو اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ناگواری اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے یا بندی کی بدکاری سے ہوتی ہے (اس لئے اس کے قہر و جلال سے ڈرو اور ہر قسم کی بدکاری اور معصیت سے بچو) اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! قسم ہے اللہ کی اگر (اللہ کے قہر و جلال کے بارے میں) تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خبردار! میں نے بات پوری طرح پہنچادی (اور اپنا فرض ادا کردیا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: نماز کسوف کا واقعہ چونکہ غیر معمولی قسم کا واقعہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نماز بھی غیر معمولی طریقہ پر پڑھی اس لئے بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کو روایت کیا ہے۔ کتب حدیث میں بیس سے زیادہ صحابیوں کے مجمل یا مفصل بیانات اس واقعہ کے بارے میں ملتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے کسوف سے متعلق ابواب میں اس واقعہ سے متعلق نو صحابیوں کی حدیثیں روایت کی ہیں، ان سب حدیثوں سے واقعہ کی پوری تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک بات جو ان میں سے اکثر حدیثوں سے مشترک طور پر معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے یہ نماز نئی سی بات تھی اور انہوں نے اس سے پہلے کبھی صلوٰۃ کسوف نہیں پڑھی تھی اور یہ بات بھی روایات میں صراحۃً موجود ہے کہ یہ کسوف اسی دن ہوا جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ہوا تھا اور محدثین کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ ان کا انتقال ۱۰ ھ میں ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے چند ہی مہینے پہلے، اس طرح یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسوف کی نماز بس ایک ہی دفعہ پڑھی ہے جس کا ان احادیث میں ذکر ہے۔ چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھنے کا حکم ان احادیث میں صاف موجود ہے لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نماز کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کسوف ہی کے موقع پر ملا اور اس کے بعد جو چند مہینے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے ہیں ان میں چاند گرہن کی نوبت ہی نہیں آئی۔ واللہ اعلم۔

یہ نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت غیر معمولی کیفیات کے ساتھ پڑھی (حالانکہ جماعت کے ساتھ اتنی طویل نماز پڑھنا آپ کی عادت مبارکہ نہ تھی بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ میرا اندازہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نماز کی ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی اور دوسری میں آل عمران اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ بعض لوگ اس نماز میں کھڑے نہیں رہ سکے گر پڑے اور بعض روایات میں ہے کہ اس نماز میں بہت سے لوگ بیہوش ہو گئے اور ان کے سروں پر پانی ڈالا گیا۔

اسی طرح کی ایک نئی بات اس نماز میں یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام کے دوران ہاتھ اٹھا کے اللہ کی تسبیح وتہلیل اور تحمید وتکبیر کے ساتھ دیر تک دعا بھی کی۔ اسی طرح ایک دوسری نئی اور عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے اور دیر تک رکوع میں رہنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرأت کی اور اس کے بعد رکوع اور سجدہ کیا اور بعض روایات کے مطابق قیام کے دوران میں صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی دفعہ اسی طرح رکوع میں گئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نماز کے دوران ایک دفعہ پیچھے کی جانب ہٹے اور پھر آگے بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ ہاتھ آگے بڑھایا جس طرح کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اور پھر خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عالم غیب کے بہت سے حقائق منکشف کئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا اور دوزخ میں عذاب کے نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز مناظر دیکھے اور وہ دیکھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔

یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ اس نماز میں جو غیر معمولی باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظہور میں آئیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوران نماز ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرنا، دوران قیام وقرأت میں بار بار اللہ کے حضور میں جھک جانا، کبھی پیچھے ہٹنا کبھی آگے بڑھنا اور کبھی اپنا ہاتھ آگے بڑھانا، یہ سب ان غیبی مشاہدات کی وجہ سے ہوا۔

نماز استسقاء

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی ان ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے، اس لئے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا پڑ جاتا وہاں کی عمومی مصیبت اور ایک گونہ عذاب عام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کیلئے وہ "صلوٰۃ حاجت" تعلیم فرمائی۔ اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعیہ کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اجتماعی نماز اور دعا کی تعلیم فرمائی جس کی منظم اور مکمل شکل "صلوٰۃ استسقاء" ہے۔ استسقاء کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوٰۃ استسقاء پڑھی اور اللہ کے حکم سے اسی وقت بارش ہوئی۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِيْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز استسقاء کے لئے لوگوں کو ساتھ لے کر عید گاہ تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نماز میں دو رکعتیں پڑھیں اور قرأت بالجہر کی اور قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ کی طرف اپنا رخ کیا اسی وقت اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا. (رواه الترمذي و ابو داؤد و النسائي و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز استسقاء کے لئے چلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت معمولی اور کم حیثیت لباس پہنے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز فروتنی اور مسکینی اور عاجزی کا تھا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا صلوٰۃ استسقاء قحط کی عمومی اور اجتماعی مصیبت کے دفعیہ کے لئے اجتماعی نماز اور دعا ہے۔ مندرجہ بالا حدیثوں سے اس نماز کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں۔

اول۔ یہ کہ یہ نماز آبادی اور بستی سے باہر صحرا اور جنگل میں براہ راست زمین پر ہونی چاہئے، بارش طلبی کے لئے صحرا اور جنگل ہی نسبۃً زیادہ موزوں جگہ ہے اور اس میں اپنی بے بسی کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرے ۔۔۔۔ یہ کہ جمعہ یا عید کی نماز کی طرح اس نماز کے لئے نہانے دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام نہ کیا جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت لباس ہو، مسکینوں اور فقیروں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہو، سائل کے لئے فقیرانہ صورت اور پھٹے حال مسکینوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔

تیسرے ... یہ کہ دعا بہت ابتہال اور الحاح کے ساتھ کی جائے اور اس غرض سے ہاتھ آسمان کی طرف زیادہ اونچے اٹھائے جائیں۔

پہلی حدیث میں "تحویل رداء" کا بھی ذکر ہے یعنی یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک پلٹ کر اوڑھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! جس طرح میں نے اس چادر کو الٹ دیا اسی طرح تو بارش نازل فرما کر صورت حال بالکل پلٹ دے، گویا ہاتھ اٹھانے کی طرح یہ عمل بھی دعا ہی کا ایک جز تھا۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک حدیث میں ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز استسقاء پڑھی اسی وقت ایک بدلی اٹھی اور بھرپور بارش ہوئی۔ دوسرے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روایت میں بھی اس کا ذکر ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب نماز اور دعا کے نتیجہ میں بارش ہوئی اور بھرپور ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَأَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے اور میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔

یہ کمال عبدیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور دعا کے نتیجہ میں جب معجزانہ طور پر بارش نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ضروری سمجھا کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہوا اللہ ہی حمد و شکر کا مستحق ہے اور میں تو بس اللہ کا ایک بندہ اور پیغامبر ہوں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ۔

نماز جنازہ، اور اس کے متعلقات

محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت، مرض الموت بلکہ مطلق مرض و دیگر مصائب و بلیات اور ان حوادث کے وقت کے طرز عمل، پھر غسل میت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب ہی امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں۔ اس دستور کی پیروی میں یہاں بھی ان تمام امور سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور معمولات اسی طرح ذکر کئے جائیں گے۔ ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہو گا ان کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے، اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو، ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے۔ خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرے، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں، اور اس کے سامنے اجر و ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کے خوش آئند تذکرے کریں۔ خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں اور سفر آخرت کے قریب ہے تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمہ ایمان کی یاددہانی کی مناسب طریقے پر کوشش کریں۔ پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے اقارب

میرے کام لیں طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندے کی طرح اس کے سامنے سرتسلیم خم کر دیں، اور اس کے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی اُمید رکھیں اور اسی کی دُعائیں کریں۔ پھر میت کو غسل دیا جائے، پھر اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے، اور خوشبو کا استعمال کیا جائے، پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو، اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دعائے رحمت ہو جن سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی، اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش و رحم و کرم کی دُعا اور التجا ہو، پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اسی کی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزا سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غمخواری اور ہمدردی کریں اور ان کی تسلی و تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض و موت اور دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و روح کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے اور اس سلسلہ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر تعلیم درحقیقت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے اور موت تو لقاء الٰہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے۔

موت کی یاد اور اس کا شوق

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ سے ملنا اور اس کے حضور میں حاضر ہونا محبوب ہو تو اللہ کو بھی اس سے ملنا محبوب ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سے ملنا ناگوار ہو اللہ تعالیٰ کو اس سے ملنا ناگوار ہے۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح: حضرت عبادہ بن صامت کی اسی روایت میں آگے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا:

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارا حال تو یہ ہے کہ: اِنَّا نَكْرَهُ الْمَوْتَ۔

"ہم موت سے گھبراتے ہیں اور موت ہم کو محبوب اور گوارا نہیں ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کو خود موت محبوب ہونی چاہئے، موت کا محبوب نہ ہونا تو ایک طبعی اور فطری سی بات ہے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور اس کا فضل و کرم مومن پر ہونے والا ہے جو موت کے وقت اس پر منکشف کر دیا جاتا ہے وہ آدمی کو محبوب اور اس کا شوق

ہوجاتی ہے اور جس بندے کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے ملنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جو بندہ اپنی بداعمالی اور بدبختی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے، موت کے وقت اس کے اس بُرے انجام پر اس کو مطلع کر دیا جاتا ہے، اس لئے وہ اللہ کے حضور میں جانا نہیں چاہتا اور اس کو اپنے حق میں سخت مصیبت سمجھتا ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملنا نہیں چاہتا اور اس سے نفرت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تصریح کی بناء پر لقاء اللہ سے مراد یہاں موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ بندے کے ساتھ ہونے والا ہے وہ مراد ہے، چنانچہ اسی مضمون کی جو حدیث خود حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تصریح ہے کہ والموت قبل لقاء اللہ (یعنی موت لقاء اللہ سے پہلے ہے)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جب اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا وقت بالکل قریب آتا ہے تو بہیمیت اور مادیت کے غلیظ پردے چاک ہونے لگتے ہیں، اور روح کے لئے عالم ملکوت کا ظہور ہونے لگتا ہے، اس وقت عالم غیب اور عالم آخرت کی وہ حقیقتیں گویا مشاہدے میں آنے لگتی ہیں جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اس وقت اس صاحب ایمان بندے کی روح جس نے ہمیشہ بہیمی تقاضوں کو دبایا اور ملکی صفات کو غالب کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس کے لطف و کرم کے نقشوں کا مشاہدہ کر کے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے اور اس کا داعیہ اور شوق پیدا ہوتا ہے کہ جلد سے جلد وہ اس عالم میں اور اللہ تعالیٰ کے آغوش رحمت میں پہنچ جائے اور اس کے برعکس جو منکر یا خدا فراموش اور نفس پرست بندہ ہمیشہ اپنے بہیمی تقاضوں میں غرق اور دنیوی لذتوں میں مست رہا، اس کی روح موت کے وقت جب اپنے مستقبل کے مہیب نقشے دیکھتی ہے تو کسی طرح دنیا سے نکلنا نہیں چاہتی۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انہیں دونوں حالتوں کو "احب لقاء اللہ" اور "کرہ لقاء اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آگے احب اللہ لقاءہ اور کرہ اللہ لقاءہ کا مطلب ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی اور انعام اور غضب اور ثواب و عذاب ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا تحفہ موت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے موت طبعی طور پر کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہے وہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قرب خصوصی اور لذت دیدار پر نظر رکھتے ہوئے عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں، بالکل اس طرح جس طرح کہ آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آ جائے گی، عقلی طور پر وہ محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوایا جاتا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکامیاب بھی ہو جاتا ہے لیکن

صاحب ایمان ویقین بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کا قرب اور لذت دیدار بالکل یقینی ہے، اسی لحاظ سے اصحاب ایمان ویقین کے لئے موت محبوب ترین تحفہ ہے۔ سمجھنے کے لئے بلاتشبیہ اس کی دوسری ایک مثال یہ ہے کہ ہر لڑکی کے لئے شادی اور ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے ہاں جانا اس حیثیت سے بڑے رنج اور صدمہ کی بات ہوتی ہے کہ ماں باپ کی شفقت اور گھر کا ماحول اس سے چھوٹ جائے گا اور اس کی آئندہ زندگی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں گزرے گی لیکن شادی سے مستقبل کے بارے میں جو خاص توقعات ہوتی ہیں جن کے لئے شادی کی جاتی ہے ان کی وجہ سے بلاشبہ شادی کا شوق اور ارمان بھی ہوتا ہے۔ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق رکھنے والے بندوں کا معاملہ ہے۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جن الطاف وعنایات اور جس طرح قرب خصوصی کی ان کو توقع ہوتی ہے اسی کی وجہ سے ان کو موت کا اشتیاق اور ارمان ہوتا ہے۔

بہت سے لوگ دنیا کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو اور دعا کرنے لگتے ہیں، یہ بڑی بے دانشی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ۔ (رواه البخاري ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے، اگر (ایسا کرنے پر مجبور ہے) بالکل ہی لاچار ہو، تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ! میرے لئے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

کِتَابُ الزَّکٰوۃِ

زکوٰۃ کی فضیلت واہمیت

یہ ایک معلوم ومعروف حقیقت ہے کہ شہادت توحید ورسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔

قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے اسی لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید ورسالت کا اقرار کرتے اور نماز پڑھتے تھے زکوٰۃ سے انکار کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے ...... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ

خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان جو لوگ تفریق کریں گے میں ضرور ان کے خلاف جہاد کروں گا۔

پھر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان کے اس نقطہ نظر کو قبول کر لیا اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔

بہرحال قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات وخطبات میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر عموماً اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا درجہ قریب قریب ایک ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رابطہ ہے۔

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں: ایک یہ کہ مومن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع وسجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل ونیازمندی کا مظاہرہ جسم وجان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو۔ اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے ...... زکوٰۃ کا شمار "عبادات" میں اسی پہلو سے ہے۔ دین وشریعت کی خاص اصطلاح میں "عبادات" (جیسے کہ پہلے بھی اپنے موقع پر ذکر کیا جا چکا ہے) بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد وموضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم وکرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حب مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا. (سورہ توبہ: ۹: ۱۰۳)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكّٰى. (سورۃ اللیل)

اور اس آتش دوزخ سے نہایت متقی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا مال راہِ خدا میں اس لیے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔ بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیوں کہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهُ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ (يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ) ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ. (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی پھر اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو وہ دولت قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی جس کے انتہائی زہریلے پن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں (جس سانپ میں یہ دو باتیں پائی جائیں وہ انتہائی زہریلا سمجھا جاتا ہے) پھر وہ سانپ اس (زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں ... یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (آل عمران: ۳: ۱۸۰)

"اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال و دولت میں جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دیا ہے (اور اس کی زکوٰۃ نہیں نکالتے) کہ وہ مال و دولت ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لیے بدتر ہے اور شر ہے۔ قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق بنا کے ڈالی جائے گی وہ دولت جس میں انہوں نے بخل کیا (اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی)۔ (صحیح بخاری)

(اور جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں قریب قریب یہی مضمون لفظوں کے معمولی فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی مروی ہے)

تشریح۔۔۔ قرآن و حدیث میں خاص خاص اعمال کی جو مخصوص جزائیں یا سزائیں بیان کی گئی ہیں ان اعمال اور ان کی ان جزاؤں اور سزاؤں میں ہمیشہ کوئی خاص مناسبت ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی واضح ہوتی ہے جس کا سمجھنا ہم جیسے عوام کے لیے بھی زیادہ مشکل نہیں ہوتا اور کبھی کبھی وہ ایسی دقیق اور خفی مناسبت ہوتی ہے جس کو صرف خواص عرفاء اور امت کے اذکیاء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے کے گناہ کی جو خاص سزا بیان ہوئی ہے یعنی اس دولت کا ایک زہریلے سانپ کی شکل میں اس کے گلے میں لپٹ جانا اور اس کی دونوں باچھوں کو کاٹنا، خاص گناہ اور اس کی اس سزا میں بھی ایک خاص مناسبت ہے۔ یہ وہی لطیف مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس بخیل آدمی کی جو حب مال کی وجہ سے اپنی دولت سے چمٹا رہے اور خرچ کرنے کے موقعوں پر خرچ نہ کرے کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت کا اپنے خزانے پر سانپ بنا بیٹھا رہتا ہے۔ اور اسی مناسبت کی وجہ سے بخیل قسم کے آدمی کبھی کبھی اس طرح کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔

اس حدیث میں نیز آل عمران کی مندرجہ بالا آیت میں "یوم القیمۃ" کا جو لفظ ہے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دوزخ یا جنت کے فیصلے سے پہلے محشر میں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے ایک خاص طبقہ کے اسی طرح کے ایک خاص عذاب کے بیان کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيُرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ

اس عذاب کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ حساب کتاب کے بعد بندوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد یہ آدمی یا جنت کی طرف چلا جائے گا یا دوزخ کی طرف (جیسا بھی اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔)

یعنی جتنا عذاب و حساب وہ آخری فیصلہ سے پہلے اٹھا چکے گا اگر اس کی بداعمالی کی سزا کے لیے اللہ کے نزدیک وہی کافی ہوگا تو اس کے بعد اس کو چھٹی اور نجات مل جائے گی اور وہ جنت میں بھیج دیا جائے گا اور اگر محشر کے اس عذاب سے اس کا حساب بے باق نہ ہوا ہوگا تو مزید سزا اور عذاب پانے کے لیے وہ دوزخ میں بھی بھیجا جائے گا۔ "اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَاغْفِرْ لَنَا وَلَا تُعَذِّبْنَا"

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ. (رواه الشافعي والبخاري في تاريخه والحميدي في مسنده)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مال زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کر دے گا۔ (مسند شافعی، تاریخ کبیر بخاری، مسند حمیدی)

تشریح۔۔۔ امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں انہوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو یہ بری چیز سے اس کا باقی مال بھی تباہ ہو جائے گا۔ (ملاحظہ ہو ترغیب و ترہیب منذری جلد اول صفحہ ۲۱۱)

اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب اور مصداق یہ ہے کہ اگر ایک غنی آدمی (جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے) غلط طریقے پر زکوٰۃ وصول کرے تو یہ زکوٰۃ اس کے باقی مال میں شامل ہو کر اس کو بھی تباہ کر دے گی۔ حدیث

کے الفاظ میں ان دونوں تشریحوں کی گنجائش ہے اور ان دونوں میں کوئی تناقض اور منافات بھی نہیں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْاٰيَةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهُ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جب (سورۂ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (توبہ ۹: ۳۴، ۳۵)

"اور جو لوگ سونا چاندی (وغیرہ مال و دولت) بطور ذخیرے کے جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان (پرستاران دولت کو آخرت کے) دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے (یہ عذاب انہیں اس دن ہوگا) جس دن کہ ان کی جمع کردہ دولت کو آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کے ماتھے ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے) کہا جائے گا کہ یہ ہے (تمہاری وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لیے جوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا پس مزہ چکھو تم اپنی دولت اندوزی کا۔"

(تو جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ذخیرہ کے طور پر مال و دولت جمع کرنے والوں کے لیے آخرت کے سخت دردناک عذاب کی وعید ہے) تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اس کا بہت بوجھ پڑا (اور وہ بڑی فکر میں پڑ گئے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہاری اس فکر اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کے اصحاب پر اس آیت کا بڑا بوجھ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک نے زکوٰۃ تو اسی لیے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد جو مال باقی رہ جائے وہ پاک ہو جائے ... اور (اسی طرح) میراث کا قانون اس نے مقرر کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہاں ایک کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا (لیکن میراث کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میراث کا قانون اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ) تمہارے پسماندگان کے لیے سہارا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر خوشی میں) کہا اللہ اکبر۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں تم کو وہ بہترین دولت بتا دوں جو اس کی مستحق ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے اور قدر کے ساتھ رکھا جائے؟ وہ نیک خصلت اور صالح زندگی والی رفیقہ حیات ہے جس کو آدمی دیکھے تو روح اور دل خوش ہو اور اس سے کسی کام کو کہے تو وہ اطاعت کرے اور اس کو انجام دے اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر بار اور امانات کی حفاظت کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ...... سورہ توبہ کی جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے جب وہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کے ظاہری الفاظ و انداز سے یہ سمجھا کہ اس کا مطلب اور مطالبہ یہ ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی پس انداز نہ کیا جائے اور دولت بالکل ہی جمع نہ کی جائے جو ہو سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسانوں کے لیے بہت ہی بھاری اور بڑی دشوار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو مال و دولت جمع کریں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کریں لیکن اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر باقی مال حلال اور طیب ہو جاتا ہے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لیے فرض کی ہے کہ اس کے نکالنے سے باقی مال پاک ہو جائے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قانون میراث اس لیے رکھا ہے کہ آدمی کے اٹھ جانے کے بعد اس کے پسماندگان کے لیے ایک سہارا ہو۔ اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر پس انداز کرنا اور مال و دولت کا جمع کرنا مطلقاً منع ہوتا تو شریعت میں زکوٰۃ کا حکم اور میراث کا حکم ہی نہ ہوتا کیونکہ شریعت کے ان دونوں حکموں کا تعلق جمع شدہ مال ہی سے ہے، اگر مال و دولت رکھنے کی بالکل اجازت نہ ہوتی تو زکوٰۃ اور میراث کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصل سوال کے جواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذہنی تربیت کے لیے ایک مزید بات یہ بھی فرمائی کہ مال و دولت سے زیادہ کام آنے والی چیز اس دنیا میں دل کے سکون اور روح کی راحت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اچھی صاحب صلاح، نیک سیرت اور اطاعت شعار رفیقہ حیات ہے۔ اس کی قدر مال و دولت سے بھی زیادہ کرو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت سمجھو۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اس لیے فرمائی کہ اس دور میں عورتوں کی بڑی ناقدری اور ان کے ساتھ بڑی بے انصافی کی جاتی تھی۔

زکوٰۃ کے احکام

زکوٰۃ کی اجمالی اور بنیادی حقیقت تو یہی ہے کہ اپنی دولت اور اپنی کمائی میں سے اللہ کی رضا کے لیے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے...... (وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ) اور جیسا کہ مقدمہ میں ہی ذکر کیا جا چکا ہے۔ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں یہی مجمل حکم تھا۔ بعد میں اس کے تفصیلی احکام آئے اور ضوابط مقرر ہوئے۔ مثلاً یہ کہ مال کی کن اقسام پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کم از کم کتنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کتنی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہوگی۔ کن کن راہوں میں وہ خرچ ہو سکے گی۔

اب وہ حدیثیں پڑھی جائیں جن میں زکوٰۃ کے یہ تفصیلی احکام اور ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم کھجوروں پر

زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خاص کر مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں جو لوگ خوش حال اور دولت مند ہوتے تھے ان کے پاس دولت زیادہ تر تین جنسوں میں سے کسی جنس کی صورت میں ہوتی تھی، یا تو ان کے باغوں کی پیداوار اور کھجوروں کی شکل میں، یا چاندی کی شکل میں، یا اونٹوں کی شکل میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان تینوں جنسوں کا نصاب زکوٰۃ بیان فرمایا ہے۔ یعنی ان چیزوں کی کم سے کم کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کھجوروں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی (ایک وسق تقریباً چھ من ہوتا ہے۔ اس حساب سے پانچ وسق کھجوریں تیس من کے قریب ہوں گی) اور چاندی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم کے برابر ہوتی ہے۔ اس بناء پر پانچ اوقیہ دو سو درہم کے برابر ہوگی جس کا وزن مشہور قول کی بناء پر ساڑھے باون تولے ہوتا ہے) اور اونٹوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ پانچ راسوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

اس حدیث میں صرف ان ہی تین جنسوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا کم سے کم نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پانچ وسق (۳۰ من) کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گزارے کیلئے کافی ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح دو سو درہم میں سال بھر کا خرچ چل سکتا ہے اور مالیت کے لحاظ سے قریب قریب یہی حیثیت پانچ اونٹوں کی ہوتی ہے اس لیے اس مقدار کے مالک کو خوش حال اور صاحب مال قرار دے کر زکوٰۃ واجب کر دی گئی ہے۔

حضرت علماء کرام کیلئے یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ اب جب کہ ان تینوں نصابوں کی مالیت میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے اور سونے اور چاندی کی قیمت میں بھی بہت بڑا فرق ہے، اور تقریباً دنیا کے سب ملکوں میں سکہ کاغذی نوٹوں کی شکل میں ہے اور حکومتیں اپنے سکوں کی قیمت میں مختلف ملکوں کے تحت کمی بیشی کرتی رہتی ہیں تو ان حالات میں وجوب زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کس اصول پر متعین کیا جائے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں میں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی گئی ہے۔ پس ادا کرو زکوٰۃ چاندی کے ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم اور ۱۹۰ درہم تک میں کچھ واجب نہیں ہے اور جب دو سو پورے ہو جائیں تو ان میں سے پانچ درہم واجب ہوں گے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: گھوڑے اور غلام اگر کسی کے پاس تجارت کے لیے ہوں تو ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن اگر تجارت کے لیے نہ ہوں بلکہ سواری کے لیے اور خدمت کے لیے ہوں تو خواہ ان کی قیمت کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں غلاموں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا جو بیان ہے اس کا تعلق اسی صورت سے ہے۔ آگے چاندی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک کسی کے پاس پورے دو سو درہم برابر چاندی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور دو

سو درہم کے بقدر ہو جانے پر (۱/۴۰) کے حساب سے پانچ درہم ادا کرنے ہوں گے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكٰوتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ۔ (رواه مالک و ابو داؤد)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے "اوضاح" (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی۔ میں نے ان کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ بھی اس "کنز" میں داخل ہے (جس پر سورہ توبہ کی آیت: "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ...... الآیۃ" میں دوزخ کی وعید آئی ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مال اتنا ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہو پھر حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو "کنز" نہیں ہے۔ (مؤطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

تشریح: ...... اس حدیث اور اسی مضمون کی بعض دوسری حدیثوں کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سونے چاندی کے زیورات پر (اگر وہ بقدر نصاب ہوں) زکوٰۃ فرض ہونے کے قائل ہیں لیکن دوسرے آئمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعیؒ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں فرض ہے جب وہ تجارت کے لیے ہوں یا مال کو محفوظ کرنے کے لیے بنوائے گئے ہوں لیکن جو زیورات صرف استعمال اور آرائش کے لیے ہوں ان آئمہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رائے بھی مختلف رہی ہے۔ لیکن احادیث سے زیادہ تائید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مسلک کی ہوتی ہے۔ اسی لیے بعض شافعی المسلک علماء محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی رویہ اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر نصوص اسی کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف

عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ فِيْهَا هُوَ فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ. (رواه ابو داؤد)

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ زیاد نے اس موقع پر ایک طویل حدیث ذکر کی اور اسی سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمائیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی مرضی پر بلکہ خود ہی فیصلہ فرما دیا ہے اور ان کے آٹھ حصے (یعنی آٹھ قسمیں) مقرر کر دی ہیں تو اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم کے آدمی ہو تو میں زکوٰۃ میں سے تم کو دے دوں گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مصارف زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے وہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے:

يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْاَلُ النَّاسَ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصلی مسکین (جس کی صدقے سے مدد کرنی چاہیے) وہ آدمی نہیں ہے جو (مانگنے کے لیے) لوگوں کے پاس آتا جاتا ہے (اور در در پھرتا ہے اور سائلانہ چکر لگاتا ہے) اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں (جب اس کے ہاتھ میں رکھ دی جاتی ہیں تو) لے کر واپس لوٹ جاتا ہے بلکہ اصل مسکین وہ بندہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے اور (چونکہ وہ اپنے اس حال کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس لیے) کسی کو اس کی حاجت مندی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ صدقے سے اس کی مدد کی جائے اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ... حدیث کا مدعا یہ ہے کہ وہ پیشہ ور سائل اور گدا گر جو در در پھر کر لوگوں سے مانگتے ہیں اصلی مسکین اور صدقے کے اصلی مستحق نہیں ہیں بلکہ صدقہ کے لیے ایسے باعفت ضرورت مندوں کو تلاش کرنا چاہیے جو شرم و حیا اور عفت نفس کی وجہ سے لوگوں پر اپنی حاجت مندی ظاہر نہیں کرتے اور کسی سے سوال نہیں کرتے۔ یہی لوگ اصل مسکین ہیں جن کی خدمت اور مدد نہایت مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِىْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ. (رواه الترمذى و ابو داؤد والدارمى)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ حلال نہیں ہے غنی (مالدار) کو اور توانا و تندرست کو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن دارمی)

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ اَخْبَرَنِىْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَاَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهٗ فَرَاٰنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ. (رواه ابو داؤد والنسائى)

عبید اللہ بن عدی بن الخیار تابعی نقل کرتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زکوٰۃ کے اموال تقسیم فرما رہے تھے تو ہم دونوں نے بھی اس میں سے کچھ مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تندرست و توانا محسوس کیا پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں (مگر یہ سمجھ لو کہ) ان اموال میں مالداروں کا اور ایسے تندرست و توانا لوگوں کا حصہ نہیں ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہوں۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں غنی سے مراد مالدار آدمی ہے جس کے پاس اپنے کھانے کپڑے جیسی ضروریات کے لیے کچھ سامان موجود ہو اور اسے فی الحال ضرورت نہ ہو ایسے آدمی کو اگرچہ وہ مالک نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دی جائے تو اگرچہ ادا ہو جائے گی لیکن خود اس آدمی کو زکوٰۃ لینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسی طرح جو آدمی تندرست و توانا ہو اور محنت کر کے روزی کما سکے

ہو اس کو بھی زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہیے۔ عام ضابطہ یہی ہے اور ان دونوں حدیثوں میں اسی عام ضابطہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے لیکن خاص حالات میں ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ اسی لیے عبیداللہ بن عدی والی دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں صاحبوں سے یہ بھی فرمایا کہ "اگر تم لینا ہی چاہو تو میں دے دوں گا۔" (اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا)

زکوٰۃ و صدقات اور خاندان نبوت

عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ. (رواہ مسلم)

..... عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ..... اس حدیث میں زکوٰۃ و صدقات کو میل کچیل اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح میل کچیل نکل ہونے کے بعد کپڑا ظاہری نظر میں صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکلنے کے بعد باقی مال عنداللہ اور باطنی نظر میں پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مال زکوٰۃ کے استعمال سے پرہیز ہی کیا جائے۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لیے اور قیامت تک کے واسطے اپنے اہل خاندان بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ کو ناجائز قرار دے دیا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِيَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ؟ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَلَمْ يَاْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهٖ فَاَكَلَ مَعَهُمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں دریافت فرماتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (یعنی ان اصحاب رضی اللہ عنہم سے جن کے لیے صدقہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا جیسے کہ اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) فرما دیتے کہ تم لوگ کھاؤ اور خود اس میں سے نہ کھاتے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جاتا کہ یہ کھانا ہدیہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور ان اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کے کھانے میں شرکت فرماتے۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح: ..... کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت و امداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں صدقہ کہلاتا ہے۔ خواہ وہ فرض و واجب ہو جیسے زکوٰۃ یا صدقہ فطر یا نفلی ہو (جس کو ہماری زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے) (اور اگر عقیدت اور تعلق و محبت کی وجہ سے اور اس کے تقاضے سے کسی اپنے محترم اور محبوب کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ کہلاتا ہے) ..... صدقہ میں دینے والے کی پوزیشن اونچی اور بلند ہوتی ہے اور بے چارے لینے والے کی نیچی اور پست۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کا صدقہ استعمال نہیں فرماتے تھے ..... اور ہدیہ دینے والا اس کے

اور یہ احترام و عقیدت اور تعلق و محبت کا ظہور ہوتا ہے وہ اس کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خوشی سے قبول فرماتے تھے پیش کرنے والے اور انہیں بھی دیتے تھے اور بسا اوقات اپنی طرف سے ان کو ہدیہ دے کر اس کی مکافات بھی کرتے تھے۔ اور جب کوئی صدقہ کے طور پر بھیجتا تو وہ اپنے اصحاب مستحقین کو دے دیتے تھے۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ اصْحَبْنِي كَيْمَا تُصِيبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتَّى آتِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَإِنَّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔ رواه الترمذي وابو داؤد والنسائي

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ اس مخزومی نے ابو رافع سے کہا تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ تمہیں بھی (حق المحنت کے طور پر) اس میں سے کچھ مل جائے جس طرح مجھے ملے گا۔ ابو رافع نے ان سے کہا کہ جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت نہ کر لوں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کے بعد ابو رافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے گھر اور ہمارے خاندان کے لیے زکوٰۃ میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے اور کسی گھرانے کے غلام بھی انہی میں سے ہیں (اس لیے ہماری طرح تمہارے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خاندان کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کے غلاموں کے لیے بھی حلال نہیں ہے حتیٰ کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ فنڈ سے کچھ نہیں لے سکتے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ کی تحصیل وصول کی اجرت اور حق المحنت کے طور پر اسی زکوٰۃ میں سے ہر عامل کو دیا جا سکتا ہے (حتیٰ کہ عامل اگر اپنے گھر کا دولت مند ہو اور خود اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تب بھی اس کو بطور اجرت زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں اور ان کے غلاموں کے لیے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ ایک تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اسلامی قانون نے غلاموں کو اس زمانہ میں جب دنیا میں ان کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی کتنا بلند درجہ دیا تھا اور آقاؤں یا مالکوں کی خاندانی خصوصیات تک میں ان کو کس حد تک شریک کر دیا تھا۔

کن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے اور کن حالات میں ممانعت

حضرات محدثین "کتاب الزکوٰۃ" ہی میں وہ حدیثیں بھی درج کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کن حالات میں سوال کرنے کی ممانعت ہے اور کن حالات میں اجازت ہے۔ ان کے اسی طریقے کی پیروی میں وہ حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں

عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهِ مَالَهُ كَانَ خُمُوشًا فِي

وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَاكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ. (رواہ الترمذی)

حبشی بن جنادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوال کرنا جائز نہیں ہے غنی آدمی کو اور نہ توانا تندرست آدمی کو، البتہ ایسے آدمی کو جائز ہے جس کو ناداری و افلاس نے زمین پر گرا دیا ہو یا جس پر قرض یا کسی تاوان وغیرہ کا کوئی بھاری بوجھ پڑ گیا ہو، اور جو آدمی (محتاجی کی وجہ سے نہیں بلکہ) اپنے مال میں اضافہ کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور سوال کرے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر ایک زخم اور گھاؤ کی شکل میں نمایاں ہوگا اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہاں وہ کھائے گا، اس کے بعد جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے (اور آخرت میں اس کا نتیجہ بھگتے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ...... اس حدیث میں بھی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی طرح غنی سے مراد وہ آدمی ہے جو فی الحال محتاج اور ضرورت مند نہ ہو (اگرچہ وہ صاحب نصاب اور سرمایہ دار بھی نہ ہو) ایسے آدمی کو اور اسی طرح تندرست و توانا آدمی کو جو محنت کر کے اپنی روزی کما سکتا ہو اس حدیث میں سوال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ عام ضابطہ اور مسئلہ یہی ہے کہ ایسے آدمی کو کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں اگر افلاس و ناداری نے کسی کو بالکل ہی گرا دیا ہو اور سوال کے سوا اس کے سامنے کوئی راہ نہ ہو یا کسی کو کوئی جرمانہ یا تاوان یا قرض ادا کرنا ہو اور وہ دوسروں سے امداد لیے بغیر اس کو ادا نہ کر سکتا ہو تو ان صورتوں میں اس کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضرورت مندی اور محتاجی کی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی مالی دولت بڑھانے کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا اس کو قیامت میں اس کی سزا یہ دی جائے گی کہ اس کے چہرے پر ایک بدنما گھاؤ ہوگا اور جو کچھ اس نے سوال کر کے لوگوں سے پایا تھا وہ یہاں جہنم کا گرم پتھر بنا دیا جائے گا اور وہ اسے کھانے پر مجبور ہوگا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهُ فِىْ وَجْهِهِ خُمُوْشٌ اَوْ خُدُوْشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُغْنِيْهِ؟ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ. (رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسی حالت میں لوگوں سے سوال کرے کہ اس کے پاس "ما یغنیہ" ہو (یعنی اتنا موجود ہو جو اس کے لیے کافی ہو اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہ رہے) تو وہ قیامت کے دن محشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں ایک گھاؤ کی صورت میں ہوگا (خموش، خدوش، کدوح۔ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں ان کے معنی زخم کے ہیں۔ غالباً راوی کو شک ہو گیا ہے کہ اصل حدیث میں ان تینوں میں سے کون سا لفظ تھا)۔۔۔ آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کتنی مقدار ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ما یغنیہ" فرمایا ہے؟ (اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں رہتا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچاس درہم یا ان کی قیمت کا سونا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم یا اس کے قریب مالیت موجود ہو جسے وہ اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہو اور کسی کاروبار میں لگا سکتا ہو اس کے لیے سوال کرنا گناہ ہے اور ایسا شخص قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس

کے چہرے پر اس ناجائز سوال کی وجہ سے بدنما داغ ہوگا۔

اس حدیث میں اس غنا کا معیار جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں' پچاس درہم کی مالیت کو قرار دیا گیا۔ ایک دوسری حدیث میں ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم کی مالیت کا بھی ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے لیکن سنن ابی داؤد کی ایک اور حدیث میں جو سہل بن الحنظلیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: "مَا الْغِنَى الَّذِي لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْئَلَةُ" (غنا کی وہ کیا مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہیے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قَدْرُ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ" (اتنا کہ اس سے دن کا کھانا کھا سکے اور رات کا کھانا کھا سکے)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایک دن کے لئے کھانے پینے کا سامان بھی ہے تو اس کو سوال کرنا درست نہیں۔

وہ غنا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس کا معیار تو متعین ہے اور اس سے متعلق حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں لیکن وہ غنا جس کے حاصل ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہیے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں اس کے معیار مختلف بیان فرمائے ہیں۔ شارحین حدیث نے اس اختلاف کی توجیہ کئی طرح سے کی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے اقرب بات یہ ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اور احوال کے لحاظ سے ہے یعنی بعض حالات اور اشخاص ایسے ہو سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت اثاثہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لیے سوال کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اگر یہ اثاثہ (۴۰' ۵۰) درہم کے قریب ہو تو پھر بالکل گنجائش نہیں . . اور بعض حالات اور اشخاص ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دن کے کھانے کے لیے بھی کچھ ہو تو ان کے لیے سوال کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح اس اختلاف کو رخصت عزیمت کے فرق پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے یعنی یہ کہ جن احادیث میں (۴۰' ۵۰) درہم کی مالیت کو معیار بتایا گیا ہے۔ ان میں رخصت اور فتوے کا بیان ہے اور جن میں ایک دن کے کھانے بھر ہونے کی صورت میں بھی سوال سے منع کیا گیا ہے وہ عزیمت اور تقویٰ کا مقام ہے۔ واللہ اعلم

سوال کی مذمت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلَى هِيَ السَّائِلَةُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا اور مانگنے سے پرہیز کرنے کا ذکر کرتے ہوئے برسر منبر ایک دن فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے' اوپر والا ہاتھ دینے والا ہوتا ہے اور نیچے والا ہاتھ لینے والا ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: . . مطلب یہ ہے کہ دینے والے کا مقام اونچا اور عزت کا ہے اور مانگنے والے کا نیچا اور ذلت کا۔ اس لیے مومن کو دینے والا بننا چاہیے اور سوال کی ذلت سے اپنے کو حتی الامکان بچانا چاہیے۔

عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ أَنَّ الْفِرَاسِيَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِينَ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ابن فراسی تابعی اپنے والد فراسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنی ضرورت کے لیے لوگوں سے سوال کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جہاں تک ہو سکے) سوال نہ کرو اور اگر تم سوال کے لیے مجبور ہی ہو جاؤ تو اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ وَمَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهُ بِالْغِنٰى اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًى اٰجِلٍ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور اس نے اس کو بندوں کے سامنے رکھا (اور ان سے مدد چاہی) تو اس کی اس مصیبت سے مستقل نجات نہیں ملے گی اور جس آدمی نے اس کو اللہ کے سامنے رکھا اور اس سے دعا کی تو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی یہ حاجت ختم کر دے گا یا جلدی موت دے کر (اگر اس کی موت کا مقرر وقت آ گیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

جب تک محنت سے کما سکتے ہو سوال نہ کرو

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُهُ فَقَالَ اَمَا فِيْ بَيْتِكَ شَيْءٌ فَقَالَ بَلٰى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ ائْتِنِيْ بِهِمَا فَاَتَاهُ بِهِمَا فَاَخَذَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ وَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ فَاَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا الْاَنْصَارِيَّ وَقَالَ اشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ اِلٰى اَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَاْتِنِيْ بِهٖ فَاَتَاهُ بِهٖ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُوْدًا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَاءَ وَقَدْ اَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ فَاشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ تَجِيْءَ الْمَسْاَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ الْمَسْاَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلٰثَةٍ لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ لِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِيْ دَمٍ مُوْجِعٍ (رواہ ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک (مفلس و غریب) انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور اپنی حاجت مندی ظاہر کر کے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: بس ایک کمل ہے جس میں سے کچھ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں (بس یہی کل اثاثہ ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے وہ دونوں لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کمل اور پیالہ ہاتھ میں لیا اور (نیلام کے طریقے پر) حاضرین سے فرمایا کون ان دونوں چیزوں کو خریدنے کو تیار ہے؟ ایک

صاحب نے عرض کیا: حضرت! میں ایک درہم میں ان کو لے سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ایک درہم سے زیادہ لگاتا ہے؟ (یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ یا تین دفعہ فرمائی) ایک دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میں دو درہم میں لے سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزیں ان صاحب کو دے دیں اور ان سے دو درہم لے لیے، وہ ان انصاری کے حوالے کیے اور ان سے فرمایا کہ ان میں سے ایک کا تو تم کھانے کا کچھ سامان (غلہ وغیرہ) لے کر اپنی بیوی بچوں کو دے دو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید لو اور اس کو میرے پاس لے کر آؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کلہاڑی میں لکڑی کا ایک دستہ خوب مضبوط لگا دیا اور ان سے فرمایا: جاؤ اور جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچو اور اب میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرو اور میرے پاس آنے کی بھی کوشش نہ کرو) چنانچہ وہ صاحب چلے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق جنگل کی لکڑیاں لا لا کر بیچتے رہے۔ پھر ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے اس کاروبار میں دس بارہ درہم کما لیے تھے جن میں کچھ کا انہوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنی محنت سے یہ کمانا تمہارے لیے اس سے بہت ہی بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے مانگنے کا داغ تمہارے چہرے پر ہو۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) سوال کرنا صرف تین قسم کے آدمیوں کے لیے درست ہے: ایک وہ آدمی جسے فقر و فاقہ نے زمین سے لگا دیا ہو اور بالکل لاچار کر دیا ہو، دوسرے وہ جس پر قرض یا کسی تاوان کا بھاری بوجھ ہو (جس کی ادائیگی اس کے امکان میں نہ ہو) تیسرے وہ جس کو کسی خون بہا ادا کرنا ہو اور وہ اسے ادا نہ کر سکتا ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت اور یہ طرز عمل تھا اس کی امت میں پیشہ ور سائلوں اور گداگروں کا ایک طبقہ موجود ہے اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں۔ یہ لوگ سوال اور گداگری کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. الآية (رواه الترمذي وابن ماجه والدارمي)

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ ... الآية (البقرہ ۲: ۱۷۷)

اصل نیکی اور بھلائی (کا معیار) یہی نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم مشرق کی طرف اپنا رخ کرو یا مغرب کی طرف بلکہ اصلی

نیکی کی راہ بس ان لوگوں کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر اور جنہوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا قرابت داروں پر اور یتیموں مسکینوں پر اور مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی انہوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔ الخ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح: ۔ حدیث کا مقصد وحشاء یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ مقررہ زکوٰۃ (یعنی نامی سرمایہ کا چالیسواں حصہ) ادا کر دینے کے بعد آدمی پر اللہ کا کوئی مالی حق اور مطالبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس سلسلہ کی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ خاص حالات میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک صاحب ثروت آدمی حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر چکا ہو اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس کے پڑوس میں فاقہ ہے یا اس کا فلاں قریبی رشتہ دار سخت تنگی کی حالت میں ہے یا کوئی شریف مصیبت زدہ مسافر ایسی حالت میں اس کے پاس پہنچے جس کو فوری امداد کی ضرورت ہو تو ایسی صورتوں میں ان ضرورت مندوں محتاجوں کی امداد اس پر واجب ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی اور بطور استشہاد سورۂ بقرہ کی مندرجہ بالا آیات تلاوت فرمائی۔ اس آیت میں اعمال بر (نیکی کے کاموں) کے ذیل میں ایمان کے بعد یتیموں مسکینوں مسافروں سائلوں وغیرہ حاجت مند طبقوں کی مالی مدد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان غرباء اور ضرورت مند طبقوں کی مالی مدد کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے کیونکہ زکوٰۃ کا مستقلاً ذکر اس آیت میں آگے موجود ہے۔

ہر مسلمان کیلئے صدقہ لازم ہے

عَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ فَقَالُوْا فَاِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے۔ پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کر دے۔ (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے) عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لیے کہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ بھی اس کے لیے ایک طرح کا صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح: ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو بھی صدقہ کرنا چاہیے۔ اگر روپیہ پیسہ سے ہاتھ بالکل خالی ہو تو محنت مزدوری کرکے اور اپنا پیٹ کاٹ کر صدقہ کی سعادت

حاصل کرنی چاہیے۔ اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہو تو کسی پریشان حال کی خدمت ہی کر دے اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کر سکے تو زبان ہی سے خدمت کرے ...... حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور اور توانا ہو یا ضعیف، اس کے لیے لازم ہے کہ دامے درمے قدمے سخنے جس طرح اور جس قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کر سکے ضرور کرے اور اس سے دریغ نہ کرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى بِلَالٍ وَعِنْدَهُ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هَذَا يَا بِلَالُ؟ قَالَ شَيْءٌ اِدَّخَرْتُهُ لِغَدٍ فَقَالَ أَمَا تَخْشَى أَنْ تَرَى لَهُ بُخَارًا فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیام گاہ پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس چھوہاروں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لیے ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک گونہ اطمینان رہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال! کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آتش دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ پاس آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرش عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا، اس کے خزانے میں کیا کمی ہے، اس لیے کل کے لیے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو)۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی متوکلانہ زندگی کا طریقہ اپنایا تھا، ان کے لیے مستقبل کے واسطے غذا کا ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی۔ اگرچہ عام لوگوں کے لیے یہ بات بالکل جائز ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہ خدا میں خرچ کر دیں اور گھر والوں کے لیے کچھ نہ رکھیں...... لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی ان کے لیے اس طرز عمل کی گنجائش نہ تھی۔

حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ خیر کی راہوں میں ہمت کے ساتھ صرف کرے گا...... وہ اللہ تعالیٰ کی عطا میں کبھی کمی نہ پائے گا۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَآنِي قَالَ هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْأَكْثَرُونَ أَمْوَالًا إِلَّا مَنْ قَالَ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کعبہ کے سائے میں اور اس کے بیچ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں! میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! کون

لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دلی کے ساتھ صرف کرتے ہیں۔ مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: ... حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اور طبیعت کے موافق ہی ان کے لیے بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اطمینان خاطر کے لیے بیان فرمایا کہ دولت مندی اور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے دراصل کڑی آزمائش بھی ہے اور صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کشادہ دلی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

صدقہ کے برکات اور ضروری احکام

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ. (رواه الترمذي)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ... جس طرح دنیا کی دوسری چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں اسی طرح انسانوں کے اچھے برے اعمال و اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضی کے بجائے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ الصَّدَقَةَ مَاذَا هِيَ قَالَ أَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ وَعِنْدَ اللّٰهِ الْمَزِيدُ. (رواه احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملنے والا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔ (مسند احمد)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسری بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ (وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ) ... اس کا قرآنی اعلان ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عطا فرماتا ہے اور

اس کا صلہ جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا۔
اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے۔ ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰی ظَهْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّیَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا یُؤْذِیْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جا رہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کر دوں گا تاکہ بندگان خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ..... بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی دو دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبے کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑے قیمتی اور محبوب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ارحم الراحمین کا دریائے رحمت جوش میں آ جاتا ہے پھر اس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے لیے مغفرت اور داخلہ جنت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰی وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جب کہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو اس حالت میں (راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو اور دولت مندی کی دل میں آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرنا ہی خدا پرستی اور خدا طلبی کی دلیل ہے اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ تم سوچتے رہو اور ٹالتے رہو۔ یہاں تک کہ جب موت کا وقت آ جائے اور جان کھنچ کر حلق میں آ جائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو حالانکہ اب تو مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں) کا ہو ہی جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ..... انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا ہوتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی ہو جائے گی ہم خود تنگدست اور محتاج ہو جائیں گے۔ اس لیے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا لیکن جب موت سامنے آ جاتی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہتی تو انہیں صدقہ یاد آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طرز عمل ٹھیک نہیں ہے

اللہ کی نگاہ میں محبوب اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ تنگدستی اور ناداری کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو، اس کے باوجود وہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور آخرت کے ثواب کی امید میں اور رب کریم کے وعدوں پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ خالی کر کے اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر خرچ کرے۔ ایسے بندوں کے لیے قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے۔ "وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم و بیش خرچ تو سب ہی کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین و فقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے کیونکہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہیے۔ اس صورت میں جو خرچ اس مد میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہوگا بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم سے ہمارے لیے خیر و سعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے کپڑے پر حتیٰ کہ ان کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں وہ ایک طرح کا "صدقہ" اور کارِ ثواب ہوگا۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِي دِيْنَارٌ قَالَ أَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفِقْهُ عَلٰى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفِقْهُ عَلٰى أَهْلِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفِقْهُ عَلٰى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْتَ أَعْلَمُ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے (بتائیے کہ میں اسے کہاں خرچ کروں اور کس کو دے دوں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب سے مقدم یہ ہے کہ) اسے اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ اس کے لیے میرے پاس اور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اس کو اپنی اولاد کی ضروریات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ اس کے لیے میرے پاس اور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ اس کے لیے میرے پاس اور ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کو اپنے غلام اور خادم پر صرف کرو۔ اس نے کہا کہ اس کے لیے میرے پاس اور ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم زیادہ واقف ہو (کہ تمہارے اہل قرابت میں کون زیادہ ضرورت مند اور مستحق ہے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: ... غالباً ان صاحب کے ظاہری حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اندازہ کیا تھا کہ یہ خود ضرورت مند اور تنگ حال ہیں اور ان کے پاس بس ایک دینار ہے اور یہ اس کو ثوابِ آخرت اور اللہ کی رضا کے لیے کہیں خرچ کرنا چاہتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ مومن بندہ جو کچھ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرے یا اپنے بیوی بچوں اور غلاموں پر (جن کی اس پر ذمہ داری ہے) خرچ کرے وہ سب بھی صدقہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا وسیلہ ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بالترتیب یہ مشورہ دیا۔ عام اصول اور

حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے ان حقوق اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرے جن کا وہ ذاتی اور شخصی طور پر ذمہ دار ہے اس کے بعد آگے بڑھے۔ ہاں وہ خاصان خدا جن کو توکل واعتماد علی اللہ کا بلند مقام حاصل ہو اور جن کے اہل وعیال کو بھی اس دولت میں سے حصہ ملا ہو ان کے لیے یہ بھی ہے کہ خود فاقہ سے رہیں پیٹوں پہ پتھر باندھیں اور گھر میں جو کچھ ہو وہ دوسرے اہل حاجت کو کھلا دیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خواص صحابہ کا حال اور طرز عمل یہی تھا۔ "یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ" (سورہ حشر)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ أَبُوْ طَلْحَةَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِيْ إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى أَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَسَمَهَا أَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ أَقَارِبِهِ وَبَنِيْ عَمِّهِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کھجوروں کے باغات کے لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابو طلحہ انصاری تھے اور ان کو اپنے باغات اور جائیدادوں میں سب سے زیادہ محبوب بیرحاء تھا (یہ ان کے ایک قیمتی باغ کا نام تھا) اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا نفیس پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے..... انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (نیکی اور مقبولیت کے مقام تم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنی محبوب چیزوں کو تم راہ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" اور مجھے اپنی ساری مالیات میں سب سے زیادہ محبوب بیرحاء ہے اس لیے اب وہ میری طرف سے اللہ کے لیے صدقہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا اور میرے لیے ذخیرہ ہوگا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرما دیں جو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصرف اس کا مناسب سمجھیں متعین فرما دیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ واہ! یہ تو بڑی نفع مند اور کارآمد جائیداد ہے، میں نے تمہاری بات سن لی (اور تمہارا منشاء سمجھ لیا) میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں یہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں میں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:۔ بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ باغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص اقارب ابی بن کعب' حسان بن ثابت' شداد بن اوس اور نبیط بن جابر پر تقسیم کر دیا تھا۔ یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا۔

فائدہ:۔ چونکہ آدمی کا زیادہ واسطہ اپنے عزیزوں' قریبوں ہی سے رہتا ہے اور زیادہ تر معاملات انہیں سے پڑتے ہیں اس لیے اختلافات اور تنازعات بھی زیادہ تر اقارب ہی سے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم و ہدایت پر عمل کیا جائے اور لوگ اپنے قرابت داروں پر اپنی کمائی خرچ کرنا اللہ کی رضا کا وسیلہ سمجھیں تو دنیا اور آخرت کے بڑے عذاب سے محفوظ رہیں۔ کاش! دنیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کی قدر کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

مرنے والوں کی طرف صدقہ

صدقہ کیا ہے؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس اُمید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور مہربانی نصیب ہوگی اور بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم و احسان حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب و صلہ کی اُمید کر سکتا ہے اسی طرح اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب و صلہ اس مرنے والے کو عطا فرمائے گا۔ پس مرنے والوں کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی و احسان کا ایک طریقہ ان کے لیے دعا و استغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمال خیر کر کے ان کو ثواب پہنچایا جائے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ يَّنْحَرَ مِائَةَ بَدَنَةٍ وَاَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حِصَّتَهُ خَمْسِيْنَ وَاَنَّ عَمْرًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَمَّا اَبُوْكَ لَوْ اَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهُ ذٰلِكَ. (رواہ احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سو اونٹ قربان کرنے کی نذر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہیں کر سکے تھے) تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص نے تو پچاس اونٹوں کی قربانی (اپنے باپ کی اس نذر کے حساب میں) کر دی اور دوسرے بیٹے عمرو بن العاص نے (جن کو اللہ نے اسلام کی توفیق دے دی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارے باپ ایمان لے آئے ہوتے اور پھر تم ان کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے تو ان کے لیے نفع مند ہوتا (اور اس کا ثواب ان کو پہنچتا لیکن کفر و شرک کی حالت میں مرنے کی وجہ سے اب تمہارا کوئی عمل ان کے کام نہیں آ سکتا) (مسند احمد)

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں (اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابل قبول نیک عمل کسی مرنے والے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہنچایا جائے وہ اس کے لیے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہنچے گا گویا جس طرح اس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کر سکتا ہے اور وہ بندہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم ماں باپ یا کسی دوسرے مومن بندہ کی طرف سے صدقہ کر کے ان کو آخرت میں نفع پہنچانا اور ان کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجہ بالا حدیث نے بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ کتنا عظیم فضل واحسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں قریبوں اور دوستوں محسنوں کی خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں اور اپنے ہدیے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ احادیث نبویہ سے بھی ثابت ہے اور اس پر امت کے اہل حق کا اجماع بھی ہے۔ ہمارے زمانہ کے بعض ان لوگوں نے جو حدیث وسنت کو کتاب اللہ کے بعد دین وشریعت کی دوسری اساس بھی نہیں مانتے اور اس کے حجت دینی ہونے کے قطعی منکر ہیں اس مسئلہ سے انکار کیا ہے۔

مالداروں کو زکوۃ کی پابندی کرنا

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الزکوۃ قنطرۃ الاسلام.

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکوۃ اسلام کا پل ہے۔ (طبرانی اوسط وکبیر)

فائدہ: اس سے زکوۃ کا کتنا بڑا درجہ ثابت ہوا اور اس کے نہ دینے سے مسلمانی میں کتنا بڑا نقصان معلوم ہوا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کر دی اس سے اس کی برائی جاتی رہی (یعنی زکوۃ نہ دینے سے جو اس مال میں نحوست اور گندگی آ جاتی ہے وہ نہیں رہی) (طبرانی اوسط وابن خزیمہ)

فائدہ: معلوم ہوا کہ جس مال کی زکوۃ نہ دی جاوے اس میں برکت نہیں رہتی۔ اس کی کچھ تفصیل نمبر ۳ و نمبر ۱۲ میں آتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جو شخص تم میں اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے مال کی زکوۃ ادا کرے۔ (طبرانی کبیر)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ نہ دینے سے ایمان میں کمی آتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو کرے گا ایمان کا ذائقہ چکھے گا۔ صرف اللہ کی عبادت کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اپنے مال کی زکوۃ ہر سال اس طرح دے کہ اس کا جی اس پر خوش ہو اور اس پر آمادہ کرتا ہو۔ (یعنی نفس روکتا نہ ہو)

فائدہ: اس زکوۃ کا مرتبہ تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس کو توحید کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس کا اثر اس سے ظاہر

ہوا کرتی۔ اس سے ایمان کا مزہ بڑھ جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص سونے کا رکھنے والا اور چاندی کا رکھنے والا ایسا نہیں جو اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) نہ دیتا ہو مگر اس کا یہ حال ہوگا کہ جب قیامت کا دن ہوگا اس شخص کے (عذاب کے) لیے اس سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان تختیوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے اس کی کروٹ اور پیشانی اور پشت کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہونے لگیں گی پھر دوبارہ ان کو تپایا جائے گا (اور) یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی (یعنی قیامت کے دن میں)۔ (بخاری و مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مالداروں پر ان کے مال میں اتنا حق یعنی زکوٰۃ فرض کیا ہے جو ان کے غریبوں کو کافی ہو جائے اور غریبوں کو بھوکے ننگے ہونے کی جب بھی تکلیف ہوتی ہے مالداروں ہی کی اس حرکت کی بدولت ہوتی ہے (کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان سے (اس پر) سخت حساب لینے والا اور ان کو دردناک عذاب دینے والا ہے۔ (طبرانی اوسط صغیر)

فائدہ: ایک حدیث میں اس کی تفصیل میں یہ بھی ارشاد ہے کہ محتاج لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے مالداروں کی یہ شکایت کریں گے کہ ہمارے حقوق جو آپ نے ان پر فرض کیے تھے انہوں نے ہم کو نہیں پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اپنی عزت وجلال کی قسم میں تم کو مقرب بناؤں گا اور ان کو دور کر دوں گا۔ (طبرانی صغیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تم کو نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی (مقبول) نہیں ہوتی۔ (طبرانی و اصبہانی) اور ایک روایت میں ان کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ نہ دے وہ (پورا) مسلمان نہیں کہ اس کا نیک عمل اس کو نفع دے۔ (اصبہانی)

فائدہ: لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ نماز بھی چھوڑ دیں اگر ایسا کریں گے تو اس کا عذاب الگ ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی دینے لگیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے قیامت کے روز وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل بنا دیا جائے گا جس کی دونوں آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے (ایسا سانپ بہت زہریلا ہوتا ہے) وہ اس کے گلے میں طوق (یعنی ہنسلی) کی طرح ڈال دیا جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھی: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ الآیۃ (آل عمران آیت ۱۸۰) (اس آیت میں مال کے طوق بنائے جانے کا ذکر ہے) (بخاری و نسائی)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (عقیدہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانے کے بعد) اللہ تعالیٰ نے اسلام میں چار چیزیں اور فرض کی ہیں پس جو شخص ان میں سے تین کو ادا کرے تو وہ اس کو (پورا) کام نہیں دے سکتیں جب تک سب کو ادا نہ کرے نماز، زکوٰۃ اور رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج۔ (احمد)

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نماز روزہ حج سب کرتا ہو گا مگر زکوٰۃ نہ دیتا ہو وہ سب بھی اس کی نجات کے لیے کافی نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں جائے گا۔ (طبرانی صغیر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نماز تو سب کے سامنے ظاہر ہونے والی چیز ہے اس کو قبول کر لیا اور زکوٰۃ پوشیدہ چیز ہے اس کو خود کھا لیا (حقداروں کو نہ دیا) ایسے لوگ منافق ہیں۔ (بزار)

فائدہ: یعنی بعضے لوگ نماز اسی لیے پڑھتے ہیں کہ نہ پڑھیں گے تو سب کو خبر ہوگی اور زکوٰۃ اس لیے نہیں دیتے کہ اس کی کسی کو خبر نہیں ہوتی اور منافق ایسا ہی کرتے تھے ورنہ خدا کے حکم تو دونوں ہیں۔

زکوٰۃ... ایک اسلامی رکن

عن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما منع قوم الزكوة الا ابتلاهم الله بالسنين وفي رواية الا حبس الله عنهم المطر.

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس قوم نے زکوٰۃ دینا بند کر دیا خدا تعالیٰ ان کو قحط میں مبتلا کرتا ہے اور ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے۔ (طبرانی، حاکم، بیہقی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مال میں زکوٰۃ ملی ہوئی رہی وہ اس کو برباد کر دیتی ہے۔ (بزار، بیہقی)

فائدہ: زکوٰۃ ملنا یہ کہ اس میں زکوٰۃ فرض ہو جائے اور نکالی نہ جائے، اور برباد ہونا یہ کہ وہ مال جاتا رہے یا اس کی برکت جاتی رہے جیسے اگلی حدیث میں مذکور ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مال خشکی میں یا دریا میں تلف ہوتا ہے زکوٰۃ نہ دینے سے ہوتا ہے۔ (طبرانی اوسط)

فائدہ: اور اگر باوجود زکوٰۃ دینے کے شاذ و نادر تلف ہو جاوے تو وہ حقیقت میں تلف نہیں ہے کیونکہ اس کا اجر آخرت میں ملے گا اور زکوٰۃ نہ دینے سے جو تلف ہوا وہ سزا ہے اس پر اجر کا وعدہ نہیں۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور میری خالہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئیں کہ ہم نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے آپ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ ہم نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا کیا تم کو اس سے ڈر نہیں لگتا کہ تم کو اللہ تعالیٰ آگ کے کنگن پہناوے، اس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ (احمد بسند حسن)

فائدہ: ان حدیثوں سے یہ امور ثابت ہوئے۔

الف۔ زکوٰۃ کی فرضیت اور فضیلت۔

ب۔ زکوٰۃ نہ دینے کا وبال اور عذاب دنیا میں تو مال کی بربادی و بے برکتی اور آخرت میں دوزخ۔

ج۔ زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز، روزہ وغیرہ بھی مقبول نہ ہونا۔

د۔ زکوٰۃ نہ دینے والے کی حالت منافق کے مشابہ ہونا۔

ہ۔ زکوٰۃ کا حقوق العبد کے مشابہ ہونا جیسا کہ نمبر ۱ کے ذیل میں گزرا، اس سے اس کی تاکید دوسری عبادتوں سے اور زیادہ بڑھ گئی۔ اب چند ضروری مضامین زکوٰۃ کے متعلق لکھتا ہوں۔

پہلا مضمون: جن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے وہ کئی چیزیں ہیں۔ ایک چاندی سونا خواہ روپیہ اشرفی، خواہ نوٹ کی شکل میں، پھر خواہ اپنے قبضہ میں ہو خواہ کسی کے ذمہ ادھار ہو جس کا اپنے پاس ثبوت ہو یا ادھار لینے والا اقراری ہو، خواہ چاندی سونے کے برتن یا زیور، سچا گوٹہ ٹھپہ ہو۔ اگر صرف چاندی کی چیزیں ہوں اور وزن میں ساڑھے چون ۵۴ روپے کے برابر ہو جاوے اور اگر چاندی کے ساتھ کچھ سونے کی بھی چیزیں ہوں اور سونے کے دام چاندی کے وزن کے ساتھ مل کر وہی ساڑھے چون روپیہ کے برابر ہو جاوے تو جس دن سے ان چیزوں کا مالک ہوا ہے اس دن سے اسلامی سال گزرنے پر اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہوگی اور احتیاط یہ ہے کہ اگر چھپن روپیہ کے برابر بھی مالیت ہو تب بھی سوا روپیہ زکوٰۃ کا دے دے اور دوسری چیز جس میں زکوٰۃ فرض ہے سوداگری کا مال ہے۔ جب وہ قیمت میں اتنے کا ہو جس کا ابھی بیان ہوا ہے اور اس قیمت کی مقدار سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جن پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اتنے زیور سے یا سوداگری کی اتنی مالیت سے بہت کم گھر خالی ہوں گے مگر وہ اس سے غافل ہیں سو اس کا ضرور خیال کرنا چاہیے۔

تیسری چیز: ایسے جانور گائے بھینس یا بھیڑ بکریاں ہیں جن کو صرف دودھ بچے حاصل کرنے کیلئے پالا ہو اور وہ جنگل میں چرتے ہوں۔ چونکہ اس ملک میں اس کا رواج کم ہے لہٰذا ان کی تعداد جس میں زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے نہیں لکھی گئی جس کو ضرورت ہو عالموں سے پوچھ لے۔ چوتھی چیز عشری زمین کی پیداوار ہے، اس کے مسئلے بھی عالموں سے پوچھ لیے جاویں۔

پانچویں چیز صدقہ فطر ہے جو عید کے دن زکوٰۃ والوں پر تو سب پر واجب ہے اور بعضے ایسے شخصوں پر بھی واجب ہے جن پر زکوٰۃ واجب نہیں، اس کو بھی کسی عالم سے پوچھ لیں، یا اپنی طرف سے اور نابالغ بچوں کی طرف سے دینا چاہیے۔

دوسرا مضمون: سب سے زیادہ زکوٰۃ کے حقدار اپنے غریب رشتہ دار ہیں خواہ بستی میں ہوں یا دوسری جگہ۔ ان کے بعد اپنی بستی کے دوسرے غریب، لیکن اگر دوسری بستی کے لوگ زیادہ غریب ہوں تو پھر ان ہی کا حق زیادہ ہے۔ مگر جن کو زکوٰۃ دینا ہو وہ نہ تو ہاشمی ہوں یعنی سید وغیرہ اور نہ زکوٰۃ دینے والے کے ماں باپ یا دادا دادی یا نانا نانی، یا اولاد یا میاں بی بی لگتے ہوں، اور کفن یا مسجد میں لگانا بھی درست نہیں، البتہ میت والے کو اگر دے دے تو درست ہے۔ مگر پھر اس کو کفن میں لگانے نہ لگانے کا اختیار ہوگا اور کسی طرح ہر انجمن یا مدرسہ میں دینا درست نہیں جب تک مدرسہ والوں سے پوچھ نہ لے کہ تم زکوٰۃ کو کس طریقے سے خرچ کرتے ہو اور پھر کسی عالم سے پوچھ لے کہ اس طریقہ سے خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

تیسرا مضمون: مسلمانوں کی زیادہ پریشانی ظاہری و باطنی کا سبب افلاس ہے اور زکوٰۃ اس کا کافی علاج ہے۔ اگر مالدار فضول خرچی نہ کریں اور ہٹے کٹے محنت مزدوری کرتے رہیں اور معذور لوگوں کی زکوٰۃ سے امداد ہوتی رہے تو مسلمانوں میں ایک بھی ننگا

بھولا نہ رہے۔ حدیث نمبر ۲ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں یہ مضمون صاف صاف مذکور ہے۔ فقط

زکوٰۃ بھی مثل نماز کے اسلام کا ایک رکن یعنی بڑی شان کا ایک لازمی حکم ہے۔ بہت سی آیتوں میں زکوٰۃ دینے کا حکم اور اس کے دینے کا ثواب اور اس کے نہ دینے کا عذاب مذکور ہے اور زیادہ آیتیں ایسی ہی ہیں جن میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ یہ سب آیتیں قرآن مجید میں آسانی سے مل سکتی ہیں۔

نیک کاموں میں خرچ کرنا

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالی انفق یا ابن آدم انفق علیک۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بیٹے آدم کے تو (نیک کام میں) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ حرص (و بخل) سے بچو اس حرص نے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا۔ (مسلم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی حیات میں ایک درہم خیرات کرنا مرنے کے وقت سو درہم کے خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ (ابو داؤد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیرات کرنے میں (حتی الامکان) جلدی کیا کرو کیونکہ بلا اس سے آگے نہیں بڑھنے پاتی (بلکہ رک جاتی ہے)۔ (رزین)

فائدہ: ثواب کے علاوہ یہ دنیا کا بھی فائدہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے خیرات کرے گا اور اللہ تعالیٰ پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے (داہنے ہاتھ کا مطلب اللہ ہی معلوم ہے) پھر اس کو بڑھاتا ہے جیسے تم میں کوئی اپنے بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیرات دینا مال کو کم نہیں ہونے دیتا خواہ آمدنی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے خواہ ثواب بڑھتا رہے۔ (مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی قسم کی بھلائی کو حقیر مت سمجھو گو اتنی ہی کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے خندہ پیشانی سے مل لو۔ (مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان کے ذمہ کچھ نہ کچھ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس (مال) موجود نہ ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں سے کچھ محنت کرے (اور مال حاصل کرکے) اپنے بھی کام میں لاوے اور صدقہ بھی کرے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر (معذوری کی وجہ سے) یہ بھی نہ کر سکے یا (اتفاق سے) یہ نہ کرے تو آپ نے فرمایا تو کسی پریشان حاجت مند کی مدد کر دے (یہ بھی صدقہ ہے)۔

لوگوں نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرسکے؟ آپ نے فرمایا کسی کو کوئی نیک بات بتلا دے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے، آپ نے فرمایا کسی کو کوئی شر نہ پہنچاوے یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: ان سب کو صدقہ اس وجہ سے فرمایا جیسا کہ صدقہ سے مخلوق کو نفع پہنچتا ہے ان کاموں سے بھی نفع پہنچتا ہے ورنہ صدقہ کے اصلی معنی تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ مال دینے کے ہیں اور نقصان نہ پہنچانے کو نفع پہنچانے میں داخل فرمانا آپ کی بڑی رحمت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ لازم ہے۔ دو شخصوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے، کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کر دے یہ بھی صدقہ ہے، کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جاوے) یہ بھی صدقہ ہے، جو قدم نماز کی طرف اٹھاوے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی تکلیف کی چیز راستہ سے ہٹا دے یہ بھی صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: مسلم کی ایک دوسری حدیث میں اس کی شرح آئی ہے کہ (تحقیق کے قابل) انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں جس شخص نے روز مرہ اتنی نیکیاں کر لیں اس نے اپنے کو دوزخ سے بچا لیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا صدقہ یہ ہے کہ کوئی اونٹنی دودھ والی کسی کو مانگی دے دی جاوے اور (اسی طرح) بکری دودھ والی کسی کو مانگی دے دی جاوے (اس طرح کہ وہ اس کا دودھ پیتا رہے جب دودھ نہ رہے لوٹا دے) جو ایک برتن صبح کو بھر دے ایک برتن شام کو بھر دے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی درخت لگا دے یا کوئی کھیتی بووے پھر اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا چرندہ کھاوے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جو اس میں سے چوری ہو جاوے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

فائدہ: حالانکہ مالک نے چور کو نفع پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا پھر بھی صدقہ کا ثواب ملنا یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بدچلن عورت کی اس پر بخشش ہو گئی کہ اس کا ایک کتے پر گذر ہوا جو ایک کنویں کے کنارہ پر زبان لٹکائے ہوئے تھا، پیاس سے ہلاک ہونے کو تھا۔ اس عورت نے اپنا چمڑہ کا موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوڑھنی میں باندھا اور اس کے لیے پانی نکالا (اور اس کو پلایا) اس سے اس کی بخشش ہو گئی۔ عرض کیا گیا کہ ہم کو جانوروں (کی خدمت کرنے) میں بھی ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا جتنے تر کلیجے والے ہیں (یعنی جاندار ہیں) ان سب میں ثواب ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: مگر جو موذی جانور ہیں جیسے سانپ بچھو ان کا حکم بخاری و مسلم کی دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کو قتل کر دو۔ (ہ ب کر م تعبیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا رحمٰن کی عبادت کرو اور کھانا کھلایا کرو اور سلام کو عام کرو (یعنی ہر مسلمان کو سلام کرو خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو) تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

مختصر آسان نیکیاں

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبسمک فی وجہ اخیک صدقۃ و امرک بالمعروف ونہیک عن المنکر وارشادک الرجل فی ارض الضلال لک صدقۃ ونصرک الرجل الردی البصر لک صدقۃ واماطتک الحجر والشوک والعظم عن الطریق لک صدقۃ وافراغک من دلوک فی دلو اخیک لک صدقۃ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اپنے بھائی (مسلمان) کا سامنا (یعنی ملاقات) ہو اس وقت مسکرانا (جس سے وہ دیکھے کہ مجھ سے مل کر اس کو خوشی ہوئی ہے) یہ بھی صدقہ ہے اور کسی کو اچھی بات کا حکم کر دینا اور بری بات سے منع کر دینا یہ بھی صدقہ ہے، اور راستہ بھولنے ہونے کے مقام میں کسی کو راستہ بتلا دینا یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے اور کوئی پتھر، کانٹا، ہڈی راستہ سے ہٹا دینا یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے، اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں (پانی) انڈیل دینا یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ (ترمذی)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ام سعد (یعنی میری والدہ) مر گئیں سو کون سا صدقہ زیادہ فضیلت کا ہے (جس کا ثواب ان کو بخشوں) آپ نے فرمایا پانی، انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور یہ کہہ دیا کہ یہ (یعنی اس کا ثواب) ام سعد کے لیے ہے۔ (ابو داؤد، نسائی)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کو اس کے ننگے ہونے (یعنی کپڑا نہ ہونے) کی حالت میں کپڑا دے اللہ اس کو جنت کے سبز کپڑے دے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو (اس کے) بھوکے ہونے (یعنی کھانا نہ ہونے) کی حالت میں کھانا دے گا اللہ اس کو جنت کے پھل دے گا، اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کے وقت پانی پلا دے اس کو جنت کی مہر لگی ہوئی (یعنی نفیس) شراب سے پلا دے گا۔ (ابو داؤد، ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب بندہ کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور یہ قبر میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ جس نے علم (دین) سکھلایا یا کوئی نہر کھودی یا کوئی کنواں کھدوایا یا کوئی درخت لگایا یا کوئی مسجد بنائی یا کوئی قرآن چھوڑ گیا یا کوئی اولاد چھوڑی جو اس کے لیے مرنے کے بعد بخشش کی دعا کرے۔ (ترغیب از بزار و ابو نعیم)

اور ابن ماجہ نے بجائے درخت لگانے اور کنواں کھودنے کے صدقہ اور مسافر خانہ کا ذکر کیا ہے۔ (ترغیب) اس حدیث سے دینی مدرسوں اور رفاہ عام کے کاموں کی فضیلت ثابت ہوئی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فلانے کو بھی دیجئے (حدیث کے آخر میں ہے کہ) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (بعض اوقات) کسی شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے (مگر) اس اندیشہ سے (دیتا ہوں) کہ اس کو اگر نہ ملے تو وہ اسلام پر

قائم نہ رہے اور (اس وجہ سے) اللہ اس کو دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دے کیونکہ یہ نئے مسلم دل میں مضبوط نہیں ہوتے اور تکلیف کی سہار نہیں کر سکتے، ان کے اسلام سے پھر جانے کا شبہ رہتا ہے تو ان کو آرام دینا ضروری ہے۔ (صحیح مسلم)

فائدہ: اس حدیث سے نومسلموں کی امداد کرنے کی اور ان کو آرام پہنچانے کی فضیلت ثابت ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس نے مجھ کو سچا دین دے کر بھیجا، اللہ قیامت کے دن اس شخص کو عذاب نہ دے گا جس نے یتیم پر رحم کیا اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کی اور اس کی یتیمی اور بے چارگی پر ترس کھایا۔ (ترغیب از طبرانی)

فائدہ: اس حدیث سے یتیم بچوں کی امداد کی بھی فضیلت معلوم ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب آدمیوں سے زیادہ پیارا وہ ہے جو آدمیوں کو زیادہ نفع پہنچاوے۔ (ترغیب عن الاصبہانی) اللہ ہم سب کو توفیق دے۔

مسلمان زکوٰۃ دے کر بے فکر اور بے رحم نہ ہو جاوے کہ اب میرے ذمہ کسی کی کوئی ہمدردی لازم نہیں رہی، زکوٰۃ تو ایک بندھا ہوا حق ہے باقی بہت سے متفرق کام ایسے بھی ہیں کہ موقع پر ان میں مال خرچ کرنا اور جس کے پاس مال نہ ہو یا اس میں مال کا کام نہ ہو تو جان سے مدد کرنا بھی ضروری ہے۔ باقی ضرورت کا درجہ اس کی تحقیق علماء سے ہو سکتی ہے۔

روزے رکھنا، خاص کر فرض روزے رمضان کے اور واجب روزے رکھنا، روزہ بھی مثل نماز زکوٰۃ کے اسلام کا ایک رکن یعنی بڑی شان کا ایک لازم حکم ہے۔

اچھی چیزوں کا صدقہ کرو

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ سے مسجد تشریف لائے (مسجد میں دیکھا) کہ کسی شخص نے کھجور کے گچھے (کئی ایک) یا ایک ہی گچھا مسجد میں (ستونوں کے درمیان رسی سے باندھ کر) لٹکا رکھا ہے۔ آپ کے دست مبارک میں عصا تھا تو آپ اس لاٹھی سے کھجور کے گچھوں پر مار کر ان کی کھنکھناہٹ کی آواز نکالنے لگے اور آپ یہ فرماتے جاتے تھے کہ

لَوْ شَاءَ رَبُّ هٰذِهِ الصَّدَقَةِ تَصَدَّقَ بِأَطْيَبَ مِنْهَا إِنَّ رَبَّ هٰذِهِ الصَّدَقَةِ يَأْكُلُ الْحَشَفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

اگر یہ صدقہ دینے والا چاہتا تو اس سے اچھی کھجوروں کو صدقہ کر سکتا تھا۔ یہ بات یقینی ہے ایسا ردی و خراب صدقہ کرنے والا قیامت میں ردی ہی کھجور کھائے گا۔ (ابوداؤد)

تشریح: یہاں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک واقعہ کی حکایت کر رہے ہیں اور اسی ذیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بھی نقل ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ سے مسجد کے لئے نکلے اور صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں (صحابہ کرام) میں سے کسی نے کھجور کے کئی گچھے یا ایک ہی گچھا تھا رسی کی لاٹھی سے مسجد نبوی کے دو ستونوں کے درمیان لٹکا رکھے تھے۔ "قنو" یعنی گچھا۔ اس کی جمع آتا ہے یعنی کئی گچھے۔ راوی حدیث کو شک ہے کہ ایک

ہی گچھا تھا یا کچی گچھے تھے۔ شمالی افریقہ کے لوگ اسے قنو کے بجائے عرجون کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک میں لاٹھی تھی جس سے آپ نے ان گچھوں کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا (یعنی کھجوریں سوکھ کر بالکل چھوہارے بن گئی تھیں کہ ان پر لاٹھی مارنے سے کھنکھناہٹ کی آواز نکلنے لگی تھی) اس کے ساتھ آپ یہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ اگر یہ صدقہ کرنے والا چاہتا تو ان سوکھی کھجوروں سے اچھی کھجوریں بھی تو اس کے پاس ہوں گی، وہ اچھی کھجوریں صدقہ کر دیتا۔ لیکن اس کے بخل نے دینا نہ کرنے دیا۔ مارے کنجوسی کے یہ سوکھی کھجوریں صدقہ کیا۔ اب اس شخص کو قیامت میں ایسی ہی سوکھی کھجوریں ملیں گی (حشف ردی کھجور کو کہتے ہیں) اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ قیامت میں جزا عمل کے مطابق ہوگی، اچھی کھجور صدقہ کرنے پر اچھی کھجوریں ملیں گی، سوکھی کھجور صدقہ کرنے پر سوکھی کھجوریں ملیں گی۔

کِتَابُ الصَّوْمِ

رؤیت ہلال کے احکام

شریعت اسلامی نے خاص اعمال و عبادات کے لیے جو مخصوص اوقات یا دن یا زمانے مقرر کیے ہیں ان کی تعیین میں اس بات کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس وقت یا دن یا اس زمانہ کا جاننا پہچاننا کسی علم یا فلسفہ پر یا کسی آلہ کے استعمال پر موقوف نہ ہو بلکہ ایک عامی اور بے پڑھا دیہاتی آدمی بھی مشاہدہ سے اس کو جان سکے۔ اسی طرح نماز اور روزے کے اوقات سورج کے حساب سے مقرر کیے گئے۔ مثلاً فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک کا مقرر کیا گیا، ظہر کا وقت سورج کے نصف النہار سے ڈھل جانے کے بعد سے ایک مثل یا دو مثل سایہ ہو جانے تک اور عصر کا وقت اس کے بعد سے غروب آفتاب تک کا رکھا گیا۔ اسی طرح مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شفق کے رہنے تک اور عشاء کا شفق سے غائب ہو جانے کے بعد بتایا گیا۔ ایسے ہی روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا رکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان اوقات کو جاننے کے لیے کسی علم یا فلسفہ کی اور کسی آلہ کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر آدمی اپنے مشاہدہ سے اس کو جان سکتا ہے اور جس طرح عوام کی سہولت کے پیش نظر نماز اور روزہ کے ان اوقات کے لیے سورج کے طلوع و غروب اور آثار ہی کو معیار اور نشان قرار دیا گیا۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ ان اعمال اور عبادات کے لیے جن کا تعلق مہینے یا سال سے ہے چاند کو معیار قرار دیا گیا اور بجائے شمسی سال اور مہینوں کے قمری سال اور مہینوں کا اعتبار کیا گیا کیونکہ عوام اپنے مشاہدہ سے قمری مہینوں ہی کو جان سکتے ہیں۔ شمسی مہینوں کے آغاز پر کوئی ایسی علامت آسمان یا زمین پر ظاہر نہیں ہوتی جو خود دیکھ کر ہر عام آدمی سمجھ سکے کہ اب پہلا مہینہ ختم ہو کر دوسرا مہینہ شروع ہو گیا، بر قمری مہینوں کا آغاز چونکہ چاند نکلنے سے ہوتا ہے اس لیے ایک ان پڑھ دیہاتی بھی آسمان پر نیا چاند دیکھ کر جان لیتا ہے کہ پچھلا مہینہ ختم ہو کر اب اگلا مہینہ شروع ہو گیا۔

بہر حال شریعت اسلامی نے مہینے اور سال کے سلسلے میں نظام قمری کا جو اعتبار کیا ہے اس کی ایک خاص حکمت عوام کی یہ سہولت بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم سنایا تو یہ بھی بتایا کہ رمضان کے شروع یا ختم کا ضابطہ اور معیار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ شعبان کے ۲۹ دن پورے ہونے کے بعد اگر چاند نظر آ جائے تو رمضان کے روزے شروع کر دو اور اگر ۲۹ ویں کو چاند نظر نہ آئے تو مہینے کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کرو اور اسی طرح رمضان کے روزے ۲۹ یا ۳۰ رکھو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر رؤیت ہلال کے متعلق اور سب

ضروری ہدایات دی ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا لَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر رمضان کا ذکر فرمایا (اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کا روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک شوال کا چاند نہ دیکھو اور اگر (۲۹) کو چاند دکھائی نہ دے تو اس کا حساب پورا کرو (یعنی مہینے کو ۳۰ دن کا سمجھو) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی ۳۰ کی گنتی پوری کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رمضان کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دارومدار رؤیت ہلال (یعنی چاند دکھائی دینے) پر ہے صرف کسی حساب یا قرینہ و قیاس کی بناء پر اس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ پھر رؤیت ہلال کے ثبوت کی ایک شکل تو یہ ہے کہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے نے دیکھ کر ہم کو بتایا ہو اور وہ ہمارے نزدیک قابل اعتبار ہو۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دیکھنے والے کی اطلاع اور شہادت پر رؤیت ہلال کو مان لیا اور روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض حدیث سے معلوم ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْصُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے لحاظ سے شعبان کے چاند کو خوب اچھی طرح گنو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رمضان کے پیش نظر شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی خاص فکر اور کوشش کی جائے اور جب ۲۹ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ. (رواه ابو داؤد و الدارمی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی (لیکن عام طور سے لوگ دیکھ نہ سکے) تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی روزے رکھیں۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

تشریح: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند ثابت ہونے کے لیے صرف ایک مسلمان کی شہادت اور اطلاع بھی کافی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قول کے مطابق ایک آدمی کی شہادت اس صورت میں کافی ہوتی ہے جب کہ مطلع صاف نہ ہو، بلکہ ابر یا غبار وغیرہ کا اثر ہو، یا وہ شخص بستی کے باہر سے یا کسی بلند علاقے سے آیا ہو، لیکن اگر مطلع بالکل صاف ہو اور چاند دیکھنے والا آدمی باہر سے یا کسی بلند مقام سے بھی نہ آیا ہو بلکہ اس بستی ہی میں چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے جس میں باوجود کوشش کے اور کسی نے چاند نہ دیکھا ہو تو ایسی صورت میں اس کی شہادت پر چاند ہو جانے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس صورت میں دیکھنے والے اتنے آدمی ہونے چاہئیں جن کی شہادت پر اطمینان ہو جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہی ہے۔

لیکن ایک روایت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی ہے کہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک دیندار اور قابل اعتبار مسلمان کی شہادت بہرحال کافی ہے اور اکثر دوسرے ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا تعلق رمضان کے چاند سے ہے، لیکن عید کے چاند کے ثبوت کے لیے جمہور ائمہ کے نزدیک کم سے کم دو دیندار اور قابل اعتبار مسلمانوں کی شہادت ضروری ہے۔ دار قطنی اور طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ طاؤس تابعی سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ مدینہ کے حاکم کے سامنے ایک آدمی نے رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت دی اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دونوں مدینہ میں موجود تھے والی مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس ایک آدمی کی شہادت قبول کر لی جائے اور رمضان ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجَازَ شَهَادَةَ وَاحِدٍ عَلَى رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ وَكَانَ لَا يُجِيزُ شَهَادَةَ الْإِفْطَارِ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت ہلال رمضان کی ایک آدمی کی شہادت کو بھی کافی مانا ہے اور عید کے چاند کی شہادت دو آدمیوں سے کم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی نہیں قرار دیتے تھے۔

رمضان المبارک کے فضائل و برکات

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ وَفِي رِوَايَةٍ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں (اور ایک روایت میں بجائے "ابواب جنت" کے "ابواب رحمت" کا لفظ ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ: اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ عبادات و حسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں، دنوں کو روزہ رکھ کے ذکر و تلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح و تہجد اور دعا و استغفار میں بسر

کرتے ہیں اور ان کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عوام مومنین کے قلوب بھی رمضان المبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقویٰ کے اس عمومی رجحان اور نیکی اور عبادت کی اس عام فضاء کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شر و خباثت سے متنفر ہو جاتی ہیں اور پھر اس ماہ مبارک میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھا دی جاتی ہے تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنت و رحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین کے مقید اور بے بس کر دیے جانے) کا تعلق صرف ان اہل ایمان سے ہے جو رمضان مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوئے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لیے عبادات و طاعات کو اپنا مشغلہ بناتے ہیں۔ باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی ان کے لیے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِي مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ وَلِلَّهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ. (رواه الترمذي وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں ان کا کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ اے خیر اور نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق رک! آگے نہ آ! اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گنہگار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دی جاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے) اور یہ سب رمضان کی ہر رات میں ہوتا رہتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث کے ابتدائی حصے کا مضمون تو وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث کا تھا۔ آخر میں عالم غیب کے منادی کی جس ندا کا ذکر ہے اگرچہ ہم اس کو اپنے کانوں سے نہیں سنتے اور نہیں سن سکتے لیکن اس کا اثر اور نتیجہ ہم اس دنیا میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان اور میلان خیر و سعادت والے اعمال کی طرف بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ بہت سے بے فکرے اور آزاد منش عامی مسلمان بھی رمضان میں اپنی روش کو کچھ بدل لیتے ہیں ہمارے نزدیک یہ اسی ملکوتی منادی کی پکار کا ظہور اور اثر ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرَئِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی بخشش اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں اللہ کے سب بندوں سے فائق تھے اور رمضان مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کریمانہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی۔ رمضان کی ہر رات میں جبرائیل امین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن مجید سناتے تھے تو جب روزانہ جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کریمانہ نفع رسانی اور خیر کی بخشش میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ تیزی آ جاتی اور زور پیدا ہو جاتا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: گویا رمضان المبارک کا مہینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک کے لیے بہار و نشاط اور خیر کی صفت میں ترقی کا مہینہ تھا۔ اور اس میں اس چیز کو بھی دخل تھا کہ اس مہینے کی ہر رات میں اللہ کے خاص پیامبر جبرئیل امین آتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔

روزہ کی برکات

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ. (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل تو اس کے لئے ہوتا ہے بجز روزے کے کہ یہ روزہ صرف میرے لئے ہوتا ہے اور میں بذات خود ہی اس کی جزا دوں گا (یا میں خود ہی اس کی جزا بنوں گا) (یہ بھی فرمایا کہ) روزہ مسلمان کے لئے ڈھال ہے (اس کے ذریعہ شیطان سے حفاظت ہوتی ہے) لہٰذا جب کسی کا روزہ ہو تو فحش کلامی اور بیہودہ گوئی نہ کرے، نہ شور و غل اور چیخ و پکار کرے اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرے تو اس سے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ) روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں، جب وہ روزہ افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب (جنت میں) خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا تو اپنے روزے کی بدولت خوش ہوگا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ "ابن آدم کا ہر عمل تو خود اس کا ہوتا ہے لیکن عمل روزہ تو میرے لئے ہوتا ہے۔" اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صرف روزہ ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں "ریا" کو دخل نہیں ہوتا، اور روزہ کا یہی پہلو اللہ تعالیٰ کو اس درجہ پسند ہے کہ روزہ کی جزا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی

ہے۔ اس کی جزا حق تعالیٰ بذات خود فرمائیں گے اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جو انعام اللہ تعالیٰ بذات خود دیں گے وہ کیسا کچھ انعام ہوگا۔ روزہ کو "ڈھال" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ شیطان سے حفاظت ہوتی ہے اور مومن بندہ گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ روزہ اسی وقت تک ڈھال رہے گا جب تک اسے توڑ نہ ڈالے گناہوں کا ارتکاب کر کے یا چغلی غیبت کر کے۔ اسی وجہ سے حدیث زیر درس میں فحش کلامی اور جھگڑے سے بھی روکا گیا ہے۔

حدیث زیر درست میں یہ بھی فرمایا گیا ہے "لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ الخ" یعنی روزہ دار کے منہ کی بو جو کھانے پینے سے رکے رہنے کی وجہ سے منہ میں ایک طرح کی جو مہک آ جاتی ہے (جیسی رات کو سونے کی وجہ سے بھی آ جاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے یہاں (بوقت جزا) وہ مہک بڑی قیمتی ہوگی، وہ مشک کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہوگی۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ملیں گی۔ ایک تو روزہ کھولنے کے وقت خوشی ہوگی جو بالکل فطری بات ہے۔ دوسری خوشی قیامت میں ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر روزہ کا انعام حاصل کرے گا تب اسے اندازہ ہوگا کہ روزہ کیسی عظیم عبادت تھی جس کے انعامات اسے ایسے ملے۔

روزہ اسلام کا اہم رکن

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ (۱) اس بات کی شہادت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے اور اس بات کی شہادت کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور (۲) نماز قائم کرنا (پورے ادب کے ساتھ نماز پڑھنا) اور (۳) زکوٰۃ دینا اور (۴) بیت اللہ (خانہ کعبہ) کا حج کرنا اور (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔ (متفق علیہ)

تشریح: بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے) اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "دین اسلام" کی پوری عمارت کو پانچ ستونوں پر استوار کیا ہے۔ جن کی تفصیل یہ بیان کی ہے (۱) دو شہادتیں (شہادت توحید الٰہ اور شہادت رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) ماہ رمضان کے روزے رکھنا (۵) خانہ کعبہ کا حج کرنا۔ ان میں سے پہلا ستون ادائے شہادتین بقیہ چار چیزوں کی صحت کے لئے بنیادی شرط ہے۔ جب تک ادائے شہادتین نہ ہوگا دوسری عبادات قابل قبول نہ ہوں گی۔ کیونکہ کوئی بھی انسان کسی بھی حکم شریعت کا مکلف و پابند نہیں ہوگا جب تک کہ وہ پہلے اپنے آپ کو اس پابندی کا اہل نہ بنائے اور یہ اہلیت اسی ادائے شہادتین سے اس کو ملتی ہے۔ جب اتنی بات معلوم ہو گئی تو اب ادائے شہادت توحید کا مطلب سمجھئے۔

کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے علم صحیح اور اعتقاد جازم (پختہ اعتقاد) کی بنیاد پر یہ اقرار و اعتراف کرے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات واحد معبود بنائے جانے کی مستحق اور لائق عبادت ہے اور اس عبادت و بندگی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان انتہائی محبت و عظمت اور بے نہایت خوف و خشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کے ہر حکم کی بجا آوری کرے۔

اور کلمہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی ادائے شہادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے علم صحیح اور اعتقاد جازم کی بنیاد پر اس

ذات کو بھی اقرار و اعتراف کرے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے خاص اور سب سے آخری رسول ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام جن و انس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا ہے کہ آپ انہیں کفر کی تاریکی و ظلمت سے نکال کر اسلام کے نور اور اس کی روشنی تک پہنچا دیں۔

اور اقامت صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ پنج وقتہ نمازیں (یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) پوری شرائط صحت اور رعایت واجبات و سنن اور آداب کے ساتھ اپنے مقررہ وقت میں ادا کی جائیں۔ اور ادائے زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی زکوٰۃ نکال کر ان مستحقین کو دی جائے جن کا بیان سورۂ توبہ کی آیت "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" میں کیا گیا ہے۔ باقی روزہ سے متعلق حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔

روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امت مرحومہ کے اعمال خیر کے متعلق عام قانون الٰہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہوگا اور بعض اوقات عمل کرنے والے کے خاص حالات اور اخلاص و خشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا۔ یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو ان کے اعمال حسنہ کا اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس عام قانون رحمت کا ذکر فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لیے ایک تحفہ ہے اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لیے دو مسرتیں ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرف باریابی کے وقت اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لیے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ (دنیا میں شیطان و نفس کے حملوں سے بچاؤ کے لیے اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لیے) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ بیہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور و شغب نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ... حدیث کے اکثر اجزاء کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ: "جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے اور اگر بالفرض کوئی دوسرا اس سے الجھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ بھائی! میرا روزہ ہے۔" اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں شہوت نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتیٰ کہ بری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص روزہ رکھے لیکن برے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو "باب الریان" کہا جاتا ہے۔ اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن پکارا جائے گا کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لیے روزے رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے؟ وہ اس پکار پر چل پڑیں گے۔ اس کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ... روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے اس لیے اس کو جو صلہ اور انعام دیا جائے گا اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہیے۔ اسی مناسبت سے جنت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لیے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاص صفت سیرابی و شادابی ہے۔ ریان کے لغوی معنی ہیں "پورا پورا سیراب" یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، آگے جنت میں پہنچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جس کا ارشاد ہے کہ:

اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ ... "بندہ کا روزہ بس میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا۔"

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْنِيْ بِاَمْرٍ يَنْفَعُنِيَ اللّٰهُ بِهٖ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَا مِثْلَ لَهٗ. (رواه النسائى)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزے رکھا کرو اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح: نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمال صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ گویا

"ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" مثلاً نفس کو مغلوب اور مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس صفت میں کوئی دوسرا عمل روزہ کے مثل نہیں ہے۔ پس حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" اس کی حقیقت یہی سمجھی جانی چاہیے۔ نیز ملحوظ رہنا چاہیے کہ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص حالات میں ان کے لیے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابو امامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ: "مجھے کسی عمل کا حکم فرمایئے جس کو میں کیا کروں؟" تو دونوں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: بس روزہ رکھا کرو۔ اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم

روزے اور انکی جزا

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل کل عمل ابن ادم لہ الا الصوم فانہ لی.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدمی کے سب عمل اس کے لیے ہیں مگر روزہ کہ وہ خاص میرے لیے ہے۔ (بخاری)

ایک اور روایت میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ روزہ دار اپنا کھانا، اپنا پینا، اپنی نفسانی خواہش (جو بیوی سے متعلق ہے) میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ (بخاری) اور اس حدیث کی تفصیل ایک دوسری حدیث میں آئی ہے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمایا کہ وہ کھانا میرے لیے چھوڑ دیتا ہے اور پینا میرے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اپنی لذت میرے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اپنی بی بی کو میرے لیے چھوڑ دیتا ہے (یعنی اپنی خواہش اس سے پوری نہیں کرتا)۔ (ابن خزیمہ)

فائدہ: روزہ میں ایک خاص بات ایسی ہے جو کسی عبادت میں نہیں۔ وہ یہ ہے کہ چونکہ روزہ ہونے یا نہ ہونے کی بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو خبر نہیں ہو سکتی، اس لیے روزہ وہی رکھے گا جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوگا اور اگر فی الحال اس میں کچھ کمی بھی ہوگی تو تجربے سے ثابت ہے کہ محبت و عظمت کے کام کرنے سے محبت و عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے روزہ رکھنے سے یہ کمی پوری ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت ہوگی وہ دین میں کتنا مضبوط ہوگا تو روزہ رکھنے میں دین کی مضبوطی کی خاصیت ثابت ہوگئی۔

ان حدیثوں سے اوپر والی بات ثابت ہوگئی اور اسی لیے روزہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی چیز فرمالی جیسا نمبر ۳ میں گذرا اور اسی خصوصیت مذکورہ کے سبب روزے کو اگلی حدیث میں بڑی تاکید سے سب عملوں میں بے نظیر فرمایا، چنانچہ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجیے۔

فرمایا روزہ کو لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برابر نہیں۔ میں نے (دوبارہ) عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجئے۔ فرمایا روزہ کو لو کیونکہ کوئی عمل اس کے مثل نہیں۔ میں نے (تیسری بار) پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کسی بڑے عمل کا حکم دیجئے فرمایا روزہ کو لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برابر نہیں۔ (نسائی، ابن خزیمہ)

فائدہ: یعنی بعض خصوصیتوں میں بے مثل ہے مثلاً خصوصیت مذکورہ میں اور روزہ میں جو حق تعالیٰ کی محبت اور خوف کی خاصیت ہے روزہ دار اگر اس کا خیال رکھے تو ضرور گناہوں سے بچے گا کیونکہ گناہ محبت اور خوف کی کمی ہی سے ہوتا ہے اور جب گناہوں سے بچے گا تو دوزخ سے بھی بچے گا۔ اگلی حدیث کا یہی مطلب ہے۔

پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا روزہ ایک ڈھال ہے اور ایک مضبوط قلعہ ہے دوزخ سے (بچانے کے لیے) (احمد اور بیہقی) اور جس طرح روزہ گناہوں سے بچاتا ہے جو کہ باطنی بیماریاں ہیں، اسی طرح بہت سی ظاہری بیماریوں سے بچاتا ہے کیونکہ زیادہ تر بیماریاں کھانے پینے کی زیادتی سے ہوتی ہیں۔ روزہ سے ان میں کمی ہوگی تو ایسی بیماریاں بھی نہ آویں گی، اگلی حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے کی ایک زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: یعنی جس طرح زکوٰۃ میں مال کا میل کچیل نکل جاتا ہے اسی طرح روزہ میں بدن کا میل کچیل یعنی مادہ فاسد جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے دور ہو جاتا ہے اور اگلی حدیث میں یہ مضمون بالکل ہی صاف آیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ رکھا کرو تندرست رہو گے (طبرانی) اور روزہ سے جس طرح ظاہری و باطنی صحت نصیب ہوتی ہے اسی طرح اس سے ظاہری و باطنی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کو دو خوشیاں (نصیب) ہوتی ہیں ایک تو جب افطار کرتا ہے (یعنی روزہ کھولتا ہے تو اپنے افطار پر) (خوش ہوتا ہے) (چنانچہ ظاہر ہے) اور جب اپنے پروردگار سے ملے گا (اس وقت اپنے روزہ پر) خوش ہوگا۔ (بخاری) اور رمضان میں ایک دوسری عبادت اور بھی مقرر کی گئی ہے یعنی تراویح میں قرآن پڑھنا اور سننا جو کہ سنت مؤکدہ ہے بعضی باتیں اس میں روزے کی سی ہیں مثلاً نیند جو کہ کھانے پینے کی طرح نفس کو پیاری چیز ہے تراویح سے اس میں کسی قدر کمی ہوتی ہے اور مثلاً اس کم سونے کی بھی پوری خبر کسی کو نہیں ہو سکتی چنانچہ بہت دفعہ آدمی نماز میں سو جاتا ہے اور دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ جاگ رہا ہے۔ اور مثلاً بعض دفعہ سجدہ میں نیند آ جانے سے بدن ایسی وضع پر ہو جاتا ہے کہ اس وضع پر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جب وضو نہ رہا نماز بھی نہ رہی، مثلاً وضو بھی نہ لوٹا مگر سوتے ہوئے جس قدر حصہ نماز کا ادا ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہوا۔ تو ایسی حالتوں میں نیند جیسی پیاری چیز کو دفع کرنا یا تازہ وضو کر کے اس نماز کو لوٹانا یا نماز کے اس حصہ کو لوٹانا جو سوتے میں ادا ہوا ہے وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف ہوگا۔

پس روزہ کی طرح اس عبادت یعنی تراویح میں قرآن پڑھنے اور سننے میں بھی زیادہ دکھلاوا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک

شان کی دو عبادتیں جمع فرما دیں ایک دن میں ایک رات میں۔ اگلی دو حدیثوں میں اسی کا ذکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض فرمایا اور میں نے رمضان کی شب بیداری کو (تراویح و قرآن کے لیے) تمہارے واسطے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) سنت بنایا۔ (جو موکدہ ہونے کے سبب وہ بھی ضروری ہے) جو شخص ایمان سے اور ثواب کے اعتقاد سے رمضان کا روزہ رکھے اور رمضان کی شب بیداری کرے وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح نکل جائے گا جس دن کہ اس کی ماں نے جنا تھا۔ (نسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندہ کی شفاعت (یعنی بخشش کی سفارش) کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار میں نے اس کو کھانے اور نفسانی خواہش سے روکے رکھا سو اس کے حق میں میری سفارش قبول کیجئے اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو (پورا) سونے سے روکے رکھا سو اس کے حق میں میری سفارش قبول کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی سفارش قبول کرلی جائے گی۔ (احمد، طبرانی فی الکبیر، ابن ابی الدنیا، حاکم)

روزہ دار کا مقام اور مرتبہ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک لمبی حدیث میں) فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو (جو فاقہ سے پیدا ہوجاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہے۔ (بخاری)

فائدہ: اس بدبو کا اصلی سبب چونکہ معدہ ہے اس لیے یہ مسواک سے بھی نہیں جاتی ہاں کچھ کم ہوجاتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک لمبی حدیث میں جس میں اعمال کے ثواب کی مختلف مقداریں آئی ہیں) ارشاد فرمایا کہ روزہ خاص اللہ ہی کے لیے ہے اس پر عمل کرنے والے کا ثواب (غیر محدود ہے اس کو) کوئی شخص نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔ [طبرانی، اوسط، بیہقی]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر ان میں کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا یہاں تک کہ رمضان کی اخیر رات ہوجاتی ہے اور کوئی ایماندار بندہ ایسا نہیں جو ان راتوں میں سے کسی رات میں نماز پڑھے (مراد وہ نماز ہے جو رمضان کے سبب ہو جیسے تراویح) مگر اللہ تعالیٰ ہر سجدہ کے عوض ڈیڑھ ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر سرخ یاقوت سے بناتا ہے جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے، ان میں سے ہر دروازہ کے متعلق ایک محل سونے کا ہوگا جو سرخ یاقوت سے آراستہ ہوگا۔ پھر جب رمضان کے پہلے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اس کے سب گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (جو) رمضان

(گزشتہ) کے ایسے ہی دن تک (ہوئے ہوں یعنی اس رمضان کی پہلی تاریخ سے پہلے رمضان کی پہلی تاریخ تک) اور ہر روز صبح کی نماز سے لے کر آفتاب کے چھپنے تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور یہ شخص رمضان کے مہینے میں پڑھے گو خواہ دن کو خواہ رات کو ہر سجدہ کے عوض ایک درخت ملے گا جس کے سایہ میں سوار پانچ سو برس تک چل سکے گا۔ (بیہقی)

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن میں خطبہ پڑھا اور فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس ایک بڑا اور برکت والا مہینہ آ پہنچا (یعنی رمضان) ایسا مہینہ ہے جس میں ایک رات ہے جو (ایسی ہے جس میں عبادت کرنا) ایک ہزار مہینہ تک عبادت کرنے سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض کیا ہے اور اس کی شب بیداری یعنی تراویح کو فرض نہ کیا ہے مگر (یعنی سنت) کیا ہے۔ جو شخص اس میں کسی نیک کام سے جو فرض نہ ہو اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرے وہ ایسا ہوگا جیسے اس کے سوا کسی دوسرے زمانہ میں ایک فرض ادا کرے اور جو کوئی اس میں کوئی فرض ادا کرے وہ ایسا ہوگا جیسا اس کے سوا کسی دوسرے زمانہ میں ستر فرض ادا کرے۔ (آگے ارشاد ہے کہ) جو شخص اس میں کسی روزہ دار کا روزہ کھلوا دے (یعنی کچھ افطاری دے دے) یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا اور دوزخ سے اس کے چھٹکارے کا ذریعہ ہو جائے گا اور اس کو بھی اس روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا اس طرح سے کہ اس کا ثواب بھی نہ گھٹے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں ہر شخص کو تو اتنا میسر نہیں جس سے روزہ دار کو روزہ کھلوا سکے۔ (یہ پوچھنے والے روزہ کھلوانے کا مطلب یہ سمجھے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دیتا ہے جو کسی کا روزہ ایک چھوارے پر یا ایک گھونٹ پانی پر یا دودھ کی لسی پر (جو دودھ میں پانی ملا کر بنائی جاتی ہے) کھلوا دے۔ الخ (ابن خزیمہ) اور رمضان کے متعلق ایک تیسری عبادت اور بھی ہے یعنی اعتکاف رمضان کے اخیر دس دن میں جو اسکی سنت ہے کہ سب کے ذمہ ہے لیکن اگر بستی میں ایک بھی کر لے تو سب کی طرف سے کافی ہے اور اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ یہ ارادہ کرکے مسجد میں پڑا رہے کہ اتنے دن تک بدون پیشاب یا پاخانہ وغیرہ کی مجبوری کے یہاں سے نہ نکلوں گا اور روزہ اور تراویح کی طرح اس میں بھی نفس کی ایک پیاری چیز چھوٹتی ہے یعنی کھلے بندوں پھرنا اور اسی طرح اس میں بھی دکھلاوا نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی کو کیا خبر کہ مسجد میں کسی خاص نیت سے بیٹھا ہے یا ویسے ہی آ گیا ہے۔ آگے اس کی فضیلت کا ذکر ہے۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان میں دس روز کا اعتکاف کرے دو حج اور دو عمرہ جیسا (ثواب) ہوگا۔ (بیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے حق میں فرمایا کہ وہ تمام گناہوں سے رکا رہتا ہے اور اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے کوئی تمام نیکیاں کر رہا ہو۔ (مشکوٰۃ از ابن ماجہ) اور ایک فضیلت اس میں یہ بھی ہے کہ اس میں مسجد میں حاضر رہنا پڑتا ہے اور مسجد میں حاضر رہنے کی فضیلت گزر چکی ہے البتہ عورتیں گھر ہی میں اپنی نماز پڑھنے کی جگہ اعتکاف کریں اور یہ سب عبادتیں جس دن ختم ہوتی ہیں یعنی عید کا دن اس کی بھی فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید کا دن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ انہوں نے میرا فرض ادا کیا پھر دعا کے لیے نکلے ہیں، اپنی عزت و جلال اور کرم و شانِ بلندی کی قسم میں ضرور ان کی عرض قبول کروں گا۔ پھر فرماتا ہے کہ واپس جاؤ میں نے تم کو بخش دیا اور تمہاری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔ پس وہ بخشے بخشائے واپس آتے ہیں۔ (مشکوٰۃ از بیہقی)

تین آدمیوں کی ہلاکت کی دعا

عن كعب بن عجرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم احضروا المنبر فحضرنا فلما ارتقى درجة قال آمين فلما ارتقى الدرجة الثانية قال آمين فلما ارتقى الدرجة الثالثة قال آمين فلما نزل قلنا يا رسول الله لقد سمعنا منك اليوم شيئا ما كنا نسمعه قال ان جبرئيل عرض لي فقال بعد من ادرك رمضان فلم يغفر له قلت آمين فلما رقيت الثانية قال بعد من ذكرت عنده فلم يصل عليك قلت آمين فلما رقيت الثالثة قال بعد من ادرك ابويه الكبر او احدهما فلم يدخلاه الجنة قلت آمين

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ... ہم لوگ حاضر ہو گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین... جب دوسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین... جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین... جب آپ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے (منبر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی... آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیل میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جیو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی... میں نے کہا... آمین۔ پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو جیو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے میں نے کہا آمین... جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور... وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں... میں نے کہا آمین... (رواہ الحاکم و قال صحیح الاسناد)

فائدہ: اس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین بددعائیں دی ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں پر آمین فرمائی... اول تو جبرئیل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے کی بددعا ہی کیا کم تھی... اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین نے تو جتنی سخت بددعا بنا دی وہ ظاہر ہے... اللہ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو ان تینوں چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیں اور ان برائیوں سے محفوظ رکھیں... ورنہ ہلاکت میں کیا تردد ہے... درمنثور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت جبرئیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آمین کہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آمین جس سے اور بھی زیادہ اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

اول وہ شخص کہ جس پر رمضان المبارک گذر جائے اور اس کی بخشش نہ ہو۔ یعنی رمضان المبارک جیسا خیر و برکت کا زمانہ بھی غفلت اور معاصی میں گذر جائے کہ رمضان المبارک میں مغفرت اور اللہ جل شانہ کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے۔ پس جس شخص پر

رمضان المبارک کا مہینہ بھی اس طرح گذر جائے کہ اس کی بداعمالیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے وہ مغفرت سے محروم رہے تو اس کی مغفرت کے لئے اور کون سا وقت ہوگا اور اس کی ہلاکت میں کیا تامل ہے اور مغفرت کی صورت یہ ہے کہ رمضان المبارک کے جو کام ہیں۔ یعنی روزہ تراویح ان کو نہایت اہتمام سے ادا کرنے کے بعد ہر وقت کثرت کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کرے۔

دوسرا شخص جس کے لئے بددعا کی گئی وہ ہے جس کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ پڑھے اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو تو سننے والوں پر درود شریف کا پڑھنا واجب ہے حدیث بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی وعیدیں اس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔ بعض احادیث میں اس کو شقی اور بخیل ترلوگوں میں شمار کیا ہے۔ نیز جفاکار اور جنت کا راستہ بھولنے والا حتی کہ جہنم میں داخل ہونے والا اور بددین تک فرمایا ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک نہ دیکھے گا۔ محققین علماء نے ایسی روایات کی کوئی وجہ بیان فرمائی ہو مگر اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ درود شریف نہ پڑھنے والے کیلئے آپ کے ظاہر ارشادات اس قدر سخت ہیں کہ ان کا تحمل دشوار ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ کے احسانات امت پر اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ تحریر وتقریر ان کا احصاء کر سکے۔ اسکے علاوہ آپ کے حقوق امت پر اسقدر زیادہ ہیں کہ ان کو دیکھتے ہوئے درود شریف نہ پڑھنے والوں کے حق میں ہر وعید اور تنبیہ بجا اور مناسب معلوم ہوتی ہے۔ خود درود شریف کے فضائل اس قدر ہیں کہ ان سے محرومی مستقل بدنصیبی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجے۔ حق تعالی جل شانہ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ نیز ملائکہ کا اسکے لئے دعا کرنا گناہوں کا معاف ہونا۔ درجات کا بلند ہونا۔ اُحد پہاڑ کے برابر ثواب کا ملنا۔ شفاعت کا اس کیلئے واجب ہونا وغیرہ وغیرہ۔ مزید برآں نیز اللہ جل شانہ کی رضا اسکی رحمت اس کے غضب سے امان قیامت کے ہول سے نجات۔ مرنے سے قبل جنت میں اپنے ٹھکانے کا دیکھ لینا وغیرہ بہت سے وعدے درود شریف کی خاص خاص مقداروں پر مقرر فرمائے گئے ہیں۔ ان سب کے علاوہ درود شریف سے تنگی معیشت اور فقر دور ہوتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے دربار میں تقرب نصیب ہوتا ہے۔ دشمنوں پر مدد نصیب ہوتی ہے اور قلب کی نفاق اور زنگ سے صفائی ہوتی ہے لوگوں کو اس سے محبت ہوتی ہے اور بہت سی بشارتیں ہیں جو درود شریف کی کثرت پر احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ایک مرتبہ عمر بھر میں درود شریف کا پڑھنا عملاً فرض ہے اور اس پر علماء مذہب کا اتفاق ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو۔ ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے یا نہیں... بعض علماء کے نزدیک ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک مستحب۔

تیسرے وہ شخص جس کے بوڑھے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں اور وہ ان کی اسقدر خدمت نہ کرے کہ جس کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو جائے والدین کے حقوق کی بھی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔

علماء نے ان کے حقوق میں لکھا ہے کہ مباح امور میں ان کی اطاعت ضروری ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی بے ادبی نہ کرے تکبر سے پیش نہ آئے اگرچہ وہ مشرک ہوں۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے اونچی نہ کرے ان کا نام لے کر نہ پکارے کسی کام میں ان

سے پیش قدمی نہ کرے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی کرے اگر قبول نہ کریں تو سلوک کرتا رہے اور ہدایت کی دعا کرتا رہے غرض ہر بات میں ان کا بہت احترام ملحوظ رکھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ باپ ہے۔ تیرا جی چاہے اس کی حفاظت کر یا اس کو ضائع کر دے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ والدین کا کیا حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تیری جنت ہیں یا جہنم یعنی ان کی رضا جنت ہے اور ناراضگی جہنم ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مطیع بیٹے کی محبت اور شفقت سے ایک نگاہ والد کی طرف ایک مقبول حج کا ثواب رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس قدر دل چاہے اللہ معاف فرما دیتے ہیں مگر والدین کی نافرمانی کو مرنے سے قبل دنیا میں بھی وبال پہنچاتے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جہاد میں جانے کا ارادہ کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تیری ماں بھی زندہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی خدمت کر کہ ان کے قدموں کے نیچے تیرے لئے جنت ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے اور بھی بہت سی روایات میں اس کا حکم اور فضل وارد ہوا ہے جو لوگ کسی غفلت سے اس میں کوتاہی کر چکے ہیں اور اب اُن کے والدین موجود نہیں۔ شریعت مطہرہ میں اس کی تلافی بھی موجود ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس کے والدین اس حالت میں مر گئے ہوں اور وہ اُن کی نافرمانی کرتا ہو تو ان کے لئے کثرت سے دعا اور استغفار کرنے سے مطیع شمار ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بہترین بھلائی باپ کے بعد اس کے ملنے والوں سے حسن سلوک ہے۔

روزہ ڈھال ہے

عن ابی عبیدة رضی اللہ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الصیام جنة ما لم یخرقها

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالے (رواہ النسائی وابن ماجہ وابن خزیمة)

فائدہ: ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی طرح روزہ سے بھی اپنے دشمن شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ روزہ حفاظت ہے اللہ کے عذاب سے۔ دوسری روایت میں ہے کہ روزہ جہنم سے حفاظت ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ اور غیبت سے۔ ان دونوں روایتوں میں اور اسی طرح اور بھی متعدد روایات میں روزہ دار کو اس قسم کے امور سے بچنے کی تاکید آئی ہے اور روزہ کا گویا ضائع کر دینا اس کو قرار دیا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں روزہ کے کاٹنے کے لئے مشغلہ اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ واہی تباہی ہیری پھیری باتیں شروع کر دی جائیں۔ بعض علماء کے نزدیک جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایسی ہی ہیں جیسے کہ کھانا پینا وغیرہ سب روزہ کو توڑنے والی اشیاء ہیں۔ جمہور کے نزدیک اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں مگر روزہ کے برکات جاتے رہنے سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔

مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ امور تحریر فرمائے ہیں کہ روزہ دار کو ان کا اہتمام ضروری ہے۔

اوّل نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے حتّٰی کہ کہتے ہیں کہ بیوی پر بھی شہوت کی نگاہ نہ پڑے۔ پھر اجنبی کا کیا ذکر اور اسی طرح کسی لہو ولعب وغیرہ ناجائز جگہ نہ پڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو شخص اس سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچا رہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو ایسا نور ایمانی نصیب فرماتے ہیں جس کی حلاوت اور لذت قلب میں محسوس کرتا ہے۔ صوفیاء نے بے محل کی تفسیر یہ کی ہے کہ ہر ایسی چیز کا دیکھنا اس میں داخل ہے جو دل کو حق تعالیٰ شانہ سے ہٹا کر کسی دوسری طرف متوجہ کر دے۔

دوسری چیز زبان کی حفاظت ہے۔ جھوٹ چغل خوری لغو بکواس غیبت بدگوئی بدکلامی جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے۔ اس لئے روزہ دار کو چاہیے کہ زبان سے کوئی فحش بات یا جہالت کی بات مثلاً تمسخر جھگڑا وغیرہ نہ کرے اگر کوئی دوسرا جھگڑنے لگے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے یعنی دوسرے کی ابتداء کرنے پر بھی اس سے نہ الجھے اگر وہ سمجھنے والا ہو تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے اور اگر وہ بے وقوف نا سمجھ ہو تو اپنے دل کو سمجھا دے کہ تیرا روزہ ہے تجھے ایسی لغویات کا جواب مناسب نہیں۔ بالخصوص غیبت اور جھوٹ سے تو بہت ہی احتراز ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ ناقابل برداشت بن گئی ہیں۔ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حق تعالیٰ شانہ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔.. اس حدیث سے ایک مضمون اور بھی مترشح ہوتا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے روزہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے حتّٰی کہ وہ دونوں عورتیں روزہ کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو گئیں۔ اسی طرح اور بھی گناہوں کا حال ہے اور تجربہ اس کی تائید کرتا ہے کہ روزہ میں اکثر متقی لوگوں پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور فاسق لوگوں کی اکثر بُری حالت ہوتی ہے اس لئے اگر یہ چاہتے ہیں کہ روزہ نہ لگے تب بھی اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ گناہوں سے اس حالت میں احتراز کریں۔ بالخصوص غیبت سے جس کو لوگوں نے روزہ کاٹنے کا مشغلہ تجویز کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک میں غیبت کو اپنے بھائی کے مُردار گوشت سے تعبیر فرمایا ہے اور احادیث میں بھی بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کا حقیقۃً گوشت کھایا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلال کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کی غیبت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ عوام کا ذکر نہیں خواص اس میں مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دنیا دار کہلاتے ہیں دین داروں کی مجالس بھی بالعموم اس سے کم خالی ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکثر اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا ہے اگر اپنے یا کسی کے دل میں کچھ کھٹکا بھی پیدا ہو تو اس پر اظہار واقعہ کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ غیبت کیا چیز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کی غیر موجودگی میں ایسی بات کرنی جو اُسے ناگوار ہو۔ سائل نے پوچھا کہ اگر اس میں واقعۃً وہ بات موجود ہو جو کہی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہی تو غیبت ہے۔ اگر واقعۃً موجود نہ ہو تب تو بہتان ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے۔ ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے دوسرے کو پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سُود کے ستر سے زیادہ باب ہیں۔ سب سے سہل اور ہلکا درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے اور ایک درہم سُود کا پینتیس زنا سے زیادہ سخت ہے اور بدترین سود اور سب سے زیادہ خبیث ترین سُود مسلمان کی آبرو ریزی ہے۔ احادیث میں غیبت اور مسلمان کی آبرو ریزی پر سخت سے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ ان میں سے کچھ معتد بہ روایات جمع کروں اس لئے کہ ہماری مجلسیں اس سے بہت ہی زیادہ پُر رہتی ہے مگر مضمون دوسرا ہے اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس بلا سے محفوظ فرمائیں اور بزرگوں اور دوستوں کی دعا سے مجھ سیہ کار کو بھی محفوظ فرمائیں کہ باطنی امراض میں کثرت سے مبتلا ہوں۔

تیسری چیز جس کا روزہ دار کو اہتمام ضروری ہے وہ کان کی حفاظت ہے ہر مکروہ چیز سے جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیبت کا کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

چوتھی چیز باقی اعضاء بدن مثلاً ہاتھ کا ناجائز چیز کے پکڑنے سے پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف چلنے سے روکنا اور اسی طرح اور باقی اعضاء بدن کا اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مشتبہ چیز سے محفوظ رکھنا جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرتا ہے۔ اس کا حال اس شخص کا سا ہے کہ کسی مرض کیلئے دوا کرتا ہے مگر اس میں تھوڑا سا سنکھیا بھی ملا لیتا ہے کہ اس مرض کیلئے تو وہ دوا مفید ہو جائے گی مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

پانچویں چیز افطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھائے کہ شکم سیر ہو جائے اسلئے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔ مقصود روزہ سے قوت شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا ہے اور قوت نورانیہ اور ملکیہ کا بڑھانا ہے۔ گیارہ مہینے تک بہت کچھ کھایا ہے اگر ایک مہینہ اس میں کچھ کمی ہو جائے گی تو کیا جان نکل جاتی ہے۔۔۔ مگر ہم لوگوں کا حال ہے کہ افطار کے وقت تلافی مافات میں اور سحر کے وقت حفظ ماتقدم میں اتنی زیادہ مقدار کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان کے اور بغیر روزہ کی حالت کے اتنی مقدار کھانے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ رمضان المبارک بھی ہم لوگوں کے خوبیٔ کا کام دیتا ہے۔۔۔ علامہ غزالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ روزہ کی غرض یعنی قہر ابلیس اور شہوت نفسانیہ کا توڑنا کیسے حاصل ہو سکتا ہے اگر آدمی افطار کے وقت اس مقدار کی تلافی کرلے جو فوت ہوئی۔۔۔ حقیقۃً ہم لوگ بجز اسکے کہ اپنے کھانے کے اوقات بدل دیتے ہیں۔ اس کے سوا کچھ بھی کمی نہیں کرتے۔۔۔ بلکہ اور زیادتی مختلف انواع کی کر جاتے ہیں جو بغیر رمضان کے میسر نہیں ہوتی۔ لوگوں کی کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے کہ عمدہ عمدہ اشیاء رمضان کیلئے رکھتے ہیں اور نفس دن بھر کے فاقہ کے بعد جب ان پر پڑتا ہے تو خوب زیادہ سیر ہو کر کھاتا ہے تو بجائے قوت شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آجاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہو جاتا ہے۔ روزہ کے اندر مختلف اغراض اور فوائد اور

اس کے مشروع ہونے سے مختلف منافع مقصود ہیں وہ سب جب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کچھ بھوکا بھی رہے۔ بڑا منافع تو یہی ہے جو معلوم ہو چکا یعنی شہوتوں کا توڑنا۔ یہ بھی اسی پر موقوف ہے کہ کچھ وقت بھوک کی حالت میں گذرے... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے اس کے راستوں کو بھوک سے بند کرو... تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے۔ جب نفس بھوکا رہتا ہے تو تمام اعضاء سیر رہتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے رہتے ہیں دوسری غرض روزہ سے فقراء کے ساتھ تشبہ اور ان کے حال پر نظر ہے وہ بھی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب سحر میں معدہ کو دودھ جلیبی سے اتنا نہ بھر لے کہ شام تک بھوک ہی نہ لگے فقراء کے ساتھ مشابہت جب ہی ہو سکتی ہے جب کچھ وقت بھوک کی بیتابی کا بھی گذرے۔ بشر حافی رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص گئے وہ سردی میں کانپ رہے تھے اور کپڑے پاس رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ وقت کپڑے نکالنے کا ہے فرمایا کہ فقراء بہت ہیں اور مجھ میں ان کی ہمدردی کی طاقت نہیں اتنی ہمدردی کر لوں کہ میں بھی ان جیسا ہو جاؤں مشائخ صوفیاء نے عمومی طور پر اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ صاحب مراقی الفلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سحور میں زیادتی نہ کرے جیسا کہ متنعم کی عادت ہے کہ غرض کو فوت کر دیتا ہے۔ علامہ طحطاوی رحمہ اللہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ غرض کا مقصود یہ ہے کہ بھوک کی تلخی کچھ محسوس ہو تاکہ زیادتی ثواب کا سبب ہو اور مساکین و فقراء پر ترس آ سکے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ کو کسی برتن کا بھرنا اس قدر ناپسند نہیں ہے جتنا کہ پیٹ کا پُر ہونا ناپسند ہے۔ ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کیلئے چند لقمے کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے۔ اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر تل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کیلئے رکھے اور ایک تہائی پینے کیلئے اور ایک تہائی خالی۔ آخر کوئی تو بات تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی روز تک مسلسل لگاتار روزہ رکھتے تھے کہ درمیان میں کچھ بھی نوش نہیں فرماتے تھے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو پورے رمضان المبارک دیکھا ہے کہ افطار و سحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چپاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی۔ دوستوں کے خیال سے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کے متعلق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گذر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر و افطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہ نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائیگا۔ حضرت کچھ تناول ہی نہیں فرماتے تو حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سیاہ کاروں کو بھی ان پاک ہستیوں کا اتباع نصیب فرما دیں تو زہے نصیب۔

چھٹی چیز جس کا لحاظ روزہ دار کے لئے ضروری فرماتے ہیں یہ ہے کہ روزہ کے بعد اس سے ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے کہ نہ معلوم یہ روزہ قابل قبول ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر عبادت کے ختم پر کہ نہ معلوم کوئی لغزش جس کی طرف التفات بھی نہیں ہوا ایسی تو نہیں ہوگئی جس کی وجہ سے یہ منہ پر مار دیا جائے... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ہیں کہ قرآن پاک ان کو لعنت کرتا رہتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن لوگوں کا اولین وہلہ فیصلہ ہوگا

(ان کے منجملہ) ایک شہید ہوگا جس کو بلایا جائیگا اور اللہ نے جو جو انعام دنیا میں اس پر ہوئے تھے وہ اس کو جتلائے جائیں گے وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ اس کے بعد اس سے پوچھا جائیگا کہ ان نعمتوں میں کیا حق ادا کیا۔ وہ عرض کریگا کہ تیرے راستہ میں قتال کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے بلکہ قتال اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔ ایسے ہی ایک عالم بلایا جائے گا اس کو بھی اسی طرح سے اللہ کے انعامات جتلا کر پوچھا جائے گا کہ ان انعامات کے بدلے میں کیا کارگذاری ہے وہ عرض کریگا کہ علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کی خاطر تلاوت کی۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے یہ اسلئے کیا تھا کہ لوگ عالم کہیں سو کہا جا چکا اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک دولت مند بلایا جائے گا اس سے انعامات اپنی شمار کرانے اور اقرار کرنے کے بعد پوچھا جائیگا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا عمل کیا وہ کہے گا کہ کوئی خیر کا راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں میں نے کچھ خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ سخی کہیں سو کہا جا چکا اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا اللہ محفوظ فرمائیں کہ یہ سب بدنیتی کے ثمرات ہیں۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں مذکور ہیں اس لئے روزہ دار کو اپنی نیت کی حفاظت کے ساتھ اس سے خائف بھی رہنا چاہیے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اپنی رضا کا سبب بنالیں مگر اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اپنے عمل کو قابل قبول نہ سمجھنا امر آخر اور کریم آقا کے لطف پر نگاہ امر آخر ہے ان کے لطف کے انداز بالکل نرالے ہیں معصیت پر بھی ثواب دے دیتے ہیں تو پھر کوتاہ عمل کو کیا ذکر۔

یہ چھ چیزیں عام صلحاء کے لئے ضروری بتلائی جاتی ہیں۔ خواص اور مقربین کیلئے ان کے ساتھ ایک ساتویں چیز کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ دل کو اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف بھی متوجہ نہ ہونے دے حتیٰ کہ روزہ کی حالت میں اس کا خیال و تدبیر کہ کوئی چیز ہے یا نہیں یہ بھی خطا فرماتے ہیں۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ روزہ میں شام کو افطار کے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کا قصد بھی خطا ہے اس لئے کہ یہ اللہ کے وعدہ رزق پر عدم اعتماد کی ہے۔ شرح احیاء میں بعض مشائخ کا قصہ لکھا ہے کہ اگر افطار کے وقت سے پہلے کوئی چیز کہیں سے آجاتی تھی تو اس کو کسی دوسرے کو دیدیتے تھے مبادا دل اسی کی طرف التفات ہو جائے اور توکل میں کسی قسم کی کمی ہو جائے مگر یہ امور بڑے لوگوں کے لئے ہیں ہم لوگوں کو ان امور کی ہوس کرنا بھی بے محل ہے اور اس حالت پر پہنچے بغیر اس کا تحمل کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ میں آدمی کے ہر جزء پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ پس زبان کا روزہ جھوٹ وغیرہ سے بچنا ہے اور کان کا روزہ ناجائز چیزوں کے سننے سے احتراز آنکھ کا روزہ لہو ولعب کی چیزوں سے احتراز ہے اور ایسے ہی باقی اعضاء حتیٰ کہ نفس کا روزہ حرص و شہوتوں سے بچنا دل کا روزہ حب دنیا سے خالی رکھنا۔ روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی احتراز اور سر خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

ایک دن روزہ نہ رکھنے کا نقصان

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من افطر یوما من

رمضان من غیر رخصۃ ولا مرض لم یقضہ صوم الدھر کلہ وان صامہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص (قصداً) بلا کسی شرعی عذر کے ایک دن بھی رمضان کے روزہ کو افطار کردے۔غیر رمضان کا روزہ چاہے تمام عمر کے روزے رکھے اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

فائدہ: بعض علماء کا مذہب جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہ...وغیرہ حضرات بھی ہیں اسی حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جس نے رمضان المبارک کے روزہ کو بلاوجہ کھودیا اس کی قضا ہو ہی نہیں سکتی چاہے عمر بھر روزے رکھتا رہے مگر جمہور فقہاء کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں تو ایک روزے کے بدلے ایک روزہ... سے قضا ہوجائے گی اور اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا..تو قضا کے ایک روزہ کے علاوہ دو مہینے کے روزہ کفارہ کے ادا کرنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے البتہ وہ برکت اور فضیلت جو رمضان المبارک کی ہے ہاتھ نہیں آسکتی اور اس حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ وہ برکت ہاتھ نہیں آسکتی جو رمضان شریف میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی۔یہ سب کچھ اس حالت میں ہے کہ بعد میں قضا بھی کرے اور اگر سرے سے رکھے ہی نہیں جیسا کہ اس زمانہ کے بعض فساق کی حالت ہے تو اس کی گمراہی کا کیا پوچھنا۔

روزہ ارکان اسلام سے ایک رکن ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ارشاد فرمائی ہے سب سے اول توحید ورسالت کا اقرار اس کے بعد اسلام کے چاروں مشہور رکن ۱...نماز...۲...روزہ...۳...زکوۃ...۴...حج...کتنے مسلمان ہیں جو مردم شماری میں مسلمان شمار ہوتے ہیں۔لیکن ان پانچوں میں سے ایک کے بھی کرنے والے نہیں سرکاری کاغذات میں وہ مسلمان لکھے جائیں مگر اللہ کی فہرست میں وہ مسلمان شمار نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔۱...کلمہ شہادت اور۲...نماز اور ۳...روزہ...جو شخص ان میں سے ایک بھی چھوڑ دے وہ کافر ہے۔اس کا خون کردینا حلال ہے۔علماء نے ان جیسی روایات کو انکار کے ساتھ مقید کیا ہو یا کوئی تاویل فرمائی ہو مگر اس سے انکار نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ایسے لوگوں کے بارے میں سخت سے سخت وارد ہوئے ہیں۔فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ کے قہر سے بہت ہی زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے کہ موت سے کسی کو چارہ نہیں۔دنیا کی عیش وعشرت بہت جلد چھوٹنے والی چیز ہے۔کارآمد چیز صرف اللہ کی اطاعت ہے۔

بہت سے جاہل تو اتنے ہی پر کفایت کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے لیکن بہت سے بددین زبان سے بھی اس قسم کے الفاظ بک دیتے ہیں کہ جو کفر تک پہنچادیتے ہیں۔مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو...یا ہمیں بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اور بہت غور واہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیے کہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تمسخر اور مذاق اڑانا بھی کفر کا سبب ہوتا ہے۔اگر کوئی شخص عمر بھر نماز نہ پڑھے۔کبھی بھی روزہ نہ رکھے اسی طرح اور کوئی فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اس کا منکر نہ ہو وہ کافر نہیں۔جس فرض کو ادا نہیں کرتا اس کا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال ادا کرتا ہے اُن کا اجر ملتا ہے لیکن دین کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بات کا

تمسخر بھی کفر ہے جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز روزہ و نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہت زیادہ قابل لحاظ امر ہے اسلئے روزہ کے متعلق بھی کوئی ایسا لفظ ہرگز نہ کہے اور اگر تمسخر وغیرہ نہ کرے تب بھی بغیر عذر افطار کرنے والا فاسق ہے۔ حتی کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو شخص رمضان میں علی الاعلان بغیر عذر کے کھاوے اس کو قتل کیا جاوے لیکن قتل پر اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہ ہو کہ یہ کام امیر المؤمنین کا ہے تو اس فرض سے کوئی بھی سبکدوش نہیں کہ اس کی اس ناپاک حرکت پر اظہار نفرت کرے اور اس سے کم تو ایمان کا کوئی درجہ ہی نہیں کہ اس کو دل سے برا سمجھے۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے مطیع بندوں کے طفیل مجھے بھی نیک اعمال کی توفیق نصیب فرمادیں کہ سب سے زیادہ کوتاہی کرنے والوں میں ہوں فصل اول میں دس حدیثیں کافی سمجھتا ہوں کہ ماننے والے کیلئے ایک بھی کافی ہے چہ جائیکہ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ اور نہ ماننے والے کے لئے جتنا بھی لکھا جائے بیکار ہے حق تعالیٰ شانہ سب مسلمانوں کو عمل کی توفیق نصیب فرماویں۔

روزہ اور قرآن کی شفاعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما) اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا خداوندا! آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لیے جنت و مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جائے گا) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:... کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جنکے حق میں ان کے روزوں کی اور نوافل میں ان کے پڑھے ہوئے یا سنے ہوئے قرآن پاک کی سفارش قبول ہوگی۔ یہ ان کے لیے کیسی مسرت اور فرحت کا وقت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس سیاہ کار بندے کو بھی محض اپنے کرم سے ان خوش بختوں کے ساتھ کردے۔

❁ ❁ ❁

نماز تراویح

تراویح کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم رمضان (کی راتوں) میں قیام کی ترغیب دیتے تھے لیکن لوگوں کو اس کی فرضیت کا حکم نہ دیتے تھے۔ فرماتے تھے جو شخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ قیام کرے تو اس کے گزشتہ (تمام صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

تراویح کی جماعت

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ قَدْ رَأَيْتُ الَّذِيْ صَنَعْتُمْ وَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اعتکاف کے دوران) ایک رات مسجد میں آواز کے ساتھ نماز پڑھی۔ کچھ لوگ بھی (جو مسجد میں موجود تھے) آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔ پھر اگلی رات میں آپ نے اسی طرح نماز پڑھی تو زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ پھر تیسری یا چوتھی رات بھی (آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کے شوق میں) لوگ جمع ہوئے لیکن آپ اپنے معتکف سے باہر تشریف نہ لائے (بعض لوگوں کا خیال ہوا کہ شاید آپ سو رہے ہوں اس لئے انہوں نے کھنکھاہٹ بھی کی لیکن آپ باہر نہ آئے) جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا جو کچھ تم نے کیا (کہ جمع ہوئے اور بعض کھنکھارے بھی) وہ سب میرے علم میں تھا لیکن تمہارے پاس باہر آنے سے مجھے اس خوف نے روکا کہ کہیں یہ جماعت تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ قصہ رمضان میں ہوا تھا۔

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ مِّنَ الشَّهْرِ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِي السَّادِسَةِ وَقَامَ بِنَا فِي الْخَامِسَةِ حَتّٰى

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رمضان کی ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اپنے گھر سے) باہر (مسجد میں) تشریف لائے اور مسجد کے ایک کونے میں کچھ لوگوں کو (جماعت سے) نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ لوگ کیا کررہے ہیں (یعنی یہ لوگ جماعت سے کیسی نماز پڑھ رہے ہیں) ایک شخص نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کچھ لوگ ہیں جو حافظ نہیں ہیں۔ ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) تراویح میں قرآن پڑھ رہے ہیں تو یہ بھی ان کی نماز میں شریک ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں نے اچھا اور صحیح کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے عمل کو ناپسند نہیں کیا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّيْ أَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَهُ (بخاری)

عبدالرحمن بن عبدالقاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو لوگ متعدد جماعتوں میں متفرق تھے کہیں تو ایک شخص تنہا (تراویح کی) نماز پڑھ رہا تھا اور کہیں ایک شخص پڑھتا تھا تو اس کے ساتھ کچھ لوگ شریک تھے۔ (یہ دیکھ کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ میں اگر ان سب کو ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ پھر آپ نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا اور سب کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کردیا (اور متفرق جماعتیں ختم کرکے مسجد میں صرف ایک جماعت کردی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح میں امام بنایا اور سب لوگوں کو ان کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم دیا) پھر ایک اور رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا تو (مسجد میں) سب لوگ اپنے (ایک) قاری کے پیچھے (تراویح کی) نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارا یہ نیا کام (کہ مستقل طور پر تراویح ایک امام کے پیچھے ہو) کیا ہی اچھا ہے (کیونکہ ہمارے پاس اس نئے کام کی دلیل ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس طرح با جماعت تراویح پڑھائی تھی لیکن صرف تین رات پڑھائی تھی مستقل معمول اس اندیشہ سے اختیار نہ کیا تھا کہ کہیں یہ فرض نہ کردی جائے۔ اب وحی کا سلسلہ ختم ہوجانے سے وہ اندیشہ نہ رہا) نیز فرمایا وہ نماز جس سے تم سوئے رہتے ہو (یعنی آخر رات میں تراویح کی نماز) افضل ہے اس نماز سے جو تم پڑھتے ہو۔ عبدالرحمن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (عام) لوگ تراویح رات کے اول حصہ میں پڑھتے تھے۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک جب تک مسجد میں باقاعدہ مصلے پر ایک امام کے پیچھے تراویح کی جماعت کا انتظام نہیں ہوا تھا اس وقت تک تو ایک مسجد میں متعدد چھوٹی چھوٹی جماعتیں جائز تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سب کو باقاعدہ مصلے پر ایک امام کے پیچھے جمع کردیا اور متعدد جماعتیں بند کردیں۔ لہٰذا جس مسجد میں باقاعدہ مصلے پر ایک امام کے پیچھے جماعت تراویح کا انتظام ہو اس میں پھر بھی تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں یہ غلط بات ہے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی نفی ہے۔

رکعات تراویح کی تعداد

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَامَ بِهِمْ فِي رَمَضَانَ فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرَ (ابن حبان)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو رمضان میں تراویح پڑھائی تو آٹھ رکعتیں پڑھیں اور (پھر) وتر پڑھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ (ابن ابی شیبہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں (تراویح کی) بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تراویح میں آٹھ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِينَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ (مالک)

سائب بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں (یعنی آٹھ تراویح اور تین وتر) پڑھائیں اور قاری (ایک رکعت میں) سو سو آیتیں پڑھتا تھا (جس کی وجہ سے قیام بہت طویل ہوتا تھا اس) طول قیام کی وجہ سے ہم لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے اور ہم فجر کے قریب کہیں جا کر فارغ ہوتے تھے۔

بیس تراویح پر اجماع و اتفاق ہے

عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً (ابن ابی شیبہ)

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو (تراویح کی) بیس رکعتیں پڑھائیں۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً (موطا مالک)

یزید بن رومان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان میں لوگ (بیس رکعت تراویح اور تین وتر ملا کر) تئیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ (ابن ابی شیبہ)

حضرت عطاء (تابعی) رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے صحابہ کو وتر سمیت تیئس رکعتیں پڑھتے پایا۔

ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ

عَنْ اَبِیْ الْخَصِیْبِ قَالَ كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفْلَةَ فِیْ رَمَضَانَ فَيُصَلِّیْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (بیہقی)

ابوالخصیب رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ رمضان میں ہمیں پانچ ترویحوں میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

رمضان المبارک کے احکام

شریعت اسلام میں پورے رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا خاص اہتمام کیا جائے بلکہ اس مقصد سے شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے تا کہ کسی دھوکہ یا غفلت سے رمضان کا کوئی روزہ چھوٹ نہ جائے لیکن حدود شریعت کی حفاظت کے لیے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے جائیں' اگر عبادت کے شوقین ایسا کریں گے تو خطرہ ہے کہ بچارے ناواقف عوام اسی کو شریعت کا حکم اور مسئلہ سمجھنے لگیں' اس لیے اس کی ممانعت فرمادی گئی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمَهُ فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دن پہلے سے روزے نہ رکھے الا یہ کہ اتفاق سے وہ دن پڑ جائے جس میں روزہ رکھنے کا کسی آدمی کا معمول ہو تو وہ شخص اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ (مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ ہر جمعرات یا پیر کو روزہ رکھتا ہے تو اگر ۲۹' ۳۰ شعبان کو جمعرات یا پیر پڑ جائے تو اس آدمی کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت ہے)۔ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِیْ يُشَكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابو داؤد' والترمذی' النسائی' و ابن ماجۃ والدارمی)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جس آدمی نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے پیغمبر خدا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (سنن ابی داؤد' جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

تشریح:...... "شک والے دن" سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں شک ہو کہ یہ شاید رمضان کا دن ہو۔ مثلاً ۲۹ شعبان کو مطلع پر ابر یا غبار ہوا اور چاند نظر نہ آئے تو اگلے دن کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ شاید آج چاند ہو چکا ہو اور غبار یا ابر کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو اور اس لحاظ سے کل رمضان کا دن ہو...... تو شریعت میں اس شک اور وہم کا اعتبار نہیں ہے اور اس کی بناء پر اس دن روزہ رکھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور جیسا کہ اوپر درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہو چکا' اگلی

صورت میں شعبان کے ۳۰ دن پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ... سحری میں برکت کا ایک ظاہری اور عمومی پہلو تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ دار کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور روزہ زیادہ ضعف کا باعث اور زیادہ مشکل نہیں ہوتا اور دوسرا ایمانی اور دینی پہلو یہ ہے کہ اگر سحری کھانے کا رواج نہ رہے یا اُمت کے اکابر اور خواص سحری نہ کھائیں تو اس کا خطرہ ہے کہ عوام اسی کو شریعت کا حکم یا کم از کم اولیٰ یا افضل سمجھنے لگیں اور اسی طرح شریعت کے مقررہ حدود میں فرق پڑ جائے۔ اگلی اُمتوں میں اسی طرح تحریفات ہوئی ہیں تو سحری کی ایک برکت اور اس کا ایک بڑا دینی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی تحریفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے اور اس لیے وہ اللہ کے محبوب اور اس کی رضا و رحمت کا باعث ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ (رواه مسلم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں روزوں کے لیے سحری نہیں ہے اور ہمارے ہاں سحری کھانے کا حکم ہے اس لیے اس فرق اور امتیاز کو عملاً بھی قائم رکھنا چاہیے اور اللہ کی اس نعمت کا کہ اس نے ہم کو یہ سہولت بخشی شکر ادا کرنا چاہیے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میری اُمت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ اچھے حال میں رہیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ... اسی مضمون کی حدیث مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور اس میں "مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ" کے آگے "وَاَخَّرُوا السَّحُوْرَ" بھی ہے (یعنی اس اُمت کے حالات اس وقت تک اچھے رہیں گے جب تک کہ افطار میں تاخیر نہ کرنا بلکہ جلدی کرنا اور سحری میں جلدی نہ کرنا بلکہ تاخیر کرنا اس کا طریقہ اور طرز عمل رہے گا۔ اس کا راز یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا شریعت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اور اس میں عام بندگان خدا کے لیے سہولت اور آسانی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نگاہ کرم کا ایک مستقل وسیلہ ہے اس لئے امت جب تک اس پر عامل رہے گی وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کی مستحق رہے گی اور اس کے حالات اچھے رہیں گے اور اس کے برعکس افطار میں تاخیر اور سحری میں جلدی کرنے میں چونکہ اللہ کے تمام بندوں کیلئے مشقت ہے اور یہ ایک طرح کی بدعت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے اس لیے وہ اس اُمت کے لیے بجائے رضا اور رحمت کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے اس واسطے جب اُمت اس طریقے کو اپنائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم ہوگی اور اس کے حالات بگڑ جائیں گے۔ افطار میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہونے کا

یقین ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کی جائے اور اسی طرح سحری میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے بہت پہلے سحری نہ کھائی جائے بلکہ جب صبح صادق کا وقت قریب ہو تو اس وقت کھایا پیا جائے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا۔

عَنْ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالسُّحُوْرِ قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ آيَةً. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر (جلدی ہی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ سحری کھانے اور فجر کی اذان کے درمیان کتنا وقفہ رہا ہوگا؟ انھوں نے فرمایا پچاس آیتوں کی تلاوت کے بقدر۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ..... صحت مخارج اور قواعد قرأت کے لحاظ کے ساتھ پچاس آیت کی تلاوت میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت صرف ہوتا ہے۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سحری اور اذان فجر کے درمیان صرف چار پانچ منٹ کا فصل تھا۔

"صوم وصال" یہ ہے کہ بغیر افطار اور سحری کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور دنوں کی طرح راتیں بھی بلا کھائے پیئے گزریں چونکہ اس طرح کے روزے سخت مشقت اور ضعف کا باعث ہوتے ہیں اور اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی اتنا کمزور ہو جائے کہ دوسرے فرائض اور دوسری ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس طرح روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال چونکہ یہ تھا کہ اس طرح روزے رکھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت اور توانائی میں کوئی خاص فرق نہیں آتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی غیر مادی غذا اور روحانی قوت ملتی رہتی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسے روزے رکھتے تھے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ إِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَأَيُّكُمْ مِثْلِيْ إِنِّيْ أَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے لوگوں کو منع فرمایا تو ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون میری طرح ہے (یعنی اس بارے میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے جو دوسروں کے ساتھ نہیں ہے اور وہ یہ ہے) میری رات اس طرح گزرتی ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی مجھے عالم غیب سے غذا ملتی ہے اس لیے اس معاملہ میں اپنے کو مجھ پر قیاس نہ کرو)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اسی مضمون کی حدیثیں الفاظ کے خفیف فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی مروی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس ممانعت کا

مقصد اور منشاء یہی تھا کہ اللہ کے بندے مشقت اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی صحتوں کو نقصان نہ پہنچے بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں تو یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَهُمْ. (بخاری و مسلم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترحم اور شفقت کی بناء پر صوم وصال سے منع فرمایا ہے۔"

اور آگے درج ہونے والی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال کا شوق رکھنے والوں کو سحر تک کے وصال کی اجازت بھی دے دی تھی۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُوَاصِلُوا فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي وَسَاقٍ يَسْقِينِي. (رواہ البخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ تم لوگ صوم وصال نہ رکھو اور جو کوئی (اپنے شوق اور دل کے داعیہ اور جذبہ کی بناء پر) صوم وصال رکھنا ہی چاہے تو وہ بس سحر تک رکھے (یعنی سحر سے سحر تک قریباً ۲۴ گھنٹے کا) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس معاملے میں) میرا حال تمہارا سا نہیں ہے میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: ... ان حدیثوں میں صوم وصال کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا جو ذکر ہے اس کی کوئی وضاحت اور متعین صورت احادیث سے معلوم نہیں ہوتی۔ بعض حضرات نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال میں خاص کر رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کا جو خاص الخاص قرب حاصل ہوتا تھا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اور قلب کو وہ طاقت اور توانائی ملتی تھی جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی تھی، اس کی تعبیر روحانی غذا سے بھی کی جا سکتی ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ صوم وصال کی راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور عالم غیب کے ماکولات و مشروبات کھلائے پلائے جاتے تھے لیکن یہ کھانا پینا اس عالم میں نہیں ہوتا تھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے۔ ہم جیسے عالم خواب کے کھانے پینے میں غور کر کے اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلْيُفْطِرْ عَلَى التَّمْرِ فَإِنْ لَمْ يَجِدِ التَّمْرَ فَعَلَى الْمَاءِ فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ. (رواہ احمد)

حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے اس لیے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔ (مسند احمد)

تشریح: ... اہل عرب خاص طور سے اہل مدینہ کے لیے کھجور بہترین غذا بھی تھی اور سہل الحصول و ارزاں بھی تھی کہ غریب

دور فقراء بھی اس کو کھاتے تھے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے افطار کی ترغیب دی اور جس کو بروقت کھجور بھی نہ ملے اس کو پانی سے افطار کی ترغیب دی اور اس کی یہ مبارک خصوصیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طہور قرار دیا ہے۔ اس سے افطار کرنے میں ظاہر و باطن کی طہارت کی نیک فالی بھی ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (رواہ ابو داؤد)

معاذ بن زہرہ تابعی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا) (سنن ابی داؤد)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: پیاس چلی گئی اور رگیں (جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہو گئیں اور خدا نے چاہا تو اجر و ثواب قائم ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... یعنی پیاس اور خشکی کی جو تکلیف ہم نے کچھ دیر اٹھائی وہ تو افطار کرتے ہی ختم ہو گئی۔ اب نہ پیاس باقی ہے اور نہ رگوں میں خشکی اور ان شاء اللہ آخرت کا نہ ختم ہونے والا ثواب ثابت و قائم ہو گیا۔ یہ اللہ کے حضور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر بھی ہے اور دوسروں کو تعلیم و تلقین بھی کہ روزہ داروں کا احساس اور اذعان یہ ہونا چاہیے۔ مندرجہ بالا دونوں دعاؤں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے بعد یہ کلمات کہتے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت دعا کرتے تھے: "یَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اغْفِرْ لِيْ" (اے وسیع فضل و کرم والے مالک! میری مغفرت فرما)

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان و رواہ محی السنۃ فی شرح السنۃ)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا یا کسی مجاہد کو جہاد کا سامان دیا (مثلاً اسلحہ وغیرہ) تو اس کو روزہ دار اور مجاہد کے مثل ہی ثواب ملے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی و شرح السنۃ للبغوی)

تشریح:...... اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قوانین میں سے یہ بھی ایک قانون ہے کہ کسی نیک عمل کی ترغیب دینے والے اور اس میں مدد دینے والے کو بھی اس عمل کے کرنے والے کا سا ثواب عطا فرماتے ہیں جو نا حقیقت شناس اللہ تعالیٰ کی شان کرم سے آشنا نہیں ہیں انہی کو اس طرح کی بشارتوں میں شکوک و شبہات ہوتے ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ"

قرآن مجید سورۂ بقرہ میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان

میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں اور وہیں بتا دیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لیے دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ ۲: ۱۸۵)

"اور جو تم میں سے رمضان کا مہینہ پائے تو وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کو اتنا ہی دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ تمہارے لیے سہولت اور آسانی منظور ہے تمہارے واسطے دشواری نہیں چاہتا۔"

اس آیت سے خود معلوم ہو گیا کہ یہ رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لیے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لیے دی گئی ہے اس لیے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لیے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل چونکہ امت کے لیے اسوہ اور نمونہ ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفر میں روزے رکھے اور کبھی قضا کیے تا کہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں۔ اس سلسلے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور طرز عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہوتا ہو تو روزہ قضا کرنا بہتر ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلَى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ إِلَى يَدِهِ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَأَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر روزے رکھتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام عسفان تک پہنچ گئے۔ (وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے رکھنے چھوڑ دیے اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا تا کہ سب لوگ دیکھ لیں (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیا) پھر مکہ پہنچنے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے نہیں رکھے اور یہ سب ماہ رمضان میں پیش آیا..... تو ابن عباس رضی اللہ عنہ (اسی بناء پر) کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضا بھی کیے ہیں تو (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا جو رمضان ۸ ہجری میں ہوا تھا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں روزے رکھتے رہے جب مقام عسفان پہنچے (جو مکہ معظمہ سے تقریباً ۳۶،۳۵ میل

پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مدینہ صرف دو منزل رہ گیا اور اس کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آ جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ قضا کر دیا اور سب کو دکھا کے پانی پیا تاکہ کسی کے لیے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضا کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان تک برابر روزے رکھے اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ قضا کرنا ہی افضل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع سفر ہی سے قضا کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح باعلان روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ لوگ خطا کار اور گنہگار ہیں" (کیونکہ انہوں نے منشاء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی) اگر نادانستہ اور غلط فہمی سے کی لیکن "حسنات الابرار سیئات المقربین"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا لَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا ..... قَالَ اجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَالِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ (وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ) قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ خُذْ هَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللَّهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا (يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ) أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو ہلاک ہو گیا (یعنی میں ایک ایسا کام کر بیٹھا ہوں جس نے مجھے ہلاک و برباد کر دیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہو گیا؟ اس آدمی نے کہا: میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی (دوسری روایت میں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اور تمہاری ملکیت میں کوئی غلام ہے جس کو تم اس غلطی کے کفارہ میں آزاد کر سکو؟ اس آدمی نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ متواتر دو مہینے

کے روزے رکھو؟ اس نے عرض کیا کہ: یہ بھی میرے بس کی بات نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟ اس نے عرض کیا کہ: مجھے اس کی بھی مقدرت نہیں... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بیٹھے رہو (شاید اللہ تعالیٰ کوئی سبیل تمہارے لیے پیدا کرے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما رہے اور ہم لوگ بھی ابھی وہیں حاضر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں کا ایک بہت بڑا بورا آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر مسئلہ پوچھنے والا وہ آدمی کدھر ہے؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بورے کو لے لو (اور اپنی طرف سے) صدقہ کردو۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ایسے محتاجوں پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہوں؟ خدا کی قسم! مدینہ کی دونوں طرف کی پتھریلی زمین کے درمیان (یعنی مدینہ کی پوری بستی) میں کسی گھر کے لوگ بھی میرے گھر والوں سے زیادہ حاجت مند نہیں ہیں (اس کی اس بات پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (خلاف عادت) ایسی ہنسی آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں کنارے والے دانت (کچلیاں) بھی ظاہر ہو گئیں (حالانکہ عادت مبارکہ صرف تبسم کی تھی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے فرمایا: اچھا! یہ کھجوریں اپنے اہل و عیال ہی کو کھلا دو (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی رمضان کے روزہ میں نفس کی خواہش سے ایسی غلطی کر بیٹھے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرنے کی مقدرت ہو تو غلام آزاد کرے اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔... جمہور ائمہ و فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے۔ البتہ اس میں ائمہ کی رائے میں اختلاف ہو گیا ہے کہ یہ کفارہ کیا صرف اسی صورت میں واجب ہوگا جبکہ کسی نے رمضان کے روزہ میں جماع کیا ہو یا اس صورت میں بھی واجب ہوگا جب کسی نے دانستہ کچھ کھا پی کے روزہ توڑ ڈالا ہو؟ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کفارہ صرف جماع والی صورت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ جماع ہی کا ہے..... لیکن امام ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ کفارہ دراصل رمضان کے روزہ کی بے حرمتی کا ہے اور اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے اپنے نفس کی خواہش کے مقابلہ میں رمضان کے روزہ کا احترام نہیں کیا اور اس کو توڑ ڈالا اور یہ جرم دونوں صورتوں میں یکساں ہے اس لیے اگر کسی نے دانستہ کھا پی کے روزہ توڑا تو اس پر بھی یہ کفارہ واجب ہوگا۔

اس واقعہ میں ایک عجیب و غریب بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب واقعہ صحابی کو کھجوروں کا جو بورا اس لیے عنایت فرمایا تھا کہ مساکین پر صدقہ کر کے وہ اپنا کفارہ ادا کریں ان کے اس کہنے پر کہ مدینہ بھر میں مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ حاجت مند کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ان کو اجازت دے دی کہ اس کو اپنے ہی کام میں لے آئیں۔ اس کے بارے میں جمہور ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح ان کا کفارہ ادا ہو گیا

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وقتی ضرورت اور حاجت مندی کا لحاظ کر کے ان کھجوروں کو اپنے خرچ میں لے آنے کی ان کو اس وقت اجازت دے دی، اور کفارہ ان کے ذمہ واجب رہا اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر رمضان کا روزہ کوئی ایسا آدمی اس طرح توڑ ڈالے جو نہ تو فی الوقت غلام آزاد کر سکتا ہو، نہ دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتا ہو اور افلاس و غربت کی وجہ سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو تو کفارہ اس کے ذمہ واجب رہے گا، وہ اس کی ادائیگی کی نیت رکھے اور جب بھی اس کو استطاعت ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اور امام زہری وغیرہ آئمہ کی رائے یہ ہے کہ عام شرعی قانون اور مسئلہ تو یہی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کے ساتھ ایک طرح کا استثنائی معاملہ کیا اور ان کا کفارہ اسی طرح ادا ہو گیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کسی قدر اختصار کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض علمائے کبار نے (جن کو ہمارے اساتذہ اور شیوخ نے دیکھا ہے) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اس حدیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے اور دکھایا ہے کہ اس حدیث سے ایک ہزار فقہی فوائد اور نکتے پیدا ہوتے ہیں۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے روزہ فوت ہو جاتا ہو گا یا اس میں کچھ خرابی آ جاتی ہو گی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات یا عمل سے واضح فرما دیا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ جیسا کہ احادیث ذیل میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهُ وَأَتَاهُ آخَرُ فَسَأَلَهُ فَنَهَاهُ فَإِذَا الَّذِي رَخَّصَ لَهُ شَيْخٌ وَإِذَا الَّذِي نَهَاهُ شَابٌّ. (رواه ابو داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ لپٹنے چپٹنے کے بارے میں سوال کیا (کہ اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ گنجائش ہے اور دوسرے ایک صاحب نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی (اور اجازت نہیں دی) تو جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنجائش بتلائی تھی وہ بوڑھی عمر کے آدمی تھے اور جن کو ممانعت فرمائی وہ جوان تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... فرق کی وجہ ظاہر ہے جوان آدمی کے لیے چونکہ اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ نفس کی خواہش اس پر غالب آ جائے گی اور وہ روزہ خراب کر بیٹھے گا اس لیے آپ نے جوان سائل کو اجازت نہیں دی اور بوڑھا آدمی چونکہ اس خطرے سے نسبتاً مامون ہوتا ہے اس لیے بوڑھے سائل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت اور گنجائش بتلا دی۔

عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ أَوْ مِنَ الْحَرِّ. (رواه مالک و ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج میں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے تھے اور پیاس یا گرمی کی (شدت) کی وجہ سے سر مبارک پر پانی بہا رہے تھے۔ (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

تشریح: معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں پیاس یا گرمی کی شدت کم کرنے کے لیے سر پر پانی ڈالنا اور اس قسم کی دوسری تدابیر کرنا جائز ہے اور یہ روزہ کی روح کے بھی خلاف نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے بعض اعمال اس لیے بھی کرتے تھے کہ اس طرز عمل سے اپنی عاجزی ظاہر ہوتی ہے جو بندگی کی روح ہے۔ نیز امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہولت کا نمونہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ ... اللہ کی رحمتیں ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کا سلام۔

عرج مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے تین منزل پر ایک آباد موضع تھا اس لیے یہ واقعہ کسی سفر کا ہے ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ والے سفر ہی کا ہو جو رمضان مبارک میں ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام عسفان پہنچنے تک برابر روزے رکھے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ هَشَشْتُ فَقَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَنَعْتُ الْيَوْمَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَاَنْتَ صَائِمٌ قُلْتُ لَا بَاْسَ قَالَ فَمَهْ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ (روزے کی حالت میں) میرے اندر رغبت تقاضا اور جذبہ پیدا ہوا اور میں نے (اپنی بیوی) کا بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آج مجھ سے بہت بڑا قصور ہو گیا، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ اگر تم پانی منہ میں لے کر کلی کرو (تو کیا اس سے تمہارے روزہ میں خرابی آئے گی؟) میں نے عرض کیا اس سے تو کوئی خرابی نہ آئے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر (خالی بوسہ لینے سے) کیا ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے صرف یہ جزئی مسئلہ ہی نہیں معلوم ہوا کہ خالی بوسہ لینے سے روزہ میں خرابی نہیں آتی بلکہ ایک اصولی اور قاعدہ کلیہ معلوم ہو گیا اور وہ یہ کہ دراصل روزے کو توڑنے والی چیز کھانا پینا اور جماع ہے اور جس طرح کھانے پینے کی کسی چیز کا صرف منہ میں رکھنا (جو کھانے پینے کا گویا مقدمہ اور دیباچہ ہوتا ہے) روزہ کو نہیں توڑتا۔ اسی طرح بوس و کنار وغیرہ (جو جماع کے صرف مقدمات ہوتے ہیں) روزے کو خراب نہیں کرتے۔ ہاں جس آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ خواہش اور تقاضے سے مغلوب ہو کر کہیں جماع میں مبتلا ہو جائے اس کو اس قسم کی باتوں سے روزے میں پورا پرہیز کرنا چاہیے۔

عشرۂ اخیر اور لیلۃ القدر

جس طرح رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اسی طرح اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بہتر ہے اور لیلۃ القدر اکثر و بیشتر اسی عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادات وغیرہ کا اہتمام اس میں اور زیادہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (رواه البخاري)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں۔ (صحیح بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ یعنی اکیسویں، تیئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں شب قدر ہوتی۔ اگر اس طرح تعیین کر دی جاتی کہ وہ خاص فلاں رات ہے تو بہت سے لوگ بس اسی رات میں عبادات وغیرہ کا خاص اہتمام کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی طرح مبہم رکھا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ اس سے اشارہ ملا کہ وہ شب قدر رمضان کی راتوں میں سے کوئی رات تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید نشاندہی کے طور پر فرمایا کہ: رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے اس کا زیادہ امکان ہے۔ لہٰذا ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے۔ اس مضمون کی حدیثیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہیں اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً رمضان کی ستائیسویں ہی ہوتی ہے۔

عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَرَادَ أَنْ لَا يَتَّكِلَ النَّاسُ أَمَا إِنَّهُ قَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ وَأَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِي أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ فَقُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ أَوْ بِالْآيَةِ الَّتِي أَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا (رواه مسلم)

زر بن حبیش جو کبار تابعین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا

کہ آپ کے دینی بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کھڑا ہوگا (یعنی ہر رات عبادت کیا کرے گا) اس کو شب قدر نصیب ہو ہی جائے گی (یعنی لیلۃ القدر سال کی کوئی نہ کوئی رات ہے، پس جو اس کی برکات کا طالب ہو اسے چاہیے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے معمور کرے اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پا سکے گا)۔۔۔ زر بن حبیش نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر خدا کی رحمت ہو ان کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ (کسی ایک ہی رات کی عبادت پر) قناعت نہ کر لیں ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینے میں ہوتی ہے اور اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے (یعنی اکیسویں سے انتیسویں یا تیسویں تک) اور وہ معین ستائیسویں شب ہے۔ پھر انہوں نے پوری قطعیت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ وہ بلاشبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے (اور اپنے یقین و اطمینان کے اظہار کے لیے قسم کے ساتھ) انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا (زر بن حبیش کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ اے ابو المنذر! (یہ حضرت ابی کی کنیت ہے) یہ آپ کس بناء پر فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ بات اس نشانی کی بناء پر کہتا ہوں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی تھی اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ۔۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ انہوں نے جو قطعیت کے ساتھ یہ بات کہی کہ شب قدر معین طور پر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو ایک خاص نشانی بتائی تھی۔ انہوں نے چونکہ وہ نشانی عموماً ستائیسویں شب کی صبح ہی کو دیکھی تھی اس لیے یقین کے ساتھ انہوں نے یہ رائے قائم کر لی تھی ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تو یہ فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور کبھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، کبھی عشرۂ اخیرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے چار یا تین راتوں کے لیے فرمایا کسی خاص رات کی تعیین آپ نے نہیں فرمائی۔ اہل بہت سے اصحاب ادراک کا تجربہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ طالب بندے مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و دعا کا اہتمام کریں ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ۔ (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا، آپ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: ۔۔ ازواج مطہرات اپنے حجروں میں اعتکاف فرماتی تھیں اور خواتین کے لیے اعتکاف کی جگہ ان کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انہوں نے نماز پڑھنے کی مقرر کر رکھی ہو اگر گھر میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کر لینی چاہیے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ (رواه الترمذى)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف نہیں کر سکے تو اگلے سال بیس دن تک اعتکاف فرمایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہو سکنے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی ایک حدیث مروی ہے اس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرۂ اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہو سکا تھا اس لیے اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔ بیس دن کا اعتکاف غالباً اسی وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ کو اس دنیا سے اٹھا لیا جائے گا اس لیے اعمالِ آخرت میں اشتغال کا بڑھ جانا بالکل فطری بات تھی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ الْمَرْأَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِكَافَ اِلَّا فِىْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ (رواه ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرمایا کہ معتکف کے لیے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے باہر نکلے نہ عورت سے صحبت کرے نہ بوس و کنار کرے اور اپنی ضرورتوں کے لیے بھی مسجد سے باہر نہ جائے سوائے ان حوائج کے جو بالکل ناگزیر ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہیے) بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں اور مسجد جامع میں ہونا چاہیے اس کے سوا نہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... اسی سلسلہ میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے جب کوئی یہ کہے کہ "سنت" یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یا طرز عمل سے جانا ہے۔ اس لیے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔ اسی بناء پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث میں اعتکاف کے جو مسائل بیان کیے گئے ہیں وہ نبوی ہدایات ہی کے حکم میں ہیں۔ اس کے بالکل آخر میں "مسجد جامع" کا جو لفظ ہے اس سے مراد جماعت والی مسجد ہے۔ یعنی ایسی مسجد جس میں پانچوں وقت جماعت پابندی سے ہوتی ہو۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعتکاف کے لیے روزہ بھی شرط ہے اور جماعت والی مسجد کا ہونا بھی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِى الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (رواه ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی وجہ سے مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرف جاری رہتا ہے اور نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: ...... جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستہ سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو بہت بڑے ثواب کا کام ہے، کسی لاچار مسکین یتیم اور بیوہ کی مدد کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا، کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا جو اگر ثواب کے لیے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لیے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان نہیں جا سکتا جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اس کے حساب اور اس کی صحیفۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے اور وہ ان کا عادی تھا۔

اعتکاف کی غرض

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعتکف العشر الاول من رمضان ثم اعتکف العشر الاوسط فی قبۃ ترکیۃ ثم اطلع رأسہ فقال انی اعتکف العشر الاول التمس ھذہ اللیلۃ ثم اعتکف العشر الاوسط ثم اتیت فقیل لی انھا فی العشر الاواخر فمن کان اعتکف معی فلیعتکف العشر الاواخر فقد اریت ھذہ اللیلۃ ثم انسیتھا وقد رأیتنی اسجد فی ماء وطین من صبیحتھا فالتمسوھا فی العشر الاواخر والتمسوھا فی کل وتر قال فمطرت السماء تلک اللیلۃ وکان المسجد علی عریش فوکف المسجد فبصرت عینای رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعلی جبھتہ اثر الماء والطین من صبیحۃ احدی وعشرین

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور پھر دوسرے عشرہ میں بھی پھر ترکی خیمہ سے جس میں اعتکاف فرما رہے تھے باہر سر نکال کر ارشاد فرمایا کہ میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شب قدر کی تلاش اور اہتمام کی وجہ سے کیا تھا۔ پھر اسی کی وجہ سے دوسرے عشرے میں کیا۔ پھر مجھے کسی بتلانے والے (یعنی فرشتہ) نے بتلایا کہ وہ رات اخیر عشرہ میں ہے لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کر رہے ہیں وہ اخیر عشرہ کا بھی اعتکاف کریں۔ ... مجھے یہ رات دکھلا دی گئی تھی پھر بھلا دی گئی (اس کی علامت یہ ہے) کہ میں نے اپنے آپ کو اس رات کے بعد کی صبح کو کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا لہٰذا اب اس کو اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس رات میں بارش ہوئی اور مسجد چھپر کی تھی وہ ٹپکی اور میں نے اپنی آنکھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کا اثر اکیس ۲۱ کی صبح کو دیکھا۔ (مشکوٰۃ من المتفق علیہ۔ خلاف اللفظ)

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ اعتکاف کی ہمیشہ رہی ہے اس مہینہ میں تمام مہینہ کا اعتکاف فرمایا اور جس سال

وصال ہوا ہے اس سال بیس روز کا اعتکاف فرمایا تھا لیکن اکثر عادت شریفہ چونکہ اخیر عشرہ ہی کے اعتکاف کی رہی ہے اس لئے علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ وہی ہے۔ حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس اعتکاف کی بڑی غرض شب قدر کی تلاش ہے اور حقیقت میں اعتکاف اس کے لئے بہت ہی مناسب ہے کہ اعتکاف کی حالت میں اگر آدمی سو رہا ہو تب بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

نیز اعتکاف میں چونکہ آنا جانا اور ادھر ادھر کے کام بھی کچھ نہیں رہتے اس لئے عبادت اور کریم آقا کی یاد کے علاوہ اور کوئی مشغلہ بھی نہ رہے گا۔ لہٰذا شب قدر کے قدر دانوں کے لئے اعتکاف سے بہتر صورت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوں تو سارے ہی رمضان میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام اور کثرت فرماتے تھے لیکن اخیر عشرہ میں کچھ حد ہی نہیں رہتی تھی۔ رات کو خود بھی جاگتے اور گھر کے لوگوں کو بھی جگانے کا اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ صحیحین کی کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے بخاری ومسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اخیر عشرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم لنگی کو مضبوط باندھ لیتے اور راتوں کا احیاء فرماتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے لنگی مضبوط باندھنے سے کوشش میں اہتمام کی زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے اور بیویوں سے بالکلیہ علیحدہ ہو جانا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

اعتکاف کے دو فائدے:

عن ابن عباس رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في المعتكف هو يعتكف الذنوب ويجرى له من الحسنات كعامل الحسنات كلها

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لئے نیکیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی کہ کرنے والے کے لئے۔ (مشکوٰۃ عن ابن ماجہ)

فائدہ: دو مخصوص نفعے اعتکاف کے اس حدیث میں ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اعتکاف کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے ورنہ بسا اوقات کوتاہی اور لغزش سے کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس میں آدمی گناہ میں مبتلا ہو ہی جاتا ہے اور ایسے مبارک وقت میں معصیت کا ہو جانا کس قدر ظلم عظیم ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے ان سے امن اور حفاظت رہتی ہے دوسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال جیسا کہ جنازہ کی شرکت۔ مریض کی عیادت وغیرہ ایسے امور ہیں کہ اعتکاف میں بیٹھ جانے کی وجہ سے معتکف ان کو نہیں کر سکتا۔ اس لئے اعتکاف کی وجہ سے جن عبادتوں سے رکا رہا ان کا اجر بغیر کئے بھی ملتا رہے گا۔۔۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت اور فیاضی ہے کہ ایک عبادت آدمی کرے اور دس عبادتوں کا ثواب مل جائے۔ درحقیقت اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے اور تھوڑی سی توجہ اور مانگ سے دھواں دھار برستی ہے۔

مگر ہم لوگوں کو سرے سے اس کی قدر ہی نہیں۔۔۔ ضرورت ہی نہیں تو جہ کون کرے اور کیوں کرے کہ دین کی وقعت ہی ہمارے قلوب میں نہیں۔

ان کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر　　　　تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ایک مسلمان کی حاجت روائی کیلئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنے اعتکاف کا خیال نہ کرنا

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ کان معتکفا فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتاہ رجل فسلم علیہ ثم جلس فقال لہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یا فلان اراک مکتئبا حزینا قال نعم یا بن عم رسول اللہ لفلان علی حق ولا وحرمۃ صاحب ھذا القبر ما اقدر علیہ قال ابن عباس افلا اکلمہ فیک قال ان احببت قال فانتعل ابن عباس ثم خرج من المسجد فقال لہ الرجل انسیت ما کنت فیہ قال لا ولکنی سمعت صاحب ھذا القبر صلی اللہ علیہ وسلم والعھد بہ قریب فدمعت عیناہ وھو یقول من مشی فی حاجۃ اخیہ وبلغ فیھا کان خیرا لہ من اعتکاف عشر سنین ومن اعتکف یوما ابتغاء وجہ اللہ جعل اللہ بینہ وبین النار ثلث خنادق ابعدما بین الخافقین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں معتکف تھے آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے (چپ چاپ) بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟ اس نے کہا اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے میں بیشک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس قبر والے کی عزت کی قسم میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں اس نے عرض کیا کہ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے فرمایا بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے اس قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گذرا (یہ لفظ کہتے ہوئے) ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کیلئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ ہوگی۔۔۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیہقی)

فائدہ: اس حدیث سے دو مضمون معلوم ہوئے اول یہ کہ ایک دن کے اعتکاف کا ثواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرما دیتے ہیں اور ہر خندق اتنی بڑی ہے جتنا سارا جہاں اور ایک دن سے زیادہ جس قدر زیادہ دنوں کا اعتکاف ہوگا اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے کشف الغمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص عشرہ رمضان کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمروں کا اجر ہے اور جو شخص مسجد جماعت میں

مغرب سے عشاء تک کا اعتکاف کرے کہ نماز قرآن کے علاوہ کسی سے بات نہ کرے حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے جنت میں ایک محل بناتے ہیں۔ دوسرا مضمون جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ مسلمانوں کی حاجت روائی کو دس برس کے اعتکاف سے افضل ارشاد فرمایا ہے اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اعتکاف کی پرواہ نہیں فرمائی کہ اس کی تلافی پھر بھی ہو سکتی ہے اور اس کی قضا ممکن ہے اسی وجہ سے صوفیا کا مقولہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی جتنی قدر ہے اتنی کسی چیز کی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی بد دعا سے احادیث میں بہت ڈرایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے اور نصائح کے ساتھ واتق دعوة المظلوم بھی ارشاد فرماتے تھے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔

مسئلہ: اس جگہ ایک مسئلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے بھی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر اعتکاف واجب ہو تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت بشری کے علاوہ کسی ضرورت سے بھی مسجد سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار کہ دوسرے کی وجہ سے اپنا اعتکاف توڑ دیا ایسے ہی لوگوں کے مناسب ہے کہ دوسروں کی خاطر خود پیاسے تڑپ تڑپ کر مر جاویں مگر پانی کا آخری قطرہ اس لئے نہ پئیں کہ دوسرا زخمی جو پاس لیٹا ہوا ہے وہ اپنے سے اہم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اعتکاف نفلی اعتکاف ہو۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں خاتمہ میں ایک طویل حدیث جس میں کئی قسم کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں۔ ذکر کر کے اس رسالہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

آغاز رمضان سے عید الفطر تک ہونے والے انعامات الٰہیہ کی تفصیل

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الجنۃ لتبخر وتزین من الحول الی الحول لدخول شھر رمضان فاذا کانت اول لیلۃ من شھر رمضان ھبت ریح من تحت العرش یقال لھا المثیرۃ فتصفق ورقات اشجار الجنان وحلق المصاریع فیسمع لذلک طنین لم یسمع السامعون احسن منہ فتبرز الحور العین حتی یقفن بین شرف الجنۃ فینادین ھل من خاطب الی اللہ فیزوجہ ثم یقلن الحور العین یا رضوان الجنۃ ما ھذہ اللیلۃ فیجیبھن بالتلبیۃ ثم یقول ھذہ اول لیلۃ من شھر رمضان فتحت ابواب الجنۃ علی الصائمین من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال ویقول اللہ عزوجل یا رضوان افتح ابواب الجنان ویا مالک اغلق ابواب الجحیم علی الصائمین من امۃ احمد صلی اللہ علیہ وسلم ویا جبرئیل اھبط الی الارض فاصفد مردۃ الشیاطین وغلھم بالاغلال ثم اقذفھم فی البحار حتی لا یفسدوا علی امۃ محمد حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم صیامھم قال ویقول اللہ عزوجل فی کل لیلۃ من شھر رمضان لمناد ینادی ثلث مرات ھل من سائل فاعطیہ سؤلہ ھل من تائب فاتوب علیہ ھل من مستغفر فاغفر لہ من یقرض الملی غیر العدوم والوفی غیر الظلوم قال وللہ عزوجل فی کل

یوم من شهر رمضان عند الافطار الف الف عتیق من النار کلهم قد استوجبوا النار فاذا کان
اخر یوم من شهر رمضان اعتق الله فی ذلک الیوم بقدر ما اعتق من اول الشهر الی اخره و
اذا کانت لیلة القدر یامر الله عزوجل جبرئیل فیهبط فی کبکبة من الملئکة ومعهم لواء اخضر
فیرکز اللواء علی ظهر الکعبة وله مائة جناح منها جناحان لاینشرهما الا فی تلک اللیلة
فینشر هما فی تلک اللیلة فیجاوز المشرق الی المغرب فیحث جبرئیل علیه السلام
الملائکة فی هذه اللیلة فیسلمون علی کل قائم وقاعد ومصل وذاکر ویصافحونهم ویؤمنون
علی دعائهم حتی یطلع الفجر فاذا طلع الفجر ینادی جبرئیل معاشر الملئکة الرحیل فیقولون
یاجبرئیلُ فما صنع الله فی حوائج المؤمنین من امة احمد صلی الله علیه وسلم فیقول نظر الله
الیهم فی هذه اللیلة فعفا عنهم الا اربعة فقلنا یا رسول الله من هم قال رجل مدمن خمر وعاق
لوالدیه وقاطع رحم ومشاحن قلنا یارسول الله ما المشاحن قال هو المصارم فاذا کانت لیلة
الفطر سمیت تلک اللیلة لیلة الجائزة فاذا کانت غداة الفطر بعث الله عزوجل الملئکة فی کل
بلاد فیهبطون الی الارض فیقومون علی افواه السکک فینادون بصوت یسمع من خلق الله
عزوجل الا الجن والانس فیقولون یاامة محمد ﷺ اخرجوا الی رب کریم یعطی الجزیل
ویعفو عن العظیم فاذا برزوا الی مصلاهم فیقول الله عزوجل للملئکة ما جزاء الاجیر اذا عمل
عمله قال فتقول الملئکة الهنا وسیدنا جزائه ان توفیه اجره قال فیقول فانی اشهدکم یاملائکتی
انی قد جعلت ثوابهم من صیامهم شهر رمضان وقیامهم رضائی ومغفرتی ویقول یاعبادی
سلونی فوعزتی وجلالی لاتسئلونی الیوم شیئا فی جمعکم لاخرتکم الا اعطیتکم ولا لدنیاکم
الا نظرت لکم فوعزتی لاسترن علیکم عثراتکم ما راقبتمونی وعزتی وجلالی لا اخزیکم ولا
افضحکم بین اصحاب الحدود انصرفوا مغفورا لکم قد ارضیتمونی ورضیت عنکم فتفرح
الملئکة وتستبشر بما یعطی الله عزوجل هذه الامة اذا افطروا من شهر رمضان

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ جنت کو رمضان
شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان کی خاطر آراستہ کیا جاتا ہے پس جب
رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جس کا نام مثیرہ ہے (جس کے جھونکوں کی وجہ سے)
جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں جس سے ایسی دل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس
سے اچھی آواز کبھی نہیں سُنی پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑے ہو کر

آواز دیتا ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں۔ پھر وہ حوریں
جنت کے داروغہ رضوان سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے۔
جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے (آج) کھول دیئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
حق تعالیٰ شانہ رضوان سے فرما دیتے ہیں۔ کہ جنت کے دروازے کھول دے اور مالک (جہنم کے داروغہ) سے فرما دیتے ہیں: کہ
احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کردے اور جبرئیل کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش
شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزوں کو خراب نہ
کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان کی ہر رات میں ایک منادی کو حکم فرماتے ہیں کہ تین
مرتبہ یہ آواز دے کہ ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں۔ کوئی ہے مغفرت
چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ کون ہے جو غنی کو قرض دے ایسا غنی جو نادار نہیں ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں
کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان شریف میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے
خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر
لوگ جہنم سے آزاد کیے گئے تھے ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں اور جس رات شب قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ
حضرت جبرئیل کو حکم فرماتے ہیں وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے
جس کو کعبہ کے اوپر کھڑا کرتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سو بازو ہیں جن میں سے دو بازو کو صرف اسی رات
میں کھولتے ہیں جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں پھر حضرت جبرئیل فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی
رات کھڑا ہو یا بیٹھا ہو نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو اس کو سلام کریں اور مصافحہ کریں ان کی دعاؤں پر آمین کہیں صبح تک یہی حالت
رہتی ہے جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ
السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مومنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا وہ کہتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرما دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ
چار شخص کون ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو۔ دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو۔ تیسرا وہ شخص جو
قطع رحمی کرنے والا اور ناطہ توڑنے والا ہو۔ چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو۔ پھر جب عید الفطر کی
رات ہوتی ہے تو اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ
فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں۔ وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس
کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کریم رب کی (درگاہ) کی طرف چلو

جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو مجھ سے مانگو۔ میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم کہ جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا) میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کروں گا۔ بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔ پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو افطار کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں اللّٰھم اجعلنا منھم۔۔۔(کذا فی الترغیب)

فائدہ: اس حدیث کے اکثر مضامین رسالہ کے گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں۔ البتہ چند امور قابل غور ہیں جن میں سب سے اوّل اور اہم تو یہ ہے کہ بہت سے محروم رمضان کی مغفرت عامہ سے بھی خارج تھے جیسا کہ پہلی روایت میں معلوم ہو چکا ہے اور وہ عید کی اس مغفرت عامہ سے بھی خارج کر دیئے گئے۔ جن میں سے آپس کے لڑنے والے اور والدین کی نافرمانی کرنے والے بھی ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ تم نے اللہ کو ناراض کر کے اپنے لئے کون سا ٹھکانہ ڈھونڈ رکھا ہے۔ افسوس تم پر بھی اور تمہاری اس عزت پر بھی جس کے حاصل کرنے کے خیال میں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعائیں برداشت کر رہے ہو۔ جبرئیلؑ کی بددعائیں اٹھا رہے ہو اور اللہ کی رحمت و مغفرت عامہ سے بھی نکالے جا رہے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ آج تم نے اپنے مقابل کو زک دے ہی دی اپنی مونچھ اونچی کر ہی لی۔ وہ کتنے دن تمہارے ساتھ رہ سکتی ہے جب کہ اللہ کا پیارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اوپر لعنت کر رہا ہے۔ اللہ کا مقرب فرشتہ تمہاری ہلاکت کی بددعا دے رہا ہے۔ اللہ جل شانہٗ تمہیں اپنی مغفرت و رحمت سے نکال رہے ہیں اللہ کے واسطے سوچو اور بس کرو۔ صبح کا بھٹکا شام کو گھر آ جائے تو بھٹکا نہیں گیا۔ آج وقت ہے اور تلافی ممکن اور کل جب ایسے حاکم کی پیشی میں جانا ہے جہاں نہ عزت و وجاہت کی پوچھ نہ مال و متاع کا کام وہاں صرف تمہارے اعمال کی پوچھ ہے اور ہر حرکت لکھی لکھائی سامنے ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے حقوق میں درگزر فرماتے ہیں مگر بندوں کے آپس کے حقوق میں بغیر بدلہ دیئے نہیں چھوڑتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مفلس میری امت میں وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن نیک اعمال کے ساتھ آوے اور نماز روزہ صدقہ سب ہی کچھ لاوے لیکن کسی کو گالی دے رکھی ہے کسی کو تہمت لگا دی تھی کسی کو مار پیٹ کی تھی۔ پس یہ سب اس سے

دار آویں گے اور اس کے نیک اعمال میں سے ان حرکتوں کا بدلہ وصول کر لیں گے اور جب اس کے پاس نیک اعمال ختم ہو جاویں گے تو اپنی برائیاں اُن حرکتوں کے بدلہ میں اس پر ڈالتے رہیں گے اور پھر اس انبار کی بدولت وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور اپنی کثرتِ اعمال کے باوجود جو حسرت و یاس کا عالم ہوگا۔ وہ محتاجِ بیان نہیں۔

وہ مایوس تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے ۔ کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اس رسالہ میں چند مواقع مغفرت کے ذکر کئے گئے ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت سے امور ایسے ہیں کہ وہ مغفرت کے سبب ہوتے ہیں اور گناہ ان سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ جب ایک مرتبہ گناہ معاف ہو چکے تو اس کے بعد دوسری دفعہ مغفرت کے کیا معنی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اگر اس پر کوئی گناہ ہوتا ہے تو اس کو معاف کرتی ہے اور اگر اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا تو اس کے بقدر اس پر رحمت اور انعام کا اضافہ ہوتا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ سابقہ احادیث میں بھی بعض جگہ اور اس حدیث میں بھی حق تعالیٰ شانہ نے اپنی مغفرت فرمانے پر فرشتوں کو گواہ بنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کی عدالت کے معاملات ضابطہ پر رکھے گئے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ان کی تبلیغ کے بارے میں بھی گواہ طلب کئے جائیں گے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں میں بہت سے مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا لہٰذا تم گواہ رہو کہ میں پہنچا چکا ہوں۔ بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام قیامت کے دن بلائے جائیں گے اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے رسالت کا حق ادا کیا۔ ہمارے احکام پہنچائے۔ وہ عرض کریں گے کہ پہنچا دیئے تھے پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں احکام پہنچے تھے وہ کہیں گے مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ہمارے پاس نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ ڈرانے والا تو حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ اپنے گواہ پیش کرو۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو پیش کریں گے۔ اُمت محمدیہ بلائی جائے گی اور وہ گواہی دے گی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ان سے جرح کی جائے گی کہ تم کو کیا خبر کہ نوحؑ نے اپنی اُمت کو احکام پہنچائے یہ عرض کریں گے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سچی کتاب اتری اس میں خبر دی گئی اسی طرح اور انبیاءؑ کے ساتھ بھی پیش آئے گا اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قیامت میں گواہیاں چار طرح کی ہوں گی۔ ایک ملائکہ کی جس کے متعلق آیات ذیل میں تذکرہ ہے۔ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ دوسری گواہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ تیسری امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے وَجِاْىٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ۔ چوتھی آدمی کی اپنے اعضاء کی گواہی جس کے متعلق ارشاد ہے

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ الآیۃ اور يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا عن أقوالهم وحركاتهم الآیہ اختصار کے خیال سے ان آیات کا ترجمہ نہیں لکھا۔ سب آیات کا حاصل قیامت کے دن ان چیزوں کی گواہی دینے کا ذکر ہے جن کا بیان آیت کے شروع میں لکھ دیا گیا۔

چوتھا امر حدیث بالا میں یہ ارشاد مبارک ہے کہ میں تم کو کفار کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کروں گا۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا غایت درجہ کا لطف و کرم اور مسلمانوں کے حال پر غیرت ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں کے لئے یہ بھی لطف و انعام ہے کہ ان کوتاہیوں اور گناہوں سے وہاں بھی معافی اور پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ ایک مومن کو اپنے قریب بلا کر اس پر پردہ ڈال کر کہ کوئی ادھر نہ دیکھے اس کی کوتاہیوں اور گناہوں کو یاد دلا کر اس سے ہر ہر گناہ کا اقرار کرائیں گے اور وہ اپنے گناہوں کی کثرت اور اقرار پر یہ سمجھے گا کہ اب ہلاکت کا وقت قریب آ گیا تو ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تجھ پر ستاری فرمائی ہے تو آج بھی ان پر پردہ ہے اور معاف ہیں۔ اس کے بعد اس کے نیک اعمال کا دفتر اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

اور بھی سینکڑوں روایات سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں اس کے احکام کی پابندی کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کر دیا جاتا ہے اس لئے نہایت اہمیت کے ساتھ ایک مضمون سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ اللہ والوں کی کوتاہیوں پر ان کی غیبت میں مبتلا رہتے ہیں وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ کہیں قیامت میں ان کے نیک اعمال کی برکت سے ان کی لغزشیں تو معاف کر دی جائیں اور پردہ پوشی فرمائی جائے لیکن تم لوگوں کے اعمال نامے غیبت کا دفتر بن کر ہلاکت کا سبب بنیں اللہ جل شانہ اپنے لطف سے ہم سب سے درگذر فرماویں۔

پانچواں امر ضروری یہ ہے کہ حدیث بالا میں عید کی رات کو انعام کی رات سے پکارا گیا۔ اس رات میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اپنے بندوں کو انعام دیا جاتا ہے اس لئے بندوں کو بھی اس رات کی بے حد قدر کرنی چاہیے۔ بہت سے لوگ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا خواص بھی رمضان کے تھکے ماندے اس رات میں میٹھی نیند سوتے ہیں۔ حالانکہ یہ رات بھی خصوصیت سے عبادت میں مشغول رہنے کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت کر کے دونوں عیدوں میں جاگے (اور عبادت میں مشغول رہے) اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن سب کے دل مر جاویں گے (یعنی فتنہ و فساد کے وقت جب لوگوں کے قلوب پر مردنی چھاتی ہے۔ اس کا دل زندہ رہے گا اور ممکن ہے کہ صور پھونکے جانے کا دن مراد ہو کہ اس کی روح بے ہوش نہ ہوگی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص پانچ راتوں میں (عبادت کے لئے) جاگے۔ اس کے واسطے جنت واجب ہو جاوے گی۔ لیلۃ الترویہ (آٹھ ذی الحجہ کی رات) لیلۃ العرفہ (۹ ذی الحجہ کی رات) لیلۃ النحر (۱۰ ذی الحجہ کی رات) اور عید الفطر کی رات اور شب برات یعنی ۱۵ شعبان کی رات۔

فقہاء نے بھی عیدین کی رات میں جاگنا مستحب لکھا ہے۔ ماثبت بالسنۃ میں امام شافعی رحمہ اللہ صاحب سے نقل کیا ہے کہ پانچ راتیں دعا کی قبولیت کی ہیں۔ جمعہ کی رات عیدین کی راتیں غرہ رجب کی رات اور نصف شعبان کی رات۔

تنبیہ: بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک میں جمعہ کی رات کا بھی خصوصیت سے اہتمام چاہیے کہ جمعہ اور اس کی رات بہت متبرک اوقات ہیں۔ احادیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے مگر چونکہ بعض روایات میں جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ مخصوص کرنے کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ایک دو رات کو اس کے ساتھ اور بھی شامل کرلے۔

آخر میں ناظرین سے عاجزی سے درخواست ہے کہ رمضان المبارک کے مخصوص اوقات میں جب آپ اپنے لئے دُعا فرمائیں تو ایک گناہگار کو بھی شامل فرمائیں کیا بعید ہے کہ کریم آقا تمہاری مخلصانہ دُعا سے اس کو بھی اپنی رضا و محبت سے نواز دیں۔

گرچہ میں بدکار و نالائق ہوں اے شاہِ جہاں ... پر ترے در کو بتا اب چھوڑ کر جاؤں کہاں
کون ہے تیرے سوا مجھ بےنوا کے واسطے

کشمکش سے ناامیدی کی ہوا ہوں میں تباہ ... دیکھ مت میرے عمل ... کر لطف پر اپنے نگاہ
یارب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے

چرخِ عصیاں سر پہ ہے زیرِ قدم بحرِ الم ... چار سو ہے فوجِ غم ... کر جلد اب بہرِ کرم
کچھ رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے ... اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں ... نے امیری کی طلب ... نے عبادت نے ورع نے خواہشِ علم و ادب
درد دل ہر چاہیے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار ... کی عطا تُو نے مجھے ... پر اب تُو اے پروردگار
بخش وہ نعمت جو کام آئے سدا کے واسطے

حد سے ابتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا ... کر میری امداد اللہ ... وقت ہے امداد کا
اپنے لطف و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

گو میں ہوں اک بندہ عاصی غلامِ پُرقصور ... جرم میرا حوصلہ ہے ... نام تیرا ہے غفور
تیرا کہلاتا ہوں میں جیسا ہوں اے ربِ شکور ... انت شاف انت کاف فی مھمات الامور

انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل

شب قدر

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شب قدر کہلاتی ہے جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔ قرآن پاک میں اس کو ہزار مہینوں سے افضل بتلایا ہے۔ ہزار مہینے کے تراسی برس چار ماہ ہوتے ہیں خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے کہ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گذار دے اس نے گویا تراسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ کو عبادت میں گذار دیا اور اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔ اللہ جل شانہ کا حقیقۃً بہت ہی بڑا انعام ہے کہ قدر دانوں کے لئے یہ ایک بے نہایت نعمت مرحمت فرمائی۔

درمنثور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ شب قدر حق تعالیٰ جل شانہ نے میری اُمت کو مرحمت فرمائی ہے۔ پہلی اُمتوں کو نہیں ملی۔ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ اس انعام کا سبب کیا ہوا۔ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اُمتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت ہوئی ہیں اور آپ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن۔ اس سے اللہ کے لاڈلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہو جاویں اور ان کو عبادت میں گذار دے تو گویا آٹھ سو تینتیس ۸۳۳ برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گذار دیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا رہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر رشک آیا تو اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے اس کی تلافی کیلئے اس رات کا نزول فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار حضرات کا ذکر فرمایا حضرت ایوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت یوشعؑ کہ اسی ۸۰ اسی ۸۰ برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور سورۃ القدر سنائی۔ اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ اس قسم کے اختلاف روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو ہر واقعہ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ بہرحال سبب نزول جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن اُمت محمدیہ کے لئے یہ اللہ جل شانہ کا بہت ہی بڑا انعام ہے یہ رات بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے اور اس میں عمل بھی اسی کی توفیق سے میسر ہوتا ہے ورنہ۔

کس قدر قابل رشک ہیں وہ مشائخ جو فرماتے ہیں کہ بلوغ کے بعد سے مجھ سے شب قدر کی عبادت کبھی فوت نہیں ہوئی۔

البتہ اس رات کی تعیین میں علماء اُمت کے درمیان میں بہت ہی کچھ اختلاف ہے۔ تقریباً پچاس کے قریب اقوال ہیں سب کا احاطہ دشوار ہے البتہ مشہور اقوال کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔

کتب احادیث میں اس رات کی فضیلت مختلف انواع اور متعدد روایات سے وارد ہوئی ہے جن میں سے بعض کا ذکر آتا ہے مگر چونکہ اس رات کی فضیلت خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے اور مستقل ایک سورت اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اول اس سورہ شریفہ کی تفسیر لکھ دی جائے۔ ترجمہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تفسیر بیان القرآن سے ماخوذ ہے اور فوائد دوسری کتب سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ بے شک ہم نے قرآن پاک کو شب قدر میں اتارا ہے۔

فائدہ: یعنی قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اسی رات میں اترا ہے۔ یہی ایک بات اس رات کی فضیلت کیلئے کافی تھی کہ قرآن پاک جیسی عظمت والی چیز اس میں نازل ہوئی چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سے برکات وفضائل شامل ہو گئے ہوں۔ آگے زیادتی شوق کے لئے ارشاد فرماتے ہیں وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ آپ کو علم بھی ہے کہ شب قدر کیسی بڑی چیز ہے؟ یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے کہ کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں۔ اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنی ہزار مہینے تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی نہیں کہ کتنی زیادہ ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ اس رات میں فرشتے اترتے ہیں... علامہ رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ملائکہ نے جب ابتداء میں تجھے دیکھا تو تجھ سے نفرت ظاہر کی تھی اور بارگاہ عالی میں عرض کیا تھا ایسی چیز کو آپ پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں فساد کرے اور خون بہاوے اس کے بعد والدین نے جب تجھے اول دیکھا تھا جب کہ تو منی کا قطرہ تھا تو تجھ سے نفرت کی تھی۔ حتیٰ کہ کپڑے کو لگ جاتا تو کپڑے کو دھونے کی نوبت آتی۔ لیکن جب حق تعالیٰ شانہ نے اس قطرہ کو صورت مرحمت فرمادی تو والدین کو بھی شفقت اور پیار کی نوبت آئی اور آج جب کہ توفیق الٰہی سے تو شب قدر معرفت الٰہی اور طاعت ربانی میں مشغول ہے تو ملائکہ بھی اپنے اس فقرہ کی معذرت کرنے کیلئے اترتے ہیں۔

وَالرُّوحُ فِيهَا اور اس رات میں روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نازل ہوتے ہیں۔ روح کے معنی میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے جو اوپر لکھا گیا کہ اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ علامہ رازی نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت کی وجہ سے ملائکہ کے ذکر کے بعد خاص طور سے اُن کا ذکر فرمایا بعض کا قول ہے کہ روح سے مراد ایک بہت بڑا فرشتہ ہے کہ تمام آسمان وزمین اس کے سامنے ایک لقمہ کے بقدر ہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت ہے جو اور فرشتوں کو بھی صرف لیلۃ القدر ہی میں نظر آتے ہیں۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اللہ کی کوئی مخصوص مخلوق ہے جو کھاتے پیتے ہیں مگر نہ فرشتے ہیں نہ انسان۔ پانچواں یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو نسبت قدسیہ کے کارنامے دیکھنے کیلئے ملائکہ کے ساتھ اترتے ہیں۔

چھٹا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے یعنی اس رات میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان کے بعد میری رحمت خاص نازل ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی چند اقوال ہیں مگر مشہور قول پہلا ہی ہے۔ سنن بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ اترتے ہیں اور جس شخص کو ذکر وغیرہ میں۔۔۔ مشغول دیکھتے ہیں اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں۔ مظاہر حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور اسی رات میں آدم کا مادہ جمع ہونا شروع ہوا۔ اسی رات میں جنت میں درخت لگائے گئے اور دعا وغیرہ کا قبول ہونا تو بکثرت روایات میں وارد ہے۔ درمنثور کی ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔

سَلَامٌ وہ رات سراپا سلام ہے یعنی تمام رات ملائکہ کی طرف سے مومنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فوج آتی ہے دوسری جاتی ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ رات سراپا سلامتی ہے شرور فساد وغیرہ سے امن ہے۔

وہ رات (انہی برکات کے ساتھ) طلوع فجر تک رہتی ہے۔ یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو اور کسی میں نہ ہو بلکہ صبح ہونے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے۔ اس سورۂ شریفہ کے ذکر کے بعد کہ خود اللہ جل جلالہ کے کلام پاک میں اس رات کی کئی نوع کی فضیلتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ احادیث کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی لیکن احادیث میں بھی اس کی فضیلت بکثرت وارد ہوئی ہے۔ ان میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

تمام صغیرہ گناہوں کی معافی

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (کذا فی الترغیب عن البخاری ومسلم)

فائدہ کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی اور عبادت تلاوت اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہو اور ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریا وغیرہ کسی بدنیتی سے کھڑا نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے کھڑا ہو۔ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کر کے بشاشت قلب سے کھڑا ہو۔ بوجھ سمجھ کر بددلی کے ساتھ نہیں اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جس قدر ثواب کا یقین اور اعتقاد زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی عبادت میں مشقت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قرب الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

نیز یہ معلوم ہو جانا بھی ضروری ہے کہ حدیث بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں سے مراد علماء کے نزدیک صغیرہ گناہ

ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن پاک میں جہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر آتا ہے اُن کو اِلَّا مَنْ تَابَ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی بناء پر علماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔۔ پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے علماء اس کو صغائر کے ساتھ مقید فرمایا کرتے ہیں میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ احادیث میں صغائر کی قید دو وجہ سے مذکور نہیں ہوتی۔ اول تو یہ کہ مسلمان کی شان یہ ہے ہی نہیں کہ اس کے ذمہ کبیرہ گناہ ہو کیونکہ جب کبیرہ گناہ اس سے صادر ہو جاتا ہے تو مسلمان کی اصل شان یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک چین ہی نہ آوے جب تک کہ اس گناہ سے توبہ نہ کر لے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اس قسم کے موقع ہوتے ہیں مثلاً لیلۃ القدر ہی میں جب کوئی شخص بامید ثواب عبادت کرتا ہے تو اپنی بداعمالیوں پر ندامت اس کیلئے گویا لازم ہے اور ہو ہی جاتی ہے اس لئے توبہ کا وقوع ہونا خود بخود ہو جاتا ہے کہ توبہ کی حقیقت گذشتہ پر ندامت اور آئندہ کو نہ کرنے کا عزم ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کبائر کا مرتکب بھی ہو تو اس کیلئے ضروری ہے کہ لیلۃ القدر ہو یا کوئی اور اجابت کا موقعہ ہو اپنی بداعمالیوں سے سچے دل سے پکی کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کر لے تا کہ اللہ کی رحمت کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ کبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہو جاویں اور یاد آ جاوے تو اس سیہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد فرمالیں۔

شب قدر کا محروم ہر خیر سے محروم ہے

عن انس رضی اللہ عنہ قال دخل رمضان فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا الشھر قد حضرکم وفیہ لیلۃ خیر من الف شھر من حرمھا فقد حرم الخیر کلہ ولا یحرم خیرھا الا محروم

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جسمیں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا ساری ہی خیر سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقۃً محروم ہی ہے۔۔۔(رواہ ابن ماجہ واسنادہ حسن ان شاء اللہ کذا فی الترغیب وفی المشکوۃ عنہ الا کل محروم)

فائدہ: حقیقۃً اس کی محرومی میں کیا تامل ہے جو اس قدر بڑی نعمت کو ہاتھ سے کھو دے۔ ریلوے ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات رات بھر جاگتے ہیں اگر اسی ۸۰ برس کی عبادت کی خاطر کوئی ایک مہینہ تک رات میں جاگ لے تو کیا دقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ دل میں تڑپ ہی نہیں اور اگر ذرا سا چسکہ پڑ جائے تو پھر ایک رات کیا سینکڑوں راتیں جاگی جا سکتی ہیں۔

اُلفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

آخر کوئی بات تو تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ساری بشارتوں اور وعدوں کے جن کا آپ کو یقین تھا پھر اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں ورم کر جاتے تھے۔ انہی کے نام لیوا اور اُمتی آخر ہم بھی کہلاتے ہیں ہاں جن لوگوں نے ان امور کی قدر کی وہ سب کچھ کر گئے اور نمونہ بن کر امت کو دکھلا گئے کہنے والوں کو یہ موقعہ بھی نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حرص کون کر سکتا ہے اور کس سے ہو سکتی ہے۔ دل میں چاہ ہونے کی بات ہے کہ چاہنے والے کے لئے دودھ کی نہر پہاڑ سے کھودنی بھی مشکل نہیں ہوتی۔ مگر یہ بات کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بغیر مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینہ میں

آخر کیا بات تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے اور صبح تک نماز میں گذار دیتے تھے... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نماز میں گذار دیتے... صرف رات کے اول حصہ میں تھوڑا سا سوتے تھے۔ رات کی ایک ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔

شرح احیاء میں ابو طالب رحمہ اللہ مکی سے نقل کیا ہے کہ چالیس تابعین سے بطریق تواتر یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے نماز صبح پڑھتے تھے۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ رات کو لیٹتے اور تمام رات کروٹیں بدل کر صبح کر دیتے اور کہتے یا اللہ آگ کے ڈر نے میری نیند اڑا دی۔ اسود بن یزید رحمہ اللہ رمضان میں مغرب عشاء کے درمیان تھوڑی دیر سوتے اور بس۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے متعلق منقول ہے کہ پچاس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ صلہ بن اشیم رحمہ اللہ رات بھر نماز پڑھتے اور صبح کو یہ دعا کرتے کہ یا اللہ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ جنت مانگوں صرف اتنی درخواست ہے کہ آگ سے بچا دیجیو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تمام رمضان تو ہر تین رات میں ایک ختم فرماتے مگر عشرہ اخیر میں ہر رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور و معروف ہے کہ اس سے انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹاتا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ قوت کس طرح حاصل ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے ناموں کے طفیل ایک مخصوص طریق پر دعا کی تھی صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سوتے اور فرماتے کہ حدیث میں قیلولہ کا ارشاد ہے گویا دوپہر کے سونے میں بھی اتباع سنت کا ارادہ ہوتا۔ قرآن شریف پڑھتے ہوئے اتنا روتے کہ پڑوسیوں کو ترس آنے لگتا تھا... ایک مرتبہ ساری رات اس آیت کو پڑھتے اور روتے گذار دی بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ الخ (سورہ قمر رکوع ۳) ابراہیم رحمہ اللہ بن ادہم رمضان المبارک میں نہ تو دن کو سوتے نہ رات کو امام شافعی رحمہ اللہ رمضان المبارک میں دن رات کی نمازوں میں ساٹھ قرآن شریف ختم کرتے اور ان کے علاوہ سینکڑوں کے واقعات ہیں جنہوں نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ پر عمل کر کے بتلا دیا کہ کرنے والے کیلئے کچھ مشکل نہیں یہ سلف کے واقعات ہیں۔ اب بھی کرنے والے موجود ہیں اس درجہ کا مجاہدہ نہ سہی مگر اپنے زمانہ کے موافق اپنی طاقت و قدرت کے موافق نمونہ سلف اب بھی موجود ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اقتدا کرنے والے اس دور فساد میں بھی موجود ہیں۔ نہ راحت و آرام انہماک عبادت سے مانع ہوتا ہے نہ دنیوی مشاغل سد راہ ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔ اے ابن آدم تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو بند کر دوں گا ورنہ تیرے سینے کو مشاغل سے بھر دوں گا اور فقر زائل نہیں ہوگا روزمرہ کے مشاہدات اس سچے ارشاد کے شاہد عدل ہیں۔

❁❁❁

نفلی روزے

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور کورس تو اسلام کا رکن اور گویا شرط لازم قرار دی گئی ہے جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی اور وہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعت اسلام میں روحانی تربیت اور تزکیہ کے لیے اور اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لیے دوسری نفلی عبادات کی طرح نفلی روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے اور بعض خاص دنوں اور تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان فرما کے ان کے روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبانی تعلیم و تلقین کے علاوہ اپنے عمل سے بھی اُمت کو ان نفلی روزوں کی ترغیب دیتے تھے لیکن اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بھی پوری احتیاط فرماتے تھے کہ نفلی روزوں میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں بلکہ حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو فرائض کی طرح ادا کریں اور نوافل کو نوافل کے درجے میں رکھیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِىْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِىْ شَعْبَانَ. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور (نفلی روزوں کے بارے میں) یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھی) مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کرتے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ہمیشہ روزے ہی رکھیں گے اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے۔ یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلا روزے کے ہی رہا کریں گے..... اور فرماتی ہیں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ..... میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں (اس حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے (تقریباً) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:..... حدیث کے پہلے جز کا مطلب تو یہ ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لگا بندھا دستور و معمول نہیں تھا بلکہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل بلاناغہ روزے رکھتے تھے اور کبھی مسلسل بغیر روزے کے رہتے تھے مقصد یہ تھا کہ اُمت کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مشکل اور تنگی نہ ہو بلکہ وسعت کا راستہ کھلا

رہے اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی رویہ کی پیروی کر سکے۔ دوسرے ح کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے فرض کیے ہیں) ہاں شعبان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ روزے رکھتے ہوں بلکہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ قریب قریب پورے مہینے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بہت کم دن ناغہ فرماتے تھے۔

ماہ شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی سبب اور کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی مہینے میں بارگاہ الٰہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں بہت زیادہ روزے اس لیے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالہ کی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیئے جا رہے ہوں تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہوگا اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے اور اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ نفلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آرہی ہے اس کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں اور نفلوں کو فرضوں سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

شوال کے چھ روزے

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ (رواه مسلم)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:.. رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون "الحسنة بعشر امثالها" (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں۔ پس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ پس اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

ہر مہینہ میں تین نفلی روزے کافی ہیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَاقْرَءِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّي أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صِيَامَ يَوْمٍ وَإِفْطَارَ يَوْمٍ وَاقْرَأْ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو (کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟) میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ طریقہ چھوڑ دو روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ جسم پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالو اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے نہ کرو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (کہ تم اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے (تم کو یہ نہیں کہ ان کی حق تلفی کر کے) اللہ کی عبادت کرو۔ سنو! جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں، ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے اس لیے تم ہر مہینے بس تین روزے رکھ لیا کرو اور مہینے میں ایک قرآن (تہجد میں) ختم کر لیا کرو۔ (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لیے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمائیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر تم داؤد علیہ السلام کے روزوں کا طریقہ اختیار کر لو اور وہ یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (یعنی روزہ کا ناغہ اور تہجد میں سات راتوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو اور اس سے زیادہ نہ کرو) ... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ... عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوق عبادت بہت بڑھا ہوا تھا، وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نوافل پڑھتے اور اس میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ ہدایت فرمائی جو حدیث میں مذکور ہوئی اور اس کی عبادت میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم پر اپنے جسم و جان اور اپنے اہل تعلق کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی بھی رعایت اور ادائیگی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں مہینے میں تین نفلی روزے رکھنے اور تہجد میں پورے مہینے میں ایک قرآن

پڑھنے کے لیے فرمایا اور جب انہوں نے عرض کیا کہ میں آسانی اس سے زیادہ کر سکتا ہوں لہٰذا کچھ زیادہ کی مجھے اجازت دے دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صوم داؤدی (یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) اور ہفتہ میں ایک قرآن مجید رات کے نوافل میں پورا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس سے زیادہ کے لیے منع فرما دیا ... لیکن اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کا منشاء یہ نہیں تھا کہ زیادہ عبادت کرنا کوئی بری بات ہے بلکہ یہ ممانعت بربنائے شفقت تھی (جس طرح چھوٹے بچوں کو زیادہ بوجھ اٹھانے سے منع کیا جاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مہینہ میں صرف تین روزوں کے بجائے صوم داؤدی یعنی ۱۵ دن روزہ اور ۱۵ دن افطار کی اور مہینہ میں قرآن ختم کرنے کے بجائے ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دے دی بلکہ ترمذی کی روایت کے مطابق بعد میں صرف پانچ دن میں قرآن مجید ختم کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ اور بعض صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن میں قرآن ختم کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ تَصُومُ؟ فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ غَضَبَهُ قَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتَّى سَكَنَ غَضَبُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ قَالَ لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ أَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَيُطِيقُ ذٰلِكَ أَحَدٌ؟ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذٰلِكَ صَوْمُ دَاوُدَ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُ أَنِّي طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَصِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزے رکھنے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا معمول و دستور ہے؟) اس کے اس سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی (یعنی چہرۂ مبارک پر غصہ اور برہمی کے آثار ظاہر ہوئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو حاضر تھے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری کی کیفیت کو محسوس کیا تو کہا:

رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ

(ہم راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر، اللہ کی پناہ اس کی ناراضی سے اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضی سے)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار اپنی یہی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک

میں جو ناگواری پیدا ہوگئی تھی اس کا اثر زائل ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ بلاناغہ روزے رکھے اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اور اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یعنی بغیر روزے کے رہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا کسی میں اس کی طاقت ہے؟ (یعنی یہ بہت مشکل ہے ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس لیے اس کا ارادہ نہ کرنا چاہیے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے: جو ہمیشہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن ناغہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صوم داؤد ہے (یعنی حضرت داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے غیر معمولی جسمانی قوت بخشی تھی ان کا معمول یہی تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن ناغہ کرے؟ اور اس طرح اوسطاً ہر مہینے میں دس دن روزے رکھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت عطا فرمائی جائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر مہینے کے تین نفلی روزے اور رمضان تا رمضان یہ (اجر و ثواب کے لحاظ سے) ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے (لہٰذا جو صوم دہر کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اسی کو اپنا معمول بنا لے) اور یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کرم سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی اور بعد کے سال کی (یعنی اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی گندگیاں دھل جائیں) اور یوم عاشورہ (۱۰ محرم) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کا اصل مفہوم و مقصد تو ظاہر ہے لیکن چند ضمنی باتیں وضاحت طلب ہیں ان ہی کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث کے بالکل شروع میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزوں کے بارے میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور طریقہ کیا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سوال پر ناراضی اور ناگواری ہوئی ..... یہ ناراضی اور ناگواری ایسی ہی تھی جیسی شفیق استاذ اور مربی کو کسی شاگرد اور زیر تربیت طالب وہ مرید کے غلط اور نامناسب سوال سے ہوتی ہے۔ سوال کرنے والے کو اصل بات دریافت کرنی چاہیے تھی یعنی یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ میرے لیے نفلی روزوں کے بارے میں کیا طرز عمل مناسب ہے؟ اس نے بجائے اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول دریافت کیا تھا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے بہت سے شعبوں میں ان بہت سے اسباب کی بنا پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت اور مصالح امت سے تعلق رکھتے تھے ایسا طرز عمل بھی اختیار کرتے تھے جس کی تقلید ہر ایک کے لیے مناسب نہیں ہے اس لیے سائل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول دریافت کرنے کے بجائے اصل مسئلہ دریافت کرنا چاہیے تھا۔ استاذ اور مربی کی اس طرح کی ناگواری بھی دراصل تربیت ہی کا ایک جز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری کو محسوس کر کے مسلمانوں کی طرف سے عرض کیا:

"رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفلی روزوں ہی کے بارے میں صحیح طریقے پر سوالات کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔

جو شخص ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ "لا صام ولا افطر" (نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا) اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلط ہے نہ صوم ہے نہ افطار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوالات کے جوابات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے جو مزید فرمایا؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے باب میں عام مسلمین کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ وہ رمضان کے فرض روزے رکھا کریں اور اس کے علاوہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھ لیا کریں جو "الحسنة بعشر امثالها" کے حساب سے ثواب میں تیس روزوں کے برابر ہوں گے اور اس طرح ان کو صوم دہر کا ثواب مل جائے گا۔ ۔ ۔ مزید نفع مندی اور ترقی کے لیے یوم عرفہ اور یوم عاشورہ کے دو روزے بھی رکھ لیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ رب کریم کے کرم سے مجھے امید ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال پہلے اور سال بعد کی خطا کاریوں کا اور یوم عاشورہ کا روزہ پچھلے سال کی غلط کاریوں کا کفارہ بن جائے گا۔

واضح رہے کہ عرفہ کے دن جو دراصل حج کا دن ہے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب غیر حاجیوں کے لیے ہے حاجیوں کی اس دن کی خاص الخاص اور مقبول ترین عبادت میدان عرفات کا وقوف ہے جس کے لیے ظہر وعصر کی نماز مختصر اور ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم ہے اور ظہر کی سنتیں بھی اس دن چھوڑ دینے کا حکم ہے اگر حاجی لوگ اس دن روزہ رکھیں گے تو ان کے لیے عرفات میں وقوف اور آفتاب غروب ہوتے ہی مزدلفہ کو چل دینا مشکل ہوگا اس لیے حاجیوں کے لیے عرفہ کے دن روزہ رکھنا پسندیدہ نہیں ہے (بلکہ ایک حدیث میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم امت کو دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن ٹھیک اس وقت جب کہ آپ میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے اور وقوف فرما رہے تھے سب کے سامنے دودھ نوش فرمایا تاکہ سب دیکھ لیں کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے نہیں ہیں۔

غیر حاجیوں کے لیے یوم عرفہ کا روزہ دراصل اس دن کی ان رحمتوں اور برکتوں میں شریک اور حصہ دار ہونے ہی کے لیے ہے جو عرفات میں حجاج پر نازل ہوتی ہیں اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے جو صاحب ایمان بندے حج میں شریک نہیں ہیں وہ اس پورے دن میں روزہ رکھ کر اس دن کی خاص الخاص رحمتوں اور برکتوں میں کسی درجے کا حصہ لے لیں۔ اسی طرح یوم النحر یعنی بقر عید کے دن غیر حاجیوں کو قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا راز بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم

یوم عاشورہ کا روزہ نفلی روزوں میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے وہی فرض تھا۔ جب رمضان المبارک کے روزے فرض کیے گئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور صرف نفلی درجہ رہ گیا۔

ہر ماہ تین روزوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ أَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صِيَامَ عَاشُورَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ. (رواه النسائى)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں چھوڑتے تھے (۱) عاشورہ کا روزہ (۲) عشرہ ذی الحجہ (یعنی یکم ذی الحجہ سے یوم العرفہ نویں ذی الحجہ تک) کے روزے (۳) ہر مہینے کے تین روزے (۴) اور قبل فجر کی دو رکعتیں (سنن نسائی)

تشریح: ..... مطلب یہ ہے کہ یہ چار چیزیں اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اتنا اہتمام اور ایسی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی یہ چیزیں ترک نہیں ہوتی تھیں۔

عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ أَنَّهَا قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ أَيِّ أَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُومُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِي مِنْ أَيِّ أَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُومُ. (رواه مسلم)

معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔ معاذہ نے پوچھا کہ مہینے کے کس حصے میں (اور کن تاریخوں میں) رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینے کے کس حصے میں رکھیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ..... بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں روزے رکھنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرہویں، چودھویں اور پندرھویں کا اور بعض روایات میں ہفتہ کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا ان میں سے کوئی بھی آپ کا دوامی معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی مناسب نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ روزے رکھنا امت کے مختلف الاحوال لوگوں کے لیے باعث زحمت ہوتا اور اس سے یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اس طرح کی مصلحتوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کی ترغیب دیتے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

ایام بیض

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةً

اَیَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ وَاَرْبَعَ عَشَرَةَ وَخَمْسَ عَشَرَةَ. (رواه الترمذى والنسائى)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرہویں چودھویں پندرھویں کے روزے رکھا کرو۔ (جامع ترمذی سنن نسائی)

(قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی)

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا اَنْ نَصُوْمَ الْبِيْضَ ثَلٰثَ عَشَرَةَ وَاَرْبَعَ عَشَرَةَ وَخَمْسَ عَشَرَةَ وَقَالَ هُوَ كَهَيْئَةِ الدَّهْرِ. (رواه ابو داؤد والنسائى)

حضرت قتادہ بن ملحان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو روزہ رکھا کریں اور فرماتے تھے کہ مہینے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح:... یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں ان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ "الحسنة بعشر امثالها" کے کریمانہ قانون کے حساب سے مہینے کے تیس دن یعنی ہمیشہ روزے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ روزے تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو رکھے جائیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہم دینی مصالح کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا، ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت

ماقبل میں جو حدیثیں ہر مہینہ میں تین دن کے نفلی روزوں کے بارے میں درج ہوئیں ان میں سے بھی بعض یوم عاشورہ کے روزے کی فضیلت اور اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اہتمام و پابندی کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ جن سے اس دن کی خصوصیت اور تاریخی اہمیت بھی معلوم ہوگی۔ اسی کے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو یوم عاشورہ (۱۰) محرم کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے؟ (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے؟) کہ تم اس کو روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ..... اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اسی بناء پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بناء پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے ...... پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ یہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا کہ حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا اور سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ داروں کی طرح رہیں ..... ان حدیثوں کی بناء پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشورہ کا روزہ واجب تھا بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

ارشاد بھی اوپر گزر چکا ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہو جائے گی۔" اور صوم یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ مبارک رمضان کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ۔۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ میں روزہ رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنا لیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہو گئی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ۔۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی تھی کہ پہلے اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں اور اس لیے اس نئے فیصلے پر عمل درآمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں نہیں ہو سکا لیکن امت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہیے چنانچہ اسی مقصد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طے فرمایا کہ ان شاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کو روزہ رکھنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھا کریں گے اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے اور اسی طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرز عمل میں فرق ہو جائے گا۔۔۔ اکثر

علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشوراء کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکے تو اس کے بعد کے دن گیارہویں کو رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشوراء (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا۔ لہٰذا فی زمانہ رفع تشابہ کے لیے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ۔ (رواه الترمذى)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (جامع ترمذی)

فائدہ۔۔ بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور ثمرہ ان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا ہو جس طرح اس حدیث میں عرفہ کے روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے" اس میں شک کی بنیاد ارحم الراحمین کی رحمت و کرم کی وسعت سے ناآشنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے، بس ان کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمادے۔ سال کی ایک رات "لیلۃ القدر" کو اس نے "خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ" ہزار مہینوں یعنی تقریباً تیس ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ یہ اس کی کریمی ہے۔ الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے وساوس مومن کو نہ ہونے چاہئیں۔

خاص دنوں میں نفلی روزے

جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لیے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ يَوْمِ الْإِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ۔ (رواه مسلم)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن ہے۔ اسی دن میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا۔ پھر اس دن کے روزے کا کیا پوچھنا۔۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک محرک تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں

ذکر آیا تھی پر کہ "اس دن اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس پیشی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں۔"
اور دوسرا محرک اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی و نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لیے بھی نعمت اور رحمت ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِىْ وَلَا تَخُصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فِىْ صَوْمٍ يَصُوْمُهُ اَحَدُكُمْ (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لیے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزے کے لیے مخصوص نہ کرو، الا یہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑ جائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض و واجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض و واجب کا سا معاملہ ہونے لگے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمائی۔ اس کے علاوہ اس ممانعت کے علمائے کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں۔ بہرحال یہ ممانعت انتظامی ہے اور منشاء یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک لازمہ رسم نہ بن جائے۔ واللہ اعلم

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثُّلَاثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ (رواه الترمذى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں سنیچر اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینہ میں منگل بدھ اور جمعرات کا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی روایت سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مہینے کے تین روزوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لگا بندھا معمول نہیں تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک مہینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ہفتہ کے پہلے تین دنوں سنیچر اتوار پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے مہینہ میں بعد والے تین دنوں منگل بدھ اور جمعرات (اور جمعہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان گزر ہی چکا کہ آپ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے) گویا علاوہ ان مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے۔ آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑ جائے تا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بنائے ہوئے ساتوں دن مبارک اور عبادت کے دن ہیں۔

نفلی روزے اور ان کے احکام

سال میں بعض مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم مطلق ہے اس نے نماز کو تقسیم

عبادت بھی قرار دیا اور بعض خاص اوقات میں (مثلاً طلوع و غروب اور استواء کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرما دی۔ اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کر دیا۔ یہ بات حاکم مطلق کی شان حاکمیت کے عین مطابق ہے اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری ہے۔

عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللَّهِ. (رواہ مسلم)

نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح:.... یوم النحر کا روزہ اس لیے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی ضیافت سمجھ کر اور اس کے در کے فقیر بن کر شکر کے ساتھ کھائیں اور وہ بندہ بلاشبہ بڑا متکبر اور کافر نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی عام ضیافت کے دن دانستہ روزہ رکھ لے اور چونکہ ذی الحجہ کی گیارہویں اور بارہویں بھی قربانی کے دن ہیں' اس لیے ان کا حکم بھی یہی ہے۔ اور نبیشہ ہذلی کی حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے یعنی اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ ذی الحجہ بھی شامل ہے اس لیے ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک پانچوں دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادت نہیں بلکہ معصیت ہوگا۔

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذر شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے لیکن نفلی روزہ رکھنے والا اگر چاہے تو توڑ بھی سکتا ہے اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گنہگار بھی نہیں ہوگا۔... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِينِيهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہارے ہاں کھانے کے لیے اس وقت کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں پھر ایک اور دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ آج ہمارے ہاں حیس (خرما اور گھی کا ملیدہ) ہدیہ آیا ہے اس کو نوش فرما لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دکھاؤ ہم نے آج روزے کی نیت کر لی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے نوش فرمایا اور روزہ نہیں رکھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:.... اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے۔ اور دوسری یہ کہ نفلی روزے کی نیت کر لینے کے بعد اگر ارادہ بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جاسکتا ہے۔ اگلی حدیثوں سے یہ

بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہوگی۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلَى يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِيْنِهِ فَجَاءَتِ الْوَلِيْدَةُ بِإِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ أُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا. (رواه ابو داؤد والترمذی والدارمی)

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد (جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی جانب تھیں کہ ایک بچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کیلئے کوئی مشروب لے کر آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ پی لیا اور پھر ام ہانی رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے پی لیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں روزے سے تھی اور میں نے یہ پی کر روزہ توڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس روزے کے ذریعے کسی فرض یا واجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں (بلکہ صرف نفلی روزہ تھا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نفلی تھا تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

تشریح: ... اس حدیث میں تصریح ہے کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: "الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِيْرُ نَفْسِهِ إِنْ شَاءَ صَامَ وَإِنْ شَاءَ أَفْطَرَ" (یعنی نفل روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے)۔ اس حدیث یا دونوں حدیثوں سے یہ تو معلوم ہوتا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا رکھنے کا بھی حکم ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفلی روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا جس کو کھانے کا ہمارا جی چاہا اور ہم نے اس کو کھا لیا۔ پھر حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم دونوں روزے سے تھیں، ہمارے سامنے کھانا آیا جس کو کھانے کے لیے ہمارا جی چاہا تو ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا (اور روزہ توڑ دیا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہیے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے۔

کِتَابُ الْحَجِّ

حج بیت اللہ

عن عائشۃ رضی اللہ عنہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الطواف بالبیت وبین الصفا والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کے گرد پھرنا۔ اور صفا مروہ کے درمیان پھیرے کرنا۔ اور کنکریوں کا مارنا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی یاد کے قائم کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ (…)

تشریح: یعنی کوتاہ ہر والوں کو تعجب ہو سکتا ہے کہ اس گھومنے دوڑنے کنکریاں مارنے میں عقلی مصلحت کیا ہے؟ مگر تم مصلحت مت ڈھونڈو، یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس کے کرنے سے اس کی یاد ہوتی ہے اور اس سے علاقہ بڑھتا ہے اور محبت کا امتحان ہوتا ہے کہ جو بات عقل میں بھی نہیں آئی حکم سمجھ کر اس کو بھی مان لیا پھر محبوب کے گھر کے گلی میں قربان ہونا اس کے کوچہ میں دوڑے دوڑے پھرنا کھلم کھلا عاشقانہ حرکات ہیں۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ (اب طواف میں) شانے ہلاتے ہوئے دوڑنا اور شانوں کو چادر سے باہر نکال لینا کس وجہ سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو (مکہ میں) قوت دے دی اور کفر کو اور کفر والوں کو مٹا دیا (اور یہ فعل شروع ہوا تھا ان ہی کو اپنی قوت دکھلانے کے لیے جیسا روایات میں آیا ہے) اور باوجود اس کے (کہ اب مصلحت نہیں رہی مگر) ہم اس فعل کو نہ چھوڑیں گے جس کو ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں (آپ کے اتباع اور حکم سے کرتے تھے) کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر حجۃ الوداع میں عمل فرمایا جب کہ مکہ میں ایک بھی کافر نہ تھا۔ (…)

فائدہ: اگر حج میں عاشقی کا رنگ غالب نہ ہوتا تو جب عقلی ضرورت ختم ہو گئی تھی یہ فعل بھی موقوف کر دیا جاتا۔

حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجر اسود کی طرف آئے اور اس کو بوسہ دیا اور فرمایا میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ (کسی کو) نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ تجھ کو بوسہ دیتے تھے تو میں (بھی) تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد باب تقبیل الحجر)

فائدہ: محبوب کے علاقہ کی چیز کو چومنے کا سبب بجز عشق کے اور کون سی مصلحت ہو سکتی ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اپنے اس قول سے یہ بات ظاہر کردی کہ مسلمان حجر اسود کو معبود نہیں سمجھتے کیونکہ معبود تو وہی ہوتا ہے جو نفع وضرر کا مالک ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجر اسود کی طرف رخ کیا پھر اس پر اپنے دونوں لب (مبارک) رکھ دیئے پھر بڑی دیر تک روتے رہے پھر جو نگاہ پھیری تو دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رو رہے ہیں آپ نے فرمایا اے عمر! اس مقام پر آنسو بہائے جاتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: محبوب کی نشانی کو پیار کرتے ہوئے رونا صرف عشق سے ہوسکتا ہے۔ خوف وغیرہ سے نہیں ہوسکتا اور افعال عاشقانہ تو ارادہ سے بھی ہوسکتے ہیں مگر رونا بدوں جوش کے ہو نہیں سکتا۔ پس حج کا تعلق عشق سے اس حدیث سے اور زیادہ ثابت ہوتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک لمبی حدیث) میں فرمایا کہ جب عرفہ کا دن ہوتا ہے (جس میں حاجی لوگ عرفات میں ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان لوگوں پر فخر کے ساتھ فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس دور دراز راستہ سے اس حالت میں آئے ہیں کہ پریشان بال ہیں اور غبار آلود بدن ہے اور دھوپ میں جل رہے ہیں میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ (بیہقی وابن خزیمہ)

فائدہ: اس صورت کا عاشقانہ ہونا ظاہر ہے اور فخر کے ساتھ اس کا ذکر فرمانا اس عاشقانہ صورت کے پیاری ہونے کو بتلا رہا ہے۔ یہ چند حدیثیں حج میں عاشق کی شان ہونے کی تائید میں بطور نمونہ کے لکھ دی گئیں ورنہ حج کے سارے افعال کھلم کھلا اسی عاشقانہ رنگ کے ہیں یعنی مزدلفہ عرفات کے پہاڑوں میں پھرنا، لبیک کہنے میں چیخنا پکارنا، ننگے سر پھرنا، اپنی زندگی کو موت کی شکل بنا لینا یعنی مردوں کا سا لباس پہننا، ناخن بال تک نہ کٹانا، جوں تک کو نہ مارنا جس سے دیوانوں کی سی صورت بھی ہو جاتی ہے۔ سر منڈانا کسی جانور کا شکار نہ کرنا حرم کی حد کے اندر درخت تو کیا گھاس تک نہ توڑنا جس میں کوچۂ محبوب کا ادب بھی ہے۔ یہ کام عقلوں کے ہیں یا عاشقوں کے؟ اور ان میں بعض افعال جو عورتوں کے لیے نہیں ہیں اس میں ایک خاص وجہ ہے یعنی پردہ کی مصلحت اور خانہ کعبہ کے گرد گھومنا اور صفا مروہ کے بیچ میں دوڑنا اور منیٰ میں نشانوں پر کنکر پتھر مارنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا اور زار زار رونا اور خاک آلود دھوپ میں جلتے ہوئے عرفات میں حاضر ہونا۔ ان کے عاشقانہ افعال ہونے کا ذکر اوپر حدیثوں میں آچکا ہے اور جس طرح حج میں عشق ومحبت کا رنگ ہے اس کے ادا کا جس مقام سے تعلق ہے یعنی مکہ معظمہ اس کے تعلقات کے بیان میں بھی محبت کی شان رکھی گئی ہے جس سے حج کا وہ رنگ اور تیز ہو جائے۔ چنانچہ آیت میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب آباد کرتا ہوں آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردیجئے۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۳۷)

فائدہ: اس دعا کا وہ اثر آنکھوں سے نظر آتا ہے جس کو ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے۔

کوئی مومن ایسا نہیں جس کا دل کعبہ کی محبت میں پھنسا ہوا نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ دیتے کہ "لوگوں کے قلوب" تو یہود ونصاریٰ کی وہاں بھیڑ ہو جاتی لیکن انہوں نے اہل ایمان کو خاص کر دیا ("کچھ" لوگوں کے قلوب کہہ دیا) (تفسیر درمنثور) اور حدیث میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ہجرت کے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کرکے) فرمایا تو کیسا کچھ ستھرا شہر ہے اور میرا کیسا کچھ محبوب ہے اور اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے جدا نہ کرتی تو میں اور جگہ جا کر نہ رہتا۔ (معین مشکوۃ از ترمذی)

فائدہ: اور جب ہر مومن کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے تو آپ کے محبوب شہر یعنی مکہ معظمہ سے بھی ضرور محبت ہوگی تو مکہ سے محبت دو وجہوں کی دعا کا اثر ہوا یعنی حج کی اور مقدم کی دینی فضیلت تھی جو کہ اصلی فضیلت ہے اور بعض دنیوی مصلحتیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہیں گو حج میں ان کی نیت نہ ہونی چاہیے مگر وہ خود حاصل ہوتی ہیں چنانچہ آگے دو آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے۔

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مقام ہے لوگوں کی مصلحت قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا الخ (مائدہ آیت ۹۷)

فائدہ: مصلحت عام لفظ ہے سو کعبہ کی دینی مصلحتیں تو ظاہر ہیں اور دنیوی مصلحتیں بعضی یہ ہیں۔ اس کا جائے امن ہونا، وہاں ہر سال مجمع ہونا جس میں مالی ترقی اور قومی اتحاد بہت سہولت سے میسر ہو سکتا ہے اور اس کے بقا تک عالم کا باقی رہنا حتیٰ کہ جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے قریب ہی قیامت آ جاوے گی جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (بیان القرآن بعد)

حضرت ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے (کذا فی الروح بیان القرآن) اور حج کے رنگ کی ایک دوسری عبادت اور بھی ہے یعنی عمرہ جو کہ سنت مؤکدہ ہے جس کی حقیقت حج ہی کے بعضے عاشقانہ افعال ہیں۔ اسی لیے اس کا لقب حج اصغر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ (معین در منثور عن ابن ابی شیبہ) مگر یہ حج کے زمانے میں بھی ہوتا ہے جس سے دو عبادتیں ایک شان کی جمع ہو جاتی ہیں اور دوسرے زمانے میں بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک مضمون کا ایک سلسلہ تھا آگے متفرق طور پر لکھا جاتا ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (جب حج یا عمرہ کرنا ہو تو اس) حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے (خوش کرنے کے) واسطے پورا پورا ادا کیا کرو (کہ افعال و شرائط بھی سب بجا لاؤ اور نیت بھی خالص ثواب کی ہو)۔ (بیان القرآن)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی ظاہری مجبوری یا ظالم بادشاہ یا کوئی معذور کر دینے والی بیماری حج سے روکنے والی نہ ہو اور وہ پھر بے حج کیے مر جائے اس کو اختیار ہے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (معین مشکوۃ از دارمی)

فائدہ: فرض حج نہ کرنے میں کتنی سخت دھمکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حج اور عمرہ میں اتصال کر لیا کرو (جب کہ زمانہ حج کا ہو) دونوں افلاس کو اور گناہوں کو دور کرتے ہیں جیسا بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کو دور کرتی ہے۔ (بشرطیکہ کوئی دوسرا امر اس کے خلاف اثر کرنے والا نہ پایا جائے) اور جو حج احتیاط سے کیا جائے اس کا عوض بجز جنت کے کچھ نہیں۔ (معین مشکوۃ از ترمذی و نسائی)

فائدہ: اس میں حج و عمرہ کا ایک دینی نفع مذکور ہے اور ایک دنیوی نفع اور گناہ سے مراد حقوق اللہ ہیں کیونکہ حقوق العباد تو شہادت سے معاف نہیں ہوتے۔ (الحدیث ۱ الی ۲ کذا فی المشکوٰۃ عن مسلم)

حج ایک عالمگیر عبادت

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم الحاج والعمار وفد الله ان دعوه اجابهم وان استغفروه غفر لهم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اگر وہ دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر وہ اس سے مغفرت چاہتے ہیں وہ ان کی مغفرت کرتا ہے۔ (مع مشکوٰۃ از ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج کرنے یا عمرہ کرنے یا جہاد کرنے چلا، پھر وہ راستہ ہی میں (ان کاموں کے کرنے سے پہلے) مر گیا اللہ تعالیٰ اس کیلئے غازی اور حاجی اور عمرہ والے کا ثواب لکھے گا۔ (مع مشکوٰۃ از بیہقی)

اور حج کے متعلق ایک تیسرا عمل اور بھی ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت جو اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے اور حج میں عشق الٰہی کی شان ہے اس زیارت میں عشق نبوی کی شان ہے اور جب حج سے عشق الٰہی میں ترقی ہوئی اور زیارت سے عشق نبوی میں، جس کے دل میں اللہ و رسول کا عشق ہوگا وہ دین میں کتنا مضبوط ہوگا؟ (اس شان عشق کا پتہ اس حدیث سے چلتا ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو شخص حج کرکے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے سو وہ ایسا ہے جیسے میری حیات میں میری زیارت کرے۔ (مع مشکوٰۃ از بیہقی)

فائدہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں زیارتوں کو برابر فرمایا اور جب کسی خاص بات کی تخصیص نہیں تو ہر اثر میں برابر ہوں گی اور ظاہر ہے کہ آپ کا عشق قلب میں پیدا ہوتا تو وفات کے بعد زیارت کرنے کا بھی وہی اثر ہوگا اور حدیث تو اس دعوے کی تائید کے لیے لکھ دی ورنہ اس زیارت کا یہ اثر ترقی عشق نبوی کھلم کھلا آنکھوں سے نظر آتا ہے اور جس طرح حج کے مقام یعنی مکہ معظمہ میں محبت کی شان رکھی گئی ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا اسی طرح اس زیارت کے مقام یعنی مدینہ منورہ میں محبت کی شان رکھی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ انہوں نے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی ہے اور میں تجھ سے مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں وہ بھی اور اتنی ہی اور بھی۔ (مشکوٰۃ از مسلم)

فائدہ: نمبر ۸ میں گذرا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے لیے محبوبیت کی دعا فرمائی ہے تو

مدینہ منورہ کے لیے دوگنی محبوبیت کی دعا ہوگی۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ مدینہ کو ہمارا محبوب بنادے جیسے ہم مکہ سے محبت کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ الخ (مشکوٰۃ از بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو سواری کو تیز کردیتے مدینہ کی محبت کے سبب۔ (مشکوٰۃ از بخاری)

فائدہ: محبوب کا محبوب جب محبوب ہوتا ہے تو ضرور سب مسلمانوں کو مدینہ سے محبت ہوگی۔

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روئے زمین میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں مجھ کو اپنی قبر ہونا مدینہ سے زیادہ پسند ہو یہ بات تین بار فرمائی۔ (مشکوٰۃ از مالک)

اس میں یہ بھی تقریر ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور حج وزیارت سے محبت کا بڑھ جانا اور خود حج وزیارت کی اور ان کے مقاموں کی بھی محبت بڑھ جانا ان والے کے دل میں ہونا دلیل کا محتاج نہیں اور اس محبت کا جو اثر دین پر پڑتا ہے اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ پس اے مقدور والے مسلمانو اس دولت کو مت چھوڑو۔

حج کی فرضیت اور فضیلت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰۤی اَنْبِیَآئِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کردیا گیا ہے لہٰذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا کہ اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ "ہاں! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا" تو اسی طرح فرض ہو جاتا اور تم ادا نہ کرسکتے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ کسی معاملہ میں جب میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کرکر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو۔ تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لیے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ لہٰذا (میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ) جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں

تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال و جواب جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے سورہ آل عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. (آل عمران ۳: ۹۷)

"اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں ان صحابی کا نام مذکور نہیں ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ "کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟" لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی مضمون کی حدیث جس کو امام احمد اور دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تھے یہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا ان کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا بھی پورا موقع نہیں ملا تھا اسی سے ان سے یہ غلطی ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا تو پھر دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا" اس کا منشاء اور مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا سمجھنا چاہیے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سنایا تھا اس کا تقاضا اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا، اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور امت سخت مشکل میں پڑ جاتی ..... اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرت سوال اور قیل و قال کی اسی بری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے انہوں نے اپنے نبیوں سے سوال کر کر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کرایا اور پھر ان کے مطابق عمل کر نہیں سکے۔

حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی اہم اور اصولی بات فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جس چیز سے منع کروں اس کو ترک کر دو۔"

مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج تنگی اور سختی نہیں ہے بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی کسر رہ جائے گی اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی معافی کی امید ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلَى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. (رواه الترمذى)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس سفر حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی

ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔" (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے بڑی سخت وعید ہے جو حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) یہ اسی طرح کی وعید ہے جس طرح ترکِ نماز کو کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

"اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔" (الروم ۳۰:۳۱)

"جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ صلوٰۃ مشرکوں والا عمل ہے۔"

حج فرض ہوتے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی کیونکہ مشرکین عرب حج کیا کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لیے ترکِ نماز کو مشرکوں والا عمل بتلایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لیے جو سخت وعید ہے اس کے لیے سورۂ آلِ عمران کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے۔ یعنی "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کے ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا۔ یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے وہ اس کے آگے والا حصہ ہے یعنی "وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافرانہ رویہ اختیار کرے یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے) اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویہ کو "من کفر" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور "ان اللّٰہ غنی عن العلمین" کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس کا مطلب بھی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ. (رواه الترمذی و النسائی)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پے در پے کیا کرو حج اور عمرہ کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور "حج مبرور" کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح: ...... جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا اور غسل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر و محتاجی اور پریشان حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینانِ قلب کی دولت نصیب ہو جاتی

ہے اور مزید برآں "حج مبرور" کے صلہ میں جنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا أَوْمُعْتَمِرًا أَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِي طَرِيقِهِ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَجْرَ الْغَازِي وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلا پھر راستہ ہی میں اس کو موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کے لیے اور راہ جہاد کرنے والے کیلئے مقرر ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ۔ اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ دستور و قانون کا اعلان خود قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (النساء ۴ : ۱۰۰)

"اور جو بندہ اپنا گھر چھوڑ کے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہجرت کی نیت سے نکل پڑے پھر آ جائے اس کو موت (راستہ ہی میں) تو مقرر ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لیے گھر سے نکلے اور اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستہ ہی میں اس کی زندگی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا پورا اجر اس بندہ کے لیے مقرر ہو جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کا تقاضا ہے۔ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔

میقات، احرام، تلبیہ

کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا قبلہ اور اپنا محترم و مقدس "بیت" (گھر) قرار دیا ہے اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے جو لوگ وہاں حاضری کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر عمر میں ایک دفعہ حاضر ہونا اور حج کرنا فرض کیا ہے اور اس حاضری اور حج کے کچھ لازمی آداب مقرر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حاضر ہونے والے اپنے روزمرہ کے اور عام عادی لباس میں حاضر نہ ہوں بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوں جو مُردوں کے کفن سے مشابہت رکھتا ہو اور آخرت میں میدان حشر کی حاضری گویا یاد دلاتا ہو۔ کرتا، پاجامہ، صدری، شیروانی، کوٹ، پتلون کچھ نہ ہو بس ایک تہبند باندھ لیں اور ایک چادر جسم کے اوپر کے حصے میں ڈال لیں، سر بھی کھلا ہو، پاؤں میں موزہ بلکہ ایسا جوتا بھی نہ ہو جس سے پورا پاؤں ڈھک جائے۔ (احرام کے سلسلہ میں یہ احکام صرف مردوں کیلئے ہیں، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سلے کپڑے پہننے اور سر ڈھکنے کی اور اسی طرح پاؤں میں موزہ وغیرہ پہننے کی اجازت دی گئی ہے) اسی قسم کی کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا منشاء یہ ہے کہ بندہ اپنی ہیئت اور صورت میں حاضر ہو جس سے اس کی عاجزی اور بیچارگی اور بے جیثیتی و بے مائیگی اور عیش و نیوی سے بے رغبتی ظاہر ہو۔ تمکین بندوں کے ضعف کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے گھر ہی سے احرام بند ہو اور ان آداب کے پابند ہو کے روانہ ہوں اگر یہ حکم دیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے بندے بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ اب سے کچھ ہی زمانہ پہلے تک بہت سے ملکوں کے حاجی کئی کئی

مہینے سفر کرنے کے بعد مکہ معظمہ پہنچا کرتے تھے اور اب بھی بہت سے ملکوں کے حجاج کئی کئی ہفتے کا بری اور بحری سفر کر کے وہاں پہنچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک احرام کی پابندیوں کا نبھانا اکثر لوگوں کے لیے سخت مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے مختلف راستوں سے آنے والے حجاج کے لیے مکہ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ حج یا عمرہ کے لیے آنے والے جب ان میں سے کسی مقام پر پہنچیں تو "بیت اللہ" اور "بلد اللہ الحرام" کے ادب میں وہیں سے احرام بند ہو جائیں۔ مختلف سمتوں کے یہ معین مقامات جن کی تفصیل آگے آئے گی "میقات" کہلاتے ہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ احرام باندھنے کا مطلب صرف احرام والے کپڑے پہن لینا نہیں ہے بلکہ یہ کپڑے پہن کے پہلے دو رکعت نماز (دوگانۂ احرام) پڑھی جاتی ہے اس کے بعد پکار کر تلبیہ پڑھا جاتا ہے۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

اس تلبیہ کے پڑھنے کے بعد آدمی محرم (احرام بند) ہو جاتا ہے اور اسی سے حج کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور احرام والی ساری پابندیاں اس پر عائد ہو جاتی ہیں جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

اس تمہید کے بعد مواقیت احرام اور تلبیہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل احادیث پڑھئے:

مواقیت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ أَهْلِهِ وَكَذَاكَ وَكَذَاكَ حَتّٰى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا. (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ کو اہل مدینہ کا میقات مقرر کیا، اور جحفہ کو اہل شام کا اور قرن المنازل کو اہل نجد کا اور یلملم کو اہل یمن کا۔ تو یہ چاروں مقامات خود ان کے رہنے والوں کیلئے میقات ہیں اور ان سب لوگوں کیلئے جو دوسرے علاقوں سے ان مقامات پر ہوتے ہوئے آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو۔ پس جو لوگ ان مقامات ہی سے احرام باندھیں گے اور یہ قاعدہ اسی طرح چلے گا یہاں تک کہ خاص مکہ کے رہنے والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔ (صحیح بخاری)

عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُهَلُّ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقِ الْآخَرِ الْجُحْفَةُ وَمُهَلُّ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَمُهَلُّ أَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمُهَلُّ أَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل مدینہ کا میقات (جہاں سے ان کو احرام باندھنا چاہیے) ذوالحلیفہ ہے اور دوسرے راستے سے جانے والوں کا میقات جحفہ ہے اور اہل عراق کا میقات ذات عرق ہے اور اہل نجد کا میقات قرن المنازل ہے اور اہل یمن کا میقات یلملم ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ... اوپر والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صرف چار میقاتوں کا ذکر ہے۔ (۱) ذوالحلیفہ (۲) جحفہ (۳) قرن المنازل (۴) یلملم اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں پانچویں میقات "ذات عرق" کا بھی ذکر ہے جس کو اہل عراق کا میقات قرار دیا گیا ہے۔ دونوں روایتوں میں ایک خفیف سا فرق یہ بھی ہے کہ پہلی روایت میں جحفہ کو اہل شام کا میقات بتایا گیا ہے اور دوسری روایت میں اس کو "دوسرے راستہ والوں کا" میقات کہا گیا ہے جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اہل مدینہ بھی اگر دوسرے راستے سے (یعنی جحفہ کی طرف سے) مکہ معظمہ جائیں تو وہ جحفہ سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں اور ان کے علاوہ جو دوسرے علاقوں کے لوگ مثلاً اہل شام جحفہ کی طرف سے آئیں وہ بھی جحفہ سے احرام باندھیں اور بعض شارحین نے "دوسرے طریقہ والوں سے" مراد اہل شام ہی لیے ہیں۔ اس صورت میں دونوں روایتوں میں صرف تعبیر اور الفاظ ہی کا فرق رہے گا۔ بہرحال یہ پانچوں مقامات معین اور متفق علیہ میقات ہیں۔ جن علاقوں کے لیے یہ میقات قرار دیے گئے ہیں ان سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے راستہ میں یہ پڑتے تھے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

ذوالحلیفہ: جو اہل مدینہ کے لیے میقات مقرر کیا گیا ہے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پر پڑتا ہے پس مکہ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید میقات ہے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ تقریباً دو سو میل ہے بلکہ آج کل کے راستے سے قریباً اڑھائی سو میل ہے۔ چونکہ اہل مدینہ کا دین سے خاص تعلق ہے اس لیے ان کا میقات اتنی بعید مسافت پر مقرر کیا گیا ہے دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اس کو مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اٹھانی پڑتی ہے۔

جحفہ: یہ شام وغیرہ مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لیے میقات تھی، مقام رابغ کے قریب ایک بستی تھی اب اس جگہ کوئی بستی موجود نہیں ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا محل وقوع رابغ کے قریب تھا جو مکہ معظمہ سے قریباً ۱۲۰ میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قرن المنازل: نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے مکہ معظمہ سے قریباً ۳۰ میل مشرق میں نجد جانے والے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

ذات عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات ہے۔ مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ مسافت مکہ معظمہ سے ۵۰ میل کے قریب ہے۔

یلملم: یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات ہے۔ یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک معروف پہاڑی ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستہ پر پڑتی ہے۔

احرام اور تلبیہ کے احکام

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ محرم (حج

یا عمرہ کا احرام باندھنے والا) کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حالت احرام میں) نہ تو کرتا قمیص پہنو اور نہ سر پر عمامہ اور نہ شلوار پاجامہ پہنو اور نہ بارانی پہنو اور نہ پاؤں میں موزے پہنو سوائے اس کے کہ کسی آدمی کے پاس پہننے کے لیے چپل جوتا نہ ہو تو وہ مجبوراً پاؤں کی حفاظت کے لیے موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کے جوتا سا بنا لے۔ (آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حالت احرام میں) ایسا بھی کوئی کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس لگا ہو۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح:... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ صرف ان چند کپڑوں کا نام لیا ہے جن کا اس وقت رواج تھا یہی حکم ان تمام کپڑوں کا ہے جو مختلف زمانوں میں اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ان مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں یا آئندہ استعمال ہوں گے جن مقاصد کے لیے قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔

زعفران تو معروف ہے ورس بھی ایک خوشبودار زرد رنگ کی گھاس ہے۔ یہ دونوں چیزیں چونکہ خوشبو کے لیے استعمال ہوتی تھیں اس لیے حالت احرام میں ایسے کپڑے کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جس کو زعفران یا ورس لگی ہو۔

سوال کرنے والے شخص نے پوچھا تھا کہ ”محرم کون سے کپڑے پہنے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ: ”فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے“ اس جواب میں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تلقین فرمائی کہ پوچھنے کی بات یہ نہیں ہے کہ محرم کون سے کپڑے پہنے؟ بلکہ یہ دریافت کرنا چاہیے کہ کس قسم کے کپڑے پہننے کی اس کو ممانعت ہے کیونکہ احرام کا اثر یہی پڑتا ہے کہ کچھ کپڑے اور کچھ چیزیں جن کا استعمال عام حالات میں جائز ہے احرام کی وجہ سے ان کا استعمال ناجائز ہو جاتا ہے اس لیے یہ دریافت کرنا چاہیے کہ احرام میں کن کپڑوں اور کن چیزوں کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَاءَ فِىْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْ خَزٍّ اَوْ حُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ اَوْ خُفٍّ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عورتوں کو احرام کی حالت میں دستانے پہننے اور چہرے پر نقاب ڈالنے اور ان کپڑوں کے استعمال سے جن کو زعفران یا ورس لگی ہو اور ان کے بعد اور ان کے علاوہ جو رنگین کپڑے وہ چاہیں پہن سکتی ہیں کسمی کپڑا ہو یا ریشمی اور اسی طرح وہ چاہیں تو زیور بھی پہن سکتی ہیں اور شلوار اور قمیص اور موزے بھی پہن سکتی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:... اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ احرام کی حالت میں قمیص، شلوار وغیرہ سلے کپڑے پہننے کی ممانعت صرف مردوں کو ہے عورتوں کو پردہ کی وجہ سے ان سب کپڑوں کے استعمال کی اجازت ہے اور موزے پہننے کی بھی اجازت ہے ہاں دستانے پہننے کی ان کو بھی ممانعت ہے اور منہ پر نقاب ڈالنے کی بھی ممانعت ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے بھی اپنے چہرے بالکل کھلے رکھیں۔ حدیث میں ممانعت چہرے پر باقاعدہ نقاب ڈالنے کی ہے لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو اپنی چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہیے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ:

"ہم عورتیں حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں (تو احرام کی وجہ سے ہم چہروں پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں) جب ہمارے سامنے سے مرد گزرتے تو ہم اپنی چادر سر کے اوپر سے لٹکا لیتی تھیں اور اس طرح پردہ کر لیتی تھیں پھر جب وہ مرد آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول دیتی تھیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ احرام کی حالت میں عورتوں کو نقاب کے استعمال کی ممانعت ہے لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو پردہ سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہیے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ (ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے پاس ہی ناقہ کی رکاب میں پاؤں رکھتے اور ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کا تلبیہ پڑھتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:... صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روایت اور ان کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت اور کس جگہ پڑھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان (جیسا کہ اس حدیث میں بھی مذکور ہے) یہ ہے کہ ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں اپنی ناقہ پر سوار ہوئے اور جب ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ احرام کا تلبیہ پڑھا اور گویا اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم ہوئے۔ اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار ہو کر کچھ آگے بڑھے اور مقام "بیداء" پر پہنچے (جو ذوالحلیفہ کے بالکل قریب کسی قدر بلند میدان سا تھا) تو اس وقت آپ نے پہلا تلبیہ کہا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانۂ احرام پڑھا تو اسی وقت ناقہ پر سوار ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا تلبیہ پڑھا۔ سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مشہور جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر کا ایک بیان مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحابہ کرام کے اختلاف کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ: "اصل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانۂ احرام پڑھنے کے بعد مصلے ہی پر پہلا تلبیہ پڑھا تھا لیکن اس کا علم صرف ان چند لوگوں کو ہوا جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب وہاں موجود تھے اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں ناقہ پر سوار ہوئے اور ناقہ سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھا اور ناقہ پر سوار ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا تلبیہ تھا تو جن لوگوں نے یہ تلبیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور پہلے نہیں سنا تھا انہوں نے سمجھا کہ پہلا تلبیہ آپ نے ناقہ پر سوار ہو کر پڑھا۔ پھر جب ناقہ چل دی اور مقام بیداء پر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھا تو جن لوگوں نے پہلا اور دوسرا تلبیہ آپ سے نہیں سنا تھا انہوں نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا تلبیہ اسی وقت پڑھا جب آپ بیداء پر پہنچے۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهِ سَأَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ. (رواه الشافعی)

عمارہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تلبیہ سے فارغ ہوتے (یعنی تلبیہ پڑھ کر خاموش ہوتے) تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کی دعا کرتے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے خلاصی اور پناہ مانگتے۔ (مسند شافعی)

تشریح ... اس حدیث کی بنا پر علماء نے تلبیہ کے بعد اس دعا کو افضل اور مسنون کہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کیا جائے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے۔ ظاہر ہے کہ مومن بندوں کی سب سے بڑی حاجت اور ان کا سب سے اہم مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب ہو جائے اور اللہ کے غضب اور دوزخ کے عذاب سے اس کو پناہ مل جائے اس لیے اس موقع کی سب سے اہم اور مقدم دعا یہی ہے۔ اس کے بعد اس کے علاوہ بھی جو چاہے دعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ.

حجۃ الوداع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخصتی حج

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم کس سنہ میں آیا؟ اور راجح قول یہ ہے کہ ۸ ہجری میں مکہ معظمہ پر اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد ۹ ہجری میں حج کی فرضیت کا حکم آیا۔ اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو حج نہیں فرمایا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کی امارت میں اس سال حج ادا ہوا اور آئندہ کے لیے چند اہم اعلانات کیے گئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک اور کافر حج میں شرکت نہیں کر سکے گا اور جاہلیت کے گندے اور مشرکانہ طور طریقوں کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔ غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سال خود حج نہ کرنے کی خاص حکمت یہی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کا حج ایسا مثالی حج ہو جس میں کوئی ایک آدمی بھی کفر و شرک اور جاہلیت کے طور طریقوں سے حج کو گندہ کرنے والا نہ ہو بلکہ از اول تا آخر بس نور ہی نور اور خیر ہی خیر ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے نتائج کا صحیح آئینہ ہو۔ اس طرح گویا ۹ ہجری کا یہ حج جو صدیق اکبر کی امارت میں ادا ہوا اگلے سال ہونے والے آپ کے حج کا پیش خیمہ اور اس کی تیاری کے سلسلہ ہی کا ایک قدم تھا۔

پھر اگلے سال ۱۰ ہجری میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا آخری سال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ اب دنیا میں آپ کے قیام اور کام کا وقت تھوڑا ہی باقی رہ گیا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارادہ حج کی خاص اہتمام سے اطلاع اور تشہیر کرائی تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس مبارک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر مناسک حج اور دین کے دوسرے مسائل و احکام سیکھ سکیں اور سفر حج کی صحبت و رفاقت کے خاص برکات حاصل کر سکیں۔ چنانچہ دور و قریب کے جن مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی مدینہ طیبہ

آ گئے۔ ۲۴ ذیقعدہ کو جمعہ تھا، اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں حج اور سفر حج کے متعلق خصوصیت سے ہدایتیں دیں، اور اگلے دن ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ ہجری بروز شنبہ بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے یہ عظیم الشان قافلہ روانہ ہوا اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ جا کر پڑھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی منزل کرنی تھی اور یہیں سے احرام باندھنا تھا، رات بھی وہیں گزاری اور اگلے دن یک شنبہ کو ظہر کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احرام باندھا اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور نویں دن ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ رفقاء سفر کی تعداد میں راستہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے۔ چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تیس ہزار اور ایک لاکھ چوالیس ہزار تک کے بیانات روایتوں میں موجود ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ بڑے مجمعوں اور میلوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے اندازے آج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جس نے جو عدد بتایا اپنے اندازے کے مطابق بتایا۔ باقاعدہ حساب لگا کے اور شمار کر کے کسی نے بھی نہیں بتایا۔ تاہم اتنی بات بطور قدر مشترک کے تمام ہی روایات میں ہے کہ مجمع بے حد و حساب تھا، جدھر نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

اس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر خطبے دیئے اور بالکل اس انداز سے بلکہ صاف صاف یہ آگاہی دے کے یہ خطبے دیئے کہ اب میرا وقت موعود قریب ہے اور تم کو دین کی تعلیم و تربیت مجھ سے حاصل کرنے کا موقع اس کے بعد نہیں مل سکے گا۔ بہرحال اس پورے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تلقین اور ہدایت و ارشاد کا خاص اہتمام فرمایا۔

حجۃ الوداع کے سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں ہیں (جن میں سے چند یہاں بھی درج کی جا رہی ہیں) ان سے حج کے مناسک و احکام اور اس کا تفصیلی طریقہ معلوم ہونے کے علاوہ دین و شریعت کے دوسرے بہت سے ابواب اور شعبوں کے بارے میں نہایت اہم تعلیمات اور ہدایات بھی امت کو مل جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تقریباً ایک مہینے کے اس سفر میں دین کی تعلیم و تبلیغ اور ہدایت و ارشاد کا اتنا کام ہوا اور اتنے وسیع پیمانے پر ہوا کہ اس کے بغیر برسوں میں بھی انجام نہیں پا سکتا۔ اسی سے بعض اہل توفیق اکابر امت نے سمجھا ہے کہ دین اور برکات دین حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ دینی سفروں کی رفاقت اور صحبت ہے۔

اس تمہید کے بعد حجۃ الوداع کے سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث صحیح مسلم سے نقل کی جا رہی ہے لیکن چونکہ یہ حدیث بہت طویل ہے اس لیے ناظرین کی سہولت فہم کے لیے اس کے ایک ایک حصہ کا ترجمہ کر کے تشریح کی جائے گی۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ فَسَأَلَ عَنِ الْقَوْمِ حَتَّى انْتَهَى إِلَيَّ فَقُلْتُ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى رَأْسِي فَنَزَعَ زِرِّي الْأَعْلَى ثُمَّ نَزَعَ زِرِّي الْأَسْفَلَ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ شَابٌّ فَقَالَ مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ أَخِي سَلْ عَمَّا شِئْتَ فَسَأَلْتُهُ وَهُوَ أَعْمَى وَحَضَرَ وَقْتُ الصَّلَاةِ فَقَامَ فِي نِسَاجَةٍ مُلْتَحِفًا بِهَا كُلَّمَا وَضَعَهَا عَلَى مَنْكِبِهِ رَجَعَ طَرَفَاهَا إِلَيْهِ مِنْ صِغَرِهَا وَرِدَاؤُهُ عَلَى جَنْبِهِ فَعَقَدَ تِسْعًا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ تِسْعَ

سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ كُلُّهُمْ يَلْتَمِسُ اَنْ يَأْتَمَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَعْمَلَ مِثْلَ عَمَلِهِ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰى اَتَيْنَا ذَالْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَصْنَعُ قَالَ اغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَاَحْرِمِيْ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ نَظَرْتُ اِلٰى مَدِّ بَصَرِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَمَاشٍ وَعَنْ يَمِيْنِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَمِنْ خَلْفِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْقُرْاٰنُ وَهُوَ يَعْرِفُ تَاْوِيْلَهُ وَمَا عَمِلَ مِنْ شَيْءٍ عَمِلْنَا بِهِ فَاَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَهَلَّ النَّاسُ بِهٰذَا الَّذِيْ يُهِلُّوْنَ بِهِ فَلَمْ يَرُدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ شَيْئًا مِّنْهُ وَلَزِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلْبِيَتَهُ.

جعفر بن محمد (جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے پر پوتے ہیں اور امام جعفر صادق کے لقب سے معروف ہیں) اپنے والد ماجد محمد بن علی (معروف بہ امام باقر) سے روایت کرتے ہیں کہ ہم چند ساتھی جابر بن عبداللہ کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ تم کون کون ہو؟ (ہم میں سے ہر ایک نے اپنے متعلق بتلایا) یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں (وہ اس وقت بہت بوڑھے تھے، نابینا ہو چکے تھے) انہوں نے شفقت اور محبت سے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر میرے کرتے کی اوپر والی گھنڈی کھولی اس کے نیچے والی گھنڈی کھولی، پھر اپنا ہاتھ (کرتے کے اندر لے جا کر) میرے بیچ سینے پر رکھا اور میں ان دنوں بالکل جوان تھا اور (میرے آنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) مجھ سے فرمایا "مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ اَخِيْ" (مرحبا! اے میرے بھتیجے میرے بھائی حسین کی یادگار!) جو کچھ تمہیں مجھ سے پوچھنا ہے بے تکلف پوچھو! (امام باقر کہتے ہیں) کہ اس اثناء میں نماز کا وقت آ گیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی سی چادر لپیٹے ہوئے تھے وہ اسی میں لپٹے ہوئے نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اور اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو اپنے مونڈھوں پر رکھتے تو اس کے کنارے واپس ان کی طرف آ جاتے، حالانکہ ان کی رداء (یعنی بڑی چادر) ان کے قریب ہی کھونٹی پر رکھی ہوئی تھی (مگر انہوں نے اس کو اوڑھ کر نماز پڑھنا ضروری نہیں سمجھا بلکہ اسی چھوٹی چادر میں لپیٹ کر ہمیں نماز پڑھا دی) نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا کہ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج (حجۃ الوداع) کی تفصیلات بتائیے؟" انہوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے نو کی گنتی کا اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ آ کر نو سال تک کوئی حج نہیں کیا۔ پھر دسویں سال آپ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپ کا ارادہ حج کرنے کا ہے۔ یہ اعلان سن کر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ آ گئے۔ ہر ایک کی خواہش اور آرزو یہی تھی کہ اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی پوری پوری پیروی کرے اور آپ

کے نقش قدم پر چلے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب روانگی کا دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت
میں) یہ پورا قافلہ مدینہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ آیا اور اس دن یہیں قیام کیا۔ یہاں تک کہ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ اسماء بنت عمیس
(جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے یہاں بچہ پیدا ہو (یعنی محمد بن ابی بکر) انہوں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی
حالت میں احرام کیلئے غسل کرلیں اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لنگوٹ استعمال کرتی ہیں۔ اسی طرح استعمال
کریں اور احرام باندھ لیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی پھر آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے۔ یہاں تک کہ جب ناقہ (مسجد ذوالحلیفہ سے کچھ آگے بڑھ کر) بیداء پر پہنچی (جو
ذوالحلیفہ کے قریب ہی ذرا بلند اور ہموار میدان سا تھا) تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ دوڑائی تو آگے پیچھے دائیں بائیں
حد نگاہ تک سوار اور پیادے آدمی ہی آدمی نظر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب وہ جانتے تھے (اس لئے آپ جو کچھ بھی کرتے تھے
اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق کرتے تھے) اور ہمارا رویہ یہ تھا کہ جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے تھے (تو
جب آپ کی ناقہ بیداء پر پہنچی) اس وقت آپ نے بلند آواز میں توحید کا تلبیہ کہا۔

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء صحابہ جو تلبیہ پڑھتے تھے (جس میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا تھا) انہوں نے اپنا وہی تلبیہ
بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تلبیہ کی کوئی تردید یا تصحیح نہیں کی اور خود اپنا وہی تلبیہ پڑھتے رہے (مطلب
یہ ہے کہ آپ کے بعد صحابہ تلبیہ میں بعض تعظیمی اور تعبدی کلمات کا اضافہ کرکے پکارتے تھے اور چونکہ ان کی اجازت اور گنجائش ہے اس
لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا لیکن آپ نے اپنے تلبیہ میں کوئی کمی زیادتی نہیں فرمائی)

قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِي إِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَرَمَلَ ثَلَاثًا
وَمَشَى أَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ إِلَى مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ فَقَرَأَ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ
فَكَانَ أَبِي يَقُولُ وَلَا أَعْلَمُهُ ذَكَرَهُ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ
وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَأَ إِنَّ
الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقِيَ عَلَيْهِ حَتَّى رَأَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ
فَوَحَّدَ اللَّهَ وَكَبَّرَهُ وَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذَلِكَ قَالَ مِثْلَ هَذَا ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ وَمَشَى إِلَى الْمَرْوَةِ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتَّى إِذَا كَانَ آخِرُ طَوَافِهِ عَلَى
الْمَرْوَةِ نَادَى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهُ فَقَالَ لَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسُقِ الْهَدْيَ

وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَامِنَا هٰذَا أَمْ لِأَبَدٍ؟ فَشَبَّكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ وَاحِدَةً فِي الْأُخْرَىٰ وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ.

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتلایا کہ: اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) صرف حج کی تھی (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم سفر پورا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کر اس کو چوما، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف شروع کیا) جس میں تین چکروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت کے مطابق چلے، پھر (طواف کے ساتھ چکر پورے کر کے) آپ مقام ابراہیم علیہ السلام کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" (اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو) پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی (یعنی دوگانہ طواف ادا کیا)۔ حدیث کے راوی امام جعفر صادق بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "قل یا ایها الکفرون اور قل هو الله احد" کی قرأت کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استلام کیا۔ (یہ استلام سعی کے لیے تھا جس طرح بیت اللہ کا طواف حجر اسود کے استلام سے شروع کیا جاتا ہے اسی طرح سعی سے پہلے بھی استلام مسنون ہے) پھر ایک دروازے سے (سعی کے لیے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے اور اس کے بالکل قریب پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ" (بلا شبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں جن کے درمیان سعی کا حکم ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے۔ چنانچہ آپ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کے سامنے آ گیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید و تکبیر اور تمجید میں مصروف ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ.

(اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں وہی تنہا معبود و مالک ہے کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں ساری کائنات پر اسی کی فرمانروائی ہے اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہی تنہا مالک و معبود ہے۔ اس نے (مدد پا اور ہمارے عرب پر اقتدار بخشنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد فرمائی اور کفر و شرک کے لشکروں کو تنہا اسی نے شکست دی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان دعا کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر کر مروہ کی

طرف چلے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم وادی کے نشیب میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز دوڑ کے چلے پھر جب آپ نشیب سے اوپر آ گئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آ گئے اور یہاں آپ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پھیرا پورا کر کے مروہ پر پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مخاطب کر کے فرمایا، اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آ جاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا اور اس طواف و سعی کو جو میں نے کیا ہے عمرہ بنا دیتا، تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں آئے ہیں وہ اپنا احرام ختم کر دیں اور اب تک جو طواف و سعی انہوں نے کی اس کو عمرہ بنا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر سراقہ بن مالک نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ حکم کہ اشہر حج (حج کے مہینوں) میں عمرہ کیا جائے خاص اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ "دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ" لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ" (عمرہ حج میں داخل ہو گیا، خاص اسی سال کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے)

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے اوپر جو یہ بات فرمائی کہ "جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے طواف و سعی کو عمرہ قرار دے دیں اور میں بھی اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو ایسا ہی کرتا" اس کا مطلب اور اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ زمانہ جاہلیت میں حج اور عمرہ کے سلسلہ میں جو احمقانہ اور غلط خیالات رواج پا کر دلوں میں راسخ ہو گئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ جو اشہر الحج (یعنی حج کے مہینے) کہلاتے ہیں (کیونکہ حج کا سفر انہی مہینوں میں ہوتا ہے) ان مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور بے حقیقت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع سفر ہی میں وضاحت کے ساتھ لوگوں کو یہ بات بتا دی تھی کہ جس کا جی چاہے صرف حج کا احرام باندھے (جس کو اصطلاح میں افراد کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے شروع میں صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ میں عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے لیے دوسرا احرام باندھے (جس کو تمتع کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھے اور ایک ہی احرام سے دونوں کو ادا کرنے کی نیت کرے (جس کو قران کہتے ہیں)۔ آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات نے اپنے خاص حالات کے لحاظ سے تمتع کا ارادہ کیا اور انہوں نے ذوالحلیفہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھا۔ ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں، ورنہ زیادہ تر صحابہ نے صرف حج کا یا حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا احرام باندھا تھا یعنی (قران) اختیار فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ قربانی کے جانور (اونٹ) بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لے کر چلے تھے اور جو حاجی قربانی کے جانور ساتھ لے کر چلے ہوں وہ اس وقت احرام ختم نہیں کر سکتا جب تک دسویں ذی الحجہ کو قربانی نہ کر دے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنی قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے حج سے پہلے (یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کرنے سے پہلے) احرام سے باہر نہیں آ سکتے تھے لیکن جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے ان کے واسطے یہ شرعی مجبوری نہیں تھی۔

مکہ معظمہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا احساس زیادہ ہوا کہ یہ جاہلانہ بات لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ حج

کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے اس کی تردید اور بیخ کنی کے لیے اور ذہنوں سے اس کے جراثیم ختم کرنے اور دلوں سے اس کے اثرات کو دھونے کے لیے ضروری ہے کہ وسیع پیمانے پر ان کے خلاف عمل کر کے دکھایا جائے اور اس کی ممکن صورت یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے زیادہ سے زیادہ لوگ جو آپ کے ساتھ طواف اور سعی کر چکے تھے اس طواف اور سعی کو عمرہ قرار دے کر احرام ختم کر دیں اور حلال ہو جائیں اور حج کے لیے اس کے وقت پر دوسرا احرام باندھیں اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لے کر آئے تھے اس لیے آپ کے لیے اس کی گنجائش نہیں تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر شروع میں مجھے اس بات کا احساس ہو جاتا جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا اور جو طواف و سعی میں نے کی ہے اس کو مستقل عمرہ قرار دے کر یہ احرام ختم کر دیتا (لیکن میں تو قربانی کے جانور لانے کی وجہ سے ایسا کرنے سے مجبور ہوں اس لیے آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ) آپ میں سے جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے اس طواف و سعی کو مستقل عمرہ قرار دے دیں اور اپنا احرام ختم کر کے حلال ہو جائیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر سراقہ بن مالک کھڑے ہو گئے چونکہ وہ اب تک یہی جانتے تھے کہ حج کے مہینوں میں مستقل عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات ہے اس لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان دنوں میں مستقل عمرہ کرنے کا یہ حکم کیا صرف اسی سال کے لیے ہے یا اب ہمیشہ کے لیے مسئلہ یہی ہے کہ شہر حج میں مستقل عمرہ کیا جا سکتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھی طرح سمجھانے اور ان کے ذہن نشین کرنے کے لیے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: "دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ" (حج میں عمرہ اس طرح داخل ہو گیا) یعنی حج کے مہینوں میں اور ایام حج کے بالکل قریب بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے اور اس کو گناہ سمجھنے والی بات بالکل غلط اور جاہلانہ ہے اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے۔

وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ فَاطِمَةَ مِمَّنْ حَلَّ وَلَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيغًا وَاكْتَحَلَتْ فَأَنْكَرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ إِنَّ أَبِيْ أَمَرَنِيْ بِهٰذَا فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا قُلْتَ حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُوْلُكَ قَالَ فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ الَّذِيْ قَدِمَ بِهِ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِيْ أَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ.

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو زکوٰۃ اور دوسرے مطالبات کی وصولی وغیرہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے لیے مزید جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے۔ انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں اور رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ بھی استعمال کیا ہے تو انہوں نے ان کے اس رویہ کو بہت غلط سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا (اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم کو کس نے یہ کہا تھا کہ تم احرام ختم کر کے حلال ہو جاؤ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے ابا جان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ حکم دیا تھا (میں نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا ہے)...... پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کے احرام باندھا تو اس وقت تم نے کیا کہا تھا؟ (یعنی افراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی یا تمتع کے طریقے پر صرف عمرہ کی یا قران کے طریقے پر دونوں کی ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟) انہوں نے عرض کیا کہ میں نے نیت اس طرح کی تھی کہ "اللَّهُمَّ إِنِّي أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُكَ" (اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں اس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں (اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی میرے لیے گنجائش نہیں ہے اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لیے تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو۔ آگے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جو جانور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور جو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی (بعض روایات سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے اور ۳۷ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے لائے تھے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آگے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تمام ان صحابہ نے احرام ختم کر دیا جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور صفا مروہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سروں کے بال ترشوا کر وہ سب حلال ہو گئے اور جو طواف و سعی انہوں نے کی تھی اس کو مستقل عمرہ قرار دے دیا۔ بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حالت احرام میں رہے جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

تشریح ...جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور حکم کے مطابق اپنا احرام ختم کیا انہوں نے اس موقع پر بال منڈوائے نہیں بلکہ صرف ترشوائے کیا انہوں نے غالباً اس لیے کیا کہ منڈوانے کی فضیلت حج کے احرام کے خاتمہ پر حاصل کر سکیں۔ واللہ اعلم

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوا إِلَى مِنًى فَأَهَلُّوا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيلاً حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعَرٍ تُضْرَبُ لَهُ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلاَ تَشُكُّ قُرَيْشٌ إِلاَّ أَنَّهُ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَجَازَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا.

پھر جب یوم الترویہ (یعنی ۸ ذی الحجہ کا دن) ہوا تو سب لوگ منیٰ جانے لگے (اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صفا مروہ کی سعی کر کے اپنا احرام ختم کر چکے تھے اور حلال ہو گئے تھے) انہوں نے حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہو کر منیٰ کو چلے پھر وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد خیف میں) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آپ منیٰ میں اور ٹھہرے یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کی طرف روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ کے لیے نمرہ میں نصب کیا جائے۔ نمرہ دراصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے عرفات کا میدان

شروع ہوتا ہے۔ آپ کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا اور اس کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ آپ "مشعر حرام" کے پاس قیام کریں گے جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا بلکہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام کی حدود سے آگے بڑھ کر عرفہ پہنچ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق) نمرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آپ اس خیمہ میں اتر گئے۔

تشریح:... حج کی خاص نقل وحرکت کا سلسلہ ۸ ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے جس کو "یوم الترویہ" کہا جاتا ہے۔ اس دن حجاج کو منیٰ کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ افراد یا قران کے طریقے پر حج کرنے والے تو پہلے سے احرام کی حالت میں ہوتے ہیں ان کے علاوہ اور حجاج اسی دن یعنی ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر منیٰ کو جاتے ہیں اور نویں کی صبح تک وہیں قیام کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اپنی قربانیاں اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو احرام کی حالت میں تھے، باقی صحابہ جنہوں نے عمرہ کر کے احرام ختم کر دیا تھا ان سب نے آٹھویں کی صبح کو حج کا احرام باندھا اور حج کا یہ سارا قافلہ منیٰ کو روانہ ہو گیا اور اس دن وہیں قیام کیا اور پھر نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لیے روانگی ہوئی۔ عرفات منیٰ سے تقریباً ۶ میل اور مکہ سے تقریباً ۹ میل ہے اور یہ حدود حرم سے باہر ہے بلکہ اس جانب میں حرم کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ عرب کے عام قبائل جو حج کے لیے آتے تھے وہ سب نویں ذی الحجہ کو حدود حرم سے باہر نکل کے عرفات میں وقوف کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے یعنی قریش جو اپنے کو کعبہ کا مجاور و متولی اور "اہل حرم اللہ" کہتے تھے وہ وقوف کے لیے بھی حدود حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے بلکہ اس کی حد کے اندر ہی مزدلفہ کے علاقہ میں مشعر حرام پہاڑی کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا امتیاز سمجھتے تھے۔ اپنے اس پرانے خاندانی دستور کی بناء پر قریش کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشعر حرام کے پاس ہی وقوف کریں گے لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا اور وقوف کی صحیح جگہ عرفات ہی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے چلتے وقت ہی اپنے لوگوں کو ہدایت فرما دی تھی کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کیلئے خیمہ نمرہ میں نصب کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق وادی نمرہ ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیمہ نصب کیا گیا اور آپ وہیں جا کر اترے اور اس خیمہ میں قیام فرمایا۔

(نمرہ ٹھیک وہ جگہ ہے جہاں حرم کی حد ختم ہو کر عرفات کی حد شروع ہوتی ہے۔ موجودہ مسجد نمرہ عرفات کے بالکل سرے پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی جو دیوار مکہ کی جانب ہے وہ عرفات اور نمرہ کے درمیان حد فاصل ہے۔ حتیٰ کہ اگر خدانخواستہ وہ دیوار باہر کی جانب گرے تو عرفات کی حد سے باہر وادی نمرہ میں گرے گی۔)

حَتّٰی إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ فَأَتٰی بَطْنَ الْوَادِي فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ ابْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ

وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَاِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ
فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوْطِئْنَ
فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ
تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاِصْبَعِهِ
السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ
ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا.

یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوا کسنے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر کجاوا کس دیا گیا آپ اس پر سوار ہو کر وادی (وادی عرنہ) کے درمیان آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کی پشت پر ہی سے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ لوگو! تمہارے خون اور تمہارا مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے ہمیشہ کیلئے حرام ہے) بالکل اسی طرح جس طرح کہ آج یوم العرفہ کے دن، ذی الحجہ کے اس مبارک مہینہ میں، اپنے اس مقدس شہر میں (تم ناحق کسی کا خون کرنا اور کسی کا مال لینا حرام جانتے ہو) خوب ذہن نشین کر لو کہ جاہلیت کی ساری چیزیں (یعنی اسلام کی روشنی کے دور سے پہلے تاریکی اور گمراہی کے زمانہ کی ساری رسمیں اور سارے قصے ختم ہیں) معاف ہیں (یعنی اب کوئی مسلمان زمانہ جاہلیت کے کسی خون کا بدلہ نہیں لے گا اور سب سے پہلے میں اپنے گھرانے کے ایک خون ربیعہ ابن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کے خون کے ختم اور معاف کئے جانے کا اعلان کرتا ہوں جو قبیلہ بنی سعد کے ایک گھر میں دودھ پینے کیلئے رہتے تھے اور ان کو قبیلہ ہذیل کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا۔ (ہذیل سے اس خون کا بدلہ لینا ابھی باقی تھا لیکن اب میں اپنے خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ قصہ ختم، بدلہ نہیں لیا جائے گا) اور زمانہ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات (جو کسی کے کسی کے ذمہ باقی ہیں وہ سب بھی) ختم اور سوخت ہیں (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کرے گا) اور اس باب میں بھی میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں (اب وہ کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کریں گے) ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیئے گئے اور اے لوگو! عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا کے بارے میں خدا سے ڈرو اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے ان کے ساتھ تمتع تمہارے لئے حلال ہوا ہے اور تمہارا خاص حق ان پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں۔ لیکن اگر وہ ایسی غلطی کریں تو تم (تنبیہ اور آئندہ سدباب کیلئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو تو) ان کو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو اور میں تمہارے لئے وہ سامان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو گے وہ ہے "کتاب اللہ" اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں

نے تم کو دین کی ہدایت اور اس کے احکام پہنچے ہیں یا نہیں) تو بتاؤ کہ وہاں تم کیا کہو گے اور کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہنچا دیے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نصیحت و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا: اللھم اشھد! اللھم اشھد! اللھم اشھد!! یعنی اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیے اور تیرے بندے اقرار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی۔

اس سال وقوف عرفہ کا دن جمعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال آفتاب کے بعد پہلے مندرجہ بالا خطبہ دیا اس کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں (ظہر ہی کے وقت میں) ساتھ ساتھ بلا فصل پڑھیں۔ حدیث میں صاف ظہر کا ذکر ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھی بلکہ اس کے بجائے ظہر پڑھی اور جو خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا بلکہ یوم العرفات کا خطبہ تھا۔ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عرفات کوئی آبادی اور بستی نہیں ہے بلکہ ایک وادی اور صحرا ہے اور جمعہ بستیوں اور آبادیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

یوم عرفہ کے اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دیں اس وقت اور اس مجمع میں انہی چیزوں کا اعلان اور تبلیغ و تلقین ضروری اور اہم تھی۔ خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر ایک ساتھ ظہر ہی کے وقت ادا فرمائیں اور درمیان میں سنت یا نفل کی دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں۔ اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ وقوف عرفات کے دن یہ دونوں نمازیں اسی طرح پڑھی جائیں اور اسی طرح مغرب و عشاء اس دن مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ اس دن ان نمازوں کا صحیح طریقہ اور ان کے صحیح اوقات یہی ہیں۔ اس کی ایک حکمت تو یہی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا یہ امتیاز ہر خاص و عام کو معلوم ہو جائے کہ آج کے دن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں بھی تبدیلی کر دی گئی ہے اور دوسری حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا اصل وظیفہ جو ذکر اور دعا ہے اس کے لیے پوری یکسوئی کے ساتھ بندہ فارغ رہے اور ظہر سے مغرب تک بلکہ عشاء تک نماز کی بھی فکر نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم العرفات کے اس خطبہ میں جو اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا سب سے اہم خطبہ کہا جا سکتا ہے سب سے آخری بات اپنی وفات اور جدائی کے قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمائی کہ "میں تمہارے لیے ہدایت و روشنی کا وہ کامل و مکمل سامان چھوڑ کر جاؤں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے۔ بشرطیکہ تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی روشنی میں چلتے رہے اور وہ ہے اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید"۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مرض وفات کے آخری دنوں میں جب کہ شدت مرض کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی۔ آپ نے بطور وصیت کے ایک تحریر

لکھانے کا جو خیال ظاہر کیا تھا جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: "تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے" اس میں آپ کیا لکھانا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس اہم خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ سے وابستگی اور اس کی پیروی کی وصیت لکھانا چاہتے تھے۔ آپ اس اہم خطبہ میں بھی بتا چکے تھے کہ یہ شان کتاب اللہ کی ہے اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حقیقت سے آشنا تھے اور اللہ نے موقع پر بات کہنے کی جرأت بھی دی تھی اس لیے انہوں نے اس موقع پر یہ رائے ظاہر کی کہ آپ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حیثیت کتاب اللہ کی ہے اس لیے اس سخت تکلیف کی حالت میں وصیت لکھنے لکھانے کی زحمت کیوں فرمائی جائے ہمیں آپ کا پڑھایا ہوا سبق یاد ہے اور یاد رہے گا۔ "حسبنا کتاب اللّٰہ"

حج کے سلسلہ کا سب سے بڑا عمل اور رکن اعظم "وقوف عرفہ" ہے یعنی ۹ ذی الحجہ کو بعد زوال ظہر و عصر کی نماز پڑھ کر میدان عرفات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہونا۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وقوف کتنا طویل فرمایا تھا۔ ظہر و عصر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی اور اس وقت سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے وقوف فرمایا اور اس کے بعد سیدھے مزدلفہ چل دیئے اور مغرب و عشاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر ایک ساتھ ادا فرمائیں اور جیسا کہ گزر چکا یہی اس دن کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مزدلفہ کی اس رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء سے فارغ ہو کر فجر تک آرام فرمایا اور اس رات تہجد بالکل ناغہ کیا اور سنتیں بھی نہیں پڑھیں (حالانکہ تہجد آپ سفر میں بھی ناغہ نہیں کرتے تھے) اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ نویں کے پورے دن آپ سخت مشغول رہے تھے صبح کو منیٰ سے چل کر عرفات پہنچے جہاں پہلے خطبہ دیا پھر ظہر و عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد سے مغرب تک مسلسل وقوف فرمایا پھر اسی وقت عرفات سے مزدلفہ تک کی مسافت طے کی۔ گویا فجر سے لے کر عشاء تک مسلسل حرکت اور مشقت اور اگلے دن ۱۰ ذی الحجہ کو بھی اسی طرح مشغول رہنا تھا یعنی صبح کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ پہنچنا وہاں جا کر پہلے رمی کرنا اس کے بعد صرف ایک یا دو یا دس بیس نہیں بلکہ ساٹھ سے بھی اوپر اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا اس کے بعد طواف زیارت کے لیے منیٰ سے مکہ جانا اور وہاں سے پھر منیٰ واپس آنا۔ بہرحال نویں اور دسویں ذی الحجہ کا پروگرام چونکہ اس قدر بھرا ہوا اور پُرمشقت تھا اس لیے ان دونوں کی درمیانی مزدلفہ والی رات میں پوری طرح آرام فرمانا ضروری تھا جسم اور جسمانی قوتوں کے لیے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان کی رعایت خاص کر ایسے موقعوں میں ضروری ہے تا کہ سہولت اور رعایت کا پہلو بھی عوام کے علم میں آ جائے اور شریعت کے صحیح اور معتدل مزاج کو سمجھ سکیں۔ واللہ اعلم

احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کئے۔ یہ غالباً وہی تریسٹھ (۶۳) اونٹ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے اپنے ساتھ قربانی کے لیے لائے تھے باقی سینتیس اونٹ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کے ہاتھ سے قربان کرائے تریسٹھ کے عدد کی یہ حکمت بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ گویا زندگی کے ہر سال کے شکر میں آپ نے ایک اونٹ قربان کیا۔ واللہ اعلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی قربانی کے اونٹوں کا گوشت پکوا کے کھایا اور شوربا پیا اس سے یہ بات سب کو معلوم ہو گئی کہ قربانی کرنے والا اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اعزہ کو بھی کھلا سکتا ہے۔

۱۰ ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف زیارت کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مسنون اور بہتر یہی ہے کہ طواف زیارت قربانی سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ ہی کو کر لیا جائے۔ اگرچہ تاخیر کی بھی اس میں گنجائش ہے۔

زمزم کا پانی کھینچ کھینچ کر حجاج کو پلانا یہ خدمت اور سعادت زمانہ قدیم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے بنی عبدالمطلب ہی کے حصے میں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد زمزم پر تشریف لائے' وہاں آپ کے اہل خاندان ڈول کھینچ کھینچ کر لوگوں کو اس کا پانی پلا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جی چاہا کہ اس خدمت میں کچھ حصہ لیں' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل صحیح سوچا کہ جب آپ ایسا کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور تقلید میں آپ کے سارے رفقاء بھی اس سعادت میں حصہ لینا چاہیں گے' اور پھر بنی عبدالمطلب جن کا یہ قدیمی حق ہے وہ محروم ہو جائیں گے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خاندان کی دلداری اور اظہار تعلق کے لیے اپنی دلی خواہش کا اظہار تو فرما دیا مگر ساتھ ہی وہ مصلحت بھی بیان فرما دی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی اس دلی خواہش کے قربان کر دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مِنًى فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهُ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ ثُمَّ دَعَا أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْأَيْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۰ ذی الحجہ کو صبح مزدلفہ سے) منیٰ تشریف لائے تو پہلے جمرۃ العقبہ پر پہنچ کر اس کی رمی کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ پر تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کی' پھر آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سر مبارک کی داہنی جانب اس کے سامنے کی' اس نے اس جانب کے بال مونڈ دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ انصاری کو طلب فرمایا اور وہ بال ان کے حوالے کر دیئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اب اس کو بھی مونڈ دو' اس نے اس جانب کو بھی مونڈ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بال بھی ابوطلحہ ہی کے حوالے فرما دیئے اور ارشاد فرمایا کہ ان بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا' حلق (سر منڈانے) کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے داہنی جانب کے بال صاف کرائے جائیں اور پھر بائیں جانب کے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے بال ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ ابوطلحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص محبین اور فدائیوں میں سے تھے۔ غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے تیروں سے بچانے کے لیے انہوں نے اپنا جسم تیروں سے چھلنی کرا لیا تھا' اس کے علاوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راحت و آرام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے مہمانوں کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ الغرض اس قسم کی خدمتوں میں ان کا اور ان کی بیوی ام سلیم (والدہ انس رضی اللہ عنہ) کا ایک خاص مقام تھا' غالباً ان کی انہی خصوصی خدمت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک کے بال ان کو مرحمت فرمائے اور دوسروں کو بھی

انہی کے ہاتھوں تقسیم کرائے۔ یہ حدیث اہل اللہ اور صالحین کے تبرکات کے لیے بھی واضح اصل اور بنیاد ہے۔ بہت سے مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو "موئے مبارک" بتائے جاتے ہیں ان میں سے جن کے بارے میں قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند موجود ہے۔ عجب نہیں کہ وہ یہی ہوں جو حجۃ الوداع کے موقع پر تقسیم کیے ہوئے انہی بالوں میں سے ہوں گے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک ایک دو دو بال تقسیم کیے تھے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ وہ ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پہنچے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے اخلاف نے اس مقدس تبرک کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہوگا اس لیے ان میں سے بہت سے اگر اب تک بھی کہیں کہیں محفوظ ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند کے بغیر کسی بال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "موئے مبارک" قرار دینا بڑی سنگین بات اور گناہ عظیم ہے اور بہر حال (اصلی ہو یا فرضی) اس کو اور اس کی زیارت کو ذریعہ تجارت بنا لینا جیسا کہ بہت سی جگہوں پر ہوتا ہے بدترین جرم ہے۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ وَقَالَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ۔ (رواه البخارى ومسلم)

ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں) دسویں ذی الحجہ کو خطبہ دیا جس میں فرمایا: زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی اصلی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر وہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت تھا۔ سال پورے بارہ مہینے کا ہوتا ہے ان میں سے ۴ مہینے خاص طور سے قابل احترام ہیں۔ تین مہینے تو مسلسل ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور چوتھا وہ رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو قبیلہ مضر زیادہ مانتا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس مہینہ کا کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ "ذی الحجہ" کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: بے شک یہ ذی الحجہ ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ یہ کون سا شہر ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر خاموش رہے یہاں تک کہ ہم

نے خیال کیا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر کا کوئی اور نام مقرر کریں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ "بلدہ" نہیں ہے؟ (مکہ کے معروف ناموں میں ایک "بلدہ" تھا) ہم نے عرض کیا "بے شک ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آج "یوم النحر" نہیں ہے؟ (یعنی ۱۰ ذی الحجہ جس میں قربانی کی جاتی ہے) ہم نے عرض کیا "بے شک آج یوم النحر ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں حرام ہیں تم پر (یعنی کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ناحق کسی کا خون کرے یا کسی کے مال پر یا اس کی آبرو پر دست درازی کرے۔ یہ سب تم پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں جیسا کہ آج کے مبارک اور مقدس دن میں خاص اس شہر اور اس مہینہ میں تم کسی کی جان لینا یا اس کا مال یا اس کی آبرو لوٹنا حرام سمجھتے ہو (بالکل اسی طرح یہ چیزیں تمہارے واسطے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور عنقریب (مرنے کے بعد آخرت میں) اپنے پروردگار کے سامنے تمہاری پیشی ہوگی اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔ دیکھو میں خبردار کرتا ہوں کہ تم میرے بعد ایسے گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) بتاؤ کیا میں نے اللہ کا پیغام تم کو پہنچا دیا؟ سب نے عرض کیا؟ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہا) اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (اے اللہ! تو گواہ رہ) (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا) جو لوگ یہاں حاضر اور موجود ہیں) اور انہوں نے میری بات سنی ہے) وہ ان لوگوں کو پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں بہت سے وہ لوگ جن کو کسی سننے والے سے بات پہنچے اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں (اور وہ اس علم کی امانت کا حق ادا کرتے ہیں)۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ اس خطبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی حصے میں زمانے کے گھوم پھر کے اپنی اصلی ابتدائی ہیئت پر آ جانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاہلیت میں اہل عرب کا ایک گمراہانہ دستور و طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی خاص مصلحتوں کے تحت کبھی کبھی کسی سال تیرہ مہینے قرار دے دیتے تھے اور اس کے لیے ایک مہینہ کو مکرر مان لیتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مہینوں کا سارا نظام غلط اور حقیقت کے خلاف تھا اس لیے حج جو ان کے حساب سے ذی الحجہ میں ہوتا تھا وہ اصل ذی الحجہ میں نہیں ہوتا بلکہ جاہلیت کے پچاسوں اور سینکڑوں برس کے چکر کے بعد یہ ہوا کہ ان اہل عرب کے حساب سے مثلاً جو محرم کا مہینہ تھا وہی اس آسمانی حساب سے بھی محرم کا مہینہ تھا اسی طرح جو اہل عرب کے حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے ابتدائی حصے میں یہی بات فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ ذی الحجہ جس میں یہ حج ادا ہو رہا ہے اصل آسمانی حساب سے بھی ذی الحجہ ہی ہے اور سال بارہ ہی مہینہ کا ہوتا ہے اور آئندہ صرف یہی اصلی اور حقیقی نظام چلے گا۔

خطبہ کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص وصیت و ہدایت امت کو یہ فرمائی کہ میرے بعد باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہو جانا اگر ایسا ہوا تو یہ انتہائی گمراہی کی بات ہوگی۔ اسی خطبے کی بعض روایات میں "ضلالاً" کے بجائے "کفاراً" کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کافرانہ رویہ

ہوگا اور اگر امت اس میں مبتلا ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے سلامتی والی راہ کے بجائے کافرانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔

امت کو یہ آگاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اہم خطبوں میں دی تھی اور غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی درجہ پر منکشف ہو چکا تھا کہ شیطان اس امت کے مختلف طبقوں کو باہم لڑانے اور بھڑکانے میں بہت کامیاب ہوگا۔ وَكَانَ ذَالِكَ قَدَرًا مَقْدُورًا

مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف

مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کی نسبت سے جو خاص شرف بخشا ہے اور اس کو بلد اللہ الحرام اور مرکز حج قرار دیا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس میں داخلہ اہتمام اور احترام کے ساتھ ہو اور اس کے بعد کعبہ مقدسہ کا حق ہے کہ سب سے پہلے اس کا طواف کیا جائے اور پھر کعبہ کے ایک گوشہ میں جو ایک خاص مبارک پتھر (حجر اسود) لگا ہوا ہے (جس کو اللہ تعالیٰ سے اور جنت سے خاص نسبت ہے) اس کا حق ہے کہ طواف کا آغاز ادب اور محبت کے ساتھ اس کے استلام سے کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سیکھا تھا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهِ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَمَشٰى أَرْبَعًا ... (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو سب سے پہلے حجر اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی طرف طواف کیا جس میں پہلے تین پھیروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا اور اس کے بعد چار پھیروں میں آپ اپنی عادی رفتار سے چلے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ہر طواف حجر اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے۔ استلام کا مطلب ہے حجر اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ لگا کر یا ہاتھ اس کی طرف کر کے اپنے ہاتھ ہی کو چوم لینا۔ اس استلام کر کے طواف شروع کیا جاتا ہے اور ہر طواف میں خانہ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں۔

رمل ایک خاص انداز کی چال کو کہتے ہیں جس میں طاقت وقوت کا اظہار ہوتا ہے۔ روایات میں ہے کہ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ یثرب یعنی مدینہ کی آب وہوا کی خرابی اور بخار وغیرہ وہاں کی بیماریوں نے ان لوگوں کو کمزور اور دبلا کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کی چال چلی جائے اور اس طرح طاقت وقوت کا مظاہرہ کیا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس وقت کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس کو مستقل سنت قرار دے دیا گیا۔ اب یہی طریقہ جاری ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا جو پہلا طواف کرتا ہے جس کے بعد اس کو صفا مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوتی ہے۔ اس کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جاتا ہے اور باقی چار چکر اپنی عادی رفتار سے کئے جاتے ہیں۔

عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ. (رواه البخاری و مسلم)

عابس بن ربیعہ تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور کہتے تھے میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے (تیرے اندر کوئی خدائی صفت نہیں ہے) نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات بالاعلان اور علی رؤس الاشہاد اس لیے کہی کہ کوئی ناتربیت یافتہ نیا مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر مسلمین کا حجر اسود کو چومنا دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس پتھر میں کوئی خدائی کرشمہ اور خدائی صفت اور بناؤ بگاڑ کی کوئی طاقت ہے اور اس لیے اس کو چوما جا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک اصولی اور بنیادی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی چیز کی جو تعظیم و تکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے وہ تعظیم برحق ہے لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع اور ضار اور بناؤ بگاڑ کا مختار یقین کر کے اس کی تعظیم کی جائے تو وہ شرک کا ایک شعبہ ہے اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔

وقوف عرفہ کی اہمیت اور فضیلت

حج کا سب سے اہم رکن نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات کا وقوف ہے اگر یہ ایک لمحہ کے لیے بھی نصیب ہو گیا تو حج نصیب ہو گیا اور اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ ذی الحجہ کے دن اور اس کے بعد والی رات کے کسی حصے میں بھی عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ حج کے دوسرے ارکان و مناسک طواف، سعی، رمی جمرات وغیرہ اگر کسی وجہ سے فوت ہو جائیں تو ان کا کوئی نہ کوئی کفارہ اور تدارک ہے لیکن اگر وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اس کا کوئی تدارک نہیں ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ الدِّيْلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ اَيَّامُ مِنًى ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. (رواه الترمذى وابو داؤد والنسائى وابن ماجه والدارمى)

عبدالرحمٰن بن یعمر دیلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے حج (کا خاص الخاص رکن جس پر حج کا دارومدار ہے) وقوف عرفہ ہے جو حاجی مزدلفہ والی رات میں (یعنی ۹ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں) بھی صبح صادق سے پہلے عرفات میں پہنچ جائے تو اس نے حج پا لیا اور اس کا حج ہو گیا..... (یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ کے بعد) منیٰ میں قیام کے تین دن ہیں (جن میں تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) اگر کوئی آدمی صرف دو دن میں ہی (۱۱، ۱۲ کو رمی کر کے) جلدی منیٰ سے چل دے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر کوئی ایک دن مزید ٹھہر کر (۱۳ ذی الحجہ کی رمی کر کے) وہاں سے جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں ہے (دونوں باتیں جائز ہیں)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح: ... چونکہ وقوف عرفات پر حج کا دارومدار ہے اس لیے اس میں اتنی وسعت رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی آدمی نویں ذی الحجہ کے دن میں عرفات نہ پہنچ سکے (جو وقوف کا اصلی وقت ہے) وہ اگر اگلی رات کے کسی حصے میں بھی وہاں پہنچ جائے تو اس کا

وقوف ادا ہو جائے گا اور وہ حج سے محروم نہ سمجھا جائے گا۔

یوم العرفہ کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر ہے جس میں ایک جمرہ کی رمی اور قربانی اور حلق وغیرہ کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اسی دن مکہ جا کر طواف زیارت کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد منیٰ میں زیادہ سے زیادہ تین دن اور کم سے کم دو دن ٹھہر کر تینوں جمروں پر کنکریاں مارنا مناسک میں سے ہے۔ پس اگر کوئی شخص صرف دو دن ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو رمی جمرات کر کے منیٰ سے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اگر کوئی ۱۳ ذی الحجہ کو بھی ٹھہرے اور رمی کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

رمی جمرات

منیٰ میں کافی کافی فاصلے سے تین جگہوں پر تین ستون بنے ہوئے ہیں۔ انہی ستونوں کو جمرات کہا جاتا ہے۔ ان جمرات پر کنکریاں پھینکنا بھی حج کے اعمال اور مناسک میں سے ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو صرف ایک جمرہ پر سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں اور ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو تینوں جمروں پر سات سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں۔ ظاہر بات ہے کنکریاں پھینکنا بذات خود کوئی عجیب عمل نہیں ہے لیکن اللہ کے حکم سے ہر عمل میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور بندگی یہی ہے۔ بے چوں و چرا اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ علاوہ ازیں اللہ کے بندے جب اللہ کے حکم سے اس کے جلال و جبروت کا دھیان کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا نعرہ لگاتے ہوئے شیطانی خیالات و عادات اور نفسانی خواہشات و معصیات کو عالم تصور میں نشانہ بنا کر ان جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں اور اس طرح گمراہی اور معصیت کو سنگسار کرتے ہیں تو ان کے قلوب کی اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اور ان کے ایمان والے سینوں کو جو انشراح اور سرور و انبساط اس سے نصیب ہوتا ہے اس کا ذائقہ بس وہی جانتے ہیں۔ بہرحال اللہ کے حکم سے اور اس کا حکم نام لے کر جمروں پر کنکریاں پھینکنا بھی اہل بصیرت کی نگاہ میں ایک ایمان افروز عمل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ وَمِنًى عَنْ يَمِيْنِهِ وَرَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِىْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔ (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رمی کے لیے جمرہ کبریٰ کے پاس پہنچے پھر اس طرح اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ (یعنی مکہ) اس کے بائیں جانب تھا اور منیٰ داہنی جانب۔ اس کے بعد انہوں نے جمرہ پر سات کنکریاں ماریں ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح رمی کی تھی اس مقدس ہستی نے جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی (جس میں حج کے احکام اور مناسک کا بیان ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمی کرنے کے طریقے کو تفصیل سے یاد رکھا تھا اور اس کے مطابق عمل کر کے لوگوں کو دکھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر اللہ نے حج کے احکام نازل کیے تھے اسی طرح رمی کیا کرتے تھے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَرْمِى جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلَى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ

يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِى الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَأْخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَرْمِىْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِىْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ. (رواہ البخاری)

سالم بن عبداللہ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ رمی جمرات کے بارے میں ان کا معمول اور دستور تھا کہ وہ پہلے جمرہ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے' اس کے بعد آگے نشیب میں اتر کر قبلہ رو کھڑے ہوتے اور ہاتھ اٹھا کے دیر تک دعا کرتے' پھر درمیان والے جمرہ پر بھی اسی طرح سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے' پھر بائیں جانب نشیب میں اتر کر قبلہ رو کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے' پھر آخری جمرہ (جمرۃ العقبہ) پر بطن وادی سے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے' اور اس جمرہ کے پاس کھڑے نہ ہوتے بلکہ واپس ہو جاتے اور بتاتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور دوسرے جمروں کی رمی کے بعد قریب میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دیر تک دعا کرتے تھے اور آخری جمرہ کی رمی کے بعد بغیر کھڑے ہوئے اور دعا کیے واپس ہو جاتے تھے یہی سنت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس سنت پر عمل کرنے والے بلکہ اس کے جاننے والے بھی بہت کم ہیں۔

قربانی

قربانی کی عام فضیلت اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام ہدایات "کتاب الصلوٰۃ" میں عید الاضحیٰ کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں اور حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ٦٣ اونٹوں کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ٣٧ اونٹوں کی جو قربانی کی تھی اس کا ذکر حجۃ الوداع کے بیان میں گزر چکا ہے۔ یہاں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ (قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِىْ) قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ. (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن یعنی ١٠ ذی الحجہ کا دن) ہے (یعنی یوم العرفہ کی طرح یوم النحر بھی بڑی عظمت والا دن ہے) اس کے بعد اس سے اگلا دن یوم القر (١١ ذی الحجہ) کا درجہ ہے (اس لیے قربانی جہاں تک ہو سکے ١٠ ذی الحجہ کو کر لی جائے) اور کسی وجہ سے ١٠ ذی الحجہ کو نہ کی جا سکے تو ١١ کو ضرور کر لی جائے۔ اس کے بعد (یعنی ١٢ ذی الحجہ کو) اگر کی جائے تو ادا تو ہو جائے گی لیکن

فضیلت کا کوئی اعجوبہ ہاتھ آ جائے گا) حدیث کے راوی عبداللہ بن قرط (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد اپنا یہ عجیب و غریب مشاہدہ) بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ یا چھ اونٹ قربانی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لائے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا تاکہ پہلے اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذبح کریں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ جانوروں میں بلکہ مٹی پتھر جیسے جمادات میں حقائق کا شعور پیدا کر دے۔ یہ ۵-۶ اونٹ جو قربانی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیے گئے تھے ان میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ شعور پیدا فرما دیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اس کے محبوب اور برگزیدہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے قربان ہونا ان کی کتنی بڑی خوش بختی ہے اس لیے ان میں سے ہر ایک اس خواہش کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہونا چاہتا تھا کہ پہلے آپ اسی کو ذبح کریں۔

عَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَاءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَاتَّجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عید الاضحیٰ کے موقع پر فرمایا) پہلے ہم نے قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے کی ممانعت کر دی تھی اور یہ پابندی اس لیے لگائی گئی تھی کہ سب لوگوں کو گوشت اچھی طرح مل جائے اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (وہ تنگدستی اور فقر و فاقہ والی بات اب نہیں رہی ہے بلکہ) اللہ کے کرم سے لوگ سب خوشحال ہیں اس لیے (اب وہ پابندی نہیں ہے) اجازت ہے لوگ کھائیں اور محفوظ رکھیں اور قربانی کا ثواب بھی حاصل کریں یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... اس حدیث سے معلوم ہوا قربانی کے گوشت کے بارے میں اجازت ہے کہ جب تک چاہیں کھائیں اور رکھیں اور آخری حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں بندوں کا کھانا پینا بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ گویا یہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ضیافت کے دن ہیں لیکن اس کھانے پینے کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کی تکبیر و تحمید تقدیس و توحید سے بھی زبان تر رہنی چاہیے۔ اس کی آمیزش کے بغیر اللہ کے بندوں کے لیے ہر چیز بے مزا اور ناقص ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

طواف زیارت اور طواف وداع

حج کے اعمال و مناسک اور ان کی ترتیب سے جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے اس کا اہم مقصد بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہے جو ملت ابراہیمی علیہ السلام کا خاص شعار ہے۔ اس لیے جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد حج کا سب سے پہلا عمل طواف ہی کرنا ہوتا ہے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی جاتی بلکہ طواف پہلے کیا جاتا ہے اور دوگانہ طواف اس کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ حاجی کے اس پہلے

طواف کا معروف اصطلاحی نام ہی "طوافِ قدوم" ہے (یعنی حاضری کا طواف)۔

اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی اور حلق سے فارغ ہونے کے بعد ایک طواف کا حکم ہے اس کا معروف اصطلاحی نام "طوافِ زیارۃ" ہے۔ یہ وقوفِ عرفات کے بعد حج کا سب سے اہم رکن ہے۔ پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد جب حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حکم ہے کہ وہ آخری وداعی کر کے واپس ہو اور اس کے سفرِ حج کا آخری عمل بھی طواف ہی ہو اس کا معروف اصطلاحی نام طوافِ وداع اور طوافِ رخصت ہے۔ ان دونوں طوافوں سے متعلق چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِي اَفَاضَ فِيْهِ. (رواه ابو داؤد وابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ زیارت کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا (یعنی پورا طواف عادی رفتار سے کیا)۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: ..... پہلے گزر چکا ہے کہ حاجی جب مکہ معظمہ حاضر ہو کر پہلا طواف کرے (جس کے بعد اس کو صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہو گی) تو اس طواف کے پہلے تین چکروں میں وہ رمل کرے گا۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ نے ایسا ہی کیا تھا اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے مکہ معظمہ آ کر طواف کیا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں تصریح ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ ..... (رواه الترمذى و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ زیارت کو مؤخر کیا (یعنی اس کی تاخیر کی اجازت دے دی) دسویں ذی الحجہ کی رات تک۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: ..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طوافِ زیارت کے لیے افضل دن یوم النحر (عید الاضحیٰ) کا دن ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ اس دن کے ختم ہونے کے بعد رات میں بھی وہ کیا جا سکتا ہے اور اس رات کا طواف بھی فضیلت کے لحاظ سے ۱۰ ذی الحجہ ہی کا طواف شمار ہو گا۔ عام عرفی قاعدے کے مطابق رات کی تاریخ اگلے دن والی تاریخ ہوتی ہے اور ہر رات اگلے دن کے ساتھ لگتی ہے لیکن حج کے مناسک اور احکام میں بندوں کی سہولت کے لیے اس کے برعکس قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اور ہر دن کے بعد والی رات کو اس دن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اسی بناء پر جو طواف ۱۰ ذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد رات میں کیا جائے گا وہ ۱۰ ذی الحجہ ہی میں شمار ہو گا۔ اگرچہ عام قاعدے کے لحاظ سے وہ ۱۱ ذی الحجہ کی رات ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِيْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ (حج کرنے کے بعد) اپنے اپنے وطنوں کے رخ پر چل

دیتے تھے (طواف وداع کا اہتمام نہیں کرتے تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک وطن کی طرف کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر نہ ہو (یعنی جب تک کہ طواف وداع نہ کرے) البتہ جو عورت خاص ایام کے عذر کی وجہ سے طواف سے معذور ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کو طواف وداع معاف ہے) (بخاری ومسلم)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث میں صراحۃ مذکور ہے پہلے لوگ طواف وداع کا اہتمام اور پابندی نہیں کرتے تھے۔ ١٣ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کر کے اور رمی جمرات وغیرہ وہاں کے مناسک ادا کر کے اپنے اپنے وطنوں کو چل دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس کے وجوب اور اہمیت کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ فقہاء نے طواف وداع کو واجب قرار دیا ہے۔ البتہ حدیث کی تصریح کے مطابق وہ مستورات جو اپنے خاص ایام کی وجہ سے طواف سے معذور ہوں وہ اگر طواف زیارت کر چکی ہوں تو بغیر طواف وداع کیے مکہ معظمہ سے وطن رخصت ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ ہر بیرونی حاجی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وطن کی طرف روانہ ہونے سے پہلے وداع اور رخصت ہی کی نیت سے آخری طواف کرے اور یہی حج کے سلسلے کا آخری عمل ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ وَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ قَالَتْ وَاَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَطَافَ بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں قیام مکہ کی اس آخری رات میں (جس میں مدینہ کی طرف واپسی ہونے والی تھی) میں نے مقام تنعیم جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کے ارکان (طواف سعی وغیرہ) ادا کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (منیٰ اور مکہ کے درمیان) مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا۔ جب میں عمرہ سے فارغ ہو چکی تو آپ نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ طواف وداع کے لیے بیت اللہ کے پاس آئے اور طواف کیا اور اسی وقت مکہ سے مدینہ کی طرف چل دیئے۔ (ابی داؤد)

تشریح: ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حجۃ الوداع کے سفر میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں تو آپ نے تمتع کا ارادہ کیا تھا اور اسی وجہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا لیکن جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچیں تو (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خاص ایام شروع ہو گئے جس کی وجہ سے وہ عمرہ کا طواف وغیرہ کچھ بھی نہ کر سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ نے عمرہ ترک کر کے ٨ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا اور آپ کے ساتھ پورا حج کیا۔ ١٣ ذی الحجہ کو جمرات کی رمی کر کے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابطح میں قیام فرمایا اور رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کے ساتھ بھیجا کہ حدود حرم سے باہر تنعیم جا کر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر آ جائیں۔ اس حدیث میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کر آ گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ قافلہ ابطح سے مسجد حرام آیا۔ آپ نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے سحر کے

طواف وداع کیا اور اسی وقت مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمرہ اس عمرہ کی قضا تھا جو احرام باندھنے کے باوجود نہ کر سکی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف وداع مکہ معظمہ سے روانگی ہی کے وقت کیا جائے۔

طواف کے بعد ملتزم سے چمٹنا اور دُعا کرنا

خانہ کعبہ کی دیوار کا تقریباً دو گز کا جو حصہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے وہ ملتزم کہلاتا ہے۔ حج کے مسنون اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اگر موقع ملے تو طواف کے بعد اس ملتزم سے چمٹ کر دُعا کی جائے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایسا ہی کیا تھا:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ أَطُوفُ مَعَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَرَأَيْتُ قَوْمًا اِلْتَزَمُوا الْبَيْتَ فَقُلْتُ لَهُ انْطَلِقْ بِنَا نَلْتَزِمُ الْبَيْتَ مَعَ هَؤُلَاءِ فَقَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ الْتَزَمَ الْبَيْتَ بَيْنَ الْبَابِ وَالْحَجَرِ وَقَالَ هَذَا وَاللَّهِ الْمَكَانُ الَّذِي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْتَزَمَهُ. (رواه البیهقی بهذا اللفظ)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہا تھا میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ سے چمٹ رہے ہیں تو میں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے عرض کیا کہ ہم کو یہاں لے چلئے ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی ان کی طرح بیت اللہ سے چمٹ جائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے (مطلب غالباً یہ تھا کہ اگر میں طواف کے درمیان ان لوگوں کی طرح ملتزم کی خاص جگہ کا لحاظ کیے بغیر بیت اللہ کی کسی دیوار سے چمٹ جاؤں تو یہ خلاف سنت اور غلط کام ہوگا اور اس سے خدا راضی نہیں ہوگا بلکہ شیطان راضی ہوگا اور میں اس مردود سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں شعیب کہتے ہیں کہ) پھر جب میرے دادا طواف سے فارغ ہو گئے تو دیوار کعبہ کے خاص اس حصہ پر آئے جو باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے (جس کو ملتزم کہتے ہیں) اور مجھ سے فرمایا: خدا کی قسم! یہی وہ جگہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چمٹ گئے تھے۔ (سنن بیہقی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ملتزم سے اس طرح چمٹ گئے کہ اپنا سینہ اور اپنا چہرہ اس سے لگا دیا اور ہاتھ بھی پوری طرح پھیلا کے اس پہ رکھ دیئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

تشریح:..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملتزم سے چمٹنے والا یہ عمل طواف کے بعد ہونا چاہیے اور اس کی خاص جگہ ملتزم ہی ہے۔ اللہ کے دیوانوں کو اس میں جو کیفیت نصیب ہوتی ہے وہ بس انہی کا حصہ ہے اور حج کی خاص الخاص کیفیات میں سے ہے۔

کِتَابُ الْعِیْدَیْن

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا فَقَالَ مَاھٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰہُ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے۔ ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انھوں نے عرض کیا کہ: ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر (سنن ابی داؤد)

تشریح..... قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد و تصورات اور ان کی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرما دیئے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ کاش اگر مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ بس یہی مسلمانوں کے اصلی مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ کو۔ رمضان المبارک دینی وروحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا اسی پورے مہینے کے روزے امت مسلمہ پر فرض کئے گئے۔

الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات وعبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس امت کے جشن ومسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے' چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔ اور ۱۰ ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امت مسلمہ کے مؤسس ومورث اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم واشارہ پا کر اپنے لخت جگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پہ چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم ورضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عشق ومحبت اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیل کو زندہ وسلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمالی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر "انی جاعلک للناس اماما" کا تاج رکھ دیا تھا اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لئے "رسم عاشقی" قرار دے دیا تھا۔ پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جاسکتا ہے تو اس امت مسلمہ کے لئے جو ملت ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کے دن کے مقابلہ میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دوسری عید ۱۰ ذی الحجہ کو قرار دیا گیا۔ جس وادی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا اسی وادی میں پورے عالم اسلامی کے حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجے کی یادگار ہے اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الاضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہے۔ بہرحال ان دونوں (یکم شوال اور ۱۰ ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید' اور امت مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

عیدین کی نماز کیلئے اذان واقامت

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے۔ ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔ (صحیح مسلم)

عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحی کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کیلئے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے پھر آپ ان کو خطبہ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپ (عیدین کی نماز و خطبہ کے بعد) اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے۔ پھر آپ عید گاہ سے واپس ہوتے تھے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپ نے اس کام کے لئے منتخب فرمالیا تھا۔ اور گویا (عیدگاہ) قرار دے دیا تھا اس وقت اس کے گرد کوئی چاردیواری بھی نہیں تھی بس صحرائی میدان تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ آپ نے عید کی نماز ایک مرتبہ بارش کی مجبوری سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن نماز و خطبہ کے بعد عید گاہ ہی میں اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مجاہدین کے لشکر اور دستے بھی منظم کئے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید گاہ حاضر ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلال پر سہارا لگا کر آپ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی اور لوگوں کو پند و نصیحت فرمائی اور اللہ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی۔ پھر آپ خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلال آپ کے ساتھ ہی تھے وہاں پہنچ کر آپ نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ والی زندگی گزارنے کے لئے فرمایا اور ان کو پند و نصیحت فرمائی۔ (سنن نسائی)

تشریح..... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو مستقل خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ نے اس لئے کیا تھا کہ آپ کے خیال میں خواتین تک آپ کا خطبہ نہیں پہنچا تھا۔ واللہ اعلم۔

فائدہ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عیدین کی نماز میں خواتین بھی عام طور پر شریک ہوتی تھیں بلکہ ان کے لئے یہ آپ کا حکم تھا لیکن زمانہ مابعد میں مسلم معاشرے میں فساد آ گیا تو جس طرح امت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور پنجگانہ نماز کے لئے خواتین کا مسجدوں میں آنا مناسب نہیں سمجھا اسی طرح نماز عید کے لئے ان کا عید گاہ جانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے پہلے یا بعد آپ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

عیدین کی نماز کا وقت

یزید بن خمیر رحبی تابعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے کے لئے لوگوں کے ساتھ عیدگاہ تشریف لائے (امام کے آنے میں دیر ہوئی) تو آپ نے امام کی اس تاخیر کو منکر جانا (اور اس کی مذمت کی) اور فرمایا کہ اس وقت تو ہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) نماز پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔ (راوی کہتے ہیں) اور یہ نوافل کا وقت تھا (نوافل سے مراد نماز چاشت کے نوافل ہیں)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ... عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۸۸ھ میں "حمص" میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً وہیں کا یہ واقعہ ہے کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے نکیر فرمائی اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ نماز عید سویرے پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے "تلخیص" کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہوتا تھا اور عید الاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے ہوتا تھا۔"

ہمارے زمانے میں بہت سے مقامات پر عیدین کی نماز بہت تاخیر سے پڑھی جاتی ہے یہ بلاشبہ خلاف سنت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عمیر سے روایت ہے کہ وہ اپنے متعدد چچوں سے نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں سے تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ (کہیں باہر سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے شہادت دی کہ کل (رات میں) انہوں نے چاند دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزے کھول دیں اور کل جب صبح ہو تو نماز عید ادا کرنے کے لئے عیدگاہ پہنچیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک دفعہ رمضان کی ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہیں آیا تو قاعدے کے مطابق اگلے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا لیکن دن ہی میں سے کسی وقت باہر کا کوئی قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا تو آپ نے ان لوگوں کی گواہی قبول فرما کر لوگوں کو روزہ کھولنے کا حکم دے دیا اور نماز عید کے لئے فرمایا کہ کل صبح پڑھی جائے گی۔

بظاہر یہ قافلہ دن کو دیر سے مدینہ منورہ پہنچا تھا اور نماز کا وقت نکل چکا تھا۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر چاند کا دیکھا جانا ایسے وقت معلوم ہو کہ نماز عید اپنے وقت پر نہ پڑھی جا سکتی ہو تو پھر اگلے دن صبح ہی کو پڑھی جائے گی۔

عیدین کی نماز میں قراءت

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ

عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ "قٓ والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ"۔ (صحیح مسلم)

تشریح ۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عیدین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بارے میں خود یاد نہ رہا ہو اور اس وجہ سے انہوں نے ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا۔ بظاہر حضرت عمرؓ کا یہ سوال یا تو ابو واقد لیثیؓ کے علم و حافظہ کا اندازہ کرنے کے لئے تھا یا اپنے مزید اطمینان کیلئے۔ واللہ اعلم۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى" اور "هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" پڑھا کرتے تھے اور جب (اتفاق سے) عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتا تو بھی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ... ابو واقد لیثی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے ان بیانوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ عیدین کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھتے تھے اور کبھی سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عید کی نماز مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پڑھائی۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ..... عیدین میں "امت مسلمہ کا تہوار" اور "ملی جشن" ہونے کی جو شان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا اور اس لئے عام حالات میں یہی سنت ہے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسی ہی کوئی اور سبب ہو) تو عید کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا بعد میں؟

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ عید الفطر کی نماز کیلئے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح .. حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے جو ایک طرح

سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا غالباً اس لئے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان کے پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا آج جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کی اجازت ملی اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندہ کی طرح صبح ہی اس کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے۔ بندگی کا مقام یہی ہے۔

عیدگاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں ان میں سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ یہ اس لئے کرتے تھے کہ اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عید میں جشن اور تفریح کا جو پہلو ہے اس کے لئے بھی یہی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ واللہ اعلم۔

عیدین کی نمازوں کے احکام

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَءَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّ لَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ. (رواہ النسائی)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سہارا لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی، اور لوگوں کو پند و نصیحت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلال آپ کے ساتھ ہی تھے، وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقوے والی زندگی گزارنے کے لئے فرمایا اور ان کو پند و نصیحت فرمائی۔ (سنن نسائی)

تشریح: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو مستقل خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال میں خواتین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ سن نہیں سکی تھیں۔ واللہ اعلم۔

فائدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں عیدین کی نماز میں خواتین بھی عام طور پر شریک ہوتی تھیں، بلکہ ان کے

لئے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تھا لیکن بعد میں مسلم معاشرے میں بگاڑ آ گیا تو جس طرح امت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور پنجگانہ نماز کے لئے خواتین کا مسجدوں میں آنا مناسب نہیں سمجھا اسی طرح نماز عید کے لئے ان کا عیدگاہ جانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُمَيْرٍ الرَّحَبِيِّ قَالَ خَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَعَ النَّاسِ فِيْ يَوْمِ عِيْدِ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰى فَاَنْكَرَ اِبْطَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِنَّا كُنَّا قَدْ فَرَغْنَا سَاعَتَنَا هٰذِهٖ وَذٰلِكَ حِيْنَ التَّسْبِيْحِ۔ (رواہ ابوداؤد)

یزید بن خمیر رحبی تابعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عید الفطر یا عید الاضحی کے دن نماز عید پڑھنے کے لئے لوگوں کے ساتھ عیدگاہ تشریف لائے (امام کے آنے میں دیر ہوئی) تو آپ رضی اللہ عنہ نے امام کی اس تاخیر کو منکر بتایا (اور اس کی مذمت کی) اور فرمایا کہ اس وقت تو ہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ) نماز پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے (راوی کہتے ہیں) اور یہ نوافل کا وقت تھا (نوافل سے مراد غالباً چاشت کے نوافل ہیں)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں۔ ۸۸ھ میں "حمص" میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً وہیں کا یہ واقعہ ہے کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے نکیر فرمائی اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ نماز عید سویرے پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عید الفطر اور عید الاضحی کی نماز کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" میں احمد بن حسن البناء کی کتاب الاضاحی کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

" كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِنَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَالشَّمْسُ عَلٰى قِيْدِ رُمْحَيْنِ وَالْاَضْحٰى عَلٰى قِيْدِ رُمْحٍ. "

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہوتا تھا اور عید الاضحی کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزے کے ہوتا تھا۔"

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کی نماز کیلئے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحی کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح: صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ بھی مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔

عیدالاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عیدالفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا غالباً اس لئے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان کے پورے مہینہ میں دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کا اذن ملا اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب صادق بندہ کی طرح صبح ہی اس کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ. (رواه البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک ان میں سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اس لئے کرتے تھے کہ اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عید میں جشن اور تفریح کا جو پہلو ہے اس کے لئے بھی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ واللہ اعلم۔

صدقۂ فطر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد پر اور ہر مرد و عورت پر اور ہر چھوٹے اور بڑے پر صدقۂ فطر لازم کیا ہے، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو۔ اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقۂ فطر نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: زکوٰۃ کی طرح صدقۂ فطر بھی اغنیاء (دولتمندوں) ہی پر واجب ہے، چونکہ یہ بات مخاطبین خود سمجھ سکتے تھے اس لئے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔

اس حدیث میں ہر نفر کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی دو چیزیں اس زمانہ میں مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں عام طور سے بطور غذا کے استعمال ہوتی تھیں اس لئے اس حدیث میں انہی دو کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک چھوٹے گھرانے کی غذا کے لئے ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو کافی ہوتے تھے، اس حساب سے ہر دولت مند گھرانے کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی جانب سے عیدالفطر کے دن اتنا صدقہ ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا، جس سے ایک معمولی گھرانے کے ایک دن کے کھانے کا خرچ چل سکے۔ ہندوستان کے اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق رائج الوقت سیر کے حساب سے ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔

قربانی کا طریقہ اور اس کے احکام

عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ " إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ. (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ والدارمی)

وفی روایۃ لاحمد وابی داؤد و الترمذی ذَبَحَ بِيَدِهِ وَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي.

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قربان کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہی وسفیدی مائل سینگوں والے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا رخ قبلہ کی طرف کر لیا تو یہ دعا پڑھی "انی وجهت وجهی للذی ..... اللهم منک ولک عن محمد وامته بسم الله والله اکبر" (میں نے اپنا رخ اس اللہ کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، طریقے پر ابراہیم کے ہر طرف سے یکسو ہو کر اور میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز و عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے، تیرے بندے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اور اس کی امت کی جانب سے بسم الله والله اکبر) یہ دعا پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

اور مسند احمد، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں آخری حصہ اس طرح ہے کہ آپ نے اللهم منک ولک کہنے کے بعد اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور زبان سے کہا: "بسم الله والله اکبر" (اے اللہ! یہ میری جانب سے اور میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہ کی ہو)۔

تشریح: قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ "میری جانب سے اور میری امت کی جانب سے یا میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں کی" ظاہر ہے کہ یہ امت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی شفقت و رافت ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری امت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے امتیوں کی طرف سے قربانی کر دی اور سب کی طرف سے ادا ہو گئی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ! اس کے ثواب میں میرے ساتھ میرے امتیوں کو بھی شریک فرما۔ ثواب میں شرکت اور چیز ہے اور قربانی کا ادا ہو جانا دوسری چیز ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُضَحِّيَ بِأَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایسے جانور کی

قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: قربانی دراصل بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مریل، سینگ ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ:

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ."

تم کو نیکی کا مقام اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں مرغوب و محبوب ہوں۔

بہر حال قربانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہدایات کی روح اور ان کا خاص مقصد یہی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ. (رواه مسلم وابوداؤد واللفظ له)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گائے یا بیل کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اسی طرح اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ (صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

تشریح: بھینس اہل عرب کے نزدیک گویا گائے ہی کی ایک قسم ہے، جو عرب میں نہیں ہوتی اس لئے اس کا اس حدیث میں الگ ذکر نہیں کیا گیا، اس کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت وحرمت

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَ اَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفْرًا. (رواه مسلم)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو اس کو چاہئے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: دراصل یہ عشرہ حج کا ہے اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے، لیکن حج مکہ معظمہ جا کر ہی ہو سکتا ہے اس لئے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی اہل استطاعت پر فرض کیا گیا ہے، اس کی خاص برکات وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کر لیں اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں۔ عیدالاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکے ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں، اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتا، اسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال یا ناخن نہ ترشوائیں اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔

کس قدر مبارک ہدایت ہے، جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

قربانی کے فضائل و مسائل

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا فَاطِمَةُ قُومِي إِلَى أُضْحِيَتِكِ فَاشْهَدِيهَا فَإِنَّ لَكِ بِأَوَّلِ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِهَا أَنْ يُغْفَرَ لَكِ مَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوبِكِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَنَا خَاصَّةً أَهْلَ الْبَيْتِ أَوْ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِينَ قَالَ بَلْ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِينَ (رواہ البزار وابو الشیخ ابن حبان فی کتاب الضحایا وغیرہ) (الترغیب والترہیب جلد دوم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (اپنی صاحبزادی) حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (قربانی کے وقت) فرمایا کہ اے فاطمہ کھڑی ہو اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو جاؤ کیونکہ اس کے خون کے پہلے قطرہ کی وجہ سے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا یا رسول اللہ کیا یہ فضیلت صرف ہمارے لئے اہل بیت کے واسطے مخصوص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ فضیلت ہمارے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ (الترغیب والترہیب بحوالہ البزار وابن حبان ج۲ ص ۱۰۲)

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوا فَمَا لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوا فَالصُّوفُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ (رواہ احمد وابن ماجہ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ ان قربانیوں کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا یہ طریقہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہوا ہے اور یہ ان کا طریقہ چلا آرہا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم کو ان میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی! عرض کیا اون والے جانور یعنی بھیڑ دنبے کے ذبح پر کیا ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۹ بحوالہ احمد وابن ماجہ)

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ وَإِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ بِالْأَرْضِ فَطِيبُوا بِهَا نَفْسًا. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقرعید کے دن تاریخ کو کوئی بھی نیک کام اللہ کے نزدیک (قربانی کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قیامت کے دن قربانی والا اپنے جانور کے بالوں

اور سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں ثواب عظیم کا ذریعہ بنیں گی) نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجہ قبولیت پاتا ہے۔ لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۸ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ)

قربانی کی ابتداء۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ نبیوں کا خواب سچا ہوتا تھا اور اللہ کی جانب سے ہوتا تھا۔ ایسی بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیئے جانے کے مرادف مانی جاتی تھی اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے جواب دیا یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (سورۂ صافات رکوع ۳) یعنی اے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجئے۔ آپ مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے)

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو مکہ سے لے کر چلے اور منیٰ میں جا کر ذبح کرنے کی نیت سے ایک چھری ساتھ لی (منیٰ مکہ سے تین میل دور دو پہاڑوں کے درمیان بہت لمبا میدان ہے) جب منیٰ میں داخل ہونے لگے تو ان کے بیٹے کو شیطان بہکانے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر سات کنکریاں ماریں۔ جس کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ دونوں باپ بیٹے آگے بڑھے تو زمین نے شیطان کو چھوڑ دیا۔ کچھ دور جا کر پھر بہکانے لگا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اسے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر سات کنکریاں ماریں۔ وہ پھر زمین میں دھنس گیا۔ یہ دونوں آگے بڑھے تو پھر زمین نے اس کو چھوڑ دیا۔ پھر جا کر ورغلانے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اسے اللّٰہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں پھر وہ زمین میں دھنس گیا اور اس کے بعد آگے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ ابھی ذبح کرنے نہ پائے تھے کہ اللہ کی جانب سے ندا آئی یٰٓاِبْرٰھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔ یعنی اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ پھر اللہ پاک نے ایک مینڈھا بھیجا جسے اپنے بیٹے کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر دیا۔ کما قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔

ذبح تو کیا مینڈھا اور ثواب مل گیا بیٹے کی قربانی کا۔ کیونکہ دونوں باپ بیٹے اپنے دل و جان سے اس کام کے انجام کو طے کر چکے تھے جس کا اللہ کی جانب سے حکم ہوا تھا۔ باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور بیٹا ذبح ہونے کیلئے خوشی خوشی لیٹ گیا۔ اپنی جانب سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ جل شانہٗ کے یہاں نیت دیکھی جاتی ہے اپنی نیت میں یہ دونوں سچے تھے کما قال تعالیٰ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ۔

یہ واقعہ قربانی کی ابتداء ہے اور حج کے موقع پر منیٰ میں جو کنکریاں ماری جاتی ہیں ان کی ابتداء بھی اسی واقعہ سے ہوئی ہے اسی طرح تین جگہوں میں کنکریاں مارتے ہیں جہاں شیطان زمین میں دھنس گیا تھا۔ جگہ کی نشان دہی کے لئے پتھر کے مینار بنا دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے جانوروں کی قربانی کرنا عبادت میں شمار ہو گیا۔ چنانچہ امت محمدیہ کے لئے بھی قربانی مشروع کی گئی۔ صاحب حیثیت پر قربانی واجب ہے اور اگر کسی کی اتنی حیثیت نہ ہو اور قربانی کر دے تب بھی ثواب عظیم کا مستحق ہوگا۔

قربانی کی اہمیت۔ چونکہ اصل مقصود خون بہانا ہے۔ یعنی جان بجان آفریں کے سپرد کرنا ہے اس لئے قربانی کے ایام میں اگر کوئی شخص قربانی کی قیمت صدقہ کر دے یا اس کی جگہ غلہ یا کپڑا محتاجوں کو دے دے تو اس سے حکم کی تعمیل نہ ہوگی اور ترک قربانی کا گناہ ہوگا اور ہر سال

کے بڑے نیکی ملنے کی جو سعادت تھی اس سے محرومی ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من وجد سعة لأن يضحي فلم يضح فلا يحضر مصلانا. (رواہ الحاکم، الترغیب والترہیب ص ۱۰۳ ج ۲)

یعنی جو شخص وسعت ہوتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ (رواہ الحاکم، الترغیب والترہیب ص ۱۰۳ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی فرمائی (مشکوٰۃ) ان حدیثوں سے قربانی کی بہت زیادہ تاکید معلوم ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پابندی سے قربانی کرنے اور اس کے لئے تاکید فرمانے کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل وسعت پر قربانی کو واجب کہا ہے اور فرمایا ہے کہ صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے (واجب کا درجہ فرض کے قریب ہے بلکہ عمل میں فرض کے برابر ہے)

قربانی کس پر واجب ہے۔ جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہو یا جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت ہو یا اتنی قیمت کا مال تجارت ہو یا فاضل سامان پڑا ہو اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ واجب نہیں اس پر قربانی بھی واجب نہیں یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یوں کہنا تو درست ہے کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اس پر قربانی بھی واجب نہیں کیونکہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر زکوٰۃ فرض نہیں اس لئے کہ ان کے پاس سونا چاندی، یا مال تجارت یا نقدی نصاب کے بقدر نہیں ہوتی لیکن بہت سا فاضل سامان پڑا ہوتا ہے۔ (جیسے استعمال کیا ہوا ضرورت سے زائد فرنیچر وغیرہ) اگر یہ فاضل سامان ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہو جاتی ہے لیکن زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور ایک فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے جب نصاب پر چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گذر جائیں اور زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے قربانی کی تاریخ آنے سے پہلے چوبیس گھنٹے گذرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک آدھ دن پہلے ہی ایسا مال آ گیا جس کے ہونے سے قربانی واجب ہوتی ہے تو اس پر کل کو قربانی واجب ہو جائے گی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو صاحب نصاب ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ فرضیت زکوٰۃ اور وجوب قربانی و صدقہ فطر کے بارے میں ہر ایک کی ملکیت علیحدہ علیحدہ دیکھی جائے گی۔ اگر کسی گھر میں باپ بیٹے اور بیٹوں کی ماں ہر ایک کی ملکیت میں اتنا مال ہو جس پر قربانی واجب ہوتی ہے تو ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی۔ البتہ نابالغ کی طرف سے کسی حال میں قربانی کرنا لازم نہیں۔ عورتوں کے پاس عموماً اتنا زیور ہوتا ہے جس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ بیوہ ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ: شرعی مسافر یعنی جو شخص اپنے شہر یا بستی سے ۴۸ میل کے سفر کے ارادے سے ایام قربانی سے قبل نکلا ہو اس پر قربانی واجب نہیں۔ ہاں اگر قربانی کے دنوں میں سے کسی دن گھر پہنچ جائے یا کسی جگہ پندرہ دن قیام کرنے کی نیت کرلے تو اس پر قربانی واجب ہو جائیگی۔

قربانی کے جانور۔ قربانی کے جانور شرعاً مقرر ہیں گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، بھیڑی، دنبہ، دنبی کی قربانی ہو سکتی ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں اگرچہ کتنا ہی زیادہ قیمتی ہو اور کھانے میں جس قدر بھی مرغوب ہو۔ لہٰذا ہرن کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح دوسرے حلال جانور قربانی میں ذبح نہیں کئے جا سکتے۔

مسئلہ: گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اونٹنی میں سات حصے ہو سکتے ہیں یعنی ان میں سے ایک جانور میں سات قربانیاں ہو سکتی ہیں خواہ ایک ہی آدمی ایک گائے لے کر اپنے گھر کے آدمیوں کے وکیل بنانے سے ان کا وکیل بن کر سات حصے تجویز کر کے ذبح کر دے یا مختلف گھروں کے آدمی ایک ایک یا دو دو حصے لے کر سات حصے پورے کر لیں دونوں صورتوں میں قربانی درست ہو جائیگی۔

مسئلہ: چونکہ عقیقہ بھی ثواب کا کام ہے اس لئے قربانی کی گائے یا اونٹ میں اگر کچھ حصے قربانی کے ہوں کچھ عقیقہ کے تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر چھ آدمیوں نے قربانی کا حصہ لیا اور ایک شخص نے ایک حصہ گوشت کھانے یا تجارت کرنے کی نیت سے لیا مقصد قربانی کا ثواب لینا نہ تھا تو کسی کی بھی قربانی نہ ہوگی: اگر قربانی کی گائے میں کسی مرتد، قادیانی، بددین کو شریک کر لیا تب بھی کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو تب بھی کسی کی قربانی درست نہ ہوگی نہ اس کی جس کا ساتواں حصہ یا اس سے زیادہ تھا نہ اس کی جس کا حصہ ساتویں حصہ سے کم تھا۔

مسئلہ: اور اگر گائے اونٹ بھینس میں سات حصوں سے کم کر لئے مثلاً چھ حصے کر کے چھ آدمیوں نے ایک ایک حصہ لے لیا تو قربانی درست ہو جائے گی بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ اور اگر آٹھ حصے بنائے اور آٹھ قربانی والے شریک ہو گئے تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔

مسئلہ: چھوٹے جانور یعنی بکرا، بکری وغیرہ میں شرکت نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص کی جانب سے ایک ہی جانور ہو سکتا ہے۔

مسئلہ: گائے، بیل، بھینس، بھینسا کی عمر کم از کم دو سال اور اونٹ اونٹنی کی عمر کم از کم پانچ سال اور باقی جانوروں کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر بھیڑ یا دنبہ سال بھر سے کم کا ہو لیکن موٹا تازہ اتنا ہو کہ سال بھر والے جانوروں میں چھوڑ دیا تو فرق محسوس نہ ہو تو اس کی بھی قربانی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ چھ مہینے سے کم کا نہ ہو اگر اتنا موٹا تازہ ہو جس کا ابھی ذکر ہوا تو کسی مفتی کو دکھا لیں۔ پھر ان کے قول کے مطابق عمل کریں۔

کیسے جانور کی قربانی درست ہے۔ چونکہ قربانی کا جانور بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جاتا ہے اس لئے جانور خوب عمدہ موٹا تازہ صحیح سالم عیبوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ قربانی کے جانور کے آنکھ کان خوب اچھی طرح دیکھ لیں۔ اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان چرا ہوا ہو یا جس کے کان میں سوراخ ہو۔ (رواہ ترمذی) اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قربانی میں کن کن جانوروں سے پرہیز کیا جائے۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ (خصوصیت کے ساتھ) چار طرح کے جانوروں سے پرہیز کرو۔

(۱) اَلْعَرْجَاءُ الْبَیِّنُ ظَلْعُهَا یعنی وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔

(۲) اور اَلْعَوْرَاءُ الْبَیِّنُ عَوَرُهَا یعنی وہ کانا جانور جس کا کانا پن ظاہر ہو۔

(۳) اور اَلْمَرِیْضَةُ الْبَیِّنُ مَرَضُهَا یعنی ایسا بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو۔

(۴) وَالْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تُنْقِي یعنی ایسا دبلا جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ ہو۔ (رواہ مالک و ترمذی وابوداؤد وغیرہم)

حضرات فقہائے کرام نے ان احادیث کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو جانور بالکل اندھا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو یا ایک کان کا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو یا دم کٹ گئی ہو یا دم کا ایک تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو یا اتنا دبلا جانور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اگر جانور دبلا ہو مگر اتنا زیادہ دبلا نہ ہو تو اس کی قربانی ہو جائے گی لیکن ثواب کہاں ملے گا جو موٹے تازے جانور کی قربانی میں ملتا ہے مقصود ہوتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے گری پڑی حیثیت کا جانور اختیار کرنا کمی بھی ہے اور ناشکری بھی۔

مسئلہ:۔ جو جانور تین پاؤں سے چلتا ہے اور چوتھا پاؤں رکھتا ہی نہیں یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے مگر اس سے مدد نہیں ملتا یعنی چلنے میں اس سے سہارا نہیں لیتا تو اس کی قربانی درست نہیں۔ اگر چاروں پاؤں سے چلتا ہے اور ایک پاؤں میں کچھ لنگ ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جو باقی ہیں وہ تعداد میں گر جانے والے دانتوں سے زیادہ ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی جانور کے پیدائش ہی سے کان نہیں تو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر دونوں کان ہیں اور صحیح سالم ہیں لیکن ذرا چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی ہو سکتی ہے۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے پیدائش ہی سے سینگ نہیں لیکن عمر اتنی ہو گئی ہے جتنی قربانی کے جانور کی ہونی لازم ہے تو اس کی قربانی درست ہے اور اگر سینگ نکل آئے اور ان میں سے ایک یا دونوں کچھ ٹوٹ گئے تو ایسے جانور کی قربانی ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے اور اندر کی مینگ بھی ختم ہو گئی تو اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ:۔ خصی جانور کی قربانی نہ صرف یہ کہ درست ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسے جانوروں کی قربانی کی ہے۔ رَوَى أَبُو دَاوُدَ وَغَيْرُهُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوئَيْنِ۔

مسئلہ:۔ اگر گابھن جانور کی قربانی کی اور اس کے پیٹ میں بچہ نکل آیا تب بھی قربانی ہو گئی اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر دے۔

مسئلہ:۔ اگر قربانی کا جانور خرید لیا پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوتی تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی واجب نہیں تھی اور اس نے ثواب کے شوق میں جانور خرید لیا تھا تو اسی کی قربانی کر دے۔

قربانی کا وقت۔ بقر عید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارھویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے۔ چاہے جس دن قربانی کرے لیکن قربانی کرنے کا سب سے افضل دن بقر عید کا دن ہے۔ پھر گیارھویں تاریخ پھر بارھویں تاریخ۔

مسئلہ:۔ بقر عید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے۔ نماز عید پڑھ چکیں تب قربانی کریں۔ البتہ کوئی دیہات میں یا گاؤں میں ہو جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی تو وہاں دسویں تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد قربانی کر دینا درست ہے۔

مسئلہ:۔ بارھویں تاریخ کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے قربانی کرلینا درست ہے جب سورج غروب ہو گیا تو اب قربانی کرنا درست نہیں۔

مسئلہ:۔ دسویں سے بارھویں تک جب جی چاہے قربانی کرے چاہے دن میں چاہے رات میں، لیکن رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں کہ شاید کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی نہ ہو۔ اگر خوب زیادہ روشنی ہو جیسے شہروں میں بجلی یا ڈے لائٹ کی روشنی ہوتی ہے تو رات کو قربانی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

قربانی کی منت اور وصیت۔ مسئلہ:۔ جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا جس کے واسطے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے چاہے مالدار ہو یا نہ ہو اور منت کی قربانی کا سب گوشت فقیروں کو خیرات کرے۔ نہ آپ کھائے نہ امیروں کو دے۔ اس میں سے جتنا آپ کھایا ہو یا امیروں کو دیا ہو اتنا پھر خیرات کرنا پڑے گا۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی وصیت کر کے مر گیا کہ میرے ترکہ میں سے میری طرف سے قربانی کی جائے اور اس کی وصیت کے مطابق اسی مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کا تمام گوشت وغیرہ خیرات کر دینا واجب ہے۔ (واضح رہے کہ وصیت میت کے ترکہ کے ۱/۳ کے اندر اندر نافذ ہو سکتی ہے۔)

غائب کی طرف سے قربانی۔ کوئی شخص یہاں موجود نہیں ہے اور دوسرے شخص نے اس کی طرف سے بغیر اس کے کہنے یا خط لکھنے کے قربانی کر دی تو یہ قربانی درست نہیں ہوئی۔ اور اگر کسی جانور میں کسی غائب کا حصہ اس کی اجازت کے بغیر تجویز کر لیا گیا تو اور حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔ البتہ اگر غائب آدمی خط لکھ کر وکیل بنا دے تو اس کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں۔ جن کے لڑکے ایشیاء کے کسی دور شہر میں ہیں یا یورپ و امریکہ میں ملازم ہیں اگر وہ لکھ دیں کہ ہماری طرف سے قربانی کر دی جائے تو ان کی طرف سے قربانی کرنے سے ادا ہو جائے گی۔

قربانی کے گوشت اور کھال کا مصرف

عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُوْلُ دَفَّ نَاسٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ حَضْرَةَ الْأَضْحٰى فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدَّخِرُوْا الثُّلُثَ وَتَصَدَّقُوْا بِمَا بَقِيَ قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَفِعُوْنَ مِنْ ضَحَايَاهُمْ وَيَجْمُلُوْنَ مِنْهَا الْوَدَكَ وَيَتَّخِذُوْنَ مِنْهَا الْأَسْقِيَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ أَجْلِ الدَّافَّةِ الَّتِيْ دَفَّتْ عَلَيْكُمْ فَكُلُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَادَّخِرُوْا. (رواہ مسلم)

حضرت عمرہ بنت عبد الرحمٰن بیان فرماتی ہیں جو حضرت عائشہ کی شاگرد ہیں۔ کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا کہ ایک مرتبہ دیہات کے رہنے والے کچھ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بقر عید کے موقعہ پر مدینہ منورہ میں چلے آئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے والوں کو حکم دیا کہ (اپنی قربانیوں کا گوشت) صرف تین دن تک بطور ذخیرہ رکھ سکتے ہو اور جو بچے اس کو صدقہ کر دو پھر اس کے بعد (آئندہ سال) عید الاضحیٰ کا موقعہ آیا تو عرض کیا یا رسول اللہ اس سے پہلے لوگ اپنی قربانیوں سے (مختلف قسم کے) فوائد حاصل کرتے تھے ان کی چربی پگھلا کر کام میں لانے کے لئے رکھ

لیتے تھے اوران کی کھالوں کے مشکیزے بنا لیتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا بات ہے (جواب پیدا ہو گئی) عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس بات سے منع فرمایا تو کہ قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ بطور ذخیرہ نہ رکھا جائے۔ آپ نے فرمایا گذشتہ سال میں نے صرف اس جماعت کی وجہ سے منع کیا تھا جو بقر عید کے موقعہ پر تمہارے پاس آ گئی تھی بس اب کھاؤ اور صدقہ کرو اور آئندہ کام آنے کے لئے بھی بطور ذخیرہ رکھ لو۔ (ابوداؤد شریف ص ۳۸۸ ج ۲ طبع نور محمد کراچی)

تشریح: اللہ جل شانہٗ کی رضا کے لئے قربانی کا جانور ذبح کر دینے سے قربانی ادا ہو جاتی ہے اس کا گوشت اور پوست اللہ کے ہاں نہیں پہنچتا (کیونکہ اللہ کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہے) اس کے یہاں اخلاص اور نیک نیتی پر ثواب ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ ط وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ

"اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، و لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیر حکم کر دیا کہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اس نے تم کو (اس طرح قربانی کی) توفیق دی اور اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔" (سورۂ حج)

جو کوئی شخص قربانی کرتا ہے وہ قربانی کے گوشت اور کھال اور ہڈی ہر چیز کا مالک ہوتا ہے اگر وہ کسی فقیر مسکین کو کچھ بھی نہ دے تب بھی قربانی ادا ہو جاتی ہے کیونکہ اصلی مقصد اللہ کی رضا کے لئے خون بہانا اور جان جان آفریں کے حوالے کرنا ہے لیکن جب قربانی کر لی تو فقراء و مساکین کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ اپنے بال بچوں کو کھلائے خود کھائے جب تک مناسب جانے بعد میں خرچ کرنے کے لئے ذخیرہ کر لے ریفریجریٹر میں رکھے یا سکھا کر محفوظ رکھ لے، سال دو سال اگر قربانی کا گوشت رکھا رہے تو بھی کوئی گناہ نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عارضی طور پر ایک سال تین دن سے زیادہ بطور ذخیرہ رکھنے کو منع فرمایا تھا اور اس کی وجہ وہ تھی جو اوپر حدیث میں مذکور ہوئی کہ کچھ لوگ دیہات سے آ گئے ان کی خوراک کا انتظام فرمانا مقصود تھا پھر بعد میں آئندہ کے لئے اس کے ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی سابق حکم کو منسوخ فرما دیا اور فرمایا فَکُلُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَادَّخِرُوْا یعنی کھاؤ، صدقہ کرو اور ذخیرہ کرو۔

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو اس بات سے منع کیا تھا کہ قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھاؤ جس کا مقصد یہ تھا کہ اس گوشت میں تم سب کے لئے گنجائش ہو جائے (یعنی قربانی کرنے والوں اور قربانی نہ کرنے والوں کو سب کو پہنچ جائے) اللہ جل شانہٗ نے رزق میں گنجائش دے دی لہٰذا تم کھاؤ اور ذخیرہ کر کے رکھو اور صدقہ کر کے ثواب حاصل کرو اور یہ بھی فرمایا کہ قربانی کے دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ (ابوداؤد شریف)

قربانی کے گوشت سے صدقہ کرنا حدیث بالا سے معلوم ہوا، اور جب گوشت پکائے تو پڑوسیوں اور عزیزوں کا خیال رکھنا بھی مناسب ہے، ان لوگوں کی دعوت کر دے یا گھر بھیج دے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ گوشت اور کھال وغیرہ سب قربانی کرنے والوں کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے اسے جس

طرح تمام گوشت خود رکھ لینے کا اختیار ہے اسی طرح اگر وہ قربانی کے جانور کی کھال خود ہی رکھ لے اور اپنے کام میں لے آئے تو یہ بھی جائز ہے قربانی کے جانور کی کھال کو دباغت کرلے (یعنی نمک وغیرہ لگا کر سڑنے سے محفوظ کردے اور سکھا لے) اور پھر جانماز بنائے یا کوئی ایسی چیز بنالے جو گھر کی ضرورت میں آتی ہو تو یہ جائز ہے البتہ قربانی کی کھال کو فروخت نہ کریں اور اگر بالفرض فروخت کر دی تو اس کی قیمت کو کام میں لانا جائز نہیں اس کا صدقہ کر دینا واجب ہے زکوٰۃ اور صدقہ فطر و قربانی کی کھال کی رقم مسجد کو اور ایسے شخص کو نہیں دے سکتے جسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

بہت سے لوگ قربانی کی کھال مسجدوں کی ضرورت کے لئے یا عیدگاہ بنانے کے لئے یا قبرستان کی چہار دیواری کے لئے دے دیتے ہیں تاکہ کھالوں کو بیچ کر ان کاموں میں رقم خرچ کر دی جائے۔ واضح رہے کہ ان کاموں میں چرم قربانی کی رقم خرچ نہیں ہو سکتی یہ رقم صرف انہی لوگوں کو دی جا سکتی ہیں جن کو زکوٰۃ لینا جائز ہو۔ بعض علاقوں میں مشہور ہے کہ چرم قربانی بیواؤں کا حق ہے تو شرعاً اس کی کوئی حقیقت نہیں ہاں اگر کوئی بیوہ زکوٰۃ لینے کی مستحق ہو تو وہ بھی دوسرے فقراء و مساکین کی طرح چرم قربانی کی رقم لے سکتی ہے مگر حق جتانے کی کوئی حیثیت نہیں اور اس سے بھی زیادہ غلط بات یہ ہے کہ جو بہت سے علاقوں میں رواج پائے ہوئے ہے کہ اماموں کو قربانی کی کھالیں یا ان کی قیمت امامت کی اجرت میں دے دیتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اماموں کی تنخواہ معمولی ہوتی ہے۔ وہ عید بقرعید کی آس لگائے بیٹھے رہتے ہیں غلہ کا صدقۃ الفطر اور قربانی کی کھالیں سب ان کے سپرد کر دی جاتی ہیں اور وہ ان کو اپنی امامت کا عوض سمجھ کر سالانہ خدمت کے بدلے میں سب وصول کر لیتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہے کیونکہ صدقۃ الفطر اور چرم قربانی کسی معاوضے میں دینا درست نہیں امامت کی اجرت بھی ایک معاوضہ ہے۔ آج کل سستا چندہ دیکھ کر بہت سی انجمنیں، بہبودِ خیر ایسوسی ایشن اور ہمدرد کلب اور امدادی کمیٹیاں بقرعید کے زمانہ میں نکل آتی ہیں یہ لوگ کھالوں کا چندہ کر لیتے ہیں ان میں وہ بے دین بھی ہوتے ہیں جو اسلام کا اور قربانی کا مذاق اڑاتے ہیں مگر کھال کھینچنے کو تیار رہتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو شریعت کے قوانین سے واقف نہیں ہوتے ہیں یہ لوگ احکام شرعیہ کی رعایت کے بغیر آزادانہ رنگ سے کھالوں کی قیمتیں خرچ کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کھالوں کی رقموں کے ذریعہ انجمنوں کے ممبر پلتے ہیں ان کو کھالیں دے کر ضائع نہ کریں اور اپنی شرعی ذمہ داری کو پہچانیں۔

ایام عید کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے لئے ہیں

اوپر جو ہم نے حدیث نقل کی ہے اس میں فرمایا ہے کہ بقرعید کے ایام کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایام اللہ پاک کی مہمانی کے ہیں ان دنوں میں کھائیں پئیں اللہ کا شکر ادا کریں روزہ نہ رکھیں، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو روزہ رکھنا حرام ہے اور عید الفطر کے دن بھی روزہ رکھنا حرام ہے وہ دن بھی اللہ کی مہمانی کا دن ہے بندہ کو حکم ماننا چاہئے کھانے پینے کا حکم ہو تو کھائے پئے اور جب کھانے پینے سے روک دیا جائے رمضان کے دنوں میں کھانا پینا حرام ہے یعنی روزہ رکھنا فرض ہے اور عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اسی طرح سے بقرعید کے شروع کے ۹ دن روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اور خصوصاً نویں تاریخ کے روزہ کی تو بہت ہی زیادہ فضیلت آئی ہے یعنی نویں تاریخ

کے بعد چار دن روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا ہے بندہ کو حکم کے تابع رہنا لازم ہے۔

حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ یہ دن اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں آج کل کے لوگوں نے کھانے پینے کو تو یاد رکھا ہے لیکن آخری بات یعنی اللہ کا ذکر جو عید کی روح ہے اس سے غافل رہتے ہیں ان دنوں میں خوب زیادہ اللہ کا ذکر کرنا چاہئے۔ تکبیر تشریق جو ہر فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے وہ بھی اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے مشروع کی گئی ہے اور نماز عید بھی سراپا ذکر ہے بلکہ اس میں دوسری نمازوں کی بہ نسبت زائد تکبیرات شامل کردی گئی ہیں اور خطبہ بھی سراپا ذکر ہے اس میں بھی تکبیر کی کثرت کرنا مستحب قرار دیا گیا ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ جب عید الفطر کی نماز کے لئے جائیں تو تکبیر تشریق آہستہ کہتے ہوئے جائیں اور جب عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے جائیں تو زور آواز سے تکبیر تشریق پڑھتے ہوئے جائیں یہ سب کثرت ذکر کے مظاہرے ہیں۔ اللہ کا ذکر ہی مومن کے لئے اصل خوشی کی چیز ہے اس کی روح ذکر اللہ ہی سے اطمینان حاصل کرسکتی ہے۔

عید کو گناہوں سے ملوث نہ کریں　افسوس ہے کہ اس زمانے کے مسلمان ذکر کی طرف تو کیا متوجہ ہوتے عید کے دن خوب اچھی طرح گناہ کرتے ہیں اس دن سینما دیکھنا تو بہت سے لوگوں نے اپنے ذمہ فرض کر رکھا ہے عید کی خوشی کو سینما بینی کے ناپاک عمل سے مٹی میں ملا دیتے ہیں کیونکہ گناہ میں کوئی خوشی نہیں اللہ کو ناراض کرنے والی چیز کیسے باعث خوشی بن سکتی ہے بہت سے لوگ عید کے کپڑے بناتے ہیں تو اس میں بھی حرام حلال کا خیال نہیں کرتے مرد ٹخنوں سے نیچے کپڑے پہنتے ہیں عورتیں باریک کپڑے پہنتی ہیں اور بہت سے لوگ خوب اچھی طرح داڑھی منڈا کر انگریزی بال تراش کر نماز عید کے لئے آتے ہیں، جو عید سراپا طاعت اور فرمانبرداری کا مظاہرہ کرنے کے لئے تھی اسے گناہوں سے ملوث کردیں تو عید کہاں رہی عید تو اسلامی چیز ہے اس دن ہر کام خصوصیت کے ساتھ اچھا اور نیک ہونا چاہئے اس دن گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کیا جائے اور طبیعت کو آمادہ کیا جائے کہ آئندہ بھی گناہ نہ کریں گے مومن کی زندگی گناہوں والی زندگی نہیں ہوتی۔

عشرہ ذی الحجہ میں اعمال صالحہ کی فضیلت

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشَرَةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ (رواه البخاري)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بقر عید کے دس دنوں میں جس قدر نیک عمل اللہ کو محبوب ہے اس سے بڑھ کر کسی زمانے میں بھی اس قدر محبوب نہیں (یعنی یہ دن فضیلت میں دیگر سب ایام سے بڑھے ہوئے ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کی عبادت سے افضل نہیں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان ایام سے افضل نہیں۔ الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال لے کر نکلے اور ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہ لوٹے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۸ بحوالہ بخاری)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ

أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بقر عید کے اول دس دنوں میں روزہ رکھنے سے ایک روزہ کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ملتا ہے اور ان دنوں کی راتوں میں قیام کرنے سے شب قدر میں قیام کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۸ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ)

علماء نے بتایا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں افضل ہیں اور عشرہ ذی الحجہ کے دن افضل ہیں کیونکہ ان میں یوم عرفہ بھی ہے رمضان کا آخری عشرہ ہو یا ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ان میں رات دن عبادت میں لگنا چاہئے کیونکہ ان دونوں عشروں کی ہر گھڑی بہت مبارک ہے۔

نویں تاریخ کا روزہ۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بقر عید کی نویں تاریخ کے روزہ کے بارے میں فرمایا کہ میں اللہ پاک سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ فرما دیں گے اور فرمایا کہ محرم کی دسویں تاریخ کے روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ فرما دیں گے۔ (مسلم شریف)

متفرق مسائل۔ مسئلہ:۔ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے اور دوسرے سے ذبح کرانا بھی جائز ہے اگر دوسرے سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود ہو تو بہتر ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ کو قربانی کے وقت جانور کے قریب حاضر ہونے کو فرمایا مگر عورت کو پردہ کا اہتمام کرنا لازم ہے۔

مسئلہ:۔ مالدار کو بھی قربانی کا گوشت دے سکتے ہیں اور اپنے نوکر چاکر کو دینا بھی درست ہے لیکن کام کے بدلے اور محنت مزدوری کے معاوضے میں نہیں دے سکتے اگر کوئی نوکر غیر مسلم ہے اس کو بھی قربانی کا گوشت دے سکتے ہیں بلکہ نوکر کے علاوہ بھی کوئی پاس پڑوس میں کافر گوشت طلب کرے تو اس کو بھی دینا درست ہے۔

مسئلہ:۔ قربانی کے دنوں میں جانور کی قربانی ہی کرنا لازمی ہے اگر جانور کو زندہ صدقہ کر دیا تو قربانی ادا نہیں ہوئی ہاں اگر قربانی کے دنوں میں کوئی شخص ذبح نہ کر سکا مثلاً جانور نہ ملا یا کوئی اور بات پیش آ گئی تو تین دن گذر جانے کے بعد اگر جانور موجود ہے تو اس کو صدقہ کر دے ورنہ کسی محتاج کو قیمت دیدے۔

مسئلہ:۔ قربانی صرف اپنی جانب سے واجب ہے اپنی اولاد یا اپنی بیوی کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں البتہ اگر حیثیت کے اعتبار سے ان لوگوں پر الگ الگ قربانی واجب ہوتی ہو تو ہر ایک شخص اپنی اپنی طرف سے قربانی کرادے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کے ذمہ مسئلہ کی رو سے قربانی واجب نہ تھی یعنی اس کے پاس اتنا مال نہ تھا جس پر قربانی واجب ہوتی لیکن اس نے جانور خرید لیا تو اب اس کی قربانی واجب ہو گئی۔

مسئلہ:۔ مرتد، زندیق، قادیانی، ملحد کا ذبیحہ حرام ہے۔ ان سے ذبح نہ کرائیں نہ قربانی کے موقعہ پر اور نہ کسی اور موقعہ پر۔ اگر ان سے ذبح کرالیا تو نہ قربانی ہوگی نہ گوشت حلال ہوگا۔

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور کے تھنوں میں اگر دودھ اتر آئے اور ذبح کا وقت نہیں آیا تو تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک

دیں تاکہ دودھ اتر نا رک جائے اور اگر دودھ نکال لیا تو اس کو صدقہ کر دیں۔ اسی طرح ذبح سے پہلے اگر اون کاٹ لیا تو اس کو بھی صدقہ کر دیں۔ ہاں اگر ذبح کے بعد دودھ نکالا اور اون کاٹا تو اس کو اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔ اگر قربانی نذر کی ہو تو اگرچہ ذبح کے بعد دودھ نکالا یا اون کاٹا ہو تب بھی دونوں چیز وں کا صدقہ کر دیں۔

مسئلہ:۔ جب قربانی کا جانور ذبح کر دے تو اس کی جھول اور رسی صدقہ کر دے۔

تکبیر تشریق:۔ مسئلہ:۔ بقر عید کے ایام میں تکبیر تشریق مشروع ہے یعنی ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ مرد زور سے پڑھیں، عورتیں آہستہ سے پڑھیں۔ نویں تاریخ کی فجر کی نماز سے لے کر تیرھویں تاریخ کی نماز عصر تک یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد پڑھی جائے۔ سلام پھیر کر فوراً پڑھیں۔

شب عید کی عبادت: جس رات کے بعد صبح کو عید یا بقر عید ہونے والی ہو اس رات کو زندہ رکھنے یعنی نمازوں میں قیام کرنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دونوں عیدوں کی راتوں کو ثواب کا یقین رکھتے ہوئے زندہ رکھا اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوں گے (یعنی قیامت کے دن خوف و گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا)۔ (الترغیب والترہیب للمنذری)

بال اور ناخن کا مسئلہ

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا. وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ رَاٰى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ (رواہ مسلم)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ماہ ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو چاہیے کہ اپنے بال اور ناخن سے کچھ بھی نہ کاٹے (جب قربانی کر لے تب کاٹے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن مسلم)

تشریح:۔ یہ حکم بطور استحباب کے ہے، عمل کرنے تو افضل ہے، مگر ان دنوں میں بال یا ناخن کٹوا دیئے تو گناہ نہ ہوگا۔ حدیث پر عمل کرنے کے لئے کاٹنے سے باز رہے تو ثواب ملے گا۔

فضائل حرمین

محدثین کرام کا دستور ہے کہ کتاب الحج ہی میں حرمین پاک کے فضائل کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں، اسی دستور کی پیروی میں حرم مکہ اور حرم مدینہ کے فضائل کی احادیث یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

حرم مکہ کی عظمت

خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقدس بیت (گھر) قرار دیا ہے اور اسی نسبت سے شہر مکہ کو جس میں بیت اللہ واقع ہے بلد اللہ الحرام قرار دیا گیا ہے۔ گویا جس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے۔ پھر اسی نسبت سے اس کی ہر سمت میں کئی کئی میل کے علاقہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) قرار دیا گیا ہے اور اس کے خاص آداب و احکام مقرر کیے گئے ہیں اور ادب و احترام ہی کی بنیاد پر بہت سی ان باتوں کی بھی وہاں ممانعت ہے جن کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے۔ مثلاً ان حدود میں کسی کو شکار کی اجازت نہیں، جنگ اور قتال کی اجازت نہیں، درخت کاٹنے اور درختوں کے پتے جھاڑنے کی اجازت نہیں۔ اس محترم علاقہ میں ان سب چیزوں کو ادب و احترام کے خلاف گناہ اور جسارت قرار دیا گیا ہے۔

اس علاقہ حرم کی حدود پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے متعین کی تھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں انہی کی تجدید فرمائی اور اب وہ حدود معلوم و معروف ہیں۔ گویا یہ پورا علاقہ بلد اللہ الحرام کا صحن ہے اور اس کا وہی ادب و احترام ہے جو اللہ کے مقدس شہر مکہ معظمہ کا ۔۔۔ اس بارے میں چند احادیث دیکھئے:

عَنْ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هَذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوا هَذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيمِهَا فَإِذَا ضَيَّعُوا ذَلِكَ هَلَكُوا. (رواه ابن ماجه)

عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت جب تک اس حرم مقدس کا پورا احترام کرتی رہے گی اور اس کی حرمت و تعظیم کا حق ادا کرے گی خیریت سے رہے گی اور جب اس میں یہ بات باقی نہ رہے گی برباد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: ..... کعبہ بیت اللہ اور بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) اور پورے علاقہ حرم کی تعظیم و حرمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق اور سچی وفاداری کی علامت اور نشانی ہے۔ جب تک یہ چیز اجتماعی حیثیت سے امت میں باقی رہے گی اللہ تعالیٰ اس

اُمت کی نگہبانی فرمائے گا اور دنیا میں سلامتی اور عزت کے ساتھ رہے گی اور جب اُمت کا رویہ بحیثیت مجموعی اس بارے میں بدل جائے گا اور خانۂ کعبہ اور حرم مقدس کی حرمت و تعظیم کے بارے میں اس میں تقصیر آ جائے گی تو پھر یہ اُمت اللہ تعالیٰ کی حمایت و نگہبانی کا استحقاق کھو دے گی اور اس کے نتیجہ میں تباہیاں اور بربادیاں اس پر مسلط ہوں گی۔

ہمارے اس زمانہ میں سفر کی سہولتوں کی وجہ سے اور بعض دوسری وجوہ سے بھی اگرچہ حج کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے لیکن وہاں ساری دنیا کے جو مسلمان آتے ہیں ان کا طرز عمل بتاتا ہے کہ بیت اللہ اور حرم مقدس کے ادب و احترام کے لحاظ سے اُمت میں بحیثیت مجموعی بہت بڑی تقصیر آ گئی ہے اور بلاشبہ یہ بھی ان اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے جس کی وجہ سے اُمت مشرق و مغرب میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور نگہبانی سے محروم کر دی گئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَعَامِلْنَا بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ اَهْلُهٗ.

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ فَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهٗ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهٗ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّهٗ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب ہجرت کا حکم نہیں رہا لیکن جہاد ہے اور نیت! تو جب تم سے راہِ خدا میں کوچ کرنے کو کہا جائے تو چل دو اور اسی فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ یہ شہر مکہ اللہ نے اس کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے۔ جس دن کہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اسی وقت زمین کے اس قطعہ کو جس پر مکہ معظمہ آباد ہے اور اس کے آس پاس کے علاقہ احترام کو واجب الاحترام قرار دیا۔ لہٰذا اللہ کے اس حکم سے قیامت تک کے لیے اس کا ادب و احترام واجب ہے) اور مجھ سے پہلے اللہ نے اپنے کسی بندے کو یہاں قتال فی سبیل اللہ کی بھی اجازت نہیں دی اور مجھے بھی دن کے تھوڑے وقت کے لیے اس کی عارضی اور وقتی اجازت دی گئی تھی اور وہ وقت ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک کے لیے یہاں قتال اور ہر وہ اقدام اور عمل جو اس مقدس جگہ کے ادب و احترام کے خلاف ہو حرام ہے۔ اس علاقہ کے خاردار جھاڑ بھی نہ کاٹے چھانٹے جائیں' یہاں کے کسی قابل شکار جانور کو پریشان بھی نہ کیا جائے اور اگر کوئی گری پڑی چیز نظر پڑے تو اس کو وہی اٹھائے جو قاعدے کے مطابق اس کا اعلان اور تشہیر کرتا رہے اور یہاں کی ہری گھاس بھی نہ کاٹی اکھاڑی جائے (اس پر آپ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "اذخر گھاس کو مستثنیٰ قرار دیا جائے کیونکہ یہاں کے لوہار اس کو استعمال کرتے ہیں اور گھروں کی چھتوں کے لیے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عرض کرنے پر اذخر گھاس کو مستثنیٰ فرما دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ..... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اعلانوں کا ذکر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خاص طور سے فرمائے تھے۔ پہلا اعلان یہ تھا کہ اب ہجرت کا حکم نہیں رہا۔ اس کا مطلب سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جب کہ یہاں اہل کفر و شرک کا اقتدار تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور مکہ میں رہ کر کسی مسلمان کے لیے اسلامی زندگی گزارنا گویا ناممکن تھا تو حکم یہ تھا کہ مکہ میں اللہ کا جو بندہ اسلام قبول کرے اس کے لیے اگر ممکن ہو تو وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائے جو اس وقت اسلامی مرکز اور روئے زمین پر اسلامی زندگی کی واحد تعلیم گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ بہر حال ان خاص حالات میں یہ ہجرت فرض تھی اور اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت تھی۔ لیکن جب ۸ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ پر بھی اسلامی اقتدار قائم کرا دیا تو پھر ہجرت کی ضرورت ختم ہو گئی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ ہی کے دن اعلان فرما دیا کہ اب ہجرت کا وہ حکم اٹھا لیا گیا۔ اس سے قدرتی طور پر ان لوگوں کو بڑی حسرت اور مایوسی ہوئی ہو گی جن کو اب اسلام کی توفیق ملی تھی اور ہجرت کی عظیم فضیلت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے۔ ان کی اس حسرت کا مداوا فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت کی فضیلت وسعادت کا دروازہ اگرچہ بند ہو گیا ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کے سارے اوامر کی اطاعت کی نیت اور بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں ہر قربانی کے لیے دلی عزم و آمادگی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور بڑی سے بڑی سعادت اور فضیلت ان راہوں سے اللہ کا ہر بندہ حاصل کر سکتا ہے۔

دوسرا اعلان فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ شہر جس کی عظمت و حرمت دور قدیم سے مسلم چلی آ رہی ہے یہ محض رسم و رواج یا کسی فرد یا پنچایت کی تجویز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے ہے اور قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا خاص ادب و احترام کیا جائے یہاں تک کہ اللہ کے لیے جہاد و قتال جو ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بڑے درجہ کی سعادت ہے یہاں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے کسی بندہ کو اس کی اجازت وقتی طور پر بھی نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بہت تھوڑے سے وقت کے لیے اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور وہ بھی وقت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک کے لیے کسی بندے کو یہاں قتال کی اجازت نہیں ہے۔ جس طرح مخصوص سرکاری علاقوں کے خاص قوانین ہوتے ہیں اسی طرح یہاں کے خاص آداب اور قوانین ہیں اور وہ وہی ہیں جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اعلان فرمایا۔

عَنْ أَبِيْ شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوْثَ إِلَى مَكَّةَ إِئْذَنْ لِيْ أَيُّهَا الْأَمِيْرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُوْلِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيْلَ لِأَبِيْ شُرَيْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو؟ قَالَ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ يَا

اَبَا شُرَیْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا یُعِیْذُ عَاصِیًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ ۔ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا جب کہ وہ (یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اور اس کے حکم سے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف) مکہ پر چڑھائی کرنے کے لیے لشکر تیار کرکے روانہ کر رہا تھا کہ اے امیر! مجھے اجازت دیجئے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بیان کروں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے اگلے دن (مکہ میں) ارشاد فرمایا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان خود سنا تھا اور میرے ذہن نے اس کو یاد کرلیا تھا اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وہ فرمان صادر ہو رہا تھا اس وقت میری آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اس کے بعد فرمایا تھا کہ مکہ اور اس کے ماحول کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے اس کی حرمت کا فیصلہ انسانوں نے نہیں کیا ہے اس لیے جو آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حرام ہے کہ وہ یہاں خونریزی کرے بلکہ یہاں کے درختوں کا کاٹنا بھی منع ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اور اگر کوئی شخص میرے قتال کو سند بنا کر اپنے لیے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی تجھے اجازت نہیں دی ہے اور مجھے بھی اللہ نے ایک دن کے تھوڑے سے وقت کے لیے عارضی اور وقتی طور پر اجازت دی تھی اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد وہ حرمت لوٹ آئی اور اب قیامت تک کسی کے لیے اس کا جواز نہیں ہے۔ (اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جنہوں نے میری یہ بات سنی ہے وہ دوسرے لوگوں کو یہ بات پہنچا دیں (اس لیے اے امیر! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تم کو پہنچایا ہے) ابوشریح سے کسی نے پوچھا کہ پھر عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا؟ انہوں نے بتلایا کہ اس نے کہا کہ ابوشریح! میں یہ باتیں تم سے زیادہ جانتا ہوں' حرم کسی نافرمان کو یا ایسے آدمی کو جو کسی کا ناحق خون کرکے یا کوئی نقصان کرکے بھاگ گیا ہو پناہ نہیں دیتا (یعنی ایسے لوگوں کے خلاف حرم میں بھی کارروائی کی جائے گی)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ...... اسلام کی پہلی ہی صدی میں سیاسی اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے اسلام کے ساتھ جو معاملہ کیا اور اس کے احکام کو اپنی اغراض کے لیے جس طرح توڑا مروڑا وہ تاریخ اسلام کا نہایت تکلیف دہ باب ہے۔ ابوشریح عدوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے انہوں نے اموی حاکم عمرو بن سعید کے سامنے بروقت کلمہ حق کہہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ صحیحین کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ عمرو بن سعید نے جو بات کہی ابوشریح نے اس کے جواب میں کچھ کہا یا نہیں؟ لیکن مسند احمد کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

قَدْ كُنْتُ شَاهِدًا وَّكُنْتَ غَائِبًا وَقَدْ اَمَرَنَا اَنْ يُّبَلِّغَ شَاهِدُنَا غَائِبَنَا وَقَدْ بَلَّغْتُكَ.

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی میں اس وقت وہاں حاضر اور موجود تھا اور تم وہاں نہیں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جو یہاں موجود ہے وہ میری یہ بات ان لوگوں کو پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ میں نے اس حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کر دی اور تم کو یہ بات پہنچا دی۔

ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں یہ بھی مضمر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد و منشا سمجھنے کے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جن کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی اور جنہوں نے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی۔

مدینہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت

اکثر محدثین کا دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں حج و عمرہ سے متعلق حدیثوں کے ساتھ "باب فضل مکہ" کے تحت مکہ معظمہ کی عظمت و فضیلت کی حدیثیں اور اسی کے ساتھ "باب فضل المدینہ" کے تحت مدینہ طیبہ کی عظمت کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اسی طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی پہلے مکہ معظمہ سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں اور اب مدینہ طیبہ سے متعلق درج کی جا رہی ہیں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ سَمَّى الْمَدِينَةَ طَابَةَ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام "طابہ" رکھا ہے۔ ..... (صحیح مسلم)

تشریح:..... طابہ، طیبہ اور طیبہ ان تینوں کے معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام رکھا اور اس کو ایسا ہی کر دیا اس میں روحوں کے لیے جو خوشگواری، جو سکون و اطمینان اور جو پاکیزگی ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الثَّمَرَةِ جَاءُوا بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا أَخَذَهُ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَأَنَا أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلِيدٍ لَهُ فَيُعْطِيهِ ذَلِكَ الثَّمَرَ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا دستور تھا کہ جب وہ درخت پر نیا پھل دیکھتے تو اس کو لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبول فرما کر اس طرح دعا فرماتے: اے اللہ! ہمارے پھلوں میں اور پیداوار میں برکت دے اور ہمارے شہر مدینہ میں برکت دے اور ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت دے، الٰہی! ابراہیم علیہ السلام تیرے خاص بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ کے لیے تجھ سے دعا کی تھی اور میں مدینہ کے لیے تجھ سے ویسی ہی دعا کرتا ہوں اور اس کے ساتھ اتنی ہی مزید۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ نیا پھل اس کو دے دیتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... پھلوں اور پیداوار میں برکت کا مطلب تو ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو اور فصل بھرپور ہو اور شہر مدینہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوب آباد ہو اور اس کے رہنے والوں پر اللہ کا فضل ہو اور صاع اور مد وہ پیمانے ہیں۔ اس زمانہ میں غلہ وغیرہ کی خرید و فروخت ان پیمانوں ہی سے ہوتی تھی ان میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ ایک صاع اور ایک مد جتنے آدمیوں کے لیے اور جتنے دنوں کے لیے کافی ہوتا ہے اس سے زیادہ کے لیے کافی ہو۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ علیہ السلام نے اپنی بیوی بچے کو مکہ کی غیر آباد و
بے آب و گیاہ وادی میں بسا کر اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے کی تھی کہ: ''اے اللہ! تو اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت و مودت
ڈال دے اور ان کو ان کی ضرورت کا رزق اور پھل وغیرہ پہنچا اور یہاں کے لیے امن اور سلامتی مقدر فرما۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور نظیر اس ابراہیمی دعا کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے مدینہ کے لیے وہی دعا بلکہ مزید اضافے
کے ساتھ کر رہے تھے۔ اس دعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جن ایمان والے بندوں کو مکہ سے محبت ہے ان سب کو
مدینہ طیبہ سے بھی محبت ہے اور اس محبوبیت میں اس کا حصہ مکہ سے یقیناً زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اس کا نبی اور اس کا خلیل کہا اور اپنے کو
صرف بندہ اور نبی کہا حبیب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تواضع اور کسر نفسی آپ کا مستقل مزاج تھا۔

پھلوں کی تیاری اور درخت کا پہلا پھل چھوٹے بچے کو عطا کر دینے میں یہ سبق ہے کہ ایسے موقعوں پر چھوٹے معصوم بچوں کو مقدم
رکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ نئے پھل اور کمسن بچے کی مناسبت بھی ظاہر ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ
فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّىْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا. (رواه احمد والترمذى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس کی کوشش
کر سکے کہ مدینہ میں اس کی موت ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ (اس کی کوشش کرے اور) مدینہ میں مرے۔ میں ان لوگوں کی ضرور
شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مریں گے (اور وہاں دفن ہوں گے)۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح: ظاہر ہے کہ یہ بات کہ موت فلاں جگہ آئے کسی کے اختیار میں نہیں ہے، ہاں بندہ اس کی آرزو اور دعا کر سکتا
ہے اور کسی درجہ میں اس کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس جگہ مرنا چاہے وہیں جا کر پڑ جائے اگر قضا و قدر کا فیصلہ خلاف
نہیں ہے تو موت وہیں آ جائے گی۔ بہرحال حدیث کا مدعا یہی ہے کہ جو شخص یہ سعادت حاصل کرنا چاہے وہ اس کے لیے اپنے
امکان کی حد تک کوشش کرے۔ اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے۔

عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ يُحْفَرُ
بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِى الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّىْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ
اَحَبُّ اِلَىَّ اَنْ يَكُوْنَ قَبْرِىْ فِيْهَا مِنْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواه مالك مرسلا)

یحییٰ بن سعید انصاری تابعی سے بطریق ارسال روایت ہے (یعنی وہ صحابی کا واسطہ ذکر کیے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے نقل کرتے ہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ کے قبرستان میں) تشریف فرما تھے اور (کسی میت کی) قبر

کھودی جارہی تھی۔ ایک صاحب نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسلمان کے لیے یہ اچھی آرام گاہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہاری زبان سے بہت بری بات نکلی۔ (ایک مسلمان کو مدینہ میں موت اور قبر نصیب ہوئی اور تم کہتے ہو کہ مسلمان کے لیے یہ آرام گاہ اچھی نہیں) ان صاحب نے (بطور معذرت) عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا مطلب یہ نہیں تھا (کہ مدینہ میں موت اور قبر اچھی نہیں) بلکہ میرا مقصد راہ خدا میں شہادت سے تھا (یعنی میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ مرنے والے بھائی اگر بستر پر مرنے اور اس قبر میں دفن ہونے کے بجائے جہاد کے کسی میدان میں شہید ہوتے اور ان کی لاش وہاں خاک و خون میں تڑپتی تو اس قبر میں دفن ہونے سے یہ زیادہ اچھا ہوتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راہ خدا میں شہید ہونے کے برابر تو نہیں (یعنی شہادت کا مقام تو بے شک بلند ہے لیکن مدینہ میں مرنا اور اس کی خاک میں دفن ہونا بھی بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے) روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو..... یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (موطا امام مالک)

تشریح:.... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت وعظمت بے شک مسلم ہے اور بستر پر مرنا اور میدان جہاد میں اللہ کے لیے سر کٹانا برابر نہیں لیکن مدینہ میں مرنا اور یہاں دفن ہونا بھی بڑی خوش بختی ہے جس کی خود مجھے بھی چاہت اور آرزو ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح بخاری میں کتاب الحج کے بالکل آخر میں مدینہ طیبہ کے فضائل کے سلسلہ کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد اس بیان کا خاتمہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مشہور دعا پر کیا ہے کہ:

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُوْلِكَ."

(اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما!)

اس دعا کا واقعہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی حسرت سے کہا:

اَنّٰى لِيْ بِالشَّهَادَةِ وَاَنَا بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ لَسْتُ اَغْزُوْ وَالنَّاسُ حَوْلِيْ

مجھے شہادت فی سبیل اللہ کیسے نصیب ہو سکتی ہے جب کہ میں جزیرۃ العرب کے درمیان مقیم ہوں (اور وہ سب دار الاسلام بن چکا) اور میں خود جہاد نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہر وقت میرے آس پاس رہتے ہیں۔

پھر خود ہی کہا: بَلٰى يَأْتِيْنِيْ بِهَا اللّٰهُ اِنْ شَاءَ. (فتح الباری بحوالہ ابن سعد)

"مجھے شہادت کیوں نہیں نصیب ہو سکتی اگر اللہ چاہے تو انہی حالات میں مجھے شہادت سے نواز دے گا۔"

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کی جو اوپر درج کی گئی ہے۔

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ."

آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ راہِ خدا میں شہید بھی ہوں اور موت مدینہ میں بھی ہو؟" آپ نے فرمایا: "اللہ چاہے گا تو یہ دونوں باتیں ہو جائیں گی۔"

اسی سلسلہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس عجیب و غریب بلکہ بظاہر ناممکن سی دعا سے تعجب ہوا تھا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دونوں باتیں کس طرح ہو سکتی ہیں۔ جب ابولؤلؤ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب میں آپ کو زخمی کیا تب سب نے سمجھا کہ دعا کی قبولیت اس طرح مقدر تھی۔

بے شک جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس چیز کو واقع کر کے دکھا دیتا ہے جس کے امکان میں بھی انسانی عقلیں شبہ کریں۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

مسجد نبوی کی عظمت و فضیلت

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رکھی اور جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر نمازیں پڑھیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری دینی سرگرمیوں تعلیم و تربیت ہدایت و ارشاد اور دعوت و جہاد کا مرکز بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مقدس بیت خانہ کعبہ اور مسجد حرام کے سوا دنیا کے سارے معبدوں پر عظمت و فضیلت بخشی ہے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ اس کی ایک نماز کا ثواب دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: ... مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر مبارک تھا جس پر رونق افروز ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبات دیتے تھے (اور وہ جگہ اب بھی معلوم اور متعین ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منبر کی اس جگہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریفہ کے درمیان جو قطعہ زمین ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا خاص مورد اور محل ہے اور اس کی وجہ سے وہ گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور اس لیے اس کا مستحق ہے کہ اللہ کی رحمت اور جنت کے طالبوں کو اس کے ساتھ جنت کی سی دلچسپی ہو اور کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ اللہ کی رحمت اور جنت کا طالب بن کر اس قطعہ ارض میں آیا وہ گویا جنت کے ایک باغیچہ میں آ گیا اور آخرت میں وہ اپنے کو جنت کے ایک باغیچہ ہی میں پائے گا۔

حدیث کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے" اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ آخرت میں حوض کوثر پر میرا منبر ہوگا اور جس طرح اس دنیا میں اس منبر سے میں اللہ کے بندوں کو اس کی ہدایت پہنچاتا ہوں اور پیغام سناتا ہوں اسی طرح آخرت میں اس منبر پر جو حوض کوثر پر میرا نصب ہوگا اس خدائی ہدایت کے قبول کرنے والوں کو

رحمت کے جام پلاؤں گا۔ پس جو کوئی قیامت کے دن کے لیے آب کوثر کا طالب ہو وہ آگے بڑھ کر اس منبر پر سے دیئے جانے والے پیغام ہدایت کو قبول کرے اور اس دنیا میں اس کو اپنی روحانی غذا بنائے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں ان کے سوا کسی مسجد کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ یہ عظمت و شرف صرف ان تین مسجدوں کو حاصل ہے کہ ان میں اللہ کی عبادت کرنے کے لیے سفر کرنا درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کا باعث ہے۔ ان کے علاوہ کسی مسجد کو یہ درجہ اور شرف حاصل نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ سفر کرنے کی ممانعت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق صرف مساجد سے ہے اور بلاشبہ اس حدیث کی رو سے مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد اقصیٰ کے سوا دنیا کی کسی بھی مسجد میں عبادت کے لیے سفر کرنا ممنوع ہے لیکن دوسرے جائز دنیوی و دینی مقاصد مثلاً تجارت، تحصیل دین، صحبت صلحاء اور تبلیغ و دعوت وغیرہ کے لیے سفر کرنے سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔

زیارت روضۂ مطہرہ

اگرچہ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حج کا کوئی رکن یا جز نہیں ہے لیکن قدیم سے امت کا یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ خاص کر دور دراز علاقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو روضۂ پاک کی زیارت اور وہاں صلوٰۃ و سلام کی سعادت بھی ضرور حاصل کرتے ہیں۔ اسی لیے حدیث کے بہت سے مجموعوں میں کتاب الحج کے آخر میں زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں۔ اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے کتاب الحج کے اس سلسلہ کو ہم بھی زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیثوں پر ختم کرتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي. (رواه البيهقي في شعب الايمان و الطبراني في الكبير والاوسط)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انہی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ (شعب الایمان للبیہقی، معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

تشریح: ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی اپنی قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے۔ اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے اور روایات اور خواص امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو امتی قبر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ ان کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں بعد وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا

شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے اور بلاشبہ بڑی سعادت ہے کہ اہل ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ. (رواه ابن خزيمة في صحيحه والدار قطني والبيهقي)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ (صحیح ابن خزیمہ، سنن دار قطنی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ... اس سلسلہ میں دو حدیثیں درج ہو چکی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے (حتیٰ کہ اپنے ماں باپ اہل و عیال اور خود اپنی ذات سے بھی) زیادہ شدید نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت و لذت حاصل نہیں ہو سکتی اور روضۂ اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بلاشبہ اس محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے اور گویا اس کی ایک عملی صورت ہے۔ عربی شاعر نے کہا ہے:

امر على الديار ديار ليلى　　أُقَبِّلُ ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الديار شغفن قلبي　　ولكن حب من سكن الديارا

(میں جب اپنی محبوبہ لیلیٰ کی بستی سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو اور دراصل اس بستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو اپنا دیوانہ نہیں بنایا بلکہ میں تو اس بستی میں بسنے والے محبوب پر فدا ہوں)

علاوہ ازیں زیارت کے وقت زائر کے قلب مؤمن کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جوار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ایمانی عہد کی تجدید گناہوں پر ندامت و شرمساری انابت الی اللہ اور توبہ و استغفار کی جو لہریں اس وقت اس کے قلب میں اٹھتی ہیں اور محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور محبت و ندامت کے ملے جلے جذبات آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جو شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ مغفرت خداوندی کو بھی واجب کر دیتی ہے اس لیے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ روضۂ اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صاحب ایمان زائر کو ان شاء اللہ ضرور شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگی۔ ہاں اگر بد نصیبی سے کوئی "زائر" ایسا ہے جس کے قلب کو ان کیفیات و جذبات اور ان واردات میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہیے کہ اس کا قلب دولت ایمانی سے خالی ہے پھر اس کی زیارت حقیقی زیارت نہیں صرف صورت زیارت ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کسی عمل کی بھی صرف صورت معتبر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے جن منافع اور برکات و مصالح کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر ان کو پیش نظر رکھ کے ان احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں تو خواہ سند کے لحاظ سے ان پر کلام کیا جا سکے لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مربوط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہن سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبر مبارک کی یہ زیارت صاحب قبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبت و توقیر میں اضافہ اور قلبی ترقی کا خاص وسیلہ ہے یقین ہے کہ ہر خوش نصیب صاحب ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کی شہادت دے سکے گا۔

کِتَابُ النِّکَاحِ وَالطَّلَاقِ

نکاح اور اس کے متعلقات

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النِّكَاحَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَنْحَاءٍ فَنِكَاحٌ مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ
يَخْطُبُ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهُ أَوِ ابْنَتَهُ فَيُصْدِقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا وَنِكَاحٌ آخَرُ كَانَ الرَّجُلُ يَقُولُ
لِامْرَأَتِهِ إِذَا طَهُرَتْ مِنْ طَمْثِهَا أَرْسِلِي إِلَى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِي مِنْهُ وَيَعْتَزِلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمَسُّهَا أَبَدًا
حَتَّى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذَالِكَ الرَّجُلِ الَّذِي تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ فَإِذَا تَبَيَّنَ حَمْلُهَا أَصَابَهَا زَوْجُهَا إِذَا
أَحَبَّ وَإِنَّمَا يَفْعَلُ ذَالِكَ رَغْبَةً فِي نَجَابَةِ الْوَلَدِ فَكَانَ هَذَا النِّكَاحُ نِكَاحَ الْاِسْتِبْضَاعِ وَنِكَاحٌ آخَرُ
يَجْتَمِعُ الرَّهْطُ مَادُونَ الْعَشَرَةِ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ كُلُّهُمْ يُصِيبُهَا فَإِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ وَمَرَّ
عَلَيْهَا لَيَالٍ بَعْدَ أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا أَرْسَلَتْ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَطِعْ رَجُلٌ أَنْ يَمْتَنِعَ حَتَّى يَجْتَمِعُوا عِنْدَهَا
تَقُولُ لَهُمْ قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدْتُ فَهُوَ ابْنُكَ يَا فُلَانُ تُسَمِّي مَنْ أَحَبَّتْ
بِاسْمِهِ فَيَلْحَقُ بِهِ وَلَدُهَا وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَمْتَنِعَ بِهِ الرَّجُلُ وَالنِّكَاحُ الرَّابِعُ يَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِيرُ
فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَهَا وَهُنَّ الْبَغَايَا كُنَّ يَنْصِبْنَ عَلَى أَبْوَابِهِنَّ رَايَاتٍ تَكُونُ
عَلَمًا فَمَنْ أَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَيْهِنَّ فَإِذَا حَمَلَتْ إِحْدَاهُنَّ وَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جُمِعُوا لَهَا وَدَعَوْا لَهُمُ
الْقَافَةَ ثُمَّ أَلْحَقُوا وَلَدَهَا بِالَّذِي يَرَوْنَ فَالْتَاطَ بِهِ وَدُعِيَ ابْنَهُ لَا يَمْتَنِعُ مِنْ ذَالِكَ فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ۔ (رواه البخاری)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (انہوں نے بیان فرمایا) کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح (یعنی مرد وعورت کے جوڑ ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد سے متعلق) چار طریقے رائج تھے۔

ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیام دیا جاتا ہے، پھر وہ صاحب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہوتی (اس وقت عورت میں حاملہ ہونے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے) تو وہ (کسی بڑی شان والے آدمی کے بارے میں) خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو اس آدمی کو بلا کر اس سے خلوت کرلے (یعنی اس سے تعلق قائم کر لے) اور اس کی صحبت سے حمل حاصل ہونے کی کوشش کر، اور پھر وہ شوہر اپنی بیوی سے خود اس وقت تک الگ رہتا جب تک

کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا، پھر جب اس کے حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے تو اس کے بعد یہ شوہر حسب خواہش اپنی بیوی سے صحبت کرتا، اور یہ سب کچھ اس غرض سے کرتا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو، اور اس طریقہ کو "نکاح استبضاع" کہا جاتا تھا۔

یہ شرمناک طریقہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے بعض پست قبیلوں میں رائج تھا۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک پست سطح کا آدمی چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا خلاف بہادر اور شہسوار ہو یا شکیل و جمیل اور قد آور ہو تو وہ کسی ایسے آدمی کے متعلق جو ان صفات میں ممتاز ہوتا اپنی بیوی سے کہتا کہ تو اس آدمی سے تعلق قائم کر لے تا کہ اس کا حمل قرار پا جائے اور پھر بیٹا انہی صفات کا اور اسی طرح کا پیدا ہو اور خود اس وقت بیوی سے الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا۔ عربی میں اس کو "استبضاع" کہا جاتا ہے، ہم نے اس کا ترجمہ "نیوگ" کیا ہے۔ ہندو معاشرہ میں نیوگ کا رواج رہا ہے۔ اور اس کو جائز اور درست سمجھا جاتا ہے، اس کی صورت قریب قریب یہی ہوتی ہے۔ اس کی تفصیلات کیلئے بانی آریہ سماج سوامی دیانند سرسوتی کی "ستیارتھ پرکاش" کا مطالعہ کیا جائے۔

اور ایک اور (تیسرا) طریقہ یہ تھا کہ چند آدمیوں کی ٹولی (روایت میں "رھط" کا لفظ ہے جو دس سے کم کے لئے بولا جاتا ہے) ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے ہر ایک اس سے صحبت کرتا (اور یہ سب باہمی رضامندی سے ہوتا) پھر اگر وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ ہو جاتا تو چند روز کے بعد وہ ان سب آدمیوں کو بلواتی (اور دستور کے مطابق) کسی کے لئے بھی اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ اس لئے سب ہی پہنچ جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور (اس کے نتیجہ میں) میرے یہ بچہ پیدا ہوا اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نامزد کر کے کہتی اے فلانے یہ تیرا لڑکا ہے۔ پھر وہ لڑکا اسی کا مان لیا جاتا تھا اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (یہ تیسرا طریقہ تھا)

اور چوتھا طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت سے بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا۔ کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی، یہ پیشہ ور لونڈیاں ہوتی تھیں، ان کے گھروں کے دروازے پر بطور علامت کے ایک نشان نصب ہوتا تھا جو کوئی بھی چاہتا ان کے پاس پہنچ جاتا، تو جب ان میں سے کسی کو حمل رہ جاتا اور پھر بچہ پیدا ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسی کے ماہرین بلائے جاتے، پھر وہ (اپنی قیافہ شناسی سے) اس بچہ کو جس کے نطفہ سے سمجھتے اسی کا لڑکا قرار دے دیتے اور بس وہ اسی سے چپک جاتا۔ اور اسی کا بیٹا کہا جاتا، وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمانہ جاہلیت کے یہ سب طریقے بیان کرنے کے بعد فرمایا) پھر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاہلیت کے ان سب (شرمناک اور حیا سوز) مروج طریقوں کو یکسر مٹا دیا۔ اور نکاح و شادی کا بس وہی (پاکیزہ) طریقہ رہ گیا جو اب جاری ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کیسی گندگیوں اور تاریکیوں میں تھے، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت اور تعلیم و تربیت نے ان کو آسمان ہدایت کا چاند اور سورج بنا دیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ رَسُوْلِ الرَّحْمَةِ مُخْرِجِ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو اسکو ایک نظر دیکھ لینا گناہ نہیں بلکہ بہتر ہے

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ اِمْرَأَةً فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا. (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک خاتون کے لئے نکاح کا پیام دیا (یا پیام دینے کا ارادہ کیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا تو نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ایک نظر دیکھ لو، یہ اس مقصد کے لئے زیادہ مفید ہوگا کہ تم دونوں میں الفت ومحبت اور خوشگواری رہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ)

تشریح ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کا مقصد یہی ہے کہ نکاح وشادی کا مسئلہ بہت اہم ہے ساری عمر کے لئے ایک فیصلہ اور معاہدہ ہے، یہ مناسب نہیں کہ یہ معاملہ ناواقفی و بے خبری کے ساتھ تدبیر سے کیا ہو، بلکہ واقفیت اور بصیرت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قابل اعتماد لوگوں اور خاص کر عورتوں کے ذریعہ بھی صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، جو بھی ذریعہ اختیار کیا جائے اس کا بہر حال لحاظ رکھا جائے کہ عورت کو یا اس کے گھر والوں کو گرانی نہ ہو اور نا گواری نہ ہو، بلکہ اچھا ہے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو، سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کا پیام دینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت کے مطابق میں چھپ چھپ کر اس کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نکاح با اعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو اور دف بجایا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اس میں بڑے مفاسد کا خطرہ ہے لہٰذا بالاعلان کیا جائے۔ اور اس کیلئے آسان اور بہتر یہ ہے کہ مسجد میں کیا جائے، مسجد کی برکت بھی حاصل ہوگی اور لوگوں کو جمع کرنے جوڑنے کی زحمت بھی نہ ہوگی، گواہوں اور شاہدوں کی شرط بھی آپ سے آپ پوری ہو جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نکاح وشادی کی تقریب کے موقع پر دف بجانے کا رواج تھا اور جو شبہ اس تقریب کا تقاضا ہے کہ بالکل خشک نہ ہو، کچھ تفریح کا بھی سامان ہو اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دف بجانے کی اجازت بلکہ ایک گونہ ترغیب دی۔

خطبہ نکاح

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم خُطْبَةَ الْحَاجَةِ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِي اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ

وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا. (رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه والدارمی وفی شرح السنة عن ابن مسعود فی خطبة الحاجة من النكاح وغيره)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو (نکاح وغیرہ) ہر اہم ضرورت (اور مواقع) کے لئے یہ خطبہ تعلیم فرمایا۔ "الحمد للہ نستعینہ ونستغفرہ..... فقد فاز فوزا عظیما." (ساری حمد وستائش اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، ہم (اپنی سب ضرورتوں اور تمام مقاصد میں) اسی سے مدد کے طالب اور خواستگار ہیں، اور اسی سے (اپنے قصوروں اور گناہوں کی) معافی اور مغفرت کی استدعا کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کی شرارتوں سے اسی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جس کیلئے اللہ ہدایت سے محرومی کا فیصلہ فرما دے اس کو کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول برحق ہیں۔ اے ایمان والو! اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم باہم سوال کرتے ہو، اور قرابتوں کی حق تلفی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اس کے فرمانبردار ہو۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ سیدھی بات بولو، وہ تمہارے اعمال درست فرما دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور جو بندہ حکموں پر چلے اللہ اور اس کے رسول کے تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ یہ خطبہ جیسا کہ روایت میں تصریح ہے صرف نکاح کے موقع ہی کے لئے نہیں ہے، بلکہ عمومی قسم کا ہے، اس کا مضمون بہت ہی جامع ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ الہامی ہے۔ اس کی بعض روایات میں ایک دو لفظوں کا اضافہ بھی ہے۔ یہاں جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ سنن ابی داؤد کی روایت کے ہیں، اسی کی روایت میں شروع میں "الحمد للہ" کے بعد "نحمدہ" کا اضافہ ہے۔ اسی طرح "ونعوذ باللہ من شرور انفسنا" کے بعد "ومن سيئات اعمالنا." کا بھی اضافہ ہے۔ آخر میں قرآن پاک کی تین آیتیں ہیں، ایک سورۂ نساء کی پہلی آیت کا آخری حصہ ہے۔ (خطبہ میں یہاں حدیث کے کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے، سورۂ نساء کی یہ آیت جس طرح روایت کی گئی ہے "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا." حالانکہ یہاں شروع میں "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا" نہیں ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اس موقع پر صرف یہ ہیں --- "وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ." الآیۃ)"وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا." اس کے بعد دوسری آیت سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۲ ہے "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ" الآیۃ. اس کے بعد تیسری آیت سورۂ احزاب کی آیت ۷۰ ہے۔ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا" الآیۃ.

کسی بھی اہم موقع پر ایک بندہ کو اللہ کے حضور میں اپنی بندگی اور نیازمندی و وفاداری کے اظہار کے لئے بارگاہ خداوندی میں جو کچھ عرض کرنا چاہئے وہ سب اس خطبہ کے ابتدائی حصہ میں آ گیا ہے اور آخر میں جو تین آیتیں ہیں وہ بندہ کی ہدایت کے لئے بالکل کافی ہیں۔ یہ خطبہ عقد نکاح سے پہلے پڑھا جاتا ہے بلکہ اسی مقدس خطبہ سے نکاح کی کارروائی کا آغاز ہوتا ہے۔ افسوس یہ خطبہ پڑھنا بھی اب ایک رسم بنتا کر رہ گیا ہے، ورنہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی نصیحت اور یاد دہانی کی نکاح کے فریقین کو اور سب ہی کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس خطبہ ہی پر عمل نصیب فرما دے تو دنیا اور آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی کیلئے کافی ہے۔

مہر کا لازمی ہونا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے جو نکاح کے سلسلہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے معلوم ہو چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اس میں بھی مہر مقرر کیا جاتا تھا یعنی نکاح کرنے والے مرد کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ بیوی کو ایک معین رقم ادا کرنا اپنے ذمہ لے۔ اسلام میں اس طریقہ کو برقرار رکھا گیا۔ یہ مہر اس بات کی علامت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے والا مرد اس کا طالب اور خواستگار ہے اور وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی کیونکہ نکاح کرنے والوں کے حالات اور ان کی وسعت و استطاعت مختلف ہو سکتی ہے۔ البتہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم (یا اس کے قریب) مقرر فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر ازواج مطہرات کا مہر بھی یہی تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس سے بہت کم اور بہت زیادہ بھی مہر باندھے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات والے مہر کی پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

مہر کے بارے میں قرآن و حدیث کی ہدایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض فرضی اور رسمی بات یا زبانی جمع خرچ کے قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہے الا یہ کہ بیوی خود ہی وصول کرنا نہ چاہے۔ قرآن پاک میں صراحۃً ارشاد ہے۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔ یعنی اپنے بیویوں کے مہر خوش دلی سے ان کو ادا کرو۔ (النساء، ع:۱)...... اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں جو تاکید و تشدید فرمائی ہے وہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگی۔

عَنْ مَيْمُوْنٍ الْكُرْدِيِّ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه واله وسلم أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِيْ نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ. (رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر)

میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں ہے تو قیامت میں

اللہ کے حضور میں زناکار کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ (مجمع الزوائد بحوالہ معجم طبرانی)

تشریح　مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے مہر کے بارے میں شروع ہی سے یہ نیت رکھے کہ اس نے مہر کا اقرار تو کر لیا ہے لیکن اس کو دینا نہیں ہے، یہ محض زبانی بات ہے، دینا دلانا کچھ نہیں ہے تو اس کے نکاح میں اتنا بڑا نقص ہے اور وہ اس درجہ کا گنہگار ہے کہ قیامت میں وہ زنا کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ قریب قریب یہی مضمون کی اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثیں مختلف کتب حدیث کے حوالے سے کنز العمال میں نقل کی گئی ہیں۔ ان حدیثوں میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے جو مہر کو صرف زبانی اور رسمی بات سمجھتے ہوئے بڑی بڑی رقم کے مہر مقرر کر لیتے ہیں جن کی ادائیگی کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَأَمْهَرَهَا عَنْهُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيلَ بْنِ حَسَنَةَ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ وہ عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں (اور اپنے شوہر کے ساتھ انہوں نے مکہ سے ملک حبشہ کو ہجرت کی تھی) وہیں حبشہ میں ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے چار ہزار درہم مہر باندھ کے خود ہی ان کو ادا کر دیا اور شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح　ام حبیبہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں جو فتح مکہ تک مخالف کے لیڈر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف تحریک کے قائد رہے، پھر ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی لیکن ان کی بیٹی بہت پہلے دعوت اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر چکی تھیں، ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، پھر جب مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کو حد سے زیادہ ستایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت اور ایماء سے بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ام حبیبہ اور ان کے شوہر نے بھی ہجرت کی۔ پھر اللہ کی شان کچھ مدت کے بعد شوہر عبید اللہ بن جحش نے اسلام چھوڑ کر نصرانی مذہب اختیار کر لیا جو عام اہل حبشہ کا مذہب تھا اور شراب وغیرہ کثرت سے پینے لگے، پھر اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا لیکن ام حبیبہ استقامت کے ساتھ برابر اسلام پر قائم رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب عبید اللہ بن جحش کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام حبیبہ کی قدردانی و دلداری اور دوسرے اہم مصالح کے پیش نظر ان کو اپنے نکاح میں لے لینے کا ارادہ کیا اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس قاصد بھیجا کہ ام حبیبہ کو میری طرف سے نکاح کا پیام دیا جائے۔ نجاشی نے ابرہہ نامی اپنی باندی کے ذریعہ ام حبیبہ کو پیام دیا۔ انہوں نے بہت ہی مسرت اور ممنونیت کے ساتھ اس کو منظور کر لیا اور مہاجر مسلمانوں میں سے اپنے ایک قریبی عزیز خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل بنا دیا اور جیسا کہ ابو داؤد اور نسائی کی مندرجہ بالا روایت میں ہے نجاشی نے حبشہ ہی میں ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا اور خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی طرف سے مہر بھی نقد ادا کر دیا۔ ابوداؤد کی اس روایت میں مہر کی مقدار چار ہزار درہم بتائی گئی ہے۔ لیکن مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت میں چار ہزار دینار ذکر کی گئی ہے اور اصحاب نقل و روایت نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہرحال ازواج مطہرات میں سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دوسری امہات المومنین کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا، لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا جو ایک بادشاہ تھا اور یہی اس کی شان اور حیثیت کے لائق تھا، اور جیسا کہ حدیث میں ہے اسی نے خود ہی ادا بھی کیا۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا ہے۔

نجاشی، حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا، اس نجاشی کا اصل نام اصحمہ تھا، وہ مہاجرین کے ذریعے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و تعلیم سے واقف ہوا تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ۹ھ میں اس کا انتقال ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی سے اس کی اطلاع ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی اطلاع دی اور مدینہ طیبہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

ولیمہ کے احکام

اپنی حسب خواہش کسی عورت سے نکاح ہو جانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور دلی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور اس کا حق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اپنی دلی مسرت و شادمانی کا اظہار ہو، ولیمہ اس کی عملی شکل ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس کے ذریعہ شادی کرنے والے مرد اور اس کے گھر والوں کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان و اظہار ہو جاتا ہے کہ شادی کے اس رشتہ سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز منکوحہ عورت اور اس کے گھر والوں کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و محبت میں اضافہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عمل دونوں سے اس کی رہنمائی فرمائی۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰذَا؟ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف پر (یعنی ان کے کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہیں مبارک کرے! ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ پوری ایک بکری کر ڈالو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ دل کھول کے ولیمہ کرو چاہے تو اس ولیمہ کے لئے ایک بکری مستقل ذبح کر ڈالو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب و رفقاء کی تطییب خاطر کے لئے بھی کبھی ایسی بے تکلفی اور خوش طبعی کی باتیں بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اسی قبیل سے تھا۔

ایک بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت نے صحابہ کرام کو ایسا بنادیا تھا کہ وہ اپنی شادی نکاح کی تقریبات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرکت کی زحمت نہیں دیتے تھے بلکہ اطلاع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف جو خواص صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں انہوں نے خود اپنی شادی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ حدیث میں عبدالرحمن بن عوف پر زردی کے اثر کا جو ذکر ہے، اس کی حقیقت یہ سمجھنی چاہیے کہ نئی دلہنیں زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں، اس کا اثر مرد کے کپڑوں یا جسم پر بھی آ جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کا اثر عبدالرحمن بن عوف پر محسوس کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہیے کہ دعوت قبول کرے اور آئے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح...... ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ حکم دیا تھا اس وقت ولیمے صحیح قسم کے ہی ہوتے تھے اور ایسے ولیمے جب بھی اور جہاں بھی ہوں ان کے لئے یہی حکم ہے۔ ایسی مخلصانہ دعوتیں بابرکت ہیں لیکن جن ولیموں میں مثلاً اسراف اور نمائش اور تفاخر ہو یا دوسری قسم کی منکرات ہوں ان کے لئے ہرگز یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے ہاں کھانے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

مباشرت کے احکام

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَاْتِيَ اَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهُ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ اَبَدًا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جائے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔" (بسم اللہ! اے اللہ تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہوگا تو شیطان کبھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور وہ ہمیشہ شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا نہ کی اور خدا سے غافل رہ کر جانوروں کی طرح شہوت نفس کا تقاضا پورا کر لیا تو ایسی مباشرت سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ شیطان کے شر سے محفوظ نہیں رہے گی۔ کہا جا سکتا ہے کہ "اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق، عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں اس کی خاص بنیاد یہی ہے۔" اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہدایات کی روشنی میں ایمان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاف وضع فطری عمل پر خدا کی لعنت ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوِ امْرَاَۃً فِی الدُّبُرِ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مرد یا عورت کے ساتھ خلاف وضع فطرت حرکت کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:... بے چارے حیوانات بھی جو عقل و تمیز سے محروم ہیں وہ بھی شہوت کا تقاضہ خلاف فطرت طریقے سے پورا نہیں کرتے، پس جو انسان ایسا کرتے ہیں وہ حیوانوں سے بھی بدتر اور "ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" کے مصداق ہیں۔ یہ بات قیامت اور آخرت ہی میں معلوم ہوگی کہ اللہ کی نظر رحمت سے محروم ہو جانا کتنی بڑی بدبختی ہے۔

عزل

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کسی خاص وجہ سے (مثلاً بیوی کی صحت یا پہلے بچہ کی صحت کے تحفظ کے خیال سے) نہیں چاہتا کہ اس وقت اس کی بیوی کو حمل قرار پائے، وہ اس غرض سے ایسا کرتا ہے کہ انزال کا وقت قریب آنے پر اپنے کو بیوی سے الگ کر لیتا ہے تاکہ مادہ منویہ باہر خارج ہو جائے، اسی کو عزل کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ایسا کرتے تھے، اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا جس کا ذکر آگے حدیث میں آ رہا ہے اور بظاہر جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ ممنوع اور ناجائز تو نہیں ہے لیکن اچھا بھی نہیں ہے۔ امت کے اکثر فقہاء نے اس باب کی حدیثوں سے یہی سمجھا ہے اور ان کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاص حالات اور مصالح کی وجہ سے عزل کرے تو گنجائش ہے گناہ نہیں ہے۔ لیکن فی زمانا مغربی اقوام و ممالک کی تقلید و پیروی میں بعض ملکوں میں ملکی اور قومی پیمانے پر تحدید نسل کی جو مہم جس طرح چلائی جا رہی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ انسانی نسل بڑھنے نہ پائے، اگر بڑھتی رہی تو روٹی نہ ملے گی، اس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے، یہ وہی گمراہانہ نقطہ نظر ہے جس کی بناء پر زمانہ جاہلیت کے بعض عرب اپنے نومولود بچوں کو ختم کر دیتے تھے۔ قرآن پاک میں انہیں سے فرمایا گیا ہے۔

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ (انعام ع ۱۹)

اپنے بچوں کو مفلسی اور ناداری کی وجہ سے ختم نہ کرو، ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ اس تمہید کے بعد عزل سے متعلق ایک حدیث پڑھئے:

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ اِنَّ لِیْ جَارِیَۃً ھِیَ خَادِمَتُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَیْھَا وَاَکْرَہُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْھَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّہٗ سَیَاْتِیْھَا مَا قُدِّرَ لَھَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاہُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِیَۃَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُکَ اَنَّہٗ سَیَاْتِیْھَا مَا قُدِّرَ لَھَا (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے اور وہی ہمارے گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے حمل قرار پا جائے (غالباً مطلب یہ تھا کہ کیا میں عزل کر سکتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر چاہو تو عزل کرو۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس باندی کے لئے جو مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور ہو گا۔ کچھ دنوں کے بعد وہی آدمی آیا اور عرض کیا کہ اس باندی کے تو حمل قرار پا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تو تم کو بتلا دیا تھا کہ جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ ہو کے رہے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کے وجود کا فیصلہ ہو چکا ہے تو اس کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو کے رہے گا۔ مثلاً ایک آدمی اس مقصد سے کہ بیوی کے حمل قرار نہ پائے عزل کرتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی وقت بچہ پیدا ہونے کی ہوگی تو ایسا ہوگا کہ وہ بروقت عزل نہ کر سکے گا اور مادہ منویہ اندر ہی خارج ہو جائے گا یا وہ عزل کرے گا لیکن مادہ کا کوئی جز پہلے ہی خارج ہو جائے گا اور اس کو شعور بھی نہ ہوگا۔ الغرض انسانی تدبیر فیل ہوگی اور ارادۂ الٰہیہ پورا ہو کے رہے گا۔ واللہ اعلم۔

چار بیویوں تک کی اجازت

جو لوگ انسانوں کی فطرت اور ان کے مختلف طبقات کے حالات سے واقف ہیں وہ یقین کے ساتھ جانتے ہوں گے کہ بہت سے آدمی اپنی طبیعت اور مزاج کے لحاظ سے اور بہت سے اپنے یا اپنی بیوی کے مخصوص حالات کی وجہ سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہ ہو تو اس کا بڑا خطرہ ہوگا کہ وہ حرام میں مبتلا ہو جائیں، اسی لئے آسمانی شریعتوں میں جن میں زنا اشد حرام قرار دیا گیا ہے عام طور سے اس کی اجازت رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں خاص کر شادی شدہ آدمی کے لئے زنا اتنا شدید گناہ ہے کہ اس کی سزا سنگساری ہے، ایسی شریعت میں اگر کسی حال میں بھی تعدد ازدواج کی اجازت نہ ہو تو انسان پر قانون کی یہ بہت زیادتی ہوگی۔ جن مغربی ملکوں اور قوموں کے قانون میں تعدد ازدواج کی بالکل گنجائش نہیں ہے ان میں زنا کو قانونی جواز حاصل ہے اور عملاً بھی وہاں زنا کی جتنی کثرت ہے وہ کوئی پوشیدہ راز نہیں ہے۔ اسلامی شریعت نے زنا کو ختم کرنے کے لئے ایک طرف تو اس کے لئے سخت سے سخت سزا مقرر کی، اور دوسری طرف مناسب شرائط کے ساتھ چار بیویوں تک کی اجازت دی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے وجوہ و اسباب ہیں جن کا یہی تقاضہ ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی بہت سی دوسری قوموں کی طرح عربوں میں بھی بیویوں کی تعداد کا کوئی تحدیدی ضابطہ نہ تھا، بعض لوگ دس دس اور اس سے بھی زیادہ بیویاں رکھتے تھے، اسلامی شریعت میں انسانوں کی مختلف حالتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی آخری حد چار مقرر فرما دی گئی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ اَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَسْلَمْنَ مَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ. (رواہ احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی نے اسلام قبول کیا اور اس وقت ان کی دس بیویاں تھیں، ان سب نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ چار بیویاں رکھو اور باقیوں کو جدا کر دو۔ (مسند احمد)

بیویوں میں عدل ومساوات

اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اس کے لئے بطور فریضہ کے لازم کیا گیا ہے کہ وہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے کسی کے ساتھ ادنیٰ بے انصافی نہ ہو۔ قرآن مجید میں سورۂ نساء کی جس آیت میں چار تک کی اجازت دی گئی ہے اس میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" یعنی اگر تم ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنے کی صورت میں عدل پر قائم نہ رہ سکو اور ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ نہ کر سکو تو بس ایک ہی بیوی پر قناعت کرو، ایک سے زیادہ نکاح مت کرو۔

بیویوں کے ساتھ عدل نہ کرنے والے شوہروں کو آخرت میں جو خاص رسوا کن عذاب ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی ذکر فرمایا تاکہ لوگ اس معاملے میں ڈرتے رہیں۔ ہاں دل کے میلان پر انسان کا اختیار نہیں اس میں بندہ معذور ہے لیکن معاملہ اور برتاؤ میں فرق نہ ہونا چاہئے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ. (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سب بیویوں کے ہاں باری باری رہتے تھے اور پورے عدل کا برتاؤ فرماتے تھے اور اس کے ساتھ اللہ سے عرض کرتے تھے کہ اے میرے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان معاملات میں اور اس عملی برتاؤ میں جو میرے اختیار میں ہیں۔ پس میری سرزنش اور محاسبہ نہ فرما (دل کے) اس معاملے میں جو تیرے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ جہاں تک رہن سہن اور عملی برتاؤ کا تعلق ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مثالی اور کامل عدل فرماتے تھے، جو معاملہ اور برتاؤ کسی ایک کے ساتھ تھا وہ سب کے ساتھ تھا لیکن قلبی محبت اور دل کا میلان ایسی چیز ہے جس پر کسی بشر کا قابو نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قابو نہیں تھا، اس کا حال یکساں نہیں تھا، اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح معذرت فرماتے تھے کہ "اے اللہ! یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے آپ کے اختیار میں ہے، اس پر مواخذہ اور محاسبہ نہ ہو۔" یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال عبدیت تھا ورنہ قرآن مجید میں فرمادیا گیا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.

نکاح میں تاخیر کے اسباب

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وسلم من وُلد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علی ابیه. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے کوئی اولاد ہو تو اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے پھر جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے اگر اولاد بالغ ہوئی اور اس کا نکاح نہ کیا جس کی وجہ سے اس نے کوئی گناہ کر لیا تو باپ پر اس کا گناہ ہوگا۔

تیسری نصیحت حدیث بالا میں یہ فرمائی کہ جب اولاد بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دیا جائے، آج کل اس نصیحت سے بہت غفلت ہو رہی ہے انگریزی پڑھنے اور امتحان دینے کی جو مصیبت سوار ہو گئی ہے اس نے اس نصیحت کو پس پشت ڈلوا دیا ہے۔ تیس پینتیس سال کی لڑکیاں ہو جاتی ہیں ان کی شادی نہیں ہوتی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ لڑکیاں بھی ڈگریوں کی دوڑ دھوپ میں لڑکوں کے ساتھ شریک ہیں، شادی کریں تو کالج اور یونیورسٹی کیسے جائیں۔ شادی شدہ ہو کر تو گھر لے کر بیٹھنا پڑتا ہے۔

دوسرے جب ڈگریاں حاصل کر لیتی ہیں تو اپنی برابر کا جوڑ (جسے اسی طرح کی ڈگریاں حاصل ہوں) نہیں ملتا، اگر ملتا ہے تو وہ یورپ اور امریکہ کی لیڈی پر نظر ڈالتا ہے، مشرق کی عورت کو پوچھتا ہی نہیں اور ظاہر ہے کہ ڈگریاں لینے سے نفس اور مر نہیں مر جاتا، شرعی نکاح ہوتا نہیں اور فلمیں دیکھ دیکھ کر خواہشات کو ابھار رہتا ہے، پھر ان خواہشات کے پورا کرنے کے لئے حلال نہ ہونے پر حرام ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اور غیر شادی شدہ عورتیں مائیں بن جاتی ہیں اور بے باپ کی اولاد سڑکوں پر پڑی ملتی ہے۔

اس گناہ کا وبال کرنے والوں پر تو ہے ہی، ماں باپ بھی اس گناہ میں شریک ہوتے ہیں کیونکہ وہ تو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی مؤخر کرتے ہیں۔ باپ شادی کرنا چاہتے ہیں اور لڑکا لڑکی شادی پر راضی نہیں اور گناہ کرتے ہیں تو ماں باپ گناہ سے بچ جاتے ہیں، وہی تنہا گناہ کے ذمہ دار رہیں گے۔

عورتوں کو بی اے، ایم اے، پی ایچ ڈی اور ڈاکٹر بننے کی کوئی ضرورت نہیں، اسلام نے بیوی کا خرچ مرد پر رکھ دیا ہے، بالغ ہونے پر شادی کرے، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں گھومنے کی کوئی ضرورت نہیں، گھر میں پردہ کے ساتھ قرآن مجید، دینی تعلیم اور حساب و کتاب بقدر ضرورت پڑھ لینا کافی ہے۔

حدیث گزشتہ میں ارشاد فرمایا کہ جس کی لڑکی بارہ سال کو پہنچ گئی اور اس کا نکاح نہ کیا جس کی وجہ سے وہ گناہ کر بیٹھی تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا بارہ سال کی عمر میں چونکہ لڑکیاں عموماً بالغ ہو جاتی ہیں اس لئے اس عمر کا ذکر کر دیا گیا، اگر دیندار خوش خلق جوڑا ملنے میں کچھ دیر لگ جائے تو اور بات ہے ورنہ بالغ ہونے پر جلد از جلد نکاح کر دینا لازم ہے۔

دور حاضر کے گمراہ لوگوں کو ہماری باتیں ناگوار تو معلوم ہوتی ہوں گی اور یہ پرانی بات ہے کہ حق کڑوا ہوتا ہے لیکن جیسے مریض کو کڑوی دوا پینی پڑتی ہے اور آپریشن کرانا پڑتا ہے اسی طرح جو حق پر عمل پیرا ہونا سے حق سن کر مان رہا لینے چاہئے اور کڑوی دوا کا گھونٹ سمجھ کر حق کو حلق سے نیچے اتار لے تاکہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو۔

موقع کا رشتہ نہ ملنے کا عذر بالکل صحیح نہیں

اور بعض لوگ دیر میں یہ عذر کرتے ہیں کہ کیا کریں کہیں سے موقع کا رشتہ ہاتھ ہی نہیں آتا تو کیا کسی کے ہاتھ پکڑا دیں؟ یہ عذر اگر واقعی ہوتا تو صحیح تھا یعنی سچ مچ اگر موقع کا رشتہ نہ آتا تو واقعی یہ شخص معذور تھا لیکن خود اسی میں کلام ہے کہ جو رشتے آتے ہیں آیا وہ سب ہی بے موقع ہیں بات یہ ہے کہ بے موقع کا مفہوم خود انہوں نے اپنے ذہن میں تصنیف کر رکھا ہے جس کے اجزاء یہ ہیں۔

لائق داماد کی ذہنی تراشیدہ صفات

۱۔ حسب نسب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جیسا ہو۔

۲۔ اور اخلاق میں جنیدؒ جیسا ہو۔

۳۔ اور علم میں اگر دینی ہے تو ابو حنیفہؒ کے برابر ہو۔ اگر دنیوی ہے تو بو علی سینا کا مثل ہو۔

۴۔ حسن میں یوسف علیہ السلام کا ثانی ہو۔

۵۔ اور ثروت و ریاست میں قارون و فرعون کے ہم پلہ ہو۔

بس اس کا لقب کہیں لائق داماد ہوگا۔ ان صفات کے لحاظ کا منع نہیں بلکہ منجملہ حقوق والد کے ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی دو امر اور بھی لحاظ کے قابل ہیں۔

غلو ہر امر میں مذموم ہے

ایک یہ کہ ہر امر میں اعتدال پر نظر رکھنا چاہئے غلو ہر امر میں مذموم ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص میں تمام صفات کا مجتمع ہونا بھی شاذ و نادر ہے، پس اگر صفات مذکورہ بقدر ضرورت کسی میں مجتمع ہوں مگر ان میں جو اہم ہیں وہ موجود ہیں اور دوسری ممکن مرتب۔

نکاح کرتے وقت لڑکے میں تین امر کا دیکھنا ضروری ہے

ایک قوت اکتساب (کمانے کی قوت)، دوسرے کفاءت (برابری) میں زیادہ تفاوت نہیں، تیسرے دینداری، ان دونوں صورتوں میں زیادہ کاوش (کھوج) چھوڑ دے ورنہ وہی بات پیش آئے گی جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ جب خلق و دین میں کفاءت ہو تو نکاح کر دیا کرو ورنہ زمین میں فساد کبیر ہوگا یہ تو تحقیقی جواب ہے۔ ان لوگوں کی غلط فہمی کا۔

موقع کا رشتہ نہ ملنے کے عذر کے تین الزامی جوابات

اور تین جواب الزامی بھی ان کے جواب میں قابل استماع ہیں۔ ایک یہ کہ جن صفات کو جس درجہ میں تم دوسروں میں ڈھونڈتے ہو تم کو جس شخص نے لڑکی دی تھی جس کی بدولت آج اپنی لڑکی کے باپ بن کر یہ جولانیاں دکھا رہے ہو کیا اس شخص نے بھی تمہارے لئے ایسی ہی تفتیش و کاوش (تحقیق و جستجو) کی تھی، اگر وہ ایسا کرتا تو تم کو عورت ہی میسر نہ ہوتی تو ان باتوں کے بنانے کا موقع

ہی نہ ملتا۔ غرض اس نے ایسا نہیں کیا تو اس نے جب ایسا نہ کیا تو تم نے یا تمہارے باپ نے دوسرے بھائی مسلمانوں کی بدخواہی کیوں کی؟ کہ باوجود تمہارے اندر ان اوصاف کے عین مکمل امکان (مکمل طور پر) مجتمع نہ ہونے کے اس کی لڑکی پر ناحق قبضہ کرلیا۔ آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند (جو چیز تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو) پر عمل کیوں نہیں کیا؟

دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ جب تم اپنی دختر کے لئے ان صفات کا شوہر تلاش کرتے ہو، انصاف کرو تم جب اپنے فرزند کے لئے کسی کی لڑکی کی درخواست کی تھی یا کرنے کا خیال ہے کیا اپنے صاحبزادہ میں بھی یہ صفات اسی درجہ کی دیکھ لی ہیں یا دیکھنے کا ارادہ ہے، افسوس! آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند کے مقولہ کا یہاں بھی خون کیا!

تیسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح لڑکوں میں بے شمار خوبیاں ڈھونڈی جاتی ہیں اگر دوسرا شخص تمہاری لڑکیوں میں اس سے عشر (دسواں حصہ) خوبیاں اور ہنر بھی دیکھنے لگے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام عمر ایک لڑکی بھی بیاہی نہ جائے، یہاں بھی وہی آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند کا اہمال (چھوڑ دینا) لازم آتا ہے۔

غرض یہ عذر کسی شے موقع کا نہیں آتا اکثر احوال شے بے موقع ہے یہ بیان تھا لڑکوں کے حق میں شادی کے باب میں عملاً بخل کرنیکا۔

دیندار عورت سے نکاح کرو

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُنْکَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزیں دیکھ کر نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱).....اسکے مال کی وجہ سے (۲).....اسکی حیثیت کی وجہ سے۔ (۳).....اسکی خوبصورتی کیوجہ سے (۴).....اسکی دینداری کی وجہ سے پس اے مخاطب تو دیندار عورت کو اپنے نکاح میں لا کر کامیاب ہو جا تیرا بھلا ہو۔ (مشکوۃ)

نیک عورت دنیا کی بہترین شے ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پوری دنیا نفع حاصل کرنے کی چیز ہے اور دنیا کی چیزوں میں سب سے بہتر چیز جس سے نفع حاصل کیا جائے نیک عورت ہے۔ (مشکوۃ)

تشریح: دیکھنے میں سب انسان گوشت پوست کے بنے ہوئے ہیں۔ عموماً سب کے اعضاء و جوارح یکساں ہیں۔ البتہ ایمان اور اخلاق حسنہ و اعمال صالحہ کی وجہ سے اس کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ کالا گورا ہونا یا کسی خاص ملک کا باشندہ ہونا موٹا تازہ ہونا یہ کوئی فضیلت کی بات نہیں۔ اگر آدمی حسن و جمال میں بڑھ کر ہو اور رنگ روپ کے اعتبار سے بہتر ہو لیکن اس میں کسی کی ہمدردی نہ ہو تو اس کی خوبصورتی اسے انسانیت کے شرف سے متصف نہیں کرسکتی، اسی طرح کسی شخص کو اگر دنیوی حیثیت سے کوئی بڑائی حاصل ہے، عہدہ دار ہے یا کسی منصب پر فائز ہے مگر اخلاق کے اعتبار سے پھاڑ کھانے والا بھیڑیا ہو لوٹ

لینے والا نفشہ ہے تو اسے عہدہ یا منصب کی وجہ سے کوئی پسندیدہ انسان نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس دولت بہت ہے مگر بداخلاق ہے، حریص اور کنجوس ہے تو محض مال کی وجہ سے اسے کوئی تفوق اور امتیازی شان حاصل نہیں، ہاں اگر کوئی شخص (مرد یا عورت) دیندار ہے یعنی صاحب خلق عظیم خاتم النبیین وتاجدار دوعالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے آپ کے اخلاق کا پیرو ہے تو وہ باکمال انسان ہے وہ انسانیت کی شرف سے مالا مال ہے اس کا نفس مہذب ہے۔ وہ انس والفت کا مجسمہ ہے اور محبت واخوت کا پتلا ہے، دوسروں کی خاطر تکلیف برداشت کرسکتا ہے۔ احباب واصحاب سے نباہ کرنے کا خوگر ہے۔ اس سے جو قریب ہوگا خوش رہے گا اس کی الفت وصحبت سفر کے ساتھیوں کو اور گھر کے پڑوسیوں کو گرویدہ کرلے گی، اگر ایسے شخص سے کسی عورت کا نکاح ہوگیا تو وہ عورت اس کے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے زندگی بھر خوش رہے گی۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا گیا تو دنیاوی زندگی سراپا مصیبت بن جائے گی۔ اسی لئے تو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی ایسا شخص تمہارے پاس نکاح کا پیغام بھیجے جس کے اخلاق اور دینداری سے تم خوش ہو تو اس کا پیغام رد نہ کرو بلکہ جس عورت نے نکاح کرنے کا پیغام دیا ہے اس سے نکاح کردو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد ہوگا۔ ایک پیغام دینے والے مرد میں دینداری اور حسن خلق نہ دیکھی بلکہ صرف مال یا حسن وجمال یا دنیوی منصب ومرتبہ دیکھ لیا اور ان چیزوں کے پیش نظر کسی عورت کا نکاح کردیا تو اس عورت کی دینداری تو تباہ ہو ہی جائے گی جس کی وجہ سے آخرت برباد ہوگی مگر اس کی دنیا بھی آرام سے نہ گزرے گی۔ جو خدا کو جانتا ہے چونکہ وہ احکام شریعت کو سمجھتا ہے اس لئے وہ مخلوق کے حقوق بھی ادا کرے گا اور ایذا اور تکلیف سے باز رہے گا۔ جو خدا کو نہیں وہ کسی کا نہیں، جس نے اپنے خالق ومالک کے احکام کی پرواہ نہ کی وہ اپنی ماتحت مخلوق کے حقوق ادا کرنے اور آرام پہنچانے کے لئے کیونکر فکر مند ہوسکتا ہے۔

آج کل دین کو نہیں دیکھتے، دوسری چیزیں دیکھ کر لڑکی بیاہ دیتے ہیں، کوئی دنیوی تعلیم دیکھ کر اور کوئی مال دیکھ کر رشتہ کر دیتا ہے اور کوئی دنیوی عہدہ وملازمت دیکھ کر لڑکی دے دیتا ہے۔ پھر اس کے نتیجے بھگتتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ مسائل نہ جاننے کی وجہ سے تین طلاق دے کر بھی عورت کو رکھے رہتے ہیں۔ اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو سالہا سال تعلقات ٹھیک رکھ کر عورت کو ادھری چھوڑ دیتے ہیں، نہ اسے طلاق دیتے ہیں نہ خرچہ پانی دیتے ہیں اور بعض بداخلاق لوگ بے جا مار پیٹ کر کے عورت کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ اب لڑکی کے اولیاء مفتی کے پاس آتے ہیں کہ بڑے ظالم سے پالا پڑا، وہ تو ایسا ہے ویسا ہے، کوئی چھٹکارا کا راستہ نکالئے، حالانکہ جب اس سے نکاح کیا تھا، وہ اس وقت بھی ایسا ہی تھا، جو لوگ خداترس دیندار ہیں، ان کی داڑھیوں سے ڈرتے ہیں، اگر ان کو لڑکی دے دیں گے تو گویا لڑکی داڑھی کے بوجھ میں دب جائے گی اور گویا لڑکی کے ماں باپ معاشرہ میں بے عزت ہوجائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جب دیندار ناپسند ہے تو لامحالہ بے دینوں اور بدنیتوں کو لڑکیاں دیتے ہیں۔ پھر یہ لوگ مندرجہ بالا طریقوں سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ دیندار لڑکی بھی بے دینوں کے پلے باندھ دیتے ہیں جو اس بیچاری کو نہ نماز پڑھنے دے نہ روزہ رکھنے دے، بے پردہ ہونے پر مجبور کرتا ہے اور سینما ساتھ لے جانے کے لئے ضد کرتا ہے۔ یہ وہی فتنہ وفساد ہے جس کا حدیث شریف

میں ذکر فرمایا ہے کہ اگر ایسے شخص سے لڑکی کا نکاح نہ کرو گے جس کی دینداری اور خوش خلقی سے اطمینان ہو تو زمین میں بڑا فتنہ اور (لمبا) چوڑا فساد ہوگا۔ البتہ بعض ظاہری دینداروں سے بھی تکلیف پہنچ جاتی ہے مگر یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حقیقی دیندار نہیں ہوتے۔ باطن کی اصلاح نہ ہونے کی وجہ سے مصیبت بنتے ہیں۔ دیندار وہ ہے جس کا ظاہر و باطن دونوں اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہوں۔

جس طرح سے شوہر دیندار خدا ترس تلاش کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ عورت دیندار تلاش کی جائے جو اعمال صالحہ کی خوگر ہو، مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلی حدیث میں فرمایا کہ عورت کی دینداری دیکھ کر نکاح کرلو۔ اس کا مال و جمال نیز مرتبہ و حیثیت نہ دیکھو۔ اگر عورت دیندار نہ ہوگی تو نہ شوہر کے حقوق ادا کرے گی نہ اولاد کو دیندار بنائے گی۔ شوہر کا مال بے جا اڑائے گی، نامحرموں کے سامنے بے پردہ ہوکر آئے گی اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچیں گی اسی لئے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة۔

یعنی دنیا میں نفع حاصل کرنے کی جو چیزیں ہیں ان میں سب سے بہتر نیک عورت ہے۔

بہت سے لوگ خوبصورت عورت پر ریجھ جاتے ہیں اس کی سفید کھال تو دیکھ لیتے ہیں لیکن سیاہ قلب کو نہیں دیکھتے۔ وہ ہے تو خوبصورت لیکن نہ روزہ رکھتی ہے نہ نماز پڑھتی ہے دن بھر غیبتوں میں مبتلا اور ساس نندوں سے لڑنے میں مشغول رہتی ہے۔ شوہر کی پوری آمدنی پر قبضہ کرلیتی ہے اگر شوہر والدہ کو کوئی پیسہ دے دے تو ناراض، والد کی خدمت کرے تو غصہ، بھائیوں کو کچھ دے دے تو خفگی، پہلی بیوی کی اولاد پر خرچ کردے تو لڑتے لڑتے جان تباہ کردے، رات دن لڑائی اور شوہر کے لئے ایک عذاب، خوبصورتی دیکھ کر شادی کرنے سے ایسی آفتیں آجاتی ہیں۔

دیندار عورت کا شوہر اگر اپنے ماں باپ پر خرچ نہ بھی کرے گا تب بھی وہ صلہ رحمی کی ترغیب دے گی اور خدمت پر آمادہ کرے گی۔ سب کے حقوق خود بھی پہچانے گی اور شوہر کو بھی حق شناسی پر ابھارے گی۔

بس آج کل شوہر انگریزی بیوی سے اور عورتیں فلم کار اور موسیقار شوہر سے شادی کرنے کو کمال سمجھتی ہیں۔ کہاں کی دینداری اور کیسی شرافت سب کو بالائے طاق رکھ چکے ہیں، دینداری، خدا ترسی عیب بن چکی ہے اور اس سب کے باوجود دامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وابستگی کے دعوے دار ہیں، کیا یہ حماقت اور جہالت نہیں ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آج کل پڑھی لکھی لڑکیاں بھی معاشرہ میں مصیبت بن گئی ہیں لڑکیوں کو میٹرک ہی نہیں بلکہ بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی تک کراتے ہیں اب ان کے لئے جوڑا ڈھونڈتے ہیں تو ایسا شخص چاہتے ہیں جو تعلیم میں ان کے برابر یا ان سے زیادہ ہو، ایسا شخص نہیں ملتا، یا ملتا ہے تو اس کی اپنی شرطیں لڑکی والے پوری نہیں کر پاتے یا کئی کئی تین تین سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر تک لڑکیاں یوں ہی بیٹھی رہتی ہیں۔ جس عورت کا کالج میں آنا جانا رہا یا یونیورسٹی میں آتی جاتی رہی اس کے دیندار اور پردہ دار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دیندار مرد اسے پسند نہیں کرتے اور وہ دیندار کو پسند نہیں کرتے اور مطلب کا جوڑا ملتا نہیں، لہٰذا یا تو بیٹھی رہ جاتی ہیں یا بے دین کے پلے پڑتی ہیں۔ پھر دونوں سے مل کر پیدا ہونے والے بچوں کو خالص یورپین بنا دیتے ہیں۔ غرض کہ فتنے ہی فتنے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ.

منکوحہ کے مال پر نظر رکھنا بڑی بے غیرتی ہے

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزیں دیکھ کر نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱)....اسکے مال کی وجہ سے (۲)....اسکی حیثیت کی وجہ سے۔
(۳)....اسکی خوبصورتی کی وجہ سے (۴)....اسکی دینداری کی وجہ سے پس اے مخاطب تو دیندار عورت کو اپنے نکاح میں لاکر کامیاب ہو جا تیرا بھلا ہو۔ (مشکوۃ)

تشریح: ایک کوتاہی ناکحین (نکاح کرنے والوں) میں یہ ہے کہ منکوحہ (جس سے نکاح کرنا مطلوب ہے) کے مال کو دیکھتے ہیں اور در حقیقت یہ اس سے بھی بدتر ہے کہ منکوحہ یا اس کے اولیاء مرد کے مال کو دیکھیں کیونکہ یہ تو کسی درجہ میں اگر اس میں غلو نہ ہو امر معقول ہے کیونکہ مرد پر نفقہ و مہر عورت کا واجب ہوتا ہے تو اس پر استطاعت رکھنے کو دیکھنا مضائقہ نہیں بلکہ ایک قسم کی ضروری مصلحت ہے البتہ اس میں ایک قسم کا غلو ہو جاتا کہ اس کو اور ضروری اوصاف پر ترجیح دی جائے یہ مذموم ہے لیکن عورت کے مالدار ہونے پر نظر کرنا محض اس غرض سے کہ ہم اس سے متمتع (فائدہ اٹھانے والے) ہوں گے یا ہم پر ملازمت وغیرہ کا بار کم پڑے گا بڑی بے غیرتی اور بے حمیتی ہے۔

چون باز باش کہ صیدی کنی و لقمہ دہی　　　طفیل خوردہ مشو چون کلاغ بے پر و بال

اس کے علاوہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مالدار عورت نادار مرد کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اس کو حقیر اور خادم سمجھتی ہے اور داماد کے والدین کا اس پر نظر کرنا کہ اپنی بہو بیاہ کر لائیں کہ جہیز بہت سا لائے وہ بھی احمق ہیں۔ ان کی بھی وہی مثل ہے کہ ع

چو موش پیر دکان روستا خور سند

اول تو وہ جہیز ملک بہو کا، کسی کو اس سے کیا؟ لیکن اگر یہ بھی سمجھا جائے کہ گھر میں رہے گا تو ہمارے بھی کام آئے گا (اس سے) اول تو وہی بے حمیتی (بے غیرتی) دوسرے اگر اس کو گوارہ بھی کر لیا جائے تو اس خیال کے تابع کو تو کسی درجہ میں گنجائش ہے مگر ساس سسر کا کیا واسطہ آج صاحبزادہ صاحب اپنی ماں سے یا بیوی کے کہنے سے جدا ہو جائیں پس ساری امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔

اپنے برابر والوں سے تعلق نکاح کرنے سے ہر قسم کے مصالح محفوظ رہتے ہیں

البتہ اگر منکوحہ کے زیادہ مفلس نہ ہونے پر ایک مصلحت کی تحصیل کے لئے مناسب ہے وہ منفعت تو یہی ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مفلس محض میں دو امر کی کمی ہوتی ہے، ایک سلیقہ کی دوسری سیر چشمی کی، پس سلیقہ کی کمی سے اس میں خدمت کی لیاقت نہیں ہوتی اور اس سے کلفت ہوتی ہے اور سیر چشمی کی کمی سے بعض اوقات ضروری خرچوں میں تنگی کرتی ہے جس سے بعض اہل حقوق کے حقوق بھی ضائع ہوتے ہیں اور بعض مقامات پر شرمندگی بھی ہوتی ہے، کسی

مہمان کو روٹی کم دے دی، کسی سائل حاجتمند کو محروم کر دیا اور اگر وہ بچپن سے کھانے پینے، دینے، دلانے، کھلانے پلانے میں رہی ہوگی تو راحت اور انتظام کی زیادہ امید ہے اور وہ مضرت (نقصان) یہ ہے کہ بعض کو دیکھا گیا ہے کہ دفعۃً مال و دولت کو دیکھ کر آنکھیں پھٹ جاتی ہیں اور اچھلنے لگتی ہیں اور سلیقہ ہوتا نہیں اس بے تمیزی سے اس کو اڑانا شروع کر دیتی ہے، چنانچہ اکثر نو دولتیوں کو بخل کی بلا میں مبتلا پایا یا اسراف کی، ان میں اعتدال کم ہوتا ہے، کیونکہ عادت نہیں اموال سے منتفع ہونے کی جو اعتدال سکھاتی، اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاوند کے گھر سے اس کو محبت نہیں ہوتی، نقد اجناس، کبھی ظاہر میں کبھی خفیہ میں (چھپا کر) جس طرح بن پڑتا ہے اپنے میکے والوں کو بھرنا شروع کر دیتی ہے اور عمر بھر یہی زلہ بہتار رہتا ہے اور اس سے گھر میں بے حد بے برکتی ہوتی ہے، مرد کما تا کما تا تھک جائے مگر وہ اڑانے سے نہیں تھکتی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے برابر والوں میں تعلق نکاح کا کرے تا کہ سب مصالح محفوظ رہیں اور یوں کسی کی طبیعت ہی خاص رنگ کی ہو اس کا ذکر نہیں۔

شوہر کی خواہش وغیرہ کے بغیر عورت اگر خلوص کامل سے اس کی کوئی مالی خدمت کرے تو اس کا مضائقہ نہیں البتہ اگر خلوص کامل سے شوہر کی کچھ خدمت کی جائے بدون اس کے کہ شوہر کو اس کی خواہش یا اس پر نظر یا اس کی نگرانی یا انتظار ہو تو مضائقہ نہیں۔ وہو معنی قولہ تعالیٰ: وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى.

اور تنگ دست پایا تو غنی کر دیا (سورہ ضحیٰ)

واشتراط عدم المطلع والتشرف بقولہ علیہ السلام ما اتاک من غیر اشراف فخذوہ وما لا فلا تتبعہ نفسک او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ تمہارے پاس بے بغیر اشراف نفس (بغیر انتظار کے) کے آ جائے اسے لے لو اور جو تمہارے پاس نہیں آتا نفس کو اس کے پیچھے مت لے جاؤ۔

عورت صرف سلیقہ سے اپنے شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی بلکہ اس میں خدمت گزاری وغیرہ کا مادہ ہونا ضروری ہے اور اگر یہ مقصود ہے کہ ایسی عورت سلیقہ دار ہوگی ہم کو راحت زیادہ پہنچائے گی، سو خوب سمجھ لو، راحت رسانی کے لئے صرف سلیقہ کافی نہیں بلکہ اطاعت و خلوص و خدمت گزاری کے مادہ (جذبہ) کی اس سے زیادہ ضرورت ہے اور سلیقہ میں کچھ کمی بھی ہو تو اس کو برداشت کر لیا جاتا ہے اور اگر نرا سلیقہ ہو اور وہ اوصاف نہ ہوں تو اول تو وہ خدمت ہی کیوں کرے گی؟

عورتوں کو انگریزی تعلیم سے ان میں اخلاق ذمیمہ پیدا ہو جاتے ہیں

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزیں دیکھ کر نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱)...اسکے مال کی وجہ سے (۲)...اسکی حیثیت کی وجہ سے (۳)...اسکی خوبصورتی کیوجہ سے

(۴)…اس کی دینداری کی وجہ سے پس اے مخاطب تو دیندار عورت کو اپنے نکاح میں لاکر کامیاب ہو جا تیرا بھلا ہو۔ (مشکوۃ)

تجربہ سے یہی تعلیم جدید کا اثر خاص کر عورتوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ فطرۃ ہی ضعیف العقل ضعیف القلب (کم عقل اور کمزور دل) ہوتی ہے جس کے لئے زیادہ زیادت متاثر (اثر قبول کرنا) لازم ہے یہ ثابت ہوا ہے کہ اس سے تکبر و خود غرضی و خود رائی و بے باکی و آزادی و بے حیائی و چالاکی و نفاق وغیرہ اخلاق ذمیمہ (برے اخلاق) جو تمام اخلاق ذمیمہ کی جڑ ہیں، پیدا ہوتے ہیں، پس جب ان کا دماغ تکبر و نخوت سے پر ہے تو وہ تمہاری خدمت ہی کیوں کرے گی؟ جس سے تم کو راحت پہنچے۔

تعلیم یافتہ عورت بجائے شوہر کی خدمت کرنے کے اس سے خدمت لینے کی طالب ہوگی

بلکہ برعکس بوجہ خود غرضی کے وہ خود تم سے اپنے حقوق کا اعلیٰ پیمانہ پر مطالبہ کرے گی جس سے تمہاری عافیت (سلامتی) تنگ ہو جائے گی۔ غرض وہ خود تم ہی سے اپنی خدمت چاہے گی اور تم ان سے وہ خدمتیں جو ہر گھر بھی جو ایک شریف سادہ طبیعت کی عورت ان کا اپنا فرض سمجھتی ہے تو وہ تم کو ضابطہ کا جواب دیں گی کہ یہ کام ہمارے ذمہ نہیں بلکہ خادمات کے ذمہ بھی قاعدہ سے ہوگا اس میں بھی خلاف تہذیب ہونے کا حق صحت (صحت خراب کرنے) کا عذر کرکے ٹکا سا جواب دیں گی اور اپنے حقوق تم سے پورے وصول کریں گی۔ تنخواہ تم سے کل رکھوائیں گی اور تین پانچ ہاتھ میں کروگے تو عدالت پہنچیں گی اور اگر کہو کہ یہ بہت کم ہوتا ہے تو جواب میں عرض کروں گا کہ پھر وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے اور اگر کہو کہ ہم ایسی تعلیم یافتہ نہیں چاہتے تو خیر وہ اس قدر خطرناک نہیں ہوگی لیکن آزادی، بے حیائی مکر و فریب، چالاکی اور نفاق تو تمغۂ مشترکہ (سب کا مشترکہ اعزازی نشان) ہے جو پوری اور ادھوری تعلیم سب میں ہے تو اس کے خطرات بھی ایک شریف اور غیور آدمی کے لئے کچھ کم نہیں ہوں گے۔

اگر عورت میں سب ہنر ہوں اور حیا نہ ہو تو وہ صحیح معنوں میں عورت نہیں

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر عورت میں کوئی ہنر نہ ہو لیکن حیا ہو تو وہ اور کچھ نہیں مگر عورت تو ہے، اگر سب ہنر ہوں لیکن حیا نہ ہو تو وہ سب کچھ ہے مگر عورت نہیں اور نکاح کے مصالح کے لئے چاہئے عورت، جب وہ عورت ہی نہیں تو پھر اس سے مصالح نکاح کیسے حاصل ہوں گے پھر نکاح سے کیا فائدہ؟ بالائی مصالح کے لئے چار مہذب نوکر رکھ لو اور آب ریزی (شہوت کی ہوس پوری کرنے) کے لئے اہل فرانس نے بہت سے طریقے ایجاد کر دیئے ان پر کفایت کرلو۔ رہی اولاد سو وہ اختیاری سے خارج ہے اس کی فکر ہی کیا؟ پھر وہ ہر بے ہنر عورت سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے اتنی کنج و کاوش (جستجو اور تلاش) بیکار ہے اور اس کی کیا ضرورت ہے کہ سب مصالح ایک ہی شخص سے حاصل ہوں، غرض نکاح میں مصالح نکاح کی رعایت سب سے مقدم ہے جو عورت کی بے حیائی کے ہوتے ہوئے سب گرد ہے۔

عورتوں میں دینی تعلیم کا ڈھونڈنا ضروری ہے

البتہ اگر عورتوں میں دینی تعلیم ڈھونڈی جائے تو وہ علوم دینیہ کی تعلیم ہے جو انسان کو مہذب کامل بنا دیتی ہے جبکہ اس پر عمل کرے اور غالب یہ ہے کہ جب علوم دینیہ حاصل ہوتے ہیں تو کبھی نہ کبھی عمل کی بھی توفیق ہو ہی جاتی ہے سو اگر بے عملی سے فرضا (فرض کرو) کچھ کلفت بھی ہوئی تو وہ دائمی نہ ہوگی۔ عارضی ہوگی جو ایک مدت میں ختم ہو سکتی ہے۔ غرض اصل تعلیم تو اہتمام تعلیم دینی ہے۔

دینی تعلیم سب تہذیبوں کی جڑ ہے

اور اس کے اس اصل التہذیب (تہذیبوں کی جڑ) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے اور جس کے قلب میں خدا کا خوف ہوگا وہ اس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھے گا کہ اس سے احتمال ہی نہیں ہوگا کہ وہ کسی کا ذرا حق ضائع کرے یا کسی کو اس سے تکلیف پہنچے یا وہ اپنی غرض کو دوسرے کے حق پر مقدم کرے یا کسی کی بدخواہی کرے یا کسی کو دھوکا دے اور اس سے بڑھ کر کونسی تہذیب ہوگی؟

آج کل کی تہذیب تو تعذیب ہے

اور جس کا نام آج کل تہذیب رکھا گیا ہے جس کا حاصل تصنع و تلبیس و خداع و تزویر (بناوٹ اپنا عیب چھپانا دھوکہ دہی اور ملمع سازی) ہے وہ سراسر تعذیب (عذاب دینا) ہے۔ جس کا پایا جانا عورتوں میں ان کو اس شعر کا مصداق بنا دیتا ہے۔

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ او

بری عورت نیک مرد کے گھر میں بیٹھی اسی عالم میں اس کے لئے دوزخ ہے۔

عورتوں کو علم دین گھر ہی پڑھانا چاہئے

جس کی روح دو امر ہیں ایک یہ کہ ان کو صرف علم دین پڑھایا جائے دوسرے یہ کہ یہ تعلیم خاص طرز سے متفرق طور پر گھروں میں ہونا چاہئے مدارس کے طرز پر مجتمع طور پر نہ ہونا چاہئے کہ شریعت نے بلا ضرورت شدیدہ ان کے اجتماع و خروج عن البیوت (گھروں سے نکلنے) کو پسند نہیں کیا اور واقعات نے بھی اس کے مفاسد ایسے دکھلا دیئے کہ بجز متعامی (خود اندھا بننے والے) کے اعمی (اندھے) نے بھی ان کو دیکھ لیا اور راز اس میں یہ ہے کہ اس اجتماع کو جس درجہ کی نگرانی کی ضرورت ہے وہ عورتوں سے بن نہیں پڑتی کہ وہ خود مستتر (پردے میں رہنے والی) ہیں اور مردوں کے دخل میں وہ نگرانی پھر کہاں رہی؟ اگر اس نگرانی کا حاصل بھی عدم اختلاط بالرجال (مردوں سے میل جول نہ رکھنا) تو تھا ہی تو نگرانی تو کم اور خروج عن البیوت کے بعد مواقع فساد میں وسعت ہوگئی دوسرے معلم اگر شریف بدین متقی ذی اثر و باوجاہت و بارعب ہو تو اس کا نوکر رکھنے کے لئے میسر ہونا قریب محال اور جو نوکر رکھنے کے لئے مل سکتی ہے وہ ان اوصاف سے معری (خالی) جس کی صحبت مردوں سے زیادہ خطرناک ہے تجربہ حامیان عصر حاضر ادا (پر سنجیدگی سے تدبر کرو) آگیا اصل بحث یہ ہے کہ منکوحہ میں تعلیم پر نظر کرنا کیسا ہے؟

نو تعلیم یافتہ ہونے سے عورت کا بے علم ہونا اچھا ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم تُنْکَحُ الْمَرْاَۃُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزیں دیکھ کر نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱)..... اسکے مال کی وجہ سے (۲)..... اسکی حیثیت کی وجہ سے (۳)..... اسکی خوبصورتی کیوجہ سے (۴)..... اسکی دینداری کی وجہ سے پس اے مخاطب تو دیندار عورت کو اپنے نکاح میں لا کر کامیاب ہو جا تیرا بھلا ہو۔ (مشکوٰۃ)

اصل بات یہ ہے کہ اگر اس میں علم دین ہو تو نور علیٰ نور ہے اور اگر علم دین نہ ہو تو اس کا بے علم ہونا یقیناً اس کے نئے علوم کے عالم ہونے سے اسلم (محفوظ ترین) اور بے خطر ہے، کیونکہ بے علم میں اگر اخلاق حمیدہ نہ ہوں گے تو وہ اخلاق رذیلہ جو جدید ہیں تمام اخلاق رذیلہ اور افعال ذلیلہ کی وہ بھی تو نہ ہوں گے تو اس مصرعہ کا مضمون ہاتھ آئے گا۔ ع

"مرا بخیر امید نیست وبد مرساں"

یعنی مجھے آپ سے بھلائی کی توقع اور امید تو نہیں ہے لیکن بدی بھی تو نہ پہنچاؤ۔

نکاح کیلئے اخبارات میں ناکح اور منکوح کی اشتہار بازی مذموم ہے

آجکل تو یہ طوفان ہو گیا کہ اشتہاری دواؤں کی طرح ناکح و منکوح کے اشتہارات بھی اخباروں میں چھپنے لگے۔ کبھی ناکح صاحب جب اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ جائیداد، یہ نوکری، یہ کمالات ہیں اور ہم کو ان اوصاف کی منکوحہ چاہئے، جس کو منظور ہو ہم سے خط و کتابت کرے، پھر اس کے جواب میں کوئی بی بی صاحبہ اخبار میں یا خاص طور پر جواب لکھتی ہیں اور اپنا جامع اوصاف اور حسین ہونا اپنے بے شرم قلم سے لکھتی ہیں اور کچھ شرطیں کرتی ہیں۔ بس اسی طرح خط و کتابت ہو کر کبھی سودا بن جاتا ہے کبھی نہیں بنتا، کبھی نکاح سے پہلے ہی دو چار ملاقاتیں ہو جاتی ہیں تاکہ تجربہ اور بصیرت کے بعد نکاح ہو...... انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیسی آفتیں نازل ہو رہی ہیں!!!

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔

اے اللہ ہم آپ سے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں

عاقلہ بالغہ کا بلا ضرورت از خود نکاح کرنا مذموم ہے

اس میں کلام نہیں کہ عاقلہ بالغہ خود اپنے نکاح کی بات چیت ٹھہرا لے اور ایجاب و قبول کر لے تو ایسا نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا بلا ضرورت و بلا مصلحت منعقد ہوا ایسا کرنا کیسا ہے؟ سو یہ امر نہ شرعاً محمود (پسندیدہ) ہے نہ عقلاً۔ شرعاً تو اسلئے کہ تخریج زیلعی میں دارقطنی و بیہقی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے:

لَا تُنْکِحُوا النِّسَاءَ اِلَّا مِنَ الْاَکْفَاءِ وَلَا یُزَوِّجُهُنَّ اِلَّا الْاَوْلِیَاءُ وَلَا مَهْرَ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ (دارقطنی وبیہقی)

یعنی عورتوں کا نکاح نہ کرو مگر ان کے کفو میں اور ان کی شادی نہ کرو مگر ان کے ولی کی موجودگی میں اور ان کا مہر دس درہم سے کم مقرر نہ کرو۔ گو بوجہ دوسری حدیث کے۔

اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِہَا مِنْ وَلِیِّہَا (رواہ مسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی ومالک فی الموطا لا بن ماجہ)

یعنی بالغ عورت (اپنے نکاح کے معاملہ میں) اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

گو نہی نہیں کے نفی نہ کہیں گے جو کہ مستلزم ہو عدم صحت کو لیکن نہی بھی تو عمل ہی کے واسطے ہے اور کوئی باطنی راز ہے جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توسط اولیاء کا تجویز فرمایا ہے، اگرچہ ہم کو اس کی لم بھی معلوم نہ ہو۔

بزرگوں کے تجویز کردہ نکاح میں آثار برکت ہوتے ہیں

مگر ہمارے پاس ایک ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس میں ضرور ہے اور وہ دلیل انّی یہ ہے کہ ہم نے جو آثار برکت کے بزرگوں کے تجویز کئے ہیں نکاح میں دیکھے ہیں وہ اس نکاح میں نہیں دیکھے جو براہ راست خود زوجین کر لیتے ہیں باقی خاص خاص مواقع ضرور مستثنیٰ ہوا ہی کرتے ہیں اور عقلاً اس لئے محمود نہیں کہ ظاہر ہے کہ بلا ضرورت شدیدہ خود نکاح کی بات چیت یا خط وکتابت کرنا، جس اس کی وقاحت (بے حیائی) کی ضرورت ہے:

وَاِذَا فَاتَکَ الْحَیَاءُ فَافْعَلْ مَاشِئْتَ یعنی جب تم میں حیاء کا مادہ نہ رہا تو پس جو چاہو کرو۔

ع "بے حیاء باش وہر چہ خواہی کن"

کے موافق قلیل الحیاء آدمی سے جو اخلاق رذیلہ بھی صادر ہو جائے بعید نہیں، عاقل آدمی کو ایسی عورت سے بچنے کے لئے یہی علامت کافی ہے کہ وہ بے حیا ہے۔

نکاح کا مقصد اعظم زوجین میں باہم محبت ومودت اور توافق ہے

اور وجہ بھی اس کی ظاہر ہے کیونکہ نکاح جن مصالح کے لئے موضوع اور مشروع ہے وہ زیادہ تر سب موقوف ہیں توافق (باہمی موافقت) وودّ ومودّت اور (آپس میں محبت) پر والیہ الاشارۃ فی قولہ علیہ السلام۔

تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ فَاِنِّیْ مُبَاہٍ بِکُمُ الْاُمَمَ

یعنی ایسی عورت سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی ہو کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

حتی کہ توالد جو کہ غرض اعظم ہے نکاح سے، جہاں سے اس کیلئے صحت بدن وسلامت مزاج وغیرہ احوال طبیہ شرط ہیں وہاں بھی یہی توادد (محبت) ہے کہ بمنزلہ جز واخیر علت تامہ کے ہے توالد کیلئے کیونکہ وہ موقوف ہے احبال (حمل ہونے) پر اور احبال طبًا (حکمت کی رو سے) موقوف ہے توافق انزالین (دونوں کے ایک ساتھ انزال ہونے) پر اور ظاہر ہے کہ وہ محبت ومودت پر موقوف ہے، غرض بڑا مدار مصالح کا نکاح میں توادد ٹھہرا۔

محبت ومودت میں بڑا دخل دین کو ہے

اور یہی بات ہے کہ تو اور میں جس قدر دین کو دخل ہے اتنا کسی چیز کو نہیں، سب علائق (تعلقات) قطع ہو جاتے ہیں بجز دین کے، حتیٰ کہ قیامت میں جو کہ وقت ہے تمام تعلقات کے قطع ہو جانے کا۔

فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (المؤمنون: ۱۰۱) اور ان میں جو رشتے ناطے تھے اس روز نہ رہیں گے۔

وقال الله تعالى: وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ

وقال الله تعالى: مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ز (العنکبوت: ۲۵) (اور (ابراہیم نے) کہا کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو)

تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کیلئے (مگر) پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔

یہ علاقہ دینیہ اس وقت بھی ختم نہ ہوگا۔ قال الله تعالى: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ م بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ

(جو آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے)۔ (سورہ زخرف)

دین کیساتھ اگر مال وجمال بھی ہے تو نور علیٰ نور ہے

ہاں اگر دین کے ساتھ یہ بھی ہو تو نور علیٰ نور، چنانچہ حدیث میں ہے "اَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ" یعنی جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے وہ مسکین ہے، علاوہ "اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَيْهَا فَانْظُرْ" کہ اگر ہو سکے تو نکاح سے پہلے اس عورت کو دیکھ لینا مشیر بھی ہے۔

اور ایک درجہ میں مال وجمال کی رعایت کی طرف میلان تو اس میں بھی بے شک مذموم ہے جیسا کہ اوپر حدیث سے ثابت ہے۔

نکاح سے قبل داماد کے مسلمان ہونے کی تحقیق ضرور کرنی چاہئے

اسی مضمون پر تفریع کے طور پر ایک یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ آج کل نو تعلیم یافتہ طبقہ میں بعض لوگ ایسے آزاد اور بیباک پائے جاتے ہیں جو بلا تکلف بدولت تقلید ملاحدہ یا بطفیل ہوا پرستی وخود رائی تعلیمات (یعنی عقائد واحکام) میں علانیہ کلام کرتے ہیں، کسی کو رسالت میں کلام ہے، کسی کو نماز وروزہ کے احکام پر نکتہ چینی ہے، کسی کو واقعات غیبیہ معاد وقیامت کے یقینی واقعات) پر شبہات ہیں سو خوب سمجھ لو کہ:

مِثْلُ ذٰلِكَ الرَّجُلِ كَافِرٌ وَاِنْ زَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ. ایسا آدمی کافر ہے خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہو۔

تو مسلمہ کا نکاح کافر مرد سے نہیں ہوتا یا اگر مسلمان ہونے کے بعد کوئی ان امور سے کسی کا مرتکب ہو تو کافر ہو جاتا ہے اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور عمر بھر حرام کاری ہوتی رہتی ہے پس بے حد ضرورت ہے کہ نکاح سے قبل دولہا صاحب کے عقائد اور خیالات کا کرید کر دیکھو تو اس کے مسلمان ہونے کی تحقیق تو کر لیا کرو اور بعد نکاح کے ایسا امر پیش آئے تو توبہ کرا کر تجدید نکاح کرا دیا کرو بہت ہی عظیم الشان (انتہائی اہمیت والا) امر ہے۔

تقویٰ کے بعد سب سے زیادہ بہتر چیز نیک عورت ہے

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَی اللّٰهِ خَیْرًا لَّهٗ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِنْ نَظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَیْهَا اَبَرَّتْهُ وَاِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ نے تقویٰ کی نعمت کے بعد کوئی ایسی بھلائی حاصل نہیں کی جو اس کے حق میں نیک بیوی سے بڑھ کر ہو (پھر نیک بیوی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا) اگر شوہر اسے حکم کرے (جو خلاف شرع نہ ہو) تو اس کا کہا مانے اور شوہر اس کی طرف دیکھے تو شوہر کو خوش کرے اور اگر شوہر کسی کام کے بارے میں قسم کھا بیٹھے کہ ضرور تم ایسا کرو گی (اور وہ کام شرعاً جائز ہو) تو اس کی قسم سچی کر دے اور اگر وہ کہیں چلا جائے اور یہ اس کے پیچھے گھر میں رہ جائے تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں اس کی خیر خواہی کرے۔

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ تقویٰ کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے اگر کسی کو یہ نعمت میسر ہو جائے تو وہ بہت مبارک ہے کیونکہ اصل دینداری تقویٰ ہی کا نام ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تقویٰ فرائض و واجبات کے ادا کرنے اور حرام و ممنوع کاموں سے پرہیز کرنے کا نام ہے۔ اس صفت کی وجہ سے بندہ خدائے پاک کا محبوب بن جاتا ہے۔

تقویٰ کے علاوہ اور بھی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا درجہ گو تقویٰ کی نعمت سے کم ہے مگر انسان کی زندگی کے لئے وہ بھی بہت ضروری اور اصول ہیں۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑھ کر کیا ہے؟ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ کے بعد سب سے بڑی نعمت نیک بیوی ہے۔ پھر نیک بیوی کی صفات بتائیں۔

نیک عورت کی صفات

اول: یہ کہ شوہر کی فرمانبردار ہو، شوہر جو فرمائش کرے اسے پوری کرے اور نافرمانی کر کے اس کا دل نہ دکھائے، بشرطیکہ شوہر نے خلاف شرع کسی کام کا حکم نہ کیا ہو، خلاف شرع کاموں میں کسی کی بھی فرمانبرداری نہیں کیونکہ اس سے خالق و مالک جل مجدہ کی نافرمانی ہوتی ہے جو احکم الحاکمین ہے۔

دوم: یہ فرمایا کہ اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے یعنی اپنا رنگ ڈھنگ شوہر کی مرضی کے مطابق رکھے۔ جب بیوی پر نظر پڑے تو اسے دیکھ کر اس کا دل خوش ہو بعض عورتیں اکھڑی رہتی ہیں بات بات میں منہ پھلانا اور غصہ ظاہر کرنے کے لئے خواہ مخواہ کراہنا اپنی عادت بنا لیتی ہیں اور بعض عورتیں میلی کچیلی پھوہڑ بنی رہتی ہیں۔ ان باتوں سے شوہر کو بھی اذیت ہوتی ہے۔ شوہر صورت دیکھنے کا روادار بھی نہیں بلکہ گھر میں جانے کو بھی اپنے لئے مصیبت سمجھتا ہے۔ ان میں بعض عورتیں وہ بھی ہوتی ہیں جو نماز روزہ کی پابند ہونے کی وجہ سے اپنے کو دیندار اور نیک سمجھتی ہیں۔ حالانکہ عورت کے اوصاف میں یہ بات بھی شامل کر دی گئی ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرے اور اس حال میں رہے کہ شوہر اس پر نظر ڈالے تو بے حد خوش ہو سکے البتہ خلاف شرع خواہش پوری نہ کرے۔

سوم: یہ فرمایا کہ اگر شوہر کسی ایسی بات پر قسم کھالے جس کا انجام دینا بیوی سے متعلق ہو، مثلاً یہ کہ آج تم ضرور میری والدہ کے پاس چلو گی یا فلاں بچے کو نہلا دھلا دو گی، یا مثلاً تہجد پڑھو گی، تو اس کی بیوی قسم میں اس کو سچا کر دکھائے یعنی وہ عمل کرے جس پر شوہر نے قسم کھائی ہے بشرطیکہ وہ عمل شرعاً درست ہو۔ یہ قسم کھالینا کہ تم ضرور یہ کام کرو گی بہت زیادہ محبت والفت اور ناز کی وجہ سے ہوتا ہے جس سے تعلق خاص ہے اور جس پر ناز ہے اسی سے کہا جاتا ہے کہ ایسا کرو۔ اور ایسے مواقع میں کبھی اسے قسم دے دیتے ہیں اور کبھی خود قسم کھالیتے ہیں۔ جن عورتوں کو شوہروں سے اصلی اور قلبی تعلق ہوتا ہے وہ شوہر کو راضی رکھنے کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ اس تیسری صفت میں (جو صالح عورت کی تعریف میں ذکر کی گئی ہے) اسی خاص الفت اور پیار کا ذکر فرمایا ہے جو شوہر وبیوی کے درمیان ہونا چاہئے۔

چہارم: یہ فرمایا کہ اگر شوہر کہیں چلا جائے اور بیوی کو گھر چھوڑ جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو بیوی کا فریضہ ہے کہ اپنی جان اور شوہر کے مال کے بارے میں وہی رویہ اختیار کرے جو اس کے سامنے رکھتی تھی۔ غیرت مند شوہر کو یہ پسند نہیں کہ اس کی بیوی کسی غیر مرد کی طرف دیکھے یا غیر مرد کے سامنے آئے یا اس سے آنکھ لڑائے یا دل لگائے۔ جب شوہر گھر ہوتا ہے تو عورت خالص اس کی بیوی بن کر رہتی ہے۔ اسی طرح جب وہ کہیں چلا جائے تب بھی اسی کو شوہر جانے اور اسی کی بیوی بنی رہے۔ جب کسی مرد سے نکاح ہو گیا تو عفت وعصمت کی حفاظت اس مرد سے وابستہ ہو گئی۔ اب اپنے جذبات کی تسکین کا مرکز صرف اسی کو بنائے رکھے۔ شوہر کے آگے اور پیچھے اپنا تعلق اسی سے رکھے اور شوہر کے پیچھے اس کے مال کی حفاظت کرے، ایسا نہ کرے کہ پیٹھ پیچھے اس کا مال لٹا دے اور بے جا خرچ کر ڈالے یا اپنے میکے پہنچا دے اور اپنے عزیزوں کے اخراجات میں لگا دے۔ اگر شوہر کے پیچھے اپنی جان اور اس کے مال میں اس کی مرضی کے خلاف کچھ کیا تو یہ اس کی خیانت ہو گی جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا:

لا تخونه في نفسها ولا ماله (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک سوال اور اس کا جواب

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَی اللّٰهِ خَیْرًا لَّهٗ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِنْ نَظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَیْهَا اَبَرَّتْهُ وَاِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ۔ (رواه ابن ماجه)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ نے تقویٰ کی نعمت کے بعد کوئی ایسی بھلائی حاصل نہیں کی جو اس کے حق میں نیک بیوی سے بڑھ کر ہو (پھر نیک بیوی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا) اگر شوہر اسے حکم کرے (جو خلاف شرع نہ ہو) تو اس کا کہنا مانے اور شوہر اس کی طرف دیکھے تو شوہر کو خوش کرے اور اگر شوہر کسی کام کے بارے میں قسم کھا بیٹھے کہ ضرور تم ایسا کرو گی (اور وہ کام شرعاً جائز ہو) تو اس کی قسم سچی کر دے اور اگر وہ کہیں چلا جائے اور یہ اس کے پیچھے گھر میں رہ جائے تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں اس کی خیرخواہی کرے۔

تشریح: اگر کوئی یہ سوال کرے کہ بعض مرد اپنی بیوی کو غیر مردوں کے سامنے لے جاتے ہیں بلکہ ان سے مصافحہ کراتے ہیں حتی کہ غیر مردوں کے ساتھ اپنی بیویوں کو نچواتے ہیں، تو ان کی بیوی اگر شوہر کے پیچھے یا آگے غیر مرد سے کوئی تعلق رکھے جو شوہر کی مرضی کے مطابق ہو تو وہ جائز ہونا چاہئے اور اس میں شوہر کی خیانت بھی نہیں کیونکہ وہ خود چاہتا ہے کہ غیروں سے ملے جلے بلکہ بہت سے شوہر تو اپنی بیوی کو ماڈرن دیکھنا چاہتے ہیں وہ تو اس پر خوش ہوتے ہیں کہ اس کے فرینڈز (احباب) بہت ہوں اور یہ ترقی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں مسلمان مرد و عورت کا حال بیان فرمایا ہے۔ کوئی مسلمان کبھی بھی بے غیرت نہیں ہوسکتا اور ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کی بیوی پر کسی غیر مرد کی نظر پڑے یا ہاتھ لگے اور نہ ہی مسلمان عورت یہ پسند کرسکتی ہے کہ شوہر کے علاوہ کسی کے ساتھ ہنسی و نظر وغیرہ کا تعلق رکھے جو لوگ اپنی بیوی کو موجودہ معاشرہ کے مطابق ماڈرن دیکھنا چاہتے ہیں اور اسے احباب کا مخلوط بنانا پسند کرتے ہیں۔ سراسر یہود و نصاریٰ کے طرز پر زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں کتنا ایمان ہے، ان کو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا تعلق ہے، انہیں قرآن و حدیث سے کتنا شغف ہے؟ اس کا پتہ چلایا جائے گا تو یہ لوگ ان اوصاف سے خالی نکلیں گے، ایسے لوگ صحیح مسلمان تو کیا ہوتے ٹھیک طرح سے انسان بھی نہیں ہیں۔ حدیث میں ایسے بدکردار اور بے غیرت بد بخت لوگوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمان باعزت و باغیرت مرد و عورت کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو لوگ اپنی بیوی کے حق میں بے غیرتی برداشت کرتے ہیں اور ان کی عصمت و عفت و اقدار دیکھنے میں باک محسوس نہیں کرتے ان کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

دیوث کیلئے وعید

ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُّ وَالدَّيُّوثُ الَّذِي يُقِرُّ فِي أَهْلِهِ الْخُبْثَ۔ (رواہ احمد و نسائی)

یعنی تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام فرما دی۔

(۱) جو شراب پیتا رہتا ہے۔ (۲) جو ماں باپ کو تکلیف دیتا ہے۔ (۳) جو اپنے گھر والوں میں ناپاک کام (زنا اور اس کی طرف بلانے والی چیزوں مثلاً بے پردگی، غیر مردوں سے میل جول وغیرہ) کو برقرار رکھتا ہے۔

پہلے واضح کیا جاچکا ہے، شوہر کی فرمانبرداری موافق شرع کاموں میں ہے خلاف شرع کاموں میں کسی کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اجازت نہیں ہے۔ اگر شوہر بے پردہ ہونے کے لئے کہے تب بھی بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے۔

عورت کا ایک خاص وصف کہ ایمان پر شوہر کی مدد کرے

اس حدیث میں اچھی بیوی کے چند اوصاف ذکر فرمائے ہیں۔ دوسری حدیث میں ایک مزید وصف بتایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہوجاتا کہ کون سا مال بہتر ہے جسے ہم حاصل کریں تو اچھا ہوتا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَقَلْبٌ شَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِينُهُ عَلَى إِيمَانِهِ. (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

یعنی سب سے بہتر مال ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل ہے اور وہ مومن بیوی ہے جو شوہر کی مدد کرے اسکے ایمان پر۔ (مشکوۃ ص ۱۹۸)
جس سے کام نکلے اور ضرورت پوری ہو وہ مال ہے۔ لوگ چاندی سونا دراہم و دینار روپیہ پیسہ اور مکان دوکان مویشی وغیرہ ہی کو مال سمجھتے ہیں حالانکہ بموجب حدیث شریف بہترین مال یہ چیزیں ہیں جو بھی اوپر بیان ہوئی ان سے بہت زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے اور خوب زیادہ بندہ کے کام آتی ہیں۔ ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل سب سے بڑی دولت ہے اور بیوی بھی بڑی دولت ہے جس کی صفت یہ ہے کہ تعینہ علی ایمانہ یعنی ایسی بیوی ہو جو شوہر کی مدد کرتی ہو اس کے ایمان پر۔ ایمان پر مدد کرنے کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوۃ میں لکھا ہے:

أَيْ عَلَى دِينِهِ بِأَنْ تُذَكِّرَهُ الصَّلوٰةَ وَالصَّوْمَ وَغَيْرَهُمَا مِنَ الْعِبَادَاتِ وَتَمْنَعَهُ مِنَ الزِّنَا وَسَائِرِ الْمُحَرَّمَاتِ.

یعنی ایمان پر مدد کرنے کا مطلب ہے کہ شوہر کی دینداری کی فکر کرے اور اوقات مقررہ میں اسے نماز و روزہ یاد دلاتی ہو اور دیگر عبادات پر آمادہ کرتی ہو اور زنا سے ہر قسم کے تمام گناہوں سے باز رکھتی ہو۔

درحقیقت ہمارے بڑھتے ہوئے ماحول اور بگڑے ہوئے معاشرہ کو ایسی ہی خواتین کی ضرورت ہے جو دین پر کاربند ہوں اور شوہر اور اولاد کو بھی دیندار بنانے کی فکر رکھتی ہوں۔ لیکن اس کے برخلاف اب تو معاشرہ کا یہ حال بنا ہوا ہے کہ کوئی مرد نماز روزہ اور دینداری کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو جہاں دوسرے لوگ آڑے آنے کی کوشش کرتے ہیں اور دین پر چلنے سے باز رکھتے ہیں، وہاں بیوی بھی دیندار بننے سے روکتی ہے۔ طرح طرح کے فقرے کستی ہے، ملا ہونے کا طعنہ دیتی ہے، داڑھی رکھنے سے منع کرتی ہے، کرتا پاجامہ پہنے تو بگڑا جاتی ہے اور شوہر سے پڑتا ہے تو الٹی سیدھی باتیں سناتی ہے۔ اے اللہ ہمیں مومن بیویوں کی ضرورت ہے۔ مرد و عورت سب کے اندر ایمان کے جذبات پیدا فرما آمین!

بہترین عورت کے دو خاص اوصاف

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہوئیں (عربی عورتیں) ان میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں جو بچپن میں اولاد پر سب عورتوں سے زیادہ شفقت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال کی سب عورتوں سے زیادہ نگہداشت رکھنے والی ہوتی ہیں۔

تشریح: عرب میں مرد و عورت چونکہ سب ہی اونٹوں پر سوار ہوتے تھے اس لئے عرب عورتوں کے تذکرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں پر سوار ہونے کا ذکر فرمایا۔ اس حدیث پاک میں عورتوں کی قابل تعریف دو باتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول بچوں کو شفقت کے ساتھ پالنا، دوسرے شوہر کے مال کی حفاظت کرنا یہ دونوں خصلتیں بہت اہم اور ضروری

ہیں۔ اگرچہ اپنی اولاد کو محبت اور شفقت کے ساتھ پرورش کرنا ہے اور عورت کی یہ طبعی اور فطری عادت ہوتی ہے لیکن صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کر کے اسے بھی دینداری میں شامل فرما دیا۔

بچوں پر شفقت کرنا عورت کا ایمانی تقاضا ہے

مومن و کافر سب ہی اپنے بچوں کو شفقت سے پالتے ہیں لیکن اگر مسلمان عورت اس کو دین بنا لے اور اس عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کر لے کہ اولاد کی پرورش میری دینی ذمہ داری ہے اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا میرا ایمانی تقاضا ہے میں ان کی پرورش کرنے میں ایمانی تقاضے کو پورا کر رہی ہوں تو اس کو اس شفقت دینے پر ثواب بھی ملے گا۔ پھر اگر جسمانی تربیت کے ساتھ ایمانی تربیت بھی کی اور بچوں کو دین کے راستہ پر ڈالا اور نماز روزہ کا پابند بنایا تو اس کا ثواب علیحدہ ملے گا۔ اس کے بعد یہ اولاد دینی ذہن رکھنے کی وجہ سے اپنی اولاد کو دین کی راہ پر لگائے گی تو اولاد کی اولاد کی دینداری کا ثواب بھی اس دادی اور پردادی، و رنانی اور پرنانی کو پہنچے گا۔ جس نے اپنی اولاد کو دین کے راستہ پر ڈالا تھا۔ محبت اور شفقت کے تقاضوں کی وجہ سے بچوں کے نان نفقہ اور خوراک و پوشاک نیز مرض اور علاج معالجہ کا اہتمام تو کیا ہی جاتا ہے اور اس میں بھی بہت بڑا ثواب ہے لیکن اصلی اور سچی شفقت و محبت کا تقاضا یہ ہے کہ بچوں کو دینی زندگی پر ڈالا جائے اور وہ اس لئے کہ دینداری آخرت کے عذاب سے بچانے والی چیز ہے۔ اس کے ذریعہ قبر اور آخرت کی غیر فانی زندگی میں آرام ملتا ہے اور کھلانے پلانے کے ذریعہ جو پرورش ہوتی ہے اس کا فائدہ دنیائے فانی تک محدود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ کے ذمہ ہے کہ بچوں کو شفقت سے پالیں ان کی جسمانی اور ایمانی دونوں طرح کی تربیت کریں۔ بہت سے لوگ بچوں کے روٹی کپڑے کا فکر کر لیتے ہیں اور طرح طرح سے ان کی دلداری کرتے ہیں مگر دیندار بنانے کی فکر نہیں کرتے یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اگر بچوں کی دنیا آرام سے گزرے اور آخرت خراب ہو تو یہ کون سی سمجھداری کی بات ہے؟ اور وہ لوگ بھی قابل تنبیہ ہیں جو اولاد کو دیندار بنانے کے لئے تو دلچسپی رکھتے ہیں مگر پیسہ ہونے کے باوجود کنجوسی کے ساتھ ان کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتے حالانکہ میانہ روی کے ساتھ اولاد پر مال خرچ کرنا بھی ثواب ہے۔ حدیث شریف میں جو یہ الفاظ ہیں کہ:

احناه علی ولد فی صغره

ان میں لفظ ولد نکرہ ہے جس میں مطلق اولاد کا ذکر ہے اگر لفظ ولدھا ہوتا تو حدیث میں شفقت سے پالنے کی فضیلت صرف عورت کی اپنی اولاد تک محدود رہ جاتی۔ اپنی اولاد کے علاوہ دوسرے بچوں پر شفقت کرنے کی فضیلت بتانے کے لئے حدیث میں مطلق لفظ ولد لا کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ جو بچہ بھی عورت کی پرورش میں آ جائے اپنا ہو یا دوسری عورت کا اسے شفقت سے پالنا خیر و خوبی اور فضیلت اور ثواب کی بات ہے۔

شوہر کی پہلی بیوی کی اولاد کو تکلیف دینا ظلم ہے

بہت سی عورتیں ایسے شوہر سے نکاح کر لیتی ہیں جس کی پہلی بیوی سے بچے ہوتے ہیں۔ ان بچوں کی پرورش اس نئی بیوی کو

کرنی پڑتی ہے مگر بہت کم عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو شوہر کی پہلی بیوی کی اولاد کو پیار ومحبت سے پرورش کرتی ہوں، ایسے بچے اکثر اپنی مادر کے مظلوم ہی ہوتے ہیں۔ بعض عورتیں تو یہ کرتی ہیں کہ شوہر کا مال اپنے ان بچوں پر دل کھول کر خرچ کرتی ہیں جو پہلے شوہر کے بچے ہیں اور انہیں ساتھ لے کر نئے شوہر کے یہاں تشریف لائی ہیں اور اس نئے شوہر کی اولاد کو جو دوسری بیوی سے ہے خرچ اخراجات کی تکلیف میں رکھتی ہیں حالانکہ یہ بچے اس مال سے اخراجات پورے کرنے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ ان کے اپنے باپ کا مال ہے، یہ نئی عورت جو بچے ساتھ لائی ہے یہ تو اس نئے شوہر کی اولاد بھی نہیں، ان پر خوب دھڑ لے سے خرچ ہو اور اس کی اصل اولاد تنگ رہے یہ سراسر ظلم ہے، اپنے شوہر کے وہ بچے جو دوسری عورت سے ہوں (خواہ اس کی اس بیوی سے ہوں جو وفات پا چکی یا طلاق لے چکی یا اس بیوی سے ہوں جو اس وقت بھی اس کے نکاح میں موجود ہوں) ان بچوں کو محبت وشفقت سے پالنا ان کی خوراک و پوشاک کا خیال رکھنا اور ان کو پیار دینا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

جیٹھ، دیور اور نند کی اولاد کی پرورش

اسی طرح اگر بھائی، بہن یا نند اور جیٹھ، دیور کی اولاد کی پرورش کرنے کا موقع ہاتھ آجائے تو ثواب کے لئے غنیمت جانے اور سچے دل سے ان کی پرورش کرے اور پوری شفقت کے ساتھ ان کی ضرورتوں کی دیکھ بھال رکھے، بعض مرتبہ یہ بچے یتیم ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی شفقت بھری پرورش اور پرداخت کا ثواب مزید بڑھ جاتا ہے، اگر نسوانیت اور نفسانیت کے جذبات مذکورہ بچوں کی خدمت سے روکیں تب بھی ایمانی جذبات کے پیش نظر ان کی خدمت کرے۔

شوہر کو کمانے کا اور بیوی کو خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت اپنے (شوہر) کے کھانے میں سے خرچ کرے اور بگاڑ کا طریقہ اختیار کرنیوالی نہ ہو تو اس کو خرچ کرنے کی وجہ سے ثواب ملے گا اور شوہر کو کمانے کی وجہ سے ثواب ملے گا اور جو خزانچی ہے جس کے پاس رقم یا مال محفوظ رہتا ہے اگرچہ وہ مالک نہیں ہے مگر اس مال میں سے مالک کے حکم کے مطابق جب اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو) اس کو بھی اسی طرح سے ثواب ملتا ہے (جیسے مالک کو ملا غرض ایک مال سے تین شخصوں کو ثواب مل گیا کمانے والا، اس کی بیوی جس نے صدقہ کیا، اس کا خزانچی اور منتظم جس نے مال نکال کر دیا) اور ایک کی وجہ سے دوسرے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی یعنی ثواب بٹ کر نہیں ملے گا بلکہ ہر ایک کو اپنے عمل کا پورا ثواب دیا جائے گا۔

تشریح: جو شخص کما کر لایا ہے اسکے مال سے صدقہ دیا جائے تو اس کو ثواب ہوگا لیکن اسکی بیوی جو اسکے مال میں سے صدقہ دے گی، وہ بھی ثواب پائے گی بہت سی عورتیں طبیعت کی کنجوس ہوتی ہیں اگر شوہر کسی غریب کو دینا چاہتا ہے تو برا مانتی ہیں اور

عجیب رشتہ ہے آپس میں ایک دوسرے سے ان کی جو خواہش پوری ہوتی ہے وہ دوسرے کسی فرد سے پوری نہیں ہو سکتی۔ لہذا ایک دوسرے کی دلداری کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے آپس میں ایک دوسرے کے بشری تقاضوں کو پورا کرنے کا خیال نہ کریں تو ایک دوسرے پر بڑی زیادتی ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے انسانی تقاضے کو پہچانتے تھے۔ آپ نے ان تقاضوں کو جان کر اور سمجھ کر ہدایت دی ہیں۔ ان ہدایت کی خلاف ورزی کرنے سے بدمزگی پیدا ہوتی ہے اور حالات خراب ہو جاتے ہیں اللہ تعالی ہر مسلمان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ یہ جو فرمایا کہ جب شوہر اپنے بستر پر بلائے تو انکار نہ کرے، عذر شرعی نہ ہو تو بات دن لے یہ بستر پر بلانا اور رات کا ذکر فرمانا بطور مثال ہے ورنہ اس میں رات دن کی کوئی قید نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بوقت ضرورت صاحب حاجت کی حاجت پوری ہو جائے اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ

اذا دعی الرجل زوجته لحاجته فلتاته وان کانت علی التنور۔ (ترمذی)

یعنی شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو آجائے اگرچہ تنور گرم کر رہی ہو۔

شوہر کو ستانے والی کیلئے حوروں کی بددعا

وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَاتُؤْذِی امْرَأَۃٌ زَوْجَھَا فِی الدُّنْیَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُہٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ لَاتُؤْذِیْہِ قَاتَلَکِ اللّٰہُ فَاِنَّمَا ھُوَ عِنْدَکِ دَخِیْلٌ یُوْشِکُ اَنْ یُّفَارِقَکِ اِلَیْنَا۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ وقال الترمذی ھذا حدیث غریب)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عورت اپنے (مسلمان) شوہر کو دنیا میں تکلیف دیتی ہے تو حور عین میں سے جو اس کی بیوی ہے وہ کہتی ہے (اری دنیا والی عورت) اسے تکلیف نہ دے خدا تیرا برا کرے، یہ تو تیرے پاس چند روزہ مقیم ہے، عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس پہنچ جائے گا۔ (مشکوۃ)

تشریح: مومن بندوں کے لئے اللہ پاک نے جنت بنائی ہے۔ اس جنت میں دنیا والی مومن عورتیں بھی ان کو ملیں گی اور انسانوں سے علیحدہ ایک مخلوق اور ہے جو اللہ جل شانہ نے جنت میں پیدا فرمائی ہے جسے قرآن مجید میں اور حدیث شریف میں حور عین فرمایا گیا ہے۔ یہ حوریں بھی مومنین کی بیویاں بنیں گی۔ حور جمع ہے حوراء کی جس کا معنی ہے سفید رنگ والی عورت اور عین جمع ہے عیناء کی جس کا معنی ہے بڑی آنکھ والی عورت، یہ عورتیں حسن و جمال میں بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوں گی مگر دنیا والی جو عورتیں جنت میں داخل ہوں گی وہ ان سے زیادہ حسین و جمیل ہوں گی۔ مرد یں اور جنتی عورتیں مردوں کو ملیں گی جنتی مرد بھی بہت زیادہ حسین و جمیل ہوں گے۔ آپس میں ان مردوں اور ان دونوں قسم کی بیویوں کے درمیان بے انتہا محبت ہوگی، کسی کے دل پر کسی کی طرف سے ذرا سا میل بھی نہ آئے گا۔ یہ جنتی حوریں منتظر ہیں کہ اپنے پیارے شوہروں سے ملیں جو ان کے لئے مقرر ہیں لیکن جب تک یہ شوہر دنیا میں ہیں اس وقت تک ان سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ مرنے کے بعد قبر کی زندگی گزار کر جب میدان حشر سے گزر کر جنت میں جائیں گے تو یہ حوریں انہیں مل جائیں گی۔ ان حوروں کو اپنے شوہروں سے اب بھی ایسا تعلق ہے کہ دنیا والی بیوی جب جنتی مرد کو ستاتی ہے تو جنت میں ملنے والی

وہ نکاح سب سے زیادہ بابرکت ہے جس میں اخراجات کم سے کم ہوں

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم اخراجات ہوئے ہوں۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح اور بیاہ شادی میں کم سے کم اخراجات کرنا چاہیے۔ نکاح میں جس قدر خراجات کم ہوں گے وہ نکاح اس قدر بڑی برکتوں والا ہوگا۔ اس کے منافع جانبین کو ہمیشہ پہنچتے رہیں گے اور یہ نکاح دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہوگا۔

ہمارے پیارے رسول سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شادیاں بھی کیں اور اپنی لڑکیاں بھی بیاہیں، یہ شادیاں نہایت سادگی کے ساتھ انجام پاگئیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی بیوی حضرت عائشہ تھیں، جو صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، ان سے نکاح تو مکہ معظمہ ہی میں ہوگیا تھا، پھر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رخصتی ہوئی اور کس شان سے رخصتی ہوئی؟ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

حضرت عائشہؓ پڑوس کے ایک گھر میں سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں، ان کی والدہ نے آواز دے کر بلایا اور کچھ عورتوں سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سنگھار کرا دیا اور ایک کمرے میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ تھوڑی دیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے۔ لیجئے رخصتی ہوگئی، نہ دلہن پالکی میں بیٹھی، نہ دولہا گھوڑے پر چڑھا، نہ کسی طرح کے اخراجات ہوئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت فاطمہؓ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں کی شادیاں کیں اور نہایت سادگی کے ساتھ سب کے نکاح اور رخصتیاں ہوئیں۔

خاتون جنت کی رخصتی

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی بیٹی تھیں۔ ان کا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی عورتوں کی سردار بتایا۔ سب کو معلوم ہے کہ ان کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا تھا۔ جس وقت شادی ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی مکان بھی نہ تھا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے مکان لے کر رخصتی کر دی گئی اور رخصتی کس شان سے ہوئی۔ حضرت ام ایمنؓ کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی گئیں۔ دولہا خود لینے نہیں آیا تھا اور دلہن کسی سواری میں بھی نہیں بیٹھی۔

اب جہیز کی بات بھی سن لیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنتؓ کے جہیز میں ایک چادر اور ایک تکیہ اور دو

چکیاں اور دو مشکیزے دیئے۔ تکیہ کا غلاف چمڑے کا تھا۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (احمد)

اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک پلنگ ایک چادر، چاندی کے دو بازو بند دیئے کا بھی ذکر ملتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کا مہر

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزیں دیکھ کر نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱)..... اسکے مال کی وجہ سے (۲)..... اسکی حیثیت کی وجہ سے۔
(۳)..... اسکی خوبصورتی کیوجہ سے (۴)..... اسکی دینداری کی وجہ سے پس اے مخاطب تو دیندار عورت کو اپنے نکاح میں لا کر کامیاب ہو جا تیرا بھلا ہو۔ (مشکوٰۃ)

رہا مہر کا معاملہ تو اس کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ اوقیہ سے زیادہ اپنی کسی بیوی یا اپنی کسی بیٹی کا مہر مقرر کیا ہو۔ (مشکوٰۃ)

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے (۱۲) اوقیہ کے ۴۸۰ درہم ہوتے ہیں۔ ایک درہم ۳ ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی چاندی کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ۴۸۰ درہم کی چاندی ۱۳۱ تولہ سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ چاندی کی یہ مقدار (جب بھی مہر مقرر کرنا ہو تو سناروں سے معلوم کر لیا کریں کیونکہ چاندی کی قیمت کم بیش ہوتی رہتی ہے۔)

موجودہ نرخ کے اعتبار سے ہزار روپے کے قریب ہوتی ہے اور اس مہنگائی کے دور میں وہی قیمت ہوگی۔ ورنہ پچاس سال پہلے بہت ہی کم قیمت تھی۔ آج کل ہزاروں روپے مہر مقرر کرتے ہیں بلکہ نکاح میں تو نام ہو ہی جاتا ہے مگر زندگی بھر ادا نہیں کرپاتے اور بیوی کے قرضدار ہو کر مرتے ہیں۔

لوگوں کی حالت زار

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شادیاں بھی اور اپنی صاحبزادیوں کی بھی سادہ طریقہ پر کیا۔ دونوں جہان کے سردار تھے اگر چاہتے تو دھوم دھام سے شادیاں کرتے لیکن آپ نے اپنے عمل سے سادگی اختیار کر کے دکھائی اور مستقل طریقہ پر یہ فرمایا کہ نکاح میں جس قدر اخراجات کم ہوں گے اسی قدر وہ بڑی برکتوں والا ہوگا۔ ہم نے بیاہ شادی کو مصیبت بنا رکھا ہے۔ غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی بڑی بڑی رسمیں جاری کر رکھی ہیں اور یہ رسمیں غرور اور شہرت کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔ سودی قرض لے لے کر شادیاں کرتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ سود کا لینا دینا، باعث لعنت ہے دکھاوے کے لئے جہیز دیئے جاتے ہیں، سینکڑوں روپے دعوت نامے کے کارڈ پر خرچ ہوتے ہیں۔ ان اخراجات کی وجہ سے بعض مرتبہ جوان لڑکیاں برسوں بیٹھی رہتی ہیں ولیمے ہوتے ہیں جن میں سراپا ریاکاری ہوتی ہے۔ نام سنت کا اور کام دکھاوے کا۔ ([illegible])

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں نکاح اور ولیمہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں نکاح کیا اور وہیں رخصتی ہوئی اور وہیں ولیمہ ہوا۔ نہ بکری ذبح ہوئی نہ قورمہ پکا، نہ شادی کا اہتمام ہوا بلکہ دسترخوان بچھا دیئے گئے ان پر کچھ گھی، کچھ کھجوریں، کچھ پنیر کے ٹکڑے ڈال دیے گئے۔ حاضرین نے اس میں سے کھا لیا۔ یہ حضرت صفیہؓ کے نکاح کا واقعہ ہے۔

ہمارے لئے اسوۂ حسنہ

ہم لوگ بھی اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کا ارادہ کر لیں تو کسی طرح کی کوئی رسم اختیار نہ کرنی پڑے۔ سادگی کے ساتھ ایک مرد و عورت کا رشتہ شرعی ایجاب وقبول کے ذریعہ جوڑ دینا کافی ہے، اس سے کام میں کوئی مصیبت اور بکھیڑا نہیں، جو پابندیاں خود سے لگائی ہیں ان کی وجہ سے مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ منگنی کی رسموں سے شادی کے دن اور اس کے بعد کھانے پلانے، آنے جانے کی رسموں تک ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں اور سینکڑوں ناجائز کام کیے جاتے ہیں۔ یہ رسمیں تفصیل کے ساتھ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی کتاب "اصلاح الرسوم" اور بہشتی زیور حصہ ششم میں لکھ دی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کی شرعی مذمت سے بھی آگاہ فرما دیا ہے۔

بیاہ شادی کے متعلق عورتوں کی جاہلانہ رسمیں

عورتوں نے شادی بیاہ کی خود ساختہ رسموں کو شرعی فرائض کا درجہ دے رکھا ہے۔ نمازیں نہیں پڑھتیں جو سب سے زیادہ فرض چیز ہے لیکن شادی بیاہ کی رسموں کو فرض وواجب سے بڑھ کر نباہتی ہیں اور ان رسموں کو چھوڑنے والے کو برے لفظوں میں یاد کرتی ہیں۔

گانے بجانے کا گناہ

شادیوں میں سینکڑوں روپے گانے بجانے اور رنڈیاں نچانے اور ڈومنیاں گوانے پر خرچ کیے جاتے ہیں، جس کی شادی میں گانا بجانا نہ ہو، گراموفون نہ بجے، باجے والے نہ آئیں اسے پھیکا اور بے مزہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

أَمَرَنِي رَبِّي بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيرِ وَالْأَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَأَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ۔

یعنی مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں گانے بجانے کے سامان مٹادوں اور بتوں اور (عیسائیوں کی) صلیب (سولی) کو اور جاہلیت کی چیزوں کو ختم کردوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کے مٹانے کو اپنی بعثت کے مقصد میں شامل فرمایا افسوس ہے کہ اسلام کے مدعی ان چیزوں سے اپنی شادیوں کو سجاتے ہیں اور مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ مسجدوں میں نمازیں ہوتی رہتی ہیں اور مائیک سے گانے نشر ہوتے رہتے ہیں اور سارے محلے میں گانوں کی ایک مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے، شور شرابہ میں مریض بھی عافیت سے آرام نہیں کرسکتا۔

ایک زمانہ تھا جب مسلمان ہندوؤں سے لڑ جاتے تھے اور مسجد کے سامنے باجا بجانے پر جان دینے اور جان لینے کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔ آج مسلمان خود ہی مسجد کے سامنے باجا بجاتا ہے اور عین نماز کے وقت گانے کی آواز یں نمازیوں کے کانوں میں گونجتا ہے۔

لڑکے یا لڑکی پر رقم لینا حرام ہے اور رشوت ہے

بعض لوگ کئی کئی ہزار روپے لڑکی کو دیتے ہیں اور اس کے برعکس بعض علاقوں میں اس شرط پر لڑکی لیتے ہیں کہ لڑکی کے ساتھ اتنی رقم اور اتنا سامان دیں۔ ان رقموں اور مالوں کا لینا دینا رشوت ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور ساتھ ہی حدیث بالا کے بھی خلاف ہے۔ رقموں کے لین دین کی بری رسم کی وجہ سے بیاہ شادی میں کم سے کم اخراجات کیسے ہو سکتے ہیں۔ رقم اور سامان کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ تیس چالیس سال کی عمر ہونے تک کہیں جوڑ نہیں بیٹھتا۔ خدا تعالیٰ اتباع سنت کی توفیق دے۔

بالغ لڑکی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس عورت کا ایک بار نکاح ہو چکا ہو (اور پھر شوہر کی موت یا طلاق مل جانے کی وجہ سے عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرتا ہو) تو اس کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے وضاحت کے ساتھ زبان سے اجازت نہ لے لی جائے اور جس (بالغ) لڑکی کا نکاح پہلے نہیں ہوا ہے اس کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت کیسے ہوگی (وہ تو شرم کی وجہ سے بول بھی نہ سکے گی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی جانب سے یہی اجازت سمجھی جائے گی کہ جب اس سے اجازت لی جائے تو خاموش رہ جائے۔

تشریح: نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کا ولی اپنے اختیار سے کر سکتا ہے۔ نابالغ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں بلکہ اگر وہ انکار کرے اور ولی نکاح پڑھا دے تب بھی نکاح ہو جائے گا اور ولی کو شریعت نے یہ اختیار اس لئے دیا ہے کہ بعض اوقات اچھے خاندان میں مناسب رشتہ مل جاتا ہے اور بلوغ کا انتظار کرنے میں اس رشتہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لڑکے اور لڑکی کی بھلائی اور بہتری کے لئے اگر نابالغی میں ان کا نکاح کر دیا جائے جو اصول شریعت کے مطابق ہو تو درست ہے۔ ہاں اگر لڑکی کا فائدہ ملحوظ نہ ہو بلکہ ولی (خواہ باپ دادا ہی ہو) اپنی ذاتی مصلحت یا دنیاوی منفعت کے لئے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دے تو یہ درست نہیں ہے۔ بعض حالات میں یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور بعض حالات میں منعقد تو ہو جاتا ہے مگر لڑکے اور لڑکی کو مسلم حاکم کے یہاں درخواست دے کر نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہتا ہے۔

اس سلسلہ میں عوام و خواص بڑی افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ قانون بنا رکھا ہے کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ قانون بالکل خلاف شرع ہے جب شریعت نے نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کو ولی کے ایجاب و قبول

سے جائز رکھا تو اب اس جائز کو بدل کر نا جائز قرار دینے والا کون ہے؟ یہ تو دین میں مداخلت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود اپنے عمل سے جائز قرار دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح فرمایا جب ان کی عمر چھ سال کی تھی، گو رخصتی بعد میں ہوئی۔ اس شرعی جائز کے خلاف قانون بنانا شریعت سے باغی ہونا ہے گو نابالغی میں نکاح کر دینا کوئی فرض و واجب بھی نہیں ہے۔ چھوٹے بچوں کا نکاح کر دینے سے بعض مرتبہ بعد میں بہت سی مشکلات سامنے آ جاتی ہیں۔ اس لئے اس میں بھی بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں مزید توضیح انشاء اللہ ہم آگے بیان کریں گے۔ اس حدیث کی تشریح کے سلسلے میں بطور تمہید یہ تفصیل زیر قلم آ گئی۔

کنواری سے جب باپ نکاح کی اجازت لے تو اس کی خاموشی ہی اجازت ہوگی

حدیث بالا سے معلوم ہوا ہے کہ بالغ لڑکی جس کا نکاح پہلے کسی سے نہ ہوا ہو اس کا نکاح اس سے اجازت لے کر کیا جائے اسے بتا دیں کہ فلاں لڑکا فلاں خاندان کا اور فلاں پیشہ والا ہے اور اس کی مالی حیثیت ایسی ہے اس سے تیرا نکاح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، تیری اجازت ہے تو اس سے نکاح کر دیں۔ جب اس سے یہ بات کہہ دی گئی اور اس نے خاموشی اختیار کر لی تو یہ اس کی اجازت سمجھی جائے گی۔ اور اگر زبان سے صاف طور پر اجازت دے دے تب تو یہ اجازت بطریق اولیٰ معتبر ہوگی۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو اس کا نکاح کر دینا درست نہیں۔ بالغ لڑکی کا انکار ہوتے ہوئے کسی ولی نے نکاح کر دیا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ بعض لوگوں پر ایسی جہالت سوار ہوتی ہے کہ بالغ لڑکی کے انکار کے باوجود اپنا وعدہ نبھانے کے لئے اس کا نکاح کر دیتے ہیں اور لڑکی کو مار کوٹ کر اور گھر سے دھکیل کر نام نہاد شوہر کے ساتھ چلتی کر دیتے ہیں۔ یہ بدترین ظلم ہے اور سخت حرام ہے۔ چونکہ لڑکی نے اس نکاح کی اجازت نہیں دی اس لئے نکاح ہی نہیں ہوا۔ میاں بیوی والے تعلقات بھی زنا ہوں گے۔ یہ کیا چودھراہٹ ہے کہ باپ کی ناک اونچی ہو جائے لڑکی خواہ زندگی بھر زنا میں مبتلا رہے، جہالت بڑی بلا ہے۔

کنواری کا اجازت لینے کے وقت مسکرانا اور رونا بھی اجازت میں شمار ہے

یہ جو کہا کہ جس بالغ لڑکی کا نکاح پہلے نہ ہوا ہو اس کا ولی جب نکاح کی اجازت لے تو اس کی خاموشی اجازت سمجھی جائے گی اس کے ساتھ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ ہنس پڑی یا مسکرا کر رہ گئی یا رو پڑی اور انکار نہ کیا تو یہ بھی اجازت شمار ہوگی۔ بشرطیکہ یہ ہنسنا اور رونا انکار کے انداز کا نہ ہو۔

والمعول اعتبار قرائن الاحوال في البكاء والضحك فان تعارضت او اشكل احتيط. (الشامی ص)

زبان سے صاف طور پر کس لڑکی سے اجازت لینا ضروری ہے؟

اور جس لڑکی کا نکاح ایک بار پہلے ہو چکا ہو اور اب (شوہر کی موت یا وقوع طلاق کے بعد عدت گزار کر) دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس کا ولی جب لڑکے کی صفات اور حالات بیان کر کے اجازت لے تو اس کا خاموش رہ جانا اجازت میں شمار نہ ہوگا بلکہ جب تک زبان سے صاف لفظوں میں اجازت نہ دے اجازت نہ سمجھی جائے اور بالغ

کنواری کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ اس کی خاموشی بھی اجازت میں شمار ہوتی یہ اسوقت ہے جب کہ وہ ولی اجازت طلب کرے جو قریب تر ہے۔ اگر قریب تر ولی کے علاوہ کوئی دوسرا ولی اجازت لے تو بالغہ کنواری لڑکی کی اجازت بھی وہی معتبر ہوگی جو زبان سے ہو اور صاف لفظوں میں ہو۔ اس تفصیل کو خوب سمجھ لیں۔

شریعت کا اعتدال

شریعت نے کیسے اعتدال سے کام لیا۔ ایک طرف تو بالغ لڑکی کو اپنی ذات کا اختیار دے دیا ہے جب تک وہ اجازت نہ دے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، دوسری طرف اس کی شرم کا لحاظ رکھا اور ولی کی اجازت لینے پر اس کی خاموشی یعنی انکار نہ کرنے کو اجازت شمار کرلیا، اگر وہ انکار کرے تو ولی اس کا نکاح نہیں کرسکتا اور جس بالغ لڑکی کا پہلے نکاح ہو چکا ہے اس کے دوسرے نکاح کے لئے اس کی زبانی اجازت لازم قرار دی گئی۔ جس کی وجہ یہ ہے جس عورت کا نکاح ایک بار ہو چکا ہے اس کی شرم ٹوٹ چکی ہے۔ اس کی خاموشی کو اجازت قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں اور قریب تر ولی کے علاوہ اگر کوئی دوسرا ولی اجازت لے تو بالغہ کنواری کی خاموشی بھی معتبر نہیں کیونکہ اندیشہ یہ ہے کہ غیر اقرب جہاں نکاح کرا رہا ہے اس میں پوری ہمدردی کی رعایت نہ رکھی ہو۔ جب لڑکی جب صاف لفظوں میں اجازت دے تب معتبر ہوگی۔

نابالغ کا نکاح

بعض خاندانوں اور علاقوں میں یہ مستقل طریقہ بنا رکھا ہے کہ نابالغی میں لڑکے اور لڑکی کا نکاح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ نابالغ کا نکاح کر دینا ایک جائز امر ہے۔ کوئی فرض و واجب نہیں ہے۔ خواہ مخواہ نابالغی میں بچوں کا نکاح کر دینا کوئی ضروری کام نہیں ہے، بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ نابالغی میں نکاح کر دینے کے بعد لڑکا اور لڑکی بالغ ہو کر منکر ہو جاتے ہیں اور اس شادی کو پسند نہیں کرتے۔ ان کا انکار اور والدین کا اسی جگہ رخصتی کرنے پر اصرار مصیبت بن جاتا ہے۔ والدین صرف اولاد کی خوشحالی کے پیش نظر اگر بات پہلے سے پکی کرکے رکھیں اور آخری فیصلہ اور نکاح لڑکا لڑکی کے بالغ ہونے پر ان کی اجازت لے کر کریں تو مذکورہ پریشانی کا سامنا نہ ہو۔ نیز بعض مرتبہ لڑکا بالغ ہو کر شریر بدمعاش نکل جاتا ہے۔ رخصتی کریں تو لڑکی کی جان مصیبت میں پھنسے اور لڑکے سے طلاق کوشش تو طلاق نہیں دیتا۔ یہ پریشانیاں پیش آتی رہتی ہیں، ان سے بچنے کا یہی علاج ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ البتہ ایسا قانون بھی خلاف شریعت ہے کہ نابالغ کا نکاح ہو ہی نہ سکے۔ جو شرعی پر عمل کریں تو لڑکا لڑکی کا فائدہ دیکھ لیں۔

کون کون سے رشتے حرام ہیں

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِيْ بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ فَإِنَّهَا أَجْمَلُ فَتَاةٍ فِيْ قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ حَمْزَةَ أَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ. (رواہ مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی سے نکاح کرنے کی رغبت ہے۔ (رغبت ہو تو بات چلائی جائے) کیونکہ قریش کی عورتوں میں وہ

سب سے زیادہ حسین لڑکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ (میرا نکاح اس سے کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں۔ اور اللہ جل شانہ نے نسب کی وجہ سے جو رشتے حرام قرار دیئے ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام قرار دیئے ہیں (حمزہ رضی اللہ عنہ چچا ہیں اور چچا کی لڑکی سے درست ہے لیکن چچا کے ہوتے ہوئے چونکہ وہ دودھ شریک بھائی بھی ہیں اس لئے ان کی لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتّٰى أَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ إِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِي لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ وَذٰلِكَ بَعْدَمَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میرے رضاعی چچا (افلح نامی) نے پردہ کے احکام نازل ہونے کے بعد میرے پاس اندر آنے کی اجازت چاہی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابو القعیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا جس کی وجہ سے ابو القعیس ان کے دودھ کے رشتہ سے والد ہو گئے اور ان کے بھائی افلح اسی رشتہ سے چچا ہو گئے) جب انہوں نے اجازت چاہی تو میں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی اور کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر اجازت نہ دوں گی۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زنان خانہ میں تشریف لائے تو میں نے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا (ہاں) وہ تمہارا دودھ کے رشتہ کا چچا ہے اسے اندر آنے کی اجازت دے دو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے (اس کی بہن خالہ بن جائے تو یہ سمجھ میں آتا ہے) مجھے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا (اس عورت کے شوہر نے) مجھے دودھ پلایا ہوتا تو اس کا بھائی میرا چچا بن جاتا) آپ نے فرمایا بلاشبہ وہ تمہارا چچا ہے وہ تمہارے پاس اندر گھر میں آ سکتا ہے (کیونکہ جس مرد کی وجہ سے دودھ اترا وہ باپ ہو گیا اور اس کا بھائی دودھ پینے والے بچہ کا چچا ہو گیا) (مشکوٰۃ ص ۲۷۳ عن البخاری ومسلم)

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا أَوِ الْعَمَّةُ عَلٰى بِنْتِ أَخِيْهَا وَالْمَرْأَةُ عَلٰى خَالَتِهَا أَوِ الْخَالَةُ عَلٰى بِنْتِ أُخْتِهَا لَا تُنْكَحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى وَلَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى. (رواه الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کا نکاح ایسے مرد سے نہ کیا جائے جس کے نکاح میں پہلے سے اس عورت کی پھوپھی ہو اور اس سے بھی منع فرمایا کہ کسی عورت کا نکاح ایسے مرد سے کیا جائے جس کے نکاح میں پہلے سے اس عورت کے بھائی کی لڑکی ہو (اسی طرح) اس سے بھی منع فرمایا کہ کسی عورت کا نکاح ایسے مرد سے کیا جائے جس کے نکاح میں پہلے اس عورت کی خالہ ہو اور اس سے بھی منع فرمایا کہ ایسے مرد سے کسی عورت کا نکاح کیا جائے جس کے نکاح میں پہلے سے بھی اس عورت کی بہن کی لڑکی ہو۔ کسی مرد کے نکاح میں بڑی (یعنی پھوپھی یا خالہ) کے ہوتے ہوئے چھوٹی (

یعنی بھتیجی اور بھانجی) کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے کسی مرد کے نکاح میں چھوٹی (یعنی بھتیجی یا بھانجی) کے ہوتے ہوئے بڑی (یعنی پھوپھی اور خالہ) کو نکاح اس مرد سے نہ کیا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ترمذی وابو داؤد)

تشریح: شریعت مطہرہ نے نکاح کے بارے میں بہت سے احکام دئے ہیں ان احکام میں یہ تفصیلات بھی ہیں کہ کون سی عورت کس مرد کے لئے حلال ہے اور کون سا مرد کس عورت کے لئے حلال ہے۔ ہر مسلمان کو ان تفصیلات کا جاننا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں سورہ نساء کے چوتھے رکوع میں یہ احکام مذکور ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان احکامات کی تشریح کی ہے اور تفصیلات بتائی ہیں۔ شریعت نے انسان کو حلال و حرام کا پابند بنایا ہے۔ جیسے کھانے پینے میں ہر چیز کھانے پینے کی اجازت نہیں دی جاتی، ایسے ہی شادی کرنے میں آزادی نہیں بلکہ اس کے بارے میں حلال و حرام کی تفصیلات سے آگاہ فرمایا اور قوانین کا پابند بنایا بعض لوگوں کو یہ قوانین ناگوار محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ روک ٹوک شرافت کی علامت ہے۔ جانور غیر مکلف ہیں بے عقل ہیں، جہاں چاہتے ہیں منہ مارتے ہیں جیسے چاہیں خواہش پوری کر لیتے ہیں۔ اگر انسان کو بھی کھلی چھٹی دے دی جائے تو وہ انسان کہاں رہے گا۔ وہ تو جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جائے گا۔

کوئی عورت کس کے لئے حرام ہے اس کے تفصیلی قوانین کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے۔ (۱)۔ نسبی قرابت (۲)۔ دودھ کا رشتہ (۳)۔ سسرالی رشتہ (اس رشتے کی وجہ سے جو حرمت ہوتی ہے اسے حرمت مصاہرت کہتے ہیں) (۴)۔ کسی عورت کا دوسرے مرد کے نکاح یا اس کی عدت میں مشغول ہونا (۵)۔ کسی مرد کے نکاح میں پہلے سے کسی عورت کا ہونا۔ (۶) تعداد مقررہ سے زیادہ نکاح کرنا۔ ان باتوں کی تفصیلات قدرے بتائی جاتی ہیں۔

نسبی قرابت کے رشتے

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ فِيْ بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ فَإِنَّهَا أَجْمَلُ فَتَاةٍ فِيْ قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ حَمْزَةَ أَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ. (رواہ مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کو اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی سے نکاح کرنے کی رغبت ہے۔ (رغبت ہو تو بات چلائی جائے) کیونکہ قریش کی عورتوں میں وہ سب سے زیادہ حسین لڑکی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ (میرا نکاح اس سے کیسے ہو سکتا ہے، وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں۔ اور اللہ جل شانہ نے نسب کی وجہ سے جو رشتے حرام قرار دئیے ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام قرار دئیے ہیں (حمزہ رضی اللہ عنہ کو چچا تھے اور چچا کی لڑکی سے درست ہے لیکن چچا کے ہوتے ہوئے چونکہ وہ دودھ شریک بھائی بھی ہیں اس لئے ان کی لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ۔ اولاد اور اولاد کی اولاد سے اور ماں باپ اور دادا دادی یا نانا نانی سے نکاح کرنا درست نہیں اور بہن بھائی کا بھی

آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، خواہ حقیقی بہن بھائی ہوں خواہ باپ شریک ہوں، خواہ ماں شریک۔ چچا بھتیجی کا اور ماموں بھانجی کا بھی آپس میں نہیں ہو سکتا، نیز پھوپھی بھتیجے اور خالہ بھانجے کا بھی آپس میں نکاح درست نہیں۔

دودھ کے رشتے

دودھ کے رشتے کی وجہ سے بھی آپس میں نکاح حرام ہو جاتا ہے خالہ زاد بھائی سے اور چچا اور پھوپھی کے لڑکے سے نکاح درست ہے۔ لیکن اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے دودھ پینے کے زمانہ میں (یعنی دو سال کی عمر کے اندر) کسی اور عورت کا دودھ پی لیا تو یہ دونوں آپس میں دودھ شریک بہن بھائی ہو گئے۔ اب آپس میں ان کا نکاح نہیں ہو سکتا جب لڑکے نے کسی عورت کا دودھ پیا ہے وہ اس عورت کی کسی بھی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا اگرچہ ایک ساتھ دودھ نہ پیا ہو۔ نیز دودھ پینے والا اس عورت کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ جس کا دودھ پیا ہو کیونکہ وہ اس کی خالہ ہوئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو نکاح نسبی قرابت کی وجہ سے حرام ہے دودھ کے رشتے سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ اس سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ جو فقہ کی کتابوں میں لکھی گئی ہیں۔

پیچھے ایک حدیث میں بھی یہی مضمون بتایا گیا ہے کہ جس طرح نسبی قرابت کے رشتے سے نسبی ماں بیٹا اور بہن بھائی اور خالہ بھانجا اور ماموں بھانجی اور چچا بھتیجی اور پھوپھی اور بھتیجا آپس میں محرم قرار دیے گئے ہیں (کہ ایک دوسرے کے ساتھ سفر میں جا سکتے ہیں) اسی طرح دودھ کے رشتے کی وجہ سے دودھ پلانے والی عورت اور اس کی اولاد اس کی بہن اور اس کا بھائی اور اس کے ماں باپ دودھ پینے والے بچے کے لئے (لڑکا ہو یا لڑکی) محرم بن جاتے ہیں حتیٰ کہ جس کی بیوی کا دودھ پیا ہے اس کا بھائی دودھ پینے والے بچہ کا چچا ہو کر محرم بن جاتا ہے۔ محرم وہ ہے جس سے کبھی نکاح درست نہیں۔ عورت کا داماد اور عورت کے شوہر کا باپ بھی محرم ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے بھی نکاح درست نہیں ہے۔ محرم بن جانے کی وجہ سے ایک ساتھ سفر میں جانا اور بلا پردہ آمنے سامنے آ جانا جائز ہو جاتا ہے۔

جس محرم سے اطمینان نہ ہو اس کیساتھ سفر اور خلوت درست نہیں

ہاں اگر کوئی محرم فاسق و فاجر ہے اس کی جانب سے اطمینان نہیں ہے بلکہ شرارت نفس کا اندیشہ (جیسا کہ آج کل واقعات ہوتے رہتے ہیں) تو ایسے محرم سے احتیاط لازم ہے اس کے ساتھ سفر کرنا یا تنہائی میں رہنا جائز نہیں اور ۴۸ میل کا سفر کرنا بلا محرم کے درست نہیں ہے خواہ سفر دینی ضرورت سے ہو (مثلاً سفر حج) یا دنیاوی ضرورت سے (جیسے میکہ جانا یا سسرال پہنچنا) یہ ممانعت بہر حال ہے پیدل سفر کرے یا ہوائی جہاز سے یا ریل سے یا موٹر کار سے، جس محرم کے ساتھ سفر میں جائے اس کا صالح ہونا ضروری ہے جس سے اطمینان ہو کہ کوئی خراب عمل نہ کرے گا اور خراب خیال سے نہ چھوئے گا اگر ایسا محرم ہو تو اس کے ساتھ سفر کرنا درست ہے۔

نامحرم کے ساتھ سفر اور خلوت گناہ ہے

بہت سی عورتیں بغیر محرم کے سفر حج یا عمرہ کے لئے روانہ ہو جاتی ہیں جو گناہگار ہوتی ہیں نامحرم کیسا ہی متقی اور پرہیزگار ہو اس کے

ساتھ حج و عمرہ کے لئے جانا ممنوع ہے، مسلمان آدمی کو طبیعت پر نہیں شریعت پر چلنا لازم ہے۔ بہت سی عورتیں خالہ زاد، ماموں زاد، چچا زاد، پھوپھی زاد کے ساتھ سفر میں چلی جاتی ہیں اور ان سے پردہ بھی نہیں کرتی ہیں اور ان کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارتی ہیں یہ سخت گناہ ہے۔

حرمت مصاہرت

کسی مرد کا کسی عورت سے، یا کسی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہو جانے کی وجہ سے جو حرمت ہو جاتی ہے اسے حرمت مصاہرت کہا جاتا ہے۔ مثلاً جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کر لے تو اب اس عورت کی والدہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ عورت اس مرد کے کسی بھی لڑکے سے نکاح نہیں کر سکتی، کسی عورت کا اس کے شوہر کے باپ سے نکاح نہیں ہو سکتا، پہلے شوہر کی لڑکیاں اگر کوئی عورت ساتھ لے آئی تو اس کا نیا شوہر ان لڑکیوں میں سے کسی سے بھی نکاح نہیں کر سکتا۔ بشرطیکہ ان لڑکیوں کی والدہ اور نئے شوہر کے درمیان شوہر اور بیوی والا کام ہو چکا ہو اور اگر ان کی والدہ کو صرف نکاح کر کے طلاق دے دی تو ان میں سے کسی بھی لڑکی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ.

علماء نے یہ بھی مسائل بتائے ہیں۔ اگر کوئی مرد کسی عورت سے زنا کر لے تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ جس عورت سے زنا کرے اب اس عورت کی والدہ سے اور اس کی لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

حرمت مصاہرت سے متعلق چند کوتاہیاں

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ فِيْ بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ فَإِنَّهَا أَجْمَلُ فَتَاةٍ فِيْ قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ حَمْزَةَ أَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ. (رواہ مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کو اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی سے نکاح کرنے کی رغبت ہے۔ (رغبت ہو تو بات چلائی جائے) کیونکہ قریش کی عورتوں میں وہ سب سے زیادہ حسین لڑکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ (میرا نکاح) اس سے کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں۔ اور اللہ جل شانہ نے نسب کی وجہ سے جو رشتے حرام قرار دیئے ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام قرار دیئے ہیں (حمزہ رضی اللہ عنہ چچا ہیں اور چچا کی لڑکی سے درست ہے لیکن چچا ہوتے ہوئے چونکہ وہ دودھ شریک بھائی بھی ہیں اس لئے ان کی لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

حرمت مصاہرت (رشتہ دامادی) کے متعلق بعض اوقات میں بعض لوگ ایک عورت سے ایک مدت تک ناجائز تعلق رکھتے ہیں، جب وہ دل سے اتر جاتی ہے اور اس درمیان اس کی کوئی لڑکی سیانی ہو جاتی ہے اس کی طرف میلان ہوتا ہے اور اپنے نزدیک

گناہ سے بچتے ہیں کہ اس لڑکی سے نکاح کر لیتے ہیں حالانکہ حرمت مصاہرت کے قاعدے سے اس شخص پر اطلاق مدلول:

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ. (النساء: ۲۳)

اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں ان بیویوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو۔

میں داخل ہونے سے حرام ہے اور بعضے دونوں ماں بیٹی کو استعمال میں رکھتے ہیں حالانکہ بیٹی سے منتفع ہونے (علیحدہ) ہونے کے بعد اس کی ماں سے نکاح حرام ہو گیا اور بلا نکاح تو دو حرمتیں جمع ہو گئیں ایک وطی بلا نکاح (بغیر نکاح کے ہم بستری) دوسری "امہات نساءکم" سے انتفاع۔

بیوی کی ماں یا بیٹی پر شہوت سے ہاتھ پڑ جانے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے

بعضے عمداً تو اسباب حرمت کے مرتکب نہیں ہوتے مگر بے احتیاطی یا غلطی سے بیوی کے دھوکہ میں اس بیوی کی ماں پر اس بیوی کی بیٹی پر شہوت سے ہاتھ پڑ جاتا اور بعد حقیقت کے فوراً دست کش ہو جاتا ہے کہ عمداً (جان بوجھ کر) تو اس فعل کا ارتکاب نہیں کیا گیا۔

مذکورہ حرمت کا مدار سزا نہیں بلکہ اس فعل کا خاصہ ہے

سو یہ کلام کرنا غلطی ہے، اس حرمت کا مدار سزا نہیں ہے جو یہ سوال کیا جائے، جس طرح بعض اعیان (چیزوں) میں بعض خواص ایسے ہوتے ہیں کہ بلا قصد (بغیر ارادہ) کے بھی ان کے تناول سے وہ خواص ظاہر ہوتے ہیں، جیسے سنکھیا کھانے سے ہلاک ہو جاتا اور اس کو اطباء اور کبھی بعض عوام بھی جانتے ہیں۔ اسی طرح بعض افعال میں بھی بعض خواص ایسے ہوتے ہیں کہ بلا قصد ان کے صدور سے وہ خواص واقع ہوتے ہیں اور اس کو شارع علیہ السلام اور ماہران شریعت بارشاد جانتے ہیں، لیکن ان اسباب حرمت مصاہرت میں یہ خاصہ اسی قبیل (قسم) کا ہے، البتہ جو مضار (نقصانات) بعض افعال کے واقع ہوں گے وہ سزا ہیں، وہ قصد و عمد (جان بوجھ کر اور ارادہ کے ساتھ کرنے) پر موقوف ہیں۔

بہو پر براہ شرارت ہاتھ ڈالنے سے وہ اپنے بیٹے پر بھی حرام ہو جائے گی

اسی طرح بعض ایسے ہی دھوکہ میں یا براہ شرارت کوئی شخص اپنے بیٹے کی بیوی پر ہاتھ ڈال دیتا ہے تو بیوی اپنے شوہر پر یعنی اس شخص کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے، اس میں عوام کو پہلے ہی سے زیادہ کلام ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں تو جس شخص پر حرمت ہو جاتی ہے اس کی اتنی کوتاہی تو تھی کہ اس نے تحقیق کرنے میں بے احتیاطی کی، مگر یہاں جس شخص پر حرمت ہوئی ہے اس بیچارے کی کیا خطا اور اس کا کیا دخل جو اس پر تحریم کی گئی، اس کا جواب بھی اوپر کی تقریر سے ہو چکا ہے کہ یہ سزا نہیں، اس فعل کے خاصہ کا ظہور ہے اور خاصہ ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہے اور گو یہ مسئلہ حرمت مصاہرت بدون النکاح کا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے۔

کسی مسئلہ میں محض نفس پرستی کیلئے کسی دوسرے امام کی تقلید دین سے مذاق ہے

مگر جو شخص ایسے مجتہد کی تقلید کا التزام کئے ہوئے ہو جو حرمت کے قائل ہوں اس شخص کا محض اتباع ہوئی (صرف نفسانی

نفس کی پیروی) سے اس حرمت پر عمل نہ کرنا نفس پرستی ولعب فی الدین (دین کو کھیل بنانا) ہے اور اس مسئلہ میں کچھ شرائط وتفاصیل بھی ہیں جن کا محل کتب فقہ ہیں ان سے یا علماء سے وقوع حوادث کے وقت تحقیق کرنا ضروری ہے تاکہ حرمت کی جگہ حلت اور حلت کی جگہ حرمت نہ سمجھا جائے کہ اول میں حقوق شرع کا اتلاف (ضیاع) اور دوسری میں حقوق زوجہ کا اتلاف ہے۔

بلا قصد بھی حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے

اور چونکہ یہ مسئلہ بہت نازک ہے اور بعض صورتوں میں بلا قصد بھی حرمت ہو جاتی ہے۔

بیوی سے مباشرت سے قبل سخت احتیاط کی ضرورت ہے

اس لئے اس کی احتیاط کا بہت ہی اہتمام رکھے۔ یعنی اول تو جہاں بیوی سوتی ہو اس کی ماں یا بیٹی وہاں نہ ہونا چاہئے۔ اسی طرح وہاں اپنے بیٹے کی بیوی یا باپ کی بیوی نہ ہونا چاہئے اور اگر کسی ضرورت سے لیا ہو تو جب تک بیوی کو پکار کر اس کی آواز نہ سن لے اور خوب پہچان نہ لے اس کو ہاتھ نہ لگائے۔

اسی طرح ان مذکورہ عورتوں کے ہاتھ سے اگر کوئی چیز لے تو اس کا بہت خیال رکھے کہ اس کے ہاتھ کو ان کا ہاتھ نہ لگ جائے کس کا کیا اعتبار، اگر ہاتھ لگنے کے وقت مرد کے دل میں یا عورت کے دل میں شہوت کا اثر ہو گیا تو حرمت مصاہرت کا طوق (پٹہ) پڑ گیا۔ پھر بعض اوقات تو ایک کو دوسرے کی کیا خبر کہ اس وقت اس کے نفس میں کیا کیفیت تھی؟ جب خبر ہی نہیں تو حرمت پر عمل کیسے کرے گا؟ اور اگر اپنے نفس کی خبر بھی ہو گئی تو دنیا کے شرم یا خوف سے زبان سے نکالنا مشکل، تو تمام عمر ارتکاب حرام، اور یہ شخص مباشر یا مسبب (یعنی خود کرنے والا یا سبب بننے والا ہو گیا) کتنی مصائب جمع ہو گئیں۔

عدت والی عورت کے نکاح کا حکم

کسی عورت کا کسی مرد کے نکاح یا اس کی عدت میں مشغول ہونا بھی حرمت نکاح کا باعث بن جاتا ہے، ایک مرد کے نکاح میں بیوی تین یا چار عورتیں تو رہ سکتی ہیں مگر ایک عورت دو مردوں کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ جب ایک عورت سے کسی نے نکاح کر لیا تو اس عورت کا نکاح دوسرے مرد سے اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس مرد کے نکاح سے بالکل نہ نکل جائے۔ لفظ بالکل اس لئے استعمال کیا کہ شوہر کے مر جانے یا طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دے دینے سے گو رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے مگر دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت عورت کو جب ہوتی ہے جب عدت گزر جائے، عدت کے احکام آگے بیان ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں والمحصنت من النساء فرما کر یہی بات بتائی ہے کہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس کا نکاح دوسرے مرد سے نہیں ہو سکتا۔

نکاح میں کون سی عورتیں جمع نہیں ہو سکتیں

کسی مرد کے نکاح میں پہلے سے کسی عورت کا ہونا بھی بعض دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کے لئے مانع ہو جاتا ہے، مثلاً

کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا تو اب جب تک یہ عورت اس کے نکاح میں رہے بلکہ اگر اس نے طلاق دے دی تو طلاق کے بعد جب تک عدت کے اندر رہے گی اس عورت کی بہن سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا اگر نکاح کر لیا تو شرعاً اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں قرآن مجید میں (وان تجمعوا بین الاختین) فرما کر یہی مسئلہ بتایا گیا ہے جس طرح دو بہنیں آپس میں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اسی طرح پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی بھی ایک مرد کے نکاح میں نہیں رہ سکتی ہیں۔ اگر کوئی عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو تو جب تک یہ اس مرد کے نکاح میں رہے گی اس کی بہن اور اس کی خالہ سے اور بھانجی سے پھوپھی سے اور بھتیجی سے اس مرد کا نکاح درست نہیں ہو گا اگر نکاح کر لیا تو شرعاً معتبر نہ ہو گا، نیز ان میں سے اگر ایک کو طلاق دے دی تو دوسری سے نکاح اس وقت تک درست نہ ہو گا جب تک کہ طلاق پانے والی عورت کی عدت نہ گزر جائے۔

مرد کیلئے مقررہ تعداد سے زائد نکاح درست نہیں

مرد کے لئے شریعت نے بیویوں کی تعداد مقرر کی ہے یعنی بیک وقت چار عورتوں سے ایک مرد کو نکاح کرنا درست ہے مگر اس کی اجازت اس وقت ہے جب کہ ہر بیوی کے حقوق شریعت کے مطابق برابری کے ساتھ ادا کرے۔ بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کوئی مرد نکاح نہیں کر سکتا حتی کہ اگر چار میں سے چوتھی کو طلاق دے دی تو جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے اس کے بدلہ پانچویں عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ غیلان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں قبول اسلام سے پہلے دس بیویاں تھیں جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو سب بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ چار کو رکھو باقی چھوڑ دو۔ (مشکوٰۃ)

یہ سب نکاح چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہوئے تھے اس لئے ایسا فیصلہ صادر فرمایا مسلمان ہوتے ہوئے کوئی شخص اگر چار عورتیں نکاح میں ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح کر لے تو پانچویں کا نکاح منعقد ہی نہ ہو گا۔

دودھ کا رشتہ دو سال کی عمر میں دودھ پینے سے ثابت ہے

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَاَنَّهُ كَرِهَ ذٰلِكَ فَقَالَتْ اِنَّهُ اَخِيْ فَقَالَ اُنْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُكُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زنان خانہ میں تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک آدمی تھا میں نے ایسا محسوس کیا کہ اس کا گھر میں ہونا آپ کو ناگوار ہوا میں نے (دل کا شبہ دور کرنے کے لئے) عرض کیا کہ یہ شخص میرا (دودھ شریک) بھائی ہے (اس لئے اندر بلا لیا ہے) یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اچھی طرح خیال کر لو کہ تمہارے دودھ شریک بھائی کون لوگ ہیں کیونکہ شرعی رضاعت (دودھ سے آجانے والی حرمت) اس وقت مؤثر ہوتی ہے جب کہ بھوک کی وجہ سے ہو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شرعاً دودھ پلانے کا زمانہ مقرر ہے یعنی دو سال کی عمر کے اندر اندر بچہ یا بچی کو دودھ پلایا جا سکتا ہے اس عمر میں جس نے دودھ پیا اس کا دودھ پینا حرمت رضاعت کا سبب ہے اس کے بعد دودھ پلانا حرام ہے۔ اور اگر کسی نے اس عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پی لیا ہے تو اس سے وہ کسی کا محرم نہ بنے گا نہ اس عورت کی ماں بہن اور اولاد سے اس کا نکاح حرام ہو گا۔ چونکہ دودھ سے

حرمت ثابت ہوتی ہے اس لئے عورتوں پر بہت احتیاط لازم ہے سوائے اپنی اولاد کے بلا ضرورت دوسروں کے بچوں کو دودھ نہ پلائیں۔

فائدہ: بچہ یا بچی کی عمر چاند کے حساب سے دو سال پورے ہونے کے اندر اندر جو کسی عورت کا دودھ پلا دیا جائے تو سب اماموں کے نزدیک حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کی وجہ سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو دودھ کی وجہ سے حرام ہیں' البتہ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اڑھائی سال کے اندر اندر دودھ پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ امام صاحب کے قول پر عمل کیا جائے دو سال پورے ہو جائیں تو کسی بچہ یا بچی کو دودھ ہرگز نہ پلائیں لیکن اگر کسی نے پلانے کی غلطی کر دی تو اڑھائی سال کے اندر جو دودھ پلایا ہو اس کی حرمت رضاع میں مؤثر مانا جائے۔ البتہ اس کے بعد جو دودھ دیا ہو حرمت رضاع میں اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس کی وجہ سے رشتے حرام نہ ہوں گے۔

کسی مرد سے نکاح کرنے کے لئے اسکی پہلی بیوی کو طلاق نہ دلائیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنی بہن کو طلاق کا سوال نہ کرے تاکہ اس کے پیالہ کو خالی کر دے اور چاہیے کہ اپنا نکاح (کسی دوسرے مسلمان مرد سے) کر لے۔ کیونکہ جو اس کی تقدیر میں ہے وہ ضرور اس کو ملے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

تشریح: اس حدیث میں بھی اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کوئی کسی کا برا نہ چاہے' جب کوئی کسی کو نکاح کا پیغام دے تو اسے اپنی صوابدید کے مطابق ہاں یا نہ کا جواب دے دینا چاہیے۔ اگر اس مرد کے نکاح میں پہلے سے کوئی عورت ہو تو اپنا نکاح کرنے کے لئے پہلی بیوی کو طلاق دینے کی شرط نہ لگائے تاکہ شوہر سے جو کچھ اس کو ملتا ہے اس سے اس کا پیالہ خالی کر دے یعنی اسے محروم کر کے خود اس منفعت کو اپنے لئے مخصوص کر لے' بعض علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ جب دو عورتیں کسی مرد کے نکاح میں ہوں تو کوئی سوتن شوہر سے اپنی سوتن کو طلاق کا سوال نہ کرے تاکہ اسے طلاق ہو جائے تو وہ دوسری جگہ نکاح کر لے اور طلاق کا تقاضا کرنے والی تنہا شوہر پر قبضہ کر کے بیٹھ جائے اور شوہر سے جو منافع حاصل ہوتے ہیں ان سب سے دوسری کو محروم کر کے اپنے لئے مخصوص کر لے۔ حدیث کے الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش ہے۔ بہر حال یہ دونوں باتیں شریعت اسلامیہ کے خلاف ہیں یعنی جس مرد سے نکاح کرنا ہو اس کی پہلی بیوی کو طلاق دلانے کا تقاضا کرنا اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے نکاح میں پہلے سے ہو یا بعد میں آ جائے اس کی طلاق کا سوال کرنا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو بہن فرما کر رحمت اور شفقت کی طرف توجہ دلائی کہ جس عورت کی طلاق کا سوال کر رہی وہ بھی تو مسلمان ہوگی۔ اپنی اس مسلمان بہن کو اسکے شوہر کی شفقت سے کیوں محروم کرتی ہو' جبکہ تم اپنے لئے ایسا پسند نہیں کر سکتی ہو۔ مسلمان کی ایمانی ذمہ داریوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے وہ دوسرے مسلمان کیلئے بھی پسند کرے اور جو کچھ اپنے لئے ناپسند کرے وہ دوسرے مسلمان کیلئے بھی ناپسند کرے۔

کسی عورت کو اس کے شوہر سے الگ کرا کر اس کے شوہر سے نکاح کرنے کی کوشش جہاں اس کی ایذاء کا باعث ہے وہاں تقدیر سے آگے بڑھنے کے بھی مترادف ہے۔ ہر مرد و عورت کے لئے مال اور رزق اور دیگر منافع مقدر ہیں۔ جو عورت چاہتی ہے

کہ کسی عورت کو طلاق دلا کر اس کے شوہر سے نکاح کر لے اسے چاہئے کہ اس کے شوہر پر قبضہ کرنے کے بجائے کسی دوسرے مرد سے اپنا نکاح کرے ہزاروں مسلمان مرد موجود ہیں جو تقدیر میں ہے وہ اس کے پاس بھی ملے گا اور اس کے پاس بھی۔

آج کل عورتوں میں یہ مرض بہت زیادہ ہے ایسے ایسے واقعات سنے ہیں کہ بہن نے بہنوئی سے نکاح کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اپنی حقیقی بہن کو طلاق دینے پر بہنوئی کو آمادہ کرکے طلاق دلا دی اور اسے خود اپنا شوہر بنا کر بیٹھ گئی۔

کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف اکسانا گناہ ہے

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَاَۃً عَلٰی زَوْجِھَا اَوْعَبْدًا عَلٰی سَیِّدِہٖ۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۸۲ بحوالہ ابو داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے (یعنی جماعت مسلمین میں سے) نہیں ہے جو کسی عورت کو فریب دے کر شوہر کی مخالف بنا دے یا کسی غلام کو دھوکہ دے کر اسے آقا کا مخالف بنا دے۔

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی نصیحت فرمائی ہے کہ کوئی مرد و عورت کسی عورت کو ورغلا کر اور سمجھا بجھا کر اس کے شوہر کی مخالفت پر آمادہ نہ کر دے اگر کوئی ایسی حرکت کرے گا تو وہ ایسا سخت مجرم ہوگا کہ اس کے بارے میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہماری امت سے نہیں ہے۔ بہت سے مرد و عورت اس میں مزہ لیتے ہیں کہ کسی کا گھر بگڑ دیں۔ شوہر کو بیوی میں کوئی رنجش ہو گئی اور کسی نے شوہر کو چڑھا دیا کسی نے بیوی کو اکسایا اور دونوں میں صلح کرانے کے بجائے معمولی سی رنجش کا ناقابل عبور سمندر بنا دیا تو ایسے لوگوں کی حرکت بد سے میاں بیوی قریب تر آنے کے بجائے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ ایسی حرکت کرنے والے اجنبی ہی نہیں ہوتے بلکہ فریقین کے رشتہ دار بھی ایسا کام زیادہ کرتے ہیں۔ بہت سے ماں باپ یا بہن بھائی یا مرد کو اس کی بیوی کے خلاف ابھار دیتے ہیں۔ عورت کی ماں، بہن یا محلے کی عورتیں عورت کو شوہر کے خلاف ابھارتی ہیں۔ دیکھ تجھے ایسا ایسا کہا ہے تو کوئی کپڑے گھر کی تھوڑی ہی ہے جو ایسی باتیں سنے گی۔ تیرا زیور بھی بیچ کھایا اور تجھے زیور کی ایک کیل بھی بنا کر نہیں دی۔ کپڑے بھی دیے ہیں تیرے ماں باپ کے گھر کے چل رہے ہیں کیسے شوہر کے پلے بندھی ہے ان باتوں سے اس کا دل کھٹا ہو جاتا ہے شوہر سے بگڑی رہتی ہے وہ بھی بری طرح پیش آتا ہے اور بدمزگی بڑھتے بڑھتے طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

جب طلاق ہو جاتی ہے تو اب شوہر بھی دوسری شادی کے لئے پریشان ہے مگر کسی جگہ شادی کا موقع نہیں لگا اور بیوی کے اقرباء اولیاء بھی چاہتے ہیں کہ کہیں رشتہ ہو جائے مگر لوگ اس کو اس لئے قبول نہیں کرتے کہ اسے طلاق ہو چکی ہے عادت و خصلت خراب ہوگی تب ہی تو ایسا ہوا۔ بہرحال جن کا گھر بگڑا وہ مصیبت جھیلتے ہیں اور یہ بگاڑنے والے اور کسانے والے تماشہ دیکھتے ہیں۔ شیطان اپنی حرکتیں انسانوں سے بھی کرا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کے کاموں سے سب کو بچائے۔ آمین۔

بلا مجبوری کے طلاق کا سوال اٹھانے والی پر جنت حرام ہے

وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُّمَا امْرَاَۃٍ سَاَلَتْ

زَوْجَهَا طَلَاقًا مِّنْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بغیر کسی مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

خلع کا مطالبہ کرنے والی عورتیں منافق ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شوہروں سے علیحدگی چاہنے والی اور خلع کا مطالبہ کرنے والی عورتیں نفاق والی عورتیں ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۸۳ بحوالہ نسائی)

تشریح: اللہ جل شانہ نے مردوں کو عورتوں کی طرف اور عورتوں کو مردوں کی طرف محتاج بنایا ہے۔ فطری طور پر بیاہ شادی کرنے پر مجبور ہیں۔ شریعت مطہرہ نے انسان کے فطری تقاضوں کو پامال نہیں کیا بلکہ ان کی رعایت رکھی ہے۔ اسلام نے زنا کو حرام قرار دیا ہے اس لئے نکاح کرنا شرعاً محمود اور مستحسن ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں واجب ہے کس عورت کا کس مرد سے نکاح ہو سکتا ہے اور کس سے نہیں ہو سکتا ہے شریعت نے اس کی تفصیل بتا دی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

نکاح زندگی بھر نباہنے کے لئے ہوتا ہے

ان تفصیلات کو سامنے رکھ کر جب کسی مسلمان مرد کا کسی عورت سے نکاح ہو جائے تو اس کے بعد زندگی بھر ایک دوسرے کو چاہنے اور نباہنے کی کوشش کرنی چاہیے' کبھی کبھار فریقین میں سے کسی کو طبعی طور پر ایک دوسرے کی جانب سے کچھ ناگواری ہو جائے تو نفس کو سمجھا بجھا کر درگزر کر دینا نباہنے کے لئے ایک امر ضروری ہے۔ مردوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طرح سے سمجھایا ہے اور نباہنے کا حکم دیا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

کوئی مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے کیونکہ اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آ جائے گی۔ (رواہ مسلم)

اور عورتوں کو تعلیم دی ہے کہ طلاق کا سوال نہ کریں نباہنے کی کوشش کریں جب کہیں دو چار برتن ہوتے ہیں تو آپس میں کھٹکتے ضرور ہیں۔ ایسے ہی جب دو آدمی ایک ساتھ رہتے ہیں تو کبھی کچھ نہ کچھ ناگواری کی صورت سامنے آ ہی جاتی ہے اگر صبر نہ کیا جائے اور ناگواری کے سہنے کا مزاج نہ بنایا جائے تو آپس میں نباہ نہیں ہو سکتا اور آئے دن چھوٹ چھٹاؤ کا سوال اٹھتا رہے گا' پھر طلاق کے بعد بچے ویران ہو جائیں گے' ہر ایک کو اپنے لئے الگ الگ جوڑ تلاش کرنا ہوگا' بچے ماں سے یا باپ سے یا دونوں سے علیحدہ ہوں گے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو زندگی بھر نباہ کرتے ہوئے چلتے رہنا چاہیے۔

بہت سی عورتیں مزاج کی تیز ہوتی ہیں' بات بات میں مرد سے لڑ پڑتی ہیں جو حقوق واجب نہیں ان کا شوہر سے مطالبہ کرتی ہیں وہ پورا نہیں کرتا تو منہ پھلاتی ہیں اور اکڑ کر بیٹھ جاتی ہیں' شوہر کی ناشکری کرتی رہتی ہیں' شوہر کوئی بات کہے تو طلاق کی بات سامنے لے آتی ہیں' عورتوں کے اسی مزاج کے پیش نظر شریعت نے عورت کو طلاق دینے کا اختیار نہیں دیا ورنہ ایک ایک دن کئی بار طلاق دے دیا کرتیں' نکاح طلاق دینے کے لئے نہیں ہوتا زندگی بھر نباہنے کے لئے ہوتا ہے مرد اگر طلاق دے دے تو طلاق ہو جاتی ہے لیکن طلاق دینا اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔

طلاق ناپسندیدہ چیز ہے

اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ (ابو داود)
حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغض اور نفرت کی چیز طلاق ہے۔

جب نباہنا اسلام کا مزاج ٹھہرا تو عورت کی جانب سے طلاق کا سوال اٹھانا سراسر غیر اسلامی فعل ہوگا۔ اس لئے یہ ارشاد فرمایا کہ طلاق یا خلع کا مطالبہ کرنے والی عورتیں منافق ہیں۔

اسلام کے تقاضوں پر نہ چلنا اور اسلام کا مدعی ہونا یہ دوغلے پن کی بات ہے۔ منافق دوغلا ہوتا ہے اندر کچھ ظاہر کچھ اور سب سے بڑا منافق وہ ہے جو دل سے منافق ہو اور زبان سے اسلام کا مدعی ہو لیکن جو شخص اسلام کا دعویدار ہے اور دل سے بھی دین اسلام کے حق ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے لیکن عمل میں ایمانی تقاضوں پر پورا نہیں اترتا اسے عمل کے اعتبار سے منافق کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں بہت سی خصلتوں کو منافقت کی خصلت بتایا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس میں چار خصلتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان سے ایک خصلت ہوگی تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس میں منافق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔

۱۔ جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ ۲۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
۳۔ جب عہد کرے تو غدر کرے۔ ۴۔ جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔ (بخاری و مسلم)

چونکہ یہ شخص عمل کے اعتبار سے ایمانی تقاضوں کو پامال کرتا ہے اور اس کا عمل ایمانی مطالبات کے خلاف ہے اس لئے اسے منافق کہا گیا' اسی طرح ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے عورت کی جانب سے طلاق کے سوال کو منافقت بتایا کیونکہ یہ بھی عمل کے اعتبار سے منافقت ہے۔

البتہ بعض مرتبہ ایسی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں کہ نباہ کے راستے ہی ختم ہو جاتے ہیں گو ایسا کم ہوتا ہے' لیکن اسلام نے اسکی بھی رعایت رکھی ہے' ایسے حالات میں مرد اگر طلاق دے دے یا عورت مانگے تو یہ وعید یں شامل نہیں' اسلئے حدیث میں فرمایا کہ جو عورت بغیر کسی مجبوری کے طلاق کا سوال کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے' مجبوری کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً یہ کہ شوہر دین پر چلنے نہیں دیتا' گناہوں پر مجبور کرتا ہے' بے جا مار کٹائی کرتا ہے یا ازدواجی حقوق ادا کرنے سے بالکل ہی معذور ہے اور اس کے درست ہونے کی کوئی امید نہیں ان حالات میں شوہر سے طلاق لینے یا خلع کرنے یا بعض صورتوں میں مسلمان حاکم سے نکاح فسخ کرانے کی گنجائش ہے۔

طلاق کا صحیح طریقہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں۔ میرا مختلف حیثیتوں میں عام مسلمانوں کے خاندانی' بخصوص ازدواجی تنازعات سے کافی واسطہ رہا ہے' اور یہ دیکھ کر دکھ ہوتا رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ جو سامنے کی باتیں پہلے بچے بچے کو معلوم ہوتی تھیں اب بڑے بڑوں کو بھی معلوم نہیں ہوتیں' اسی لئے چند ماہ پہلے میں نے اس کالم میں

شادی بیاہ کے مسائل دور حاضر سے متعلق بنیادی شرعی احکام کی وضاحت شروع کی تھی، جو مختلف عنوانات کے تحت کئی ہفتے جاری رہی۔ جب نکاح کا ذکر چھڑا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "طلاق" کے بارے میں بھی کچھ گذارشات پیش کردی جائیں، کیونکہ طلاق کے بالکل ابتدائی احکام سے بھی عام لوگ ناواقف ہو چکے ہیں اور اس بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں عام ہوگئی ہیں۔

سب سے پہلی غلطی تو یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے طلاق کو غصہ نکالنے کا ایک ذریعہ سمجھا ہوا ہے، جہاں میاں بیوی میں کوئی اختلاف پیش آیا اور نوبت غصے اور اشتعال تک پہنچی، شوہر نے فوراً طلاق کے الفاظ زبان سے نکال دیئے، حالانکہ طلاق کوئی گالی نہیں ہے جو غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے دیدی جائے، یہ نکاح کا رشتہ ختم کرنے کا وہ انتہائی اقدام ہے جس کے نتائج بڑے سنگین ہیں، اس سے صرف نکاح کا رشتہ ہی ختم نہیں ہوتا، بلکہ خانگی زندگی کے بہت سے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن جاتے ہیں، بچوں کی پرورش کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، املاک کی تقسیم میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے، مہر، نفقہ اور عدت کے معاملات پر اس کا اثر پڑتا ہے، غرض نہ صرف میاں بیوی بلکہ ان کی اولاد بلکہ پورے خاندان پر اس کے دور رس اثرات پڑتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جہاں طلاق کی اجازت دی ہے، وہاں اسے "ابغض المباحات" قرار دیا ہے، یعنی یہ وہ چیز ہے جو جائز کاموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔ عیسائی مذہب کا اصل تصور یہ تھا کہ میاں بیوی جب ایک مرتبہ نکاح کے رشتے میں بندھ جائیں تو اب طلاق دینے یا لینے کا کوئی راستہ نہیں ہے، بلکہ اس میں تو طلاق کو بدکاری کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لئے اس نے طلاق کے بارے میں یہ سخت موقف تو اختیار نہیں کیا، اس لئے کہ میاں بیوی کی زندگی میں بعض اوقات ایسے مرحلے پیش آجاتے ہیں جب دونوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ شرافت کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں، ایسے موقع پر نکاح کے رشتے کو ان پر زبردستی تھوپے رکھنا دونوں کی زندگی کو عذاب بنا سکتا ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب طلاق کے بارے میں اپنے اس قدیم موقف پر قائم نہیں رہ سکا جس کی داستان بڑی طویل اور عبرتناک ہے) اس لئے اسلام نے طلاق کو ناجائز یا حرام تو قرار نہیں دیا، لیکن اس کے ایسے گئے بندھے اسباب متعین کئے جو جلد بازی کے معاملے میں میاں بیوی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیں، لیکن اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا کہ مباح (جائز) چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے۔ دوسرے میاں بیوی کو ایسی ہدایات دی ہیں کہ ان پر عمل کیا جائے تو طلاق کی نوبت کم سے کم آئے۔ تیسرے اگر طلاق کی نوبت آہی جائے تو اس کا ایسا طریقہ بتایا ہے جس میں خرابیاں کم سے کم ہوں۔ آج اگر لوگ ان ہدایات اور احکام کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان پر عمل کریں تو نہ جانے کتنے گھریلو تنازعات اور خاندانی مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔

جہاں تک ان ہدایات کا تعلق ہے جو طلاق کے سد باب کے لئے دی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی ہدایت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دی ہے کہ اگر کسی شوہر کو اپنی بیوی کی کوئی بات ناپسند ہے تو اسے بیوی کی اچھی باتوں پر بھی غور کرنا چاہئے، مقصد یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص بے عیب نہیں ہوتا، اگر کسی میں ایک خرابی ہے تو دس اچھائیاں بھی ہو سکتی ہیں، ایک

خرابی کو لے بیٹھنا اور دس اچھائیوں سے آنکھ بند کر لینا انصاف کے بھی خلاف ہے، اور اس سے کوئی مسئلہ حل بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ قرآن کریم نے تو یہاں تک فرمایا کہ "اگر تمہیں اپنی بیوی کی کوئی بات ناپسند ہے تو (یہ سوچو) کہ شاید تم جس چیز کو برا سمجھ رہے ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے کوئی بڑی بھلائی رکھی ہو"۔ (سورۃ نساء: ۱۹)

دوسری ہدایت قرآن کریم نے یہ دی ہے کہ جب میاں بیوی آپس میں اپنے اختلافات طے نہ کر سکیں اور نرم و گرم ہر طریقہ آزمانے کے بعد بھی تنازعہ برقرار رہے تو فوراً علیحدگی کا فیصلہ کرنے کے بجائے دونوں کے خاندان والے ایک ایک شخص کو ثالث بنائیں، اور یہ دونوں طرف کے نمائندے آپس میں ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لے کر میاں بیوی کے درمیان تنازعہ ختم کرنے کی کوشش کریں، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ اگر یہ دونوں نیک نیتی سے اصلاح کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا فرمادے گا۔ (سورۃ نساء: ۳۵)

لیکن اگر یہ تمام کوششیں بالکل ناکام ہو جائیں اور طلاق ہی کا فیصلہ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ حکم دیا ہے کہ شوہر اس کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرے، مناسب وقت کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ طلاق اس وقت دی جائے جب بیوی طہر کی حالت میں ہو یعنی اپنے ماہانہ نسوانی دورے سے فارغ ہو چکی ہو، اور فراغت کے بعد سے دونوں کے درمیان وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی نوبت نہ آئی ہو لہٰذا اگر عورت طہر کی حالت میں نہ ہو تو ایسے وقت طلاق دینا شرعاً گناہ ہے، نیز اگر طہر ایسا ہو کہ اس میں میاں بیوی کے درمیان ازدواجی قربت ہو چکی ہو تب بھی طلاق دینا شرعاً منع ہے، ایسی صورت میں طلاق دینے کے لئے شوہر کو اگلے حیض تک انتظار کرنا چاہئے۔

اس طریق کار میں یوں تو بہت سی مصلحتیں ہیں، لیکن ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ طلاق کسی وقتی منافرت یا جھگڑے کا نتیجہ نہ ہو، شوہر کو مناسب وقت کے انتظار کا حکم اس لئے بھی دیا گیا ہے کہ اس عرصے میں وہ تمام حالات پر اچھی طرح غور کر لے اور جس طرح نکاح سوچ سمجھ کر ہوا تھا اسی طرح طلاق بھی سوچ سمجھ کر ہی دی جائے، چنانچہ عین ممکن ہے کہ اس انتظار کے نتیجے میں دونوں کی رائے بدل جائے، حالات بہتر ہو جائیں، اور طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔

پھر اگر مناسب وقت آجانے پر بھی طلاق کا ارادہ برقرار رہے تو شریعت نے طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ بتایا ہے کہ شوہر صرف ایک طلاق دے کر خاموش ہو جائے، اس طرح ایک رجعی طلاق ہو جائے گی، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت گذر جانے پر نکاح کا رشتہ شرافت کے ساتھ خود بخود ختم ہو جائے گا، اور دونوں اپنے اپنے مستقبل کے لئے کوئی فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔

اس طریقے میں فائدہ یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد اگر مرد کو اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ یہ سمجھے کہ حالات اب بہتر ہو سکتے ہیں تو وہ عدت کے دوران اپنی دی ہوئی طلاق سے رجوع کر سکتا ہے، جس کے لئے زبان سے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "میں نے طلاق سے رجوع کر لیا" اس طرح نکاح کا رشتہ خود بخود تازہ ہو جائے گا، اور اگر عدت بھی گذر گئی ہو اور دونوں میاں بیوی یہ سمجھیں کہ اب انہوں نے سبق سیکھ لیا ہے، اور آئندہ وہ مناسب طریقے پر زندگی گزار سکتے ہیں تو ان کے لئے یہ راستہ کھلا ہوا ہے کہ وہ

باہمی رضامندی سے دوبارہ از سرِ نو نکاح کر لیں (جس کے لئے نیا ایجاب وقبول گواہ اور مہر سب ضروری ہے)۔

اگر مذکورہ مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میاں بیوی نے پھر سے نکاح کا رشتہ تازہ کر لیا ہو اور پھر کسی وجہ سے دونوں کے درمیان تنازعہ کھڑا ہو جائے، تب بھی دوسری طلاق دینے میں جلدی نہ کرنی چاہئے، بلکہ ان تمام ہدایات پر عمل کرنا چاہئے جو اوپر بیان ہوئیں، ان تمام ہدایات پر عمل کے باوجود اگر شوہر پھر طلاق ہی کا فیصلہ کرے تو اس مرتبہ بھی ایک ہی طلاق دینی چاہئے، اب مجموعی طور پر دو طلاقیں ہو جائیں گی، لیکن معاملہ تب بھی باوجود میاں بیوی کے ہاتھ میں رہے گا۔

یعنی عدت کے دوران شوہر پھر رجوع کر سکتا ہے، عدت گزرنے کے بعد دونوں باہمی رضامندی سے تیسری بار پھر نکاح کر سکتے ہیں۔

یہ ہے طلاق کا وہ طریقہ جو قرآن وحدیث میں بیان ہوا ہے، اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن وسنت نے نکاح کے رشتے کو برقرار رکھنے اور اسے ٹوٹنے سے بچانے کے لئے درجہ بدرجہ کتنے راستے رکھے ہیں، ہاں اگر کوئی شخص ان تمام درجوں کو پھلانگ جائے تو پھر نکاح وطلاق ؟ کھ پچولی کا کوئی کھیل نہیں ہے جو غیر محدود زمانے تک جاری رکھا جائے، لہذا جب تیسری طلاق بھی دے دی جائے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اب نکاح کو تازہ کرنے کا کوئی راستہ نہیں، اب نہ شوہر رجوع کر سکتا ہے، نہ میاں بیوی باہمی رضامندی سے نیا نکاح کر سکتے ہیں، اب دونوں کو علیحدہ ہونا ہی پڑے گا۔

ہمارے معاشرے میں طلاق کے بارے میں انتہائی سنگین غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ تین سے کم طلاقوں کو طلاق ہی نہیں سمجھا جاتا، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر طلاق کا لفظ صرف ایک یا دو مرتبہ لکھا جائے تو اس سے طلاق ہی نہیں ہوتی، چنانچہ جب کبھی طلاق کی نوبت آتی ہے تو لوگ تین طلاقوں سے کم پر بس نہیں کرتے، اور کم سے کم تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا طلاق صرف ایک مرتبہ کہنے سے بھی ہو جاتی ہے، بلکہ شریعت کے مطابق طلاق کا صحیح اور احسن طریقہ یہی ہے کہ صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہا یا لکھا جائے، اس طرح طلاق تو ہو جاتی ہے، لیکن اگر بعد میں سوچ سمجھ کر نکاح کا رشتہ تازہ کرنا ہو تو اس کے دروازے کسی کے نزدیک مکمل طور پر بند نہیں ہوتے، بلکہ ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنا شرعاً گناہ ہے، اور حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں فقہی مکاتب فکر کے نزدیک اس گناہ کی ایک سزا یہ ہے کہ اس کے بعد رجوع یا نئے نکاح کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا، اور جو لوگ ان فقہی مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں ان کو اکثر تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کے بعد شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لہذا طلاق کے معاملے میں سب سے پہلے تو یہ غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے طلاق نہیں ہوتی، اور یہ بات اچھی طرح لوگوں میں عام کرنی ضروری ہے کہ طلاق کا صحیح اور احسن طریقہ یہی ہے کہ صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا جائے، اس سے زیادہ نہیں، اگر عدت کے دوران شوہر کے رجوع کا حق ختم کرنا مقصود ہو تو ایک طلاق بائن دے دی جائے، یعنی طلاق کے ساتھ بائن کا لفظ بھی ملا لیا جائے تو شوہر کو ایک طرفہ طور پر رجوع کرنے کا حق نہیں رہے گا، البتہ باہمی رضامندی سے دونوں میاں بیوی جب چاہیں نیا نکاح کر سکیں گے۔ یہ بات کہ طلاق کا احسن طریقہ یہی ہے کہ صرف ایک طلاق دی جائے، پوری امت

میں مسلم ہے اور اس میں کسی مکتب فکر کو اختلاف نہیں ہے' ضرورت ہے کہ علماء کرام اپنے خطبوں میں اس مسئلے کو عوام کے سامنے واضح کریں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی طلاق کے یہ احکام لوگوں تک پہنچائے جائیں۔ (ذکر ملی)

بعض عورتیں ضد کر کے طلاق لیتی ہیں

وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِّنْ غَيْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (رواہ احمد)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بغیر کسی مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

آج کل عورتیں شوہر کے ساتھ نباہ کرنے کا مزاج گویا ختم کر چکی ہیں' جہاں تھوڑی سی ان بن ہوئی شوہر سے کہا کہ اگر تو اصل ماں باپ کا جنا ہے تو مجھے ابھی طلاق دے دے حالانکہ عورت کا کام یہ تھا کہ شوہر کے بدلے ہوئے تیور دیکھتی ہوتی ہٹ جاتی' زبان بند کر لیتی تاکہ وہ غصہ میں آ کر طلاق کا لفظ منہ سے نہ نکالتا۔ جب شوہر عورت کے مطالبہ پر طلاق کے الفاظ نکال دیتا ہے تو جہالت کی وجہ سے وہ بھی طلاق کی مشین گن چلو کر دیتا ہے تین سے کم پر تو خاموش ہوتا ہی نہیں۔

طلاق زبان سے نکلتے ہی واقع ہو جاتی ہے

طلاق کے بعد جب فریقین کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو پچھتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے طلاق کی نیت سے طلاق نہیں دی اور بہت زیادہ غصہ میں تھا یا عورت حمل سے تھی یا اس کی ناپاکی کا زمانہ تھا اور یہ بات اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک غصہ یا حالت حمل و حیض میں طلاق نہیں ہوتی' حالانکہ طلاق کا تعلق زبان سے ہے' جب زبان سے طلاق نکلے گی واقع ہو جائے گی شوہر غصہ میں ہو یا رضا مندی میں اور عورت حمل سے ہو یا ناپاکی کے ایام میں ہو' بہرحال طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

طلاق وہ چیز ہے کہ جو شوہر کی زبان سے مذاقاً نکل جانے سے بھی اثر کر جاتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تین چیزیں ایسی ہیں جن میں اصلی نیت اور مذاق دونوں برابر ہیں یعنی بلا نیت کے مذاقاً زبان سے نکالنے سے بھی کام کر جاتی ہیں۔

(۱) نکاح (۲) طلاق (۳) رجوع کر لینا (طلاق رجعی کے بعد) (ابو داؤد)

جب طلاق دے بیٹھتے ہیں اور عورتیں شوہر کو غصہ دلا کر طلاق لے چھوڑتی ہیں تو مفتی کے پاس سوال لے کر آتے ہیں اور مفتی کو موم کرنے کے لئے کہتے ہیں میاں بیوی ایک دوسرے پر عاشق ہیں بیوی خودکشی کرنے لگی اگر اسی شوہر کے پاس رہنے کا راستہ نہ نکلا تو بچے ویران ہوں گے اور یہ تکلیف ہوگی اور وہ مصیبت آئے گی' دیکھئے مولوی صاحب کوئی راستہ نکالئے' بھلا مولوی کیا راستہ نکال سکتا ہے علماء و مفتیان کرام دین اسلام کا قانون بتانے والے ہیں قانون بنانے والے نہیں' قانون اللہ پاک کا ہے۔

رجعی طلاق

آپس کے نباہ کا کوئی راستہ نہ رہا ہو اور طلاق دینی ہی ہو تو ایسا کرے کہ جس زمانہ میں عورت پاک ہو یعنی حیض سے نہ ہو اس زمانے میں ایک طلاق صاف لفظوں میں دے دے' اس طرح سے ایک رجعی طلاق ہو جائے گی جس کا معنی یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر رجوع کرنے یعنی لوٹا لینے کا حق رہتا ہے' ایک طلاق رجعی دینے کے بعد پھر چاہے تو رجوع کرلے اور رجوع کے لئے عورت کی رضامندی بھی ضروری نہیں ہے' عورت چاہے نہ چاہے مرد رجوع کر سکتا ہے۔ زبان سے صرف یہ کہہ دینے سے کہ میں نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا' اس سے رجوع صحیح ہو جاتا ہے۔ اگر دو گواہوں کے سامنے ایسا کہے تو بہتر ہے تاکہ رجوع کرنے نہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو گواہوں کے ذریعے رجوع کا ثبوت دیا جا سکے۔ اگر کسی نے طلاق رجعی کے بعد عدت کے اندر کوئی ایسا کام کرلیا جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے تو اس طرح بھی رجوع ہو جائے گا' اس کو رجوع بالفعل کہتے ہیں اور زبان سے لوٹا لینے کو رجوع بالقول کہتے ہیں۔

عدت کے بعد رجعی طلاق بائن ہو جاتی ہے

اگر کسی نے طلاق رجعی دینے کے بعد عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو یہی رجعی طلاق بائن طلاق ہو جائے گی' بائن طلاق میں رجوع کا حق نہیں رہتا ہاں اگر دونوں پھر میاں بیوی بننا چاہیں تو آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں' چاہئے تو یہی کہ عند الضرورت صرف ایک طلاق سے کام چلا لیا جائے۔ اگر طلاق کے بعد پچھتاوا ہو تو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق باقی ہونے کی وجہ سے شوہر رجوع کر سکے گا اور اگر جلدی ہوش نہ آیا اور عدت گزر گئی تو آپس میں دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔

شریعت کی آسانی

شریعت نے کتنی آسانی رکھی ہے۔ اول تو طلاق دینے ہی سے منع فرمایا' پھر اگر کوئی طلاق دینا ضروری ہی سمجھے تو اسے بتایا کہ ایک طلاق عورت کو پاکی کے زمانے میں دے دے' اس میں غصہ ٹھنڈا ہونے اور سوچ بچار کرنے کا خوب اچھی طرح موقع مل جاتا ہے۔ اگر کسی نے صاف لفظوں میں ایک ساتھ دو طلاقیں دے دیں تو بھی رجعی ہوں گی اور اگر غیر حاملہ عورت کو پاکی کے زمانہ میں ایک طلاق صاف لفظوں میں دی اور رجوع نہ کیا اور اس کے بعد جو پاکی کا زمانہ آئے اس میں ایک طلاق دے دی تو طلاق مغلظ ہوگی' عدت طلاق تین حیض ہے اور حیض نہ آتا ہو (بچپن یا بڑھاپے کی وجہ سے) تو عدت تین ماہ ہے اور حاملہ ہو تو حمل ختم ہونے پر عدت ختم ہوگی' عدت کے اندر اندر جو طلاقیں شوہر دے گا واقع ہوتی رہیں گی۔

بیک وقت تین طلاق

لوگ اپنی جان پر زیادتی کرتے ہیں کہ ایک ساتھ طلاق کی تینوں گولیاں چھوڑ دیتے ہیں' شریعت طلاق ہی کی مخالف ہے پھر دو

ایک ساتھ تینوں طلاق دینے کی کیسے اجازت دے سکتی ہے تاہم اگر کوئی شخص ایک ساتھ تین طلاق دے ہی دے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عدت گزرنے سے پہلے مختلف اوقات میں تین طلاقیں دے دے یا ہر پاکی کے زمانے میں ایک طلاق دیا کرے تو اس طرح سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ تین طلاقوں کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا بلکہ آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ تین طلاق پانے والی عورت اس طلاق دینے والے شوہر کے نکاح میں دوبارہ اسی صورت جا سکتی ہے کہ عدت گزار کر کسی دوسرے مسلمان سے اس کا نکاح ہو۔ پھر وہ اس سے میاں بیوی والا کام کرنے کے بعد طلاق دے دے یا مر جائے اس کے بعد عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح ہو سکتا ہے اس کو "حلالہ" کہتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

تین طلاقوں کے بارے میں چاروں اماموں کا مذہب

وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (رواہ احمد)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بغیر کسی مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

تشریح: بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق مانی جاتی ہے اور رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور اسے حضرت امام شافعی کا مذہب بتاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ چاروں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دے یا الگ الگ کرکے ہر پاکی کے زمانہ میں ایک طلاق دے بہر حال تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بغیر حلالہ کے میاں بیوی دونوں کا نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

ذکر کردہ ایک یا دو رجعی طلاق دے کر اگر عدت کے اندر رجوع کر لیا تو اس طرح سے بیوی بنا کر رکھنا جائز ہو جائے گا مگر طلاق ختم نہ ہو گی کیونکہ اگر کبھی ایک کے بعد دو طلاقیں دے دیں یا دو کے بعد ایک طلاق اور دے دی تو پچھلی طلاق حساب میں لگ کر تینوں طلاقیں مل کر مغلظہ طلاق ہو جائیں گی اور جو تین طلاقوں کا حکم ہے وہی عائد ہو جائے گا خوب سمجھ لیں۔ واللہ اعلم۔

❁❁❁

مجلة البحوث الإسلامية

الرئاسة العامة لهيئة كبار العلماء

ورئيس التحرير

محمد بن سعد الشويعر

مجلة فصلية تعنى بالبحوث الإسلامية
تصدر كل أربعة أشهر مؤقتاً

حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد

القرار

ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں

سعودی عرب کے جید علماء کی نامزد و منتخب تحقیقاتی کمیٹی کا متفقہ فیصلہ

"مجلس ہیئت کبار العلماء" کے سامنے "الطلقات الثلاث بلفظ واحد" کا مسئلہ پیش ہوا۔ اس مسئلے کے متعلق ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ کو مجلس کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں ایک مجلس کی اکٹھی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے یا صرف ایک واقع ہونے کے دلائل پیش کیے گئے پھر ان کا تجزیہ و مناقشہ کیا گیا۔

مسلسل چھ ماہ (۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ) تک یہ مسئلہ زیر بحث رہا۔ انتہائی محنت و عرق ریزی کے ساتھ اس مسئلے سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی سینتالیس کتابیں کھنگالی اور سیر حاصل بحث کرنے کے بعد کمیٹی کی اکثریت نے واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا کہ "ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں اگرچہ تین کی نیت نہ بھی ہو۔ رجوع یا نکاح کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ الا یہ کہ وہ عورت حلالہ کے طور پر کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ اسے طلاق دے دے تب وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو سکتی ہے۔ اور اس طریقے پر طلاق دینا اگرچہ حرام و ناجائز ہے لیکن واقع تینوں ہی طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ یہ قانون حضرت عمر فاروقؓ کے دور مبارک میں منعقدہ اجماع صحابہ کی روشنی میں امت اسلامیہ اہلسنت کا متفقہ مسلک و موقف چلا آرہا ہے"۔ اس سیر حاصل بحث کی کاروائی کا مکمل متن ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے جسکو کمیٹی کی "ذیلی شاخ" "اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء" نے تفصیلی رپورٹ کی شکل میں مرتب کرکے کمیٹی کے "مرکزی بورڈ" کے سامنے پیش کیا۔ اس تفصیلی رپورٹ و کاروائی کے آخر میں ذیلی شاخ "اللجنۃ" کے رئیس ابراہیم بن محمد آل الشیخ کے علاوہ نائب الرئیس عبدالرزاق عفیفی نیز دیگر دو ارکان عبداللہ بن سلیمان بن منیع اور عبداللہ بن عبدالرحمن بن غدیان کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

اس کے بعد ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ کو کمیٹی کے "مرکزی بورڈ" نے اسی تفصیلی رپورٹ کی روشنی میں ایک قرارداد پاس کی جس کے متن کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے "طلقات ثلاث بلفظ واحد موضوع پر جو سابقہ بحث ہیئت کبار العلماء کی منتخب نامزد کمیٹی نے پیش کی ہے اور جس کو اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء نے مدون و مرتب کیا ہے ہم نے اس پر اطلاع پائی۔ اس مسئلے پر کامل بحث و تحقیق و تبادلہ خیالات اور جملہ اقوال و مسالک کی چھان بین اور مناقشہ و تجزیہ کے بعد ارکان کمیٹی کی اکثریت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ لفظ واحد سے طلقات ثلاث کے بارے میں تینوں ہی طلاقوں کے وقوع و نفاذ کا قول اختیار کیا جائے" ۱۲/۱۱/۱۳۹۳ھ

یہ رپورٹ قرارداد دو صفحات پر حاوی ہے۔

یہ پوری بحث وکارروائی مع قرارداد حکومت سعودیہ نے اپنے رسالہ "مجلۃ البحوث الاسلامیہ" (۱۳۹۷ھ محرم ۱۴۱۳ھ) الریاض المملکۃ العربیۃ السعودیہ میں شائع کی ہے۔ یہ مجلہ اس وقت شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں شائع ہوتا تھا۔
جلالۃ الملک خادم حرمین حفظہ اللہ نے جہاں توسیع حرمین، تزئین مدینہ، طباعت قرآن کریم، عالمی زبانوں کی تفاسیر کی اشاعت جیسے شاندار کارنامے انجام دیے وہیں اہلسنت والجماعت کے موقف کے مطابق "طلقات ثلاث بلفظ واحد" جیسے معرکۃ الآراء اختلافی مسئلے کی تجدید واحیاء کو فرما کر اور مسلمانوں کو حرام سے محفوظ فرما کر امت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء
جو اس مسئلے سے اختلاف کر کے اکٹھی تین طلاقوں کی ایک ہی طلاق ماننے پر اصرار کرتے ہیں ان حضرات پر سعودیہ عربیہ کا یہ فیصلہ حجت قاطعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔
حق کے متلاشی کیلئے تردد کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اگرچہ سعودی عرب کے کبار علماء کی اس تحقیقاتی کمیٹی میں ایک بھی حنفی عالم موجود نہ تھا بایں ہمہ شاید بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو کہ اکٹھی تین طلاقوں ماننا صرف علماء احناف ہی کا مسلک ہے مگر حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ یہ چاروں مذاہب کے آئمہ واصحاب کے ہاں قطعی متفقہ مسئلہ ہے۔

خیر الفتاویٰ جلد پنجم سے تلخیص

کتاب الطلاق (حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. اَمَّا بَعْدُ:

دین اسلام خدا تعالیٰ کا کامل دین ہے اور آخری بھی ہے۔ اور صرف اور صرف ایک ہی دین ہے جو محفوظ ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ احکام شرعیہ کا کلی علم رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیا گیا۔ ان ہی کلیات کی تعبیر وتشریح اور تفصیل آئمہ مجتہدین نے فرمائی۔ اور دین کی کاملیت کو آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر و باہر فرما دیا۔ اسلام کی کامل تعبیر وتشریح جو خیر القرون میں ہی مرتب ہوئی اور اسی دن سے آج تک شہرت عام بقائے دوام کی لازوال سعادت سے مشرف ہوئی۔ اس کا نام فقہ حنفی ہے۔ مشہور اور مسلم مقولہ ہے کہ قوجہہ فافهمن (؟) ضیاء وچراغ تاریکی میں چمکتا ہے۔ دوسرے ادیان کو دیکھو آپ کو ایک جزء بھی طہارت، عبادات، معاملات، سیاسیات، معیشت، معاشرت کی جزئیات پر نہیں ملے گا۔ ہر طرف ظلمات بعضہا فوق بعض کی طرح نہ ختم ہونے والی تاریکی ہے۔ لیکن اسلام میں ایک ایک کتاب کے سینکڑوں صفحات ملیں گے۔ جن میں ہزاروں جزئیات ہوں گی۔ آپ کوئی ٹیڑھی سے ٹیڑھی اور پیچیدہ سے پیچیدہ صورت مسئلہ بنا کر پیش کریں۔ مفتی صاحبان اصول شریعت سے اس کا حکم آپ کو بتا دیں گے۔
یہ خیر الفتاویٰ کی پانچویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ عبادات سے متعلق نہیں، معاملات سے متعلق ہے۔ اور تمام معاملات بھی نہیں صرف طلاق کے مسائل پر مشتمل ہے، جو معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ آپ دنیا بھر کی لائبریریوں کی سیر کر لیں۔ عیسائی، یہودی، ہندو، بدھ مت، جین مت جیسے دین کے دعوے داروں کے ہاں تلاش کریں۔ اس جلد کا سوواں حصہ بھی کسی مذہب میں طلاق کی جزئیات نہیں ملیں گی۔
حضرات مجتہدین اور مفتیان کرام پورے دین کے محافظ اور پہرے دار ہیں۔ اور تفصیل وتشریح بھی فرماتے ہیں۔ جامعہ خیر

الاقوامی یونیورسٹی ہے۔ اس جامعہ کے بانی عارف کامل جامع بین الشریعہ والطریقہ استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ تھے۔ خالق کائنات نے رنگا رنگ مخلوق پیدا فرمائی۔

ع اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ان میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور اس میں دو قسم کی شہوت رکھ دی۔ ایک شہوت بطن، دوسری شہوت شرم گاہ۔ شہوت بطن بقاء اصل کے لئے ہے۔ تاکہ انسان کو بھوک لگے۔ وہ کھانا کھائے اور اس مشینری کے چلنے کے لئے خون کا پٹرول پیدا ہوتا رہے۔ اور شہوت شرمگاہ بقائے نسل کے لئے ہے۔

تورات اور طلاق

تورات میں ہے: ''اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے۔ اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔ پھر اگر دوسرا شوہر بھی اس سے ناخوش رہے اور اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دوسرا شوہر جس نے اس سے بیاہ کیا ہو مر جائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے اسے نکال دیا تھا، اس عورت کے ناپاک ہو جانے کے بعد پھر اس سے نکاح نہ کرنے پائے۔ کیونکہ ایسا کام خداوند کے ہاں مکروہ ہے۔ (استثناء ۲۴: ۱-۴) دیکھئے یہاں نہ طلاق کی تعداد متعین ہے اور نہ ہی طلاق کی کوئی عدت ہے جس میں دونوں کو سوچ بچار کا موقع ہو۔ یہ اور دیگر واجب ان کو سمجھ سکیں۔

انجیل اور طلاق

اور فریسیوں نے پاس آکر اسے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کیا یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے؟ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو کیا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تمہارے لئے یہ حکم لکھا تھا۔ لیکن خلقت کے شروع سے اس نے انہیں مرد اور عورت بنایا۔ اسلئے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس کی بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔'' (مرقس ۱۰: ۲-۱۲) جناب یسوع نے طلاق کا جواز ہی ختم کر دیا۔

اسلام اور طلاق

یہود کے ہاں طلاق پر کوئی پابندی نہیں اور عیسائیوں کے ہاں طلاق جائز ہی نہ تھی۔ اسلام نے طلاق کو نہایت ناپسندیدہ تو

فرمایا، بوقت ضرورت اس کو حلال بھی فرمایا۔ مگر یہ پابندی لگادی کہ مرد کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق کا حق ہے۔ جب اس نے تین کی گنتی پوری کردی تو اب اسے رجوع کا تو حق کیا ہوتا اس عورت سے نکاح کا بھی حق نہیں ہے۔

دورِ نبوی

دورِ نبوی میں حضرت ابو رکانہؓ، حضرت رفاعہ قرظیؓ، حضرت عبادہؓ کے والد نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی حکم کے مطابق یہی فرمایا کہ اب تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے، جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کریں۔ ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی مدخولہ عورت کو طلاق ہوئی ہو۔ اور اسے تین طلاق کہا گیا ہو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بیوی کو رکھنے کی اجازت دی ہو۔

دورِ صدیقی

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیکر صداقت حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بلا فصل بنے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی ایک واقعہ پیش نہیں کیا جاسکتا کہ کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا ہو تجھے تین طلاق اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم بیوی کو پھر رکھ لو۔

دورِ فاروقی

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے دور سے تیسرے سال مسائل شرعیہ کے بارہ میں بھی اعلانات فرمائے۔ آپؓ نے حرمت متعہ کے حکم کا تاکیدی اعلان فرمایا۔ اور یہ کہ جس عورت کو کہا جائے تجھے تین طلاق وہ تین ہی شمار ہوں گی، اور بیس رکعت تراویح باجماعت پر لوگوں کو جمع فرمایا، اور کسی ایک شخص نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ کتاب وسنت کے ان احکام پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔

دورِ عثمانی

حضرت عثمانؓ یا ان کے دورِ خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم رجوع کرلو اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

دورِ مرتضوی

اور دورِ مرتضوی میں ایک بھی نام نہیں لیا جاسکتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق یا سو طلاق وغیرہ کہا ہو اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا ان کی خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے۔ تم پھر بیوی کو رکھ لو۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ نے خود اپنی بیوی کو غصہ میں فرمایا کہ تجھے تین طلاق۔ پھر آپ اس پر پریشان ہوئے مگر کہیں سے یہ فتویٰ نہ مل سکا کوئی مفتی نہ تھا جو یہ فتویٰ دیتا کہ جب آپ دونوں مل بیٹھنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کرلیں۔

دور تابعین

رافضیوں نے ایک شرارت کی۔ ایک بوڑھے کو کہا کہ تو یہ حدیث لوگوں کو سنایا کر کہ حضرت علیؓ کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی دفعہ تین طلاق دے تو اس کو ایک قرار دیا جائے گا۔ وہ بوڑھا خفیہ خفیہ بیس سال تک اس کو بیان کرتا رہا۔ حضرت امام اعمشؒ کو اس کی بھنک لگی تو فوراً اس بوڑھے کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کیا۔ اس طرح پہلی صدی میں رافضیت کا یہ تیر نہ چل سکا۔ اور کوئی حرام کو حلال نہ کر سکا۔ دور تابعین ۱۵۰ھ تک ہے۔ اسی دور میں ۱۲۵ھ سے ۱۵۰ھ تک مذہب حنفی مدون ہو گیا۔ جو کتاب وسنت کی پہلی جامع اور مکمل تعبیر و تشریح تھی۔ اور یہ مذہب اس دور میں تواتر سے پھیل گیا۔ اور آج تک متواتر ہے۔ اس میں بھی ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا۔ اور ایک آواز بھی کسی صحابی یا تابعی کی طرف سے اس کے خلاف نہ اٹھی۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں واضح الفاظ میں تحریر فرما رہے ہیں: لا اختلاف فیہ۔ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

دور تبع تابعین

یہ دور ۲۲۰ھ تک ہے۔ اسی دور میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذاہب مدون ہوئے۔ ان تینوں مذاہب میں بھی بالاتفاق یہی مسئلہ لکھا گیا کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

تیسری صدی

اب مذاہب اربعہ کا چلن عام تھا۔ اگر کوئی صاحب ہمت کر کے تاریخ کے کسی مستند حوالہ سے ایسا آدمی تلاش کر دیں تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپے انعام دیں گے۔ اس دور میں بھی مذاہب اربعہ کا ہی چلن تھا کہ ایسی عورت سے رجوع کا کوئی حق نہیں۔ اسی صدی میں مسند امام احمد، دارمی، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتب حدیث مدون ہوئیں۔ ان میں سے کسی ایک محدث نے بھی مذاہب اربعہ کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا۔

چوتھی صدی

اہل سنت مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرتے تھے۔ جو اس علاقے میں وہاں کے علماء سے متواتر ہوتا، خواہ وہ فقیہ ہو یا قاضی، محدث ہو یا مفسر۔ اس صدی کے تقریباً ۱۲۴ جلیل القدر محدثین کا تذکرہ ذہبی نے کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک بھی سنی محدث کے بارے میں کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ غیر مقلد تھا۔ اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیتا تھا۔

پانچویں صدی

اس صدی کے ممتاز علماء سب کے سب مذاہب اربعہ میں سے کسی کے مقلد تھے۔ امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ جلد ہفتم میں تین طلاق کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے لیکن مذاہب اربعہ کے اجماعی مسئلہ طلاق ثلاثہ کے خلاف ایک فقرہ بھی کسی کی زبان قلم پر نہ آیا۔

چھٹی صدی

اس صدی میں بھی تمام عالم اسلام کے اہل سنت والجماعت فقہاء اور محدثین مذاہب اربعہ ہی میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔

ساتویں صدی

یہ دور بھی اسلامی ترقی و عروج کا دور تھا۔ علم و عمل اور اخلاص کا دور دورہ تھا۔ فقہاء کی گرفت مضبوط تھی۔ امام طریقت قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری۔

سعودی علماء کرام کی سپریم کونسل کا فیصلہ

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے حرمین شریفین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے۔ جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے، بلکہ خود بادشاہ (سعودی) بھی اس کا پابند ہے۔ اس مجلس میں "طلاق ثلاثہ" کا مسئلہ پیش ہوا۔ مجلس نے اس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی سینتالیس (۴۷) کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد صاف اور واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ "ایک مجلس میں ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں۔" بحث ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ میں ہوئی تھی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس مجلس میں سترہ اکابر علماء موجود تھے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) الشیخ عبدالعزیز بن باز (۲) الشیخ عبداللہ بن حمید (۳) الشیخ محمد الامین الشنقیطی (۴) الشیخ سلیمان بن عبید (۵) الشیخ عبداللہ خیاط (۶) الشیخ محمد الحرکان (۷) الشیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ (۸) الشیخ عبدالرزاق عفیفی (۹) الشیخ عبدالعزیز بن صالح (۱۰) الشیخ صالح بن غصون (۱۱) الشیخ محمد بن جبیر (۲) الشیخ عبدالمجید حسن (۱۳) الشیخ راشد بن خنین (۱۴) الشیخ صالح بن لحیدان (۱۵) الشیخ [illegible] (۱۶) الشیخ عبداللہ بن غدیان (۱۷) الشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع و دیگر علماء کرام اس میں شریک تھے۔

ان حضرات نے قرآن و حدیث اور اجماع کی روشنی میں اپنے اکثریتی فیصلے میں یہی قرار دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

قرآن کریم کی تین آیات، صریح ستائیس احادیث مرفوعہ و موقوفہ اور اتفاق جمہور اور سلف صالحین کی تمام تصریحات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مدخول بہا پر ایک مجلس کی تین طلاقیں، تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ سلف صالحین میں کوئی بھی قابل اقتداء ایسی شخصیت نہیں ہے جو اس کے خلاف کی قائل ہو۔ چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَلَا مِنَ التَّابِعِيْنَ وَلَا مِنْ اَئِمَّةِ السَّلَفِ الْمُعْتَدِّ بِقَوْلِهِمْ فِي الْفَتَاوىٰ فِي الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ شَيْءٌ صَرِيْحٌ فِي اَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ بَعْدَ الدُّخُوْلِ يُحْسَبُ وَاحِدَةً اِذَا سِيْقَ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ ذَكَرَهُ ابْنُ عَبْدِ الْهَادِي عَنِ ابْنِ رَجَبٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ. (رسالہ "الطلاق ثلاث" ص ۲۲)

گزشتہ صفحات میں جو دلائل و احادیث ذکر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں ہم یہاں پر ان حضرات کی مختصر فہرست ذکر

کرنا چاہتے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے قائل ہیں۔

حق جل شانہٗ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت انسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت ابو قتادہؓ، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ، حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، حضرت مکحول رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ، حضرت امام شعبی رحمہ اللہ، امام زہری رحمہ اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ، حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ، حضرت مصعب بن سعید رحمہ اللہ، حضرت ابو مالک اور حضرت عبداللہ بن شداد رحمہما اللہ، حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ، حضرت امام جعفر صادقؒ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ، حضرت مروان بن الحکم رحمہ اللہ، حضرت سلیمان بن اعمش کوفی رحمہ اللہ، اور حضرت مسروق رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ، امام قاضی ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، حضرت امام اوزاعی وسفیان ثوری واسحاق ونووی وبخاری رحمہم اللہ ودیگر علماء وفقہائے امت۔

اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق نقل کرنیوالے حضرات کے اسماء گرامی

امام بخاری رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ، ملا علی قاری رحمہ اللہ، امام قرطبی رحمہ اللہ، شیخ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ، شیخ ابوبکر رازی المعروف بالجصاص رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فی اعلاء السنن، قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ، شیخ عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ فی کتاب المغنی سید عبداللہ بن مظفر حسین محدث بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ، علامہ ابن رشد وعلامہ محمد امین المعروف بابن عابدین وشیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید المعروف بابن ہمام الحنفی رحمہ اللہ، شیخ محمود بن صدر الشریعہ وعبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ وشیخ محمد امین الشنقیطی رحمہم اللہ ومفتی تقی عثمانی صاحب مصنف تکملۃ فتح الملہم، علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی ودیگر فقہائے امت۔

حضرات علماء کرام نے ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کے نفاذ والے مسئلے کو ان مسائل اجماعیہ میں شامل کیا ہے۔ جس کے خلاف قضاء قاضی بھی نافذ نہیں ہے، بلکہ قاضی کا اس کے خلاف کیا ہوا فیصلہ ایسے ہی ناقابل قبول ہوگا جیسے صریح قرآن وسنت یا اجماع امت کے خلاف قاضی کا فیصلہ مردود قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے:

"وَلَا حَاجَةَ إِلَى الْاِشْتِغَالِ بِالْأَدِلَّةِ عَلَىٰ رَدِّ قَوْلِ مَنْ أَنْكَرَ وُقُوعَ الثَّلَاثِ جُمْلَةً لِأَنَّهُ مُخَالِفٌ

بِالْإِجْمَاعِ كَمَا حَكَاهُ فِي الْمِعْرَاجِ وَلِذَا قَالُوا لَوْ حَكَمَ حَاكِمٌ بِأَنَّ الثَّلَاثَ بِفَمٍ وَاحِدٍ وَاحِدَةٌ لَمْ يَنْفُذْ حُكْمُهُ لِأَنَّهُ خِلَافٌ لَا اِخْتِلَافٌ." (بحر الرائق ص ۲۵۷ ج ۳)

کہ اگر قاضی یا حاکم اس اجماع کے خلاف فیصلہ کردے تو وہ نافذ نہیں ہوگا کیونکہ یہ خلاف ہے نہ کہ اختلاف۔

تفصیل بالا کے مطالعہ کے بعد ان تمام حضرات کو اس میں شبہ نہیں رہنا چاہئے کہ یہ مسئلہ متفق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

گزشتہ صفحات میں قرآن و سنت آثار صحابہ و تابعین فقہائے کرام و ائمہ مجتہدین مفسرین و محدثین اور اجماع امت کی تصریحات سے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ (نیت تاکید کی صورت زیر بحث نہیں) اس مسئلہ کے اثبات کے لئے دلائل بالاصرف کافی ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اوپر ہے۔ (خیر الفتاویٰ جلد ۵ ص ۲۵۰)

حکم الطلاق الثلاث بلفظ واحد

ھیئۃ کبار العلماء حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے علماء حرمین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے بلکہ خود بادشاہ (سلمہ اللہ) بھی اس کا پابند ہے۔ اس مجلس میں "طلاق ثلاث" کا مسئلہ پیش ہوا مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی سینتالیس کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد بالاتفاق واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ

ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں

یہ پوری بحث اور متفقہ فیصلہ حکومت سعودیہ نے زیر نظر رسالہ میں شائع کیا ہے۔ غیر مقلدین اکثر مختلف فیہ مسائل میں اہل حرمین کے عمل کو بطور حجت پیش کیا کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ بھی علماء حرمین کا ہے اس لئے تمام امت مسلمہ کیلئے ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں

قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں

(فتاویٰ رحیمیہ کے صفحہ نمبر ۳۳۰ تا ۳۹۶ سے اقتباسات)

یہ کہنا کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے قطعاً غلط اور گمراہ کن ہے۔ قرآن، احادیث اور اجماع صحابہ، علماء سلف، فقہاء، مشائخ اور ائمہ مسلمین حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم بزرگان دین کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے۔

تین طلاقوں کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر نکاح درست نہیں اور آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، دونوں زانی اور بدکار سمجھے جائیں گے۔

ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کے بعد تیسری کہاں مذکور ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا "اَلتَّسْرِیْحُ بِاِحْسَانٍ ھُوَ الثَّالِثَۃُ" تسریح باحسان یہی تیسری طلاق ہے (روح المعانی بحوالہ ابوداؤد)

اور قرآن مجید میں بھی "مرتان" کا لفظ "اثنان" کے معنی میں استعمال ہوا ہے ارشاد ربانی ہے نُؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ (سورۃ احزاب پ ۲۲) اور قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، اس اصول کے پیش نظر اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ میں بھی یہی معنی لینا مناسب ہیں چنانچہ یہی معنی امام بخاریؒ نے بھی سمجھے ہیں اور اپنی مشہور کتاب صحیح بخاری میں یکبارگی طلاق ثلاثہ کے وقوع کے جائز ہونے پر مستقل باب قائم کیا ہے اور ترجمۃ الباب میں اسی آیت کو ذکر کیا گیا ہے۔

طلاق تو مرد کا حق ہے جسے وہ نکاح کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اسے وہ الگ الگ استعمال کرے یا دفعۃً استعمال کر ڈالے، جب اور جیسے بھی استعمال کرے گا وہ حق ختم ہو جائے گا، اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ اپنے تین روپوں کو تین مختلف وقتوں میں خرچ کریں یا ایک ہی وقت میں سودا خرید ڈالیں دونوں صورتوں میں روپے آپ کی ملک سے خارج ہو جائیں گے۔

محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دیدی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غضبناک ہو کر تقریر فرمائی کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ غصہ دیکھ کر ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اسے قتل نہ کر دوں؟۔ (نسائی شریف)

حضرت حسن کا بیان ہے کہ ہم سے حضرت ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو حالت حیض میں ایک طلاق دیدی پھر ارادہ کیا کہ دو طہروں میں بقیہ طلاقیں دیدیں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اس طرح اللہ نے تم کو حکم نہیں کیا ہے، تم نے سنت طریقہ کے خلاف کیا (کہ حالت حیض میں طلاق دیدی) سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کا انتظار کیا جائے اور ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے رجوع کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ میں نے رجوع کر لیا پھر فرمایا جب وہ پاک ہو جاوے تو تم کو اختیار ہے چاہو تو طلاق دیدینا یا اس کو روکے رکھنا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لئے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ حضور نے فرمایا نہیں اس صورت میں بیوی تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا۔ (دارقطنی ص ۴۳۸ ج ۲)

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب اس شخص کے متعلق فتویٰ دریافت کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاق دی ہوتی (تو رجوع کر سکتا تھا) اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اس کا (یعنی رجعت کا) حکم دیا تھا اور اگر تین طلاق دیدے تو عورت حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے (اور دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہو جائے تو عدت گذرنے کے بعد پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائیگی) (بخاری شریف)

مسلم شریف میں بھی آپ کا فتویٰ منقول ہے: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ اِذَا سُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ لِاَحَدِهِمْ اَمَّا اَنْتَ طَلَّقْتَ

اِمْرَأَتَکَ مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِیْ بِھٰذَا وَاِنْ کُنْتَ طَلَّقْتَھَا ثَلاَثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَیْکَ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَکَ وَعَصَیْتَ اللّٰہَ فِیْمَا اَمَرَکَ مِنْ طَلاَقِ اِمْرَأَتِکَ۔ (مسلم شریف)

(سنن دار قطنی ص ۴۲۸ ج ۱)(بیہقی ص ۳۳۶ ج ۷) اس کی سند کے متعلق ابن رجب فرماتے ہیں "اسنادہ صحیح کہ اس کی سند صحیح ہے (بحوالہ کتاب الاشفاق) اس روایت کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔

عویمرؓ نے اپنی اہلیہ کو حضور کے سامنے تین طلاقیں دیدیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نافذ فرما دیا (تین کو ایک قرار نہیں دیا) (ابوداؤد شریف ص ۳۱۲ ج ۱)

عامر شعبی کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیسؓ سے کہا کہ اپنی طلاق کا قصہ مجھ سے بیان کیجئے انہوں نے کہا میرے شوہر یمن گئے ہوئے تھے وہیں سے انہوں نے مجھ کو تین طلاقیں بھیج دیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تین طلاقوں کے واقع ہوجانے کا فتویٰ دیا۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں ایک ہی وقت میں دی تھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تین ہی کر دیا تھا۔ علامہ ابن حزم نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے اور جن روایتوں سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے ان کا جواب دیا ہے۔ (محلی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کے متعلق سنا کہ انہوں نے "طلاق البتہ" دی ہے (لفظ البتہ سے ایک طلاق مراد ہوتی ہے اور تین طلاقوں کی بھی نیت ہو سکتی ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کھیل اور مذاق بناتے ہیں جو کوئی طلاق البتہ دیگا ہم اس کے ذمہ تین لازم کر دیں گے (پھر وہ عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی) یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے)۔ (دار قطنی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا چاہے ایک طلاق دے یا دو طلاقیں یا تین طلاقیں دے گا تو ہم وہ اس پر لازم کر دیں گے۔ (دار قطنی)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے اپنی زوجہ کو ہزار طلاقیں دے ڈالیں، حضرت عبادہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی بیوی تین طلاقوں سے بائنہ ہو گئی اور باقی نوسو ستانوے ظلم اور عدوان ہوئیں اللہ چاہے تو اس ظلم کی سزا دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔ (طبرانی)

صفوان بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک عورت کو خاوند ناپسند تھا (ایک مرتبہ) اس کو سوتا ہوا پا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے سینے پر رکھ کر کہنے لگی کہ مجھے تین طلاقیں دیدے ورنہ تجھے ذبح کر دوں گی، خاوند نے قسم دی کہ میں تجھے بعد میں طلاق دیدوں گا لیکن اس نے انکار کر دیا (مجبور ہو کر اس نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "طلاق میں چشم پوشی نہیں ہوتی۔" (اعلام السنن ص ۸۱۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ میں جب انت طالق، انت طالق،

انت طالق کہا جاتا تو عموماً لوگوں کی دوسری اور تیسری طلاق سے تاکید کی نیت ہوتی استیناف کی نیت نہ ہوتی تھی اور اس زمانہ میں لوگوں میں تدین اور تقویٰ، خوف آخرت اور خوف خدا غالب تھا دین کی نظر روغ بیانی کا خطرہ تک دل میں نہ آتا تھا آخرت میں جوابدہی اور آخرت کے عذاب کا اتنا استحضار رہتا کہ مجرم بذات خود حاضر ہوکر اپنے جرم کا اقرار کرتا اور اپنے اوپر شرعی حد جاری کرنے کی درخواست کرتا اس بناء پر ان کی بات پر اعتماد کرکے ایک طلاق کا حکم کیا جاتا اسی اعتبار سے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں، مگر جیسے جیسے عہد نبوی سے بعد ہوتا گیا اور بکثرت عجمی لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے ان میں تقویٰ وخوف آخرت کا معیار کم ہونے لگا اور پہلے جیسی سچائی، امانت داری اور دیانت داری نہ رہی دنیا اور عورت کی خاطر دروغ بیانی ہونے لگی جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے۔

حضرت عمرؓ کے پاس عراق سے ایک سرکاری خط آیا کہ یہاں ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ جملہ کہا ہے حبلک علی غاربک (تیری رسی تیری گردن پر ہے) عمر بن خطابؓ نے اپنے عامل کو لکھا کہ اُنْ مُرْهُ اَنْ يُوَافِيَنِي بِمَكَّةَ فِي الْمَوْسِمِ "اس کو کہو کہ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں مجھ سے ملے۔ حضرت عمرؓ حج کے زمانہ میں کعبہ کا طواف کر رہے تھے اس آدمی (عراقی) نے آپ سے ملاقات کی اور سلام کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا من انت تم کون ہو؟ اس نے کہا اَنَا الرَّجُلُ الَّذِي اَمَرْتَ اَنْ اُجْلَبَ عَلَيْكَ میں وہی ہوں جس کو آپ نے حج کے زمانہ میں طلب فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے رب کعبہ کی قسم بتا "حبلك على غاربك" سے تیری کیا نیت تھی؟ اس شخص نے کہا "يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَوِ اسْتَحْلَفْتَنِي فِي غَيْرِ هٰذَا الْمَوْضِعِ مَا صَدَقْتُكَ اَرَدْتُ بِهٰذَا الْفِرَاقَ" اے امیر المومنین آپ نے اگر اس مبارک جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ قسم لی ہوتی تو میں سچ نہ بتاتا حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس جملہ سے فراق کا یعنی عورت کو اپنے نکاح سے الگ کرنے کا ارادہ کیا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا عورت تیرے ارادے کے مطابق تجھ سے علیحدہ ہو گئی۔ (موطا امام مالک ص ۲۰۳ باب ماجاء فی الخلیۃ والبریۃ واشباہ ذلک)

آپ نے اس چور دروازے کو بند کرنے کیلئے فیصلہ کیا کہ لوگوں نے ایسی چیز میں جلد بازی شروع کر دی جس میں انہیں مہلت کرنا چاہیے تھی اب جو شخص تین مرتبہ طلاق دے گا ہم اسے تین ہی قرار دیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا اور کسی ایک نے بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت نہ کی۔ چنانچہ امام طحاویؒ لکھتے ہیں:۔

حضرت عمرؓ نے جب اس کے ساتھ سب لوگوں کو خطاب کیا ان میں وہ صحابہ کرامؓ بھی تھے جو اس بات سے واقف تھے کہ مطلقہ ثلاث کا عہد نبوی میں کیا حکم تھا پھر بھی ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور حضرت عمرؓ کے ارشاد کو رد نہیں کیا۔ (طحاوی شریف)

محقق علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں۔ لَمْ يُنْقَلْ عَنْ اَحَدٍ مِنْهُمْ اَنَّهُ خَالَفَ عُمَرَ حِيْنَ اَمْضَى الثَّلَاثَ وَهُوَ يَكْفِيْ فِي الْاِجْمَاعِ۔ یعنی کسی ایک صحابی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں تین طلاق کا فیصلہ کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمرؓ کا خلاف کیا ہو اور اتنی بات اجماع کیلئے کافی ہے۔ (حاشیہ ابوداؤد)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے اس جملہ کا استعمال بکثرت شروع کر دیا اور عموماً ان کی نیت طلاق کے دوسرے اور

تیسرے جملہ سے استیناف ہی کی ہوتی تھی اسلئے اس جملہ کو جب کوئی استعمال کرتا تو عرف کی بنا پر تین طلاقوں کا حکم کیا جاتا۔ (نووی شرح مسلم)

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں یعنی حضرت ابن مسعود، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے اکٹھی تین طلاقوں کو لازم کرنا بے شک وشبہ ثابت ہے (اغاثۃ اللہفان ص ۱۹۶) اور ایسا ہی اعلام الموقعین میں بھی ہے۔

حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں: صحابہ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی شرعی اور دینی کا حکم محض اپنی طرف سے قائم وجاری نہیں کرتے تھے۔ (مجموعہ فتاویٰ نذیریہ)

(۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ اِذَا اُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ اَوْجَعَهُ ضَرْبًا وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱ ج ۵)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ اس کو سزا دیتے اور دونوں میں تفریق کر دیتے۔"

(۲) زید بن وہب فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں، پس حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیا تو نے اتنی طلاقیں دی ہیں؟ اس نے کہا میں تو مذاق کر رہا تھا حضرت عمرؓ نے اسے درے سے سزا دی اور فرمایا کہ تجھ کو ایک ہزار میں صرف تین کافی تھیں۔ (محلی ابن حزم)

(۳) حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک سرکاری خط لکھا اس میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا: وَمَنْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَهِيَ ثَلَاثٌ۔ جو شخص یوں کہے "تجھے تین طلاق" تو تین واقع ہوں گی۔ (سنن سعید بن منصور)

خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

یعنی: معاویہ ابن ابی یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دی ہیں آپ نے جواب دیا: "بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ"

تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہو گئی۔ (محلی ابن حزم ص ۱۰ بنایہ ج ۳)

خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آثار

(۱) رَوَى وَكِيعٌ عَنْ حَبِيبِ بْنِ اَبِي ثَابِتٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ قَالَ اِنِّي طَلَّقْتُ امْرَاَتِي اَلْفًا فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ۔ (محلی)

حبیب ابن ابی ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے عورت تجھ سے بائنہ ہو گئی۔

علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں حضرت علیؓ کا یہی مسلک بیان کیا ہے کہ وہ طلاق ثلاثہ کے وقوع کے قائل تھے۔ (نیل الاوطار)

درحقیقت یہ نہایت نادانی اور کجروی ہے کہ جو جماعت امت اور اس کے رسول کے درمیان واسطہ ہے جو اس کے اقوال و افعال ہم تک پہنچانے والی ہے اسی پر اعتماد نہ کیا جائے، اگر خدا کا رسول خود اپنی حیات میں ان پر اعتماد کر چکا ہے، بادشاہوں اور قبائل کفار سے گفت و شنید انہی کی معرفت کی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ امت ان پر اعتماد نہ کرے۔ ایک عالم گیر دین جس جماعت سے نکلا ہے اگر وہی جماعت نا قابل اعتماد ہے تو پھر آئندہ اس دین کا خدا حافظ۔

اسی اہمیت کے پیش نظر حدیث میں فرقہ ناجیہ کی علامت "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي" بتلا کر صحابہ کرام کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دیدی گئی ہے، جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ خدا تعالیٰ کے طریقے سے علیحدہ نہیں ٹھیک اسی طرح صحابہ کرام کی سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے الگ نہیں اس لئے فرقہ ناجیہ کی بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ان دونوں طریقوں کی جو درحقیقت ایک ہی ہیں اپنے اپنے مرتبہ میں بزرگی اور احترام کی قائل ہو، بلکہ اس پر کاربند بھی ہو، خوارج نے صرف سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیا اور صحابہ کی ایک جماعت کو کافر ٹھہرایا یہی ان کے ناحق ہونے کی کھلی علامت ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ ثقفی قریش کی جانب سے شرائط صلح پر گفتگو کرنے کیلئے آئے ہیں تو جن الفاظ میں صحابہ کرام کی وفاداری کا نقشہ انہوں نے قریش کے سامنے کھینچا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک کافر کے قلب پر اس کا کتنا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ کہتا ہے:

"میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو والہانہ عقیدت کا منظر یہاں دیکھا کہیں نہیں دیکھا، جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات کرتے ہیں تو گردنیں جھک جاتی ہیں اور محفل پر ایک سکوت کا عالم طاری ہو جاتا ہے نظر بھر کر کوئی شخص ان کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ آپ کے وضو کا پانی اور آپ کا بلغم زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ وہ اسے ہاتھ لے لیتے ہیں اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔"

صحابہ کرام کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے (بعد کتاب اللہ کے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی سنت تلاش کیا کرتے تھے اگر وہ نہ ملتی تو اس کے بعد اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتے اور اگر بعد بھی آپ کی سنت ہاتھ آجاتی تو اسی کی اتباع کرتے اور اپنے قول سے رجوع کر لیتے۔ ایک واقعہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا جہاں کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ سنا ہو اور اس کے ثبوت کے بعد پھر اس کے خلاف فیصلہ کرنے کا اپنے دل میں خطرہ بھی محسوس کیا ہو۔

اس لئے موجودہ مسئلہ میں صحابہ کے فتاویٰ کیا ہیں۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد اتنی بات بخوبی ثابت ہو جائے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ بھی یہی ہے۔

سہل بن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چھ حضرات فتویٰ کا کام کرتے تھے تین مہاجرین میں سے اور تین انصار میں سے۔ (۱) عمر فاروقؓ (۲) عثمان بن عفانؓ (۳) علی مرتضیٰؓ۔ (۴) ابی بن کعبؓ (۵) معاذ بن جبلؓ (۶) زید بن ثابتؓ۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور مسروق بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام کا علم انہی چھ حضرات

پرختم ہوتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تھی تو انہی چھ حضرات فتویٰ میں مرجع خلائق سمجھے جاتے تھے۔ پھر فاروق اعظم کے عہد میں بھی یہی صورت باقی رہی کہ فتویٰ انہیں حضرات کا چلتا تھا۔ (طبقات ابن سعد)

اب صحابہ کرام کے فتاویٰ پیش کیے جاتے ہیں: مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

شریک بن ابی نمر سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو عرفج کے درختوں کے برابر طلاقیں دیدی ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان میں سے تین لے لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

مسروق اور علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جس نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دی تھی (اور ایک دوسرے شخص سے جس نے اپنی عورت کو ننانوے طلاقیں دی تھیں) فرمایا کہ تین طلاقوں سے بیوی جدا ہو گئی اور بقیہ طلاقیں ظلم، عدوان اور زیادتی ہیں۔ (ایضاً)

حضرت علی، حضرت عبداللہ اور حضرت زید کا فتویٰ

علقمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین یہ تینوں حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غیر مدخولہ منکوحہ کو تین طلاقیں ایک لفظ سے (انت طالق ثلاثا، تجھے تین طلاق) دیدی تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور عورت شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اگر الگ الگ لفظوں سے طلاق دے تو پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت عبداللہ بن مسعود کا فتویٰ

علقمہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن مسعودؓ سے آکر کہا میں نے اپنی بیوی کو ننانوے طلاقیں دیدیں، میں نے مسئلہ دریافت کیا تو مجھے جواب ملا کہ عورت مجھ سے جدا ہو گئی۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا ان لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ تم دونوں میں تفریق کردیں۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس نے یہ گمان کیا کہ شاید ابن مسعودؓ رخصت دیدیں گے (اور رجعت کا حکم دیدیں گے) ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ تین طلاقوں سے وہ تم سے جدا ہو گئی اور بقیہ طلاقیں ظلم اور زیادتیاں ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

ابن عباس سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی عورت کو ستاروں کی تعداد کے برابر طلاقیں دی ہوں تو آپ نے فرمایا اس نے سنت طریقہ کے خلاف کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (دارقطنی ص ۴۳۳ ج ۲)

ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا ابن عباس! میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں ایک ہی دفعہ دی ہیں کیا وہ مجھ سے تین طلاقوں سے الگ ہو جائے گی یا وہ ایک طلاق شمار ہو گی؟ آپ نے فرمایا تین طلاقوں سے عورت جدا ہو گئی اور بقیہ ستانوے تم پر وزر (بوجھ) ہیں۔ یہی فتویٰ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی ہے۔

ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے تین لے لو (کہ عورت کے حرام ہونے کیلئے تین ہی کافی ہیں اور مرد تین ہی طلاق کا مالک ہے) اور بقیہ ۹۹۷ چھوڑ دو۔ (مصنف عبدالرزاق)

عطاء فرماتے ہیں ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ فرمایا تم جیسے لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ گندگی سے پوری طرح آلودہ ہو جاتے ہو پھر ہمارے پاس آتے ہو۔ چلے جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تم پر تمہاری بیوی حرام ہو گئی تاوقتیکہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (کتاب الآثار)

حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو کا فتویٰ

محمد بن ایاس فرماتے ہیں کہ ابن عباس، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین سے سوال کیا گیا کہ غیر مدخولہ کو اس کا شوہر (مجتمعاً) تین طلاقیں دیدے تو کیا حکم ہے؟ ان تینوں حضرات نے متفقہ طور پر فرمایا کہ وہ عورت اس مرد کیلئے حرام ہو گی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ (ابوداؤد)

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کسی ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو آپ جواب دیا کرتے اگر ایک بار یا دو بار طلاق دی ہوتی (تو رجعت کر سکتا تھا کیونکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اسی کا (رجعت کا) حکم دیا تھا لیکن اگر تین طلاقیں دیدی ہیں تو وہ حرام ہو گی جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدے تو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور عورت اس سے جدا ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

ابن عمرؓ فرماتے ہیں جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدے تو وہ مطلقہ ہو جائے گی اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ (مصنف عبدالرزاق)

عبداللہ بن عمرؓ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو اپنی عورت کو سو طلاقیں دیدے تو آپ نے فرمایا تین طلاقیں عورت کو مرد سے جدا کر دیں گی اور بقیہ زیادتی ہیں۔ (طحاوی شریف)

حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا فتویٰ

معاویہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس، ابو ہریرہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے (اس عورت کے متعلق جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) فرمایا کہ اب وہ عورت شوہر کیلئے حلال نہیں جب تک دوسرا نکاح نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دی ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ اب اس شوہر کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ نکاح کرے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا اثر

طارق فرماتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہوں تو آپ نے جواب دیا کہ تین طلاقوں نے عورت کو شوہر پر حرام کر دیا اور بقیہ ستانوے فاضل اور بیکار ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا اثر

عمران بن حصین سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی ہو تو آپ نے فرمایا اس نے گناہ کا کام کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر

شقیق فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ اس شخص کے متعلق جو صحبت سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے فرماتے تھے یہ تین طلاقیں ہیں اب وہ عورت اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ اور حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسا شخص لایا جاتا تو آپ اس کو سزا دیتے۔ (سنن سعید بن منصور)

شریح رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قاضی تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد سے لے کر حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد تک برابر قاضی رہے، بڑے بلند پایہ تابعی ہیں۔

شعبی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے شریح سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں، قاضی شریح نے فرمایا عورت تین طلاقوں سے تم سے جدا ہو گئی باقی ستانوے اسراف اور معصیت ہیں۔

مغیرہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور صحبت سے قبل ہی تین طلاقیں دیدے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر ایک جملہ میں تین طلاقیں دی ہیں (یعنی اس طرح کہا ہے کہ "تجھے تین طلاق") تو عورت اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵)

امام شعبی فرماتے ہیں جو شخص اپنی زوجہ کو تین مرتبہ طلاق دینے کا اختیار دیدے اور عورت ایک ہی مرتبہ میں اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کر دے تو (تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ ارادہ کرے کہ اس کی بیوی بالکل اس سے علیحدہ ہو جائے وہ اس کو تین طلاقیں دیدے۔

ایک شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدی ہیں آپ نے فرمایا وہ عورت تم سے جدا ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حزم بن حزم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حسن بصری سے مسئلہ پوچھا کہ گذشتہ رات ایک شخص نے اپنی بیوی کو نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دیدی ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو گئی۔ (سنن سعید بن منصور)

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا اثر

حضرت امام جعفر صادق کا صریح فتویٰ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہو سکتی۔ عَنْ اَبَانِ تَغْلِبَ قَالَ سَأَلْتُ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَقَالَ بَانَتْ مِنْهُ وَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَقُلْتُ اَفْتَى النَّاسُ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ۔ (سنن دارقطنی ص ۴۴۳ ج ۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اثر

قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَوْ كَانَ الطَّلَاقُ اَلْفًا مَا اَبْقَتِ الْبَتَّةُ مِنْهُ شَيْئًا (موطا امام مالک)

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر مرد کو شریعت کی طرف سے ایک ہزار طلاقیں دینے کا اختیار دیا گیا ہوتا۔ اور کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ "البتہ" سے طلاق دیتا تو ایک بھی طلاق باقی نہ رہتی (ہزار واقع ہو جاتیں)۔ (سنن سعید بن منصور)

نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک بھی کلمہ واحدہ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (سنن سعید بن منصور)

مسروق فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی غیر مدخول منکوحہ کو تین طلاقیں دیدے تو اب وہ اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے سے نکاح کرے۔ فقط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (موطا امام مالک ص ۲۰۰)

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے تو مروان بن حکم اس کو تین طلاقیں قرار دیتے۔ (بحوالہ مجموعہ مقالات جلد اول)

تین طلاق کے بعد نکاح کی صورت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی کی (سابقہ) بیوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا میں (پہلے) رفاعہ کے پاس تھی (یعنی ان کے نکاح میں تھی) انہوں نے مجھے پکی طلاق دے دی (یعنی تین طلاق دے کر جدا کر دیا) ان کی عدت گزارنے کے بعد) میں نے عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔ (ان کو ازدواجی حقوق ادا کرنے کے قابل نہ پایا) ان کے پاس ایسی چیز ہے جیسے کپڑے کا پلو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ عورت کی بات سن کر سوال فرمایا کیا تم یہ چاہتی ہو کہ (اس سے طلاق لے کر عدت گزارنے کے بعد رفاعہ رضی اللہ عنہ سے دوبارہ نکاح کرو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں میں یہی چاہتی ہوں آپ نے فرمایا نہیں! (یہ نہیں ہو سکتا رفاعہ کے نکاح میں دوبارہ جانے کا کوئی راستہ نہیں) جب تک کہ تم اس دوسرے شوہر سے تھوڑی لذت حاصل نہ کر لو اور وہ تم سے تھوڑی لذت حاصل نہ کر لے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مرد کو تین طلاقیں دینے کا اختیار ہے لیکن تین طلاقیں دینا بہتر نہیں ہے، اگر کوئی ایسی صورت بن جائے کہ نباہ کا کوئی راستہ نہ رہے تو عورت کے پاکی کے زمانے میں ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، اگر پچھتاوا ہو تو عدت کے اندر رجوع کر لے، اگر عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو یہی ایک طلاق بائن ہو جائے گی اس کے بعد ہوش آ جائے تو آپس میں باہمی رضامندی سے دوبارہ نئے مہر پر نکاح کر لیں یہ ایسی بات ہے کہ جس پر عمل کرنے سے دقت اور مصیبت پیش نہیں آئے گی، لیکن اس کے برخلاف لوگ یہ کرتے ہیں بیک وقت بیک زبان میں اور ایک مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں، ایسا کرنے سے شرعاً تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور رجوع کا راستہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، تین طلاقوں کے بعد آپس میں بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا لہٰذا مرد کو چاہئے کہ وہ کسی مسلمان عورت سے نکاح کرے جس سے نباہ ہو سکے اور عورت کسی دوسرے مسلمان سے نکاح کرلے جس کے ساتھ گزارہ کی صورت بن سکے۔ جب تین طلاق ملنے والی عورت نے عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور اس شوہر نے میاں بیوی والا کام بھی کر لیا پھر طلاق دے دی یا وفات پا گیا تو عدت گزار کر پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے:

پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہوگی۔ (سورۂ بقرہ)

یعنی اگر دوسرے شوہر سے صرف نکاح ہو جائے اور نکاح کر کے طلاق دے دے یا مر جائے تو پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی تین طلاقوں کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہونے کی یہ شرط ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت سے میاں بیوی والا خاص کام بھی کرلے اس کے بعد طلاق دے دے یا وفات پا جائے اور عدت بھی گزر جائے۔ اسی شرط کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا قصہ مذکور ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت یا مرد کو یہ ترغیب دی جارہی ہے کہ کسی مسلمان سے خواہی نخواہی ضرور اس عورت کا نکاح کیا جائے پھر اس سے طلاق لی جائے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ دوسرے مرد سے نکاح ہو کر میاں بیوی والا کام ہو جانے کے بعد طلاق ہو جائے یا وہ مر جائے تو آپس کی رضامندی سے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اس کے بغیر دوبارہ نکاح کی صورت نہیں، چونکہ مرد نے تین طلاق دے کر قانون شریعت کی خلاف ورزی کی ہے اس لئے اسی عورت کے دوبارہ حاصل ہونے کے لئے بطور سزا یہ شرط عائد کی ہے۔ اس شرط میں جو ترکیب اور تفصیل مذکور ہے اس کو "حلالہ" کہتے ہیں۔

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص تین طلاقیں دے کر پچھتاتا ہے اور مفتی سے معلوم کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ دوبارہ نکاح کرنے کا بھی کوئی راستہ نہیں رہا الا یہ کہ کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح ہو اور حلالہ کی سب شرطیں پوری ہوں تو عورت سے ضد کرتا ہے کہ تو فلاں مرد سے نکاح کر لے حالانکہ وہ اب پہلے شوہر کی پابند نہیں رہی جس مسلمان مرد سے چاہے نکاح کرلے اور جتنے مہر پر کرے اسے اختیار ہے بلکہ اگر اس نے کسی مرد سے نکاح کر لیا اور اس نے طلاق دے دی یا مر گیا تب بھی عورت کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ پہلے شوہر سے نکاح کرلے۔

بالفرض اگر عورت اس بات پر راضی ہو جائے کہ عدت گزارنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرلے پھر حلالہ کی شرطیں پوری کرنے کے بعد شوہر اول سے نکاح کرنے پر رضامندی کا اظہار کردے تب بھی یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شخص سے یہ معاہدہ کیا جائے کہ تم اس عورت سے نکاح کرلو اور حلالہ کی شرط پوری کرکے چھوڑ دینا تاکہ شوہر اول سے نکاح ہو سکے ایسا معاملہ اور معاہدہ شرعاً ممنوع ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی محلل پر اور محلل لہ پر۔ (مشکوٰۃ شریف)

مُحَلِّلْ وہ ہے جو حلال کر کے دے یعنی جو اس شرط کو منظور کر کے نکاح کرے کہ وہ حلالہ کی شرط پوری کر کے چھوڑ دے گا اور محلل لہ وہ ہے جس نے تین طلاقیں دی تھیں یعنی شوہر اول جو یہ شرط لگا کر کسی سے اپنی طلاق دی ہوئی بیوی کا نکاح کرتا ہے کہ تم اس کو ایک دو رات رکھ کر چھوڑ دینا۔ دیکھئے دونوں پر لعنت فرمائی اس لئے حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا اور کرانا گناہ ہے۔ لیکن اس طرح شرط لگا کر کسی نے نکاح کرا دیا اور حلالہ کی شرط لگا کر کسی نے نکاح کرا دیا اور حلالہ کی شرطیں پوری ہو گئیں تو شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی یعنی وہ اس سے نکاح کر سکے گا جو عورت کی مرضی سے ہوگا۔ بات کو خوب سمجھ لیں۔

خلع کا طریقہ اور اسکے مسائل

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ امْرَاَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَّلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً. (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی (جمیلہ یا حبیبہ) حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ثابت بن قیس جو میرے شوہر ہیں مجھے ان کی عادات و خصائل اور دینداری کے بارے میں کوئی ناراضگی نہیں ہے (کیونکہ وہ دیندار بھی ہیں اور اخلاق کے بھی اچھے ہیں) اس سب کے باوجود میری طبیعت کا ان سے جوڑ نہیں کھاتا اور ان کے ساتھ رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس صورت میں اگر میں ان کے ساتھ رہوں تو ان کے حقوق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے کہ ایک اچھے آدمی کے ساتھ رہوں اور وہ اخراجات برداشت کرے اور اس کے حقوق کی ادائیگی نہ ہو یہ ناشکری کی بات ہے) لیکن میں مسلمان ہوتے ہوئے ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں (لہٰذا میری اور ان کی جدائی ہو جائے تو بہتر ہے) یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا (طلاق کے بدلہ) تم اس کا باغیچہ واپس کر دو گی (جو اس نے مہر میں دیا ہے) اس کے جواب میں انہوں نے کہا ہاں واپس کر دوں گی۔ آپ نے یہ سن کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم باغیچہ قبول کر لو (اور اس کے عوض) اس کو طلاق دے دو۔

تشریح: اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ اور معاہدہ عمر بھر کے لئے ہو اس کے توڑنے اور ختم کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ جدائی کا اثر فریقین ہی پر نہیں پڑتا بلکہ اس کی وجہ سے نسل و اولاد کی تباہی و بربادی ہوتی ہے اور بعض اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد و جنگ کی نوبت آ جاتی ہے اسی لئے جو اسباب اور وجوہ اس معاملہ کو توڑنے کا سبب بن سکتے ہیں اسلامی تعلیمات نے ان تمام اسباب کو راہ سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا ہے۔ شوہر اور بیوی کی جو ہدایتیں قرآن و سنت میں دی گئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ رشتۂ ازدواج ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جائے اور ٹوٹنے نہ پائے ناموافقت کی صورت میں اول فہمائش تنبیہ کی پھر زجر و تنبیہ کی ہدایتیں دی گئیں اور اگر بات بڑھ جائے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو دونوں خاندانوں کے افراد کو حکم اور ثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی تعلیم دی۔ سورہ نساء کی آیت۔

فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا. (النساء ۴)

میں خاندان کے افراد کو ثالث بنانے کا حکم دیا ہے جو بہت حکیمانہ ہے کیونکہ اگر معاملہ خاندان سے باہر گیا تو بات بڑھ جانے کی اور دلوں میں زیادہ بغض پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو جائے گا۔

لیکن بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ اصلاح حال کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں اور نکاح سے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بجائے فریقین کا آپس میں مل کر رہنا عذاب بن جاتا ہے ایسی حالت میں تعلق کا ختم کر دینا ہی طرفین کے لئے راحت اور سلامتی کا باعث ہو جاتا ہے اس لئے شریعت اسلام نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی نہیں کیا کہ رشتۂ ازدواج ہر حال ناقابل فسخ ہی رہے بلکہ طلاق اور فسخ نکاح کا قانون بنایا۔ طلاق کا اختیار تو صرف مرد کو دیا جس میں عادۃً فکر و تدبر اور تحمل کا مادہ عورت سے زائد ہوتا ہے۔ عورت کے ہاتھوں میں یہ اختیار نہیں دیا تاکہ وقتی تاثرات سے مغلوب ہو کر (جو عورت میں بہ نسبت مرد کے زیادہ ہے) طلاق نہ دے ڈالے لیکن عورت کو بھی بالکل اس حق سے محروم نہیں رکھا کہ وہ شوہر کے ظلم و ستم سہنے پر مجبور ہی ہو بلکہ اس کو یہ حق دیا کہ اگر اپنے شوہر کو کسی وجہ سے انتہائی ناپسند کرتی ہو کہ اس کے ساتھ کسی قیمت پر نباہ کرنا ممکن ہی نہ ہو تو اس کا بہترین طریقہ تو یہی ہے کہ وہ شوہر کو سمجھا بجھا کر طلاق دینے پر آمادہ کر لے ایسی صورت میں شوہر کو بھی چاہئے کہ جب وہ نکاح کے رشتہ کو

خوشگواری کے ساتھ نبھتا نہ دیکھے اور محسوس کرے کہ اب یہ رشتہ دونوں کے لئے ناقابل برداشت بوجھ کے سوا کچھ نہیں رہا تو وہ شرافت کے ساتھ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے تاکہ عدت گزرنے کے بعد وہ جہاں چاہے نکاح کر سکے۔

لیکن اگر شوہر اس بات پر راضی نہ ہو تو عورت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کو کچھ مالی معاوضہ پیش کر کے اس سے طلاق حاصل کر لے۔ مثلاً اس غرض کے لئے عورت مہر معاف کر دیتی ہے اور شوہر اسے قبول کر کے عورت کو آزاد کر دیتا ہے اس کے لئے اسلامی شریعت میں جو خاص طریق کار مقرر ہے اس فقہی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے۔ نکاح اور دوسرے شرعی معاملات کی طرح خلع بھی ایجاب و قبول کے ذریعہ انجام پاتا ہے لیکن اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شوہر کے لئے معاوضہ لینا جائز نہیں اسے چاہئے کہ معاوضہ کے بغیر عورت کو طلاق دے دے ایسی صورت میں اگر مرد معاوضہ لے گا تو مرتکب گناہ ہوگا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا جو واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا اس تمہید کی روشنی میں یہ بات ہے کہ شوہر بیوی سے خوش تھا اور بیوی اس کی خوش خلقی اور دینداری کا اقرار کر رہی تھی لیکن شوہر سے اس کا دل نہیں لگتا تھا اور اس سے طبیعت مانوس نہ ہوتی جس کی وجہ سے چھٹکارا چاہتی تھی چونکہ مذکورہ واقعہ میں شوہر کا کوئی قصور نہ تھا اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کو باغ واپس دینے کی ہدایت فرمائی۔ اس صورت میں طلاق کے عوض شوہر کو وہ باغ بلا کراہت واپس لے لینا درست ہو گیا اگر کوئی عورت مال کے بدلے طلاق مانگے تو شوہر پر واجب نہیں ہے کہ اس کی بات قبول کرے اسی لئے حدیث کی شرح لکھنے والے علماء نے بتایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ طلاق دے دو بطور وجوب نہیں تھا بلکہ یہ امر استحبابی تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو باغ قبول کر کے ایک طلاق دینے کو فرمایا۔ مال کے بدلے جو طلاق دی جائے وہ بائن ہوتی ہے اگرچہ ایک یا دو طلاق ہو اور صریح لفظوں میں ہو بائن طلاق کے بعد اگر پھر آپس میں مصالحت ہو جائے اور دونوں از سر نو گھر بسانے پر راضی ہو جائیں تو آپس میں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ تین طلاق دینے کے بعد حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تین طلاق سے منع فرمایا اور مال لے کر طلاق دی جائے تو وہ رجعی اس لئے نہیں ہوتی کہ اگر شوہر رجوع کرے گا تو عورت کی جان نہ چھوٹے گی اور اس کا مال ضائع ہو جائے گا۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ جب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہما کی بیوی نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناگواری کے پیش نظر نکاح فسخ نہیں فرما دیا بلکہ شوہر کو مہر میں دیا ہوا باغ واپس دلا کر طلاق دلائی۔

مسئلہ: جب عورت نے شوہر سے کہا کہ جو میرا مہر واجب ہے اس کے بدلے میری جان چھوڑ دے یا اس قدر روپے کے عوض مجھے چھوڑ دے پھر اس کے جواب میں مرد نے اسی مجلس میں کہہ دیا کہ "میں نے چھوڑ دی" تو اس سے ایک بائن طلاق واقع ہو گئی اور مرد کو رجوع کا حق نہیں رہا۔ مرد و عورت کا سوال و جواب دونوں ایک ہی مجلس میں ہونے چاہئیں اگر عورت نے اپنی بات کہی اور مرد کے جواب دینے سے پہلے دونوں میں سے کوئی وہاں سے اٹھ گیا تو بات ختم ہو گئی۔ اب اگر مرد کہے کہ طلاق دیتا ہوں تو طلاق ہو جائے گی مگر عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا اور قانون طلاق کے مطابق صاف لفظوں میں ایک یا دو طلاق دے گا تو رجعی ہوگی اور تین طلاقیں دے گا تو مغلظہ طلاق ہو جائے گی۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ عورت نے پہلے پیشکش کی ہو۔

مسئلہ: اور اگر مرد نے بات کہنے میں پیش قدمی کی اور اس نے کہا کہ میں تجھ سے اتنی رقم پر یا مہر کے عوض خلع کیا اور عورت نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو خلع ہو گیا جو طلاق بائن کے حکم میں ہوگا' اگر عورت نے اسی جگہ جواب نہ دیا اور وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کے بعد منظوری دی یا قبول ہی نہیں کیا مثلاً بالکل خاموش رہ گئی یا مرد کی پیش کش کو رد کر دیا تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوگی اور اگر مرد کی پیشکش کے بعد عورت اپنی جگہ بیٹھی رہی اور مرد اپنی بات کہہ کر چلتا بنا اور عورت نے اس کے اٹھ جانے کے بعد قبول کیا تب بھی خلع ہو گیا۔

مسئلہ: جب مرد نے کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا' عورت نے کہا میں نے قبول کیا' روپیہ پیسہ کا یا مہر کی واپسی کا یا بقیہ مہر کو عوض لگانے کا کوئی ذکر نہ ہو: تب بھی جو مالی حق مرد کا عورت پر ہے یا عورت کا مالی حق مرد پر ہو سب معاف ہو گیا اگر مرد کے ذمہ مہر باقی ہو پورا یا کچھ کم یا آدھا تہائی وہ بھی معاف ہو گیا البتہ اگر عورت پورا مہر پا چکی ہے تو اس صورت میں اس کا واپس کرنا واجب نہیں' البتہ عدت ختم ہونے تک نان نفقہ اور رہنے کا مکان عورت کے لئے دینا شوہر پر لازم ہوگا' ہاں اگر عورت نے اس پر صراحت سے کام لیا کہ جان چھڑانے کے لئے یہ بھی کہہ دیا کہ مجھ سے خلع کر لے' روٹی کپڑا بھی اپنا مدت میں تجھ سے نہ لوں گی تو وہ بھی معاف ہو گیا۔

مسئلہ: اگر مخصوص رقم کے عوض خلع کیا مثلاً یوں کہا کہ ہزار روپے کے عوض خلع کرتا ہوں اور عورت نے قبول کیا تو یہ ہزار روپے عورت پر واجب ہو گئے خواہ اس سے قبل اپنا مہر لے چکی ہو یا ابھی وصول کرنا باقی ہو' اگر ابھی مہر نہ لیا ہو تو نہ وہ ملے گا کیونکہ خلع کی وجہ سے معاف ہو گیا اور عورت پر لازم ہوگا کہ شوہر کو طے شدہ ہزار روپے ادا کرے۔

خلع یعنی طلاق بالمال

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ امْرَاَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ... اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً. (رواہ البخاری)

مذکورہ تفصیل اس وقت ہے کہ جب کہ لفظ خلع استعمال کیا ہو یا یوں کہا کہ اتنے روپے کے عوض یا میرے مہر کے عوض میری جان چھوڑ دے اور اگر یوں کہا کہ ہزار روپے کے عوض مجھے طلاق دے دے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور چونکہ یہ صورت خلع کی نہیں ہے اس لئے اسے فقہاء کرام طلاق بالمال کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ جس مال پر آپس میں طلاق کا دینا طے ہوا ہے اس کے مطابق اگر مرد طلاق دے دے تو عورت پر اس قدر مال دینا لازم ہوگا لیکن آپس میں جو ایک دوسرے کا کوئی مالی حق ہے وہ معاف نہ ہوگا۔ اگر عورت کا کل یا بعض مہر باقی ہے تو وہ وصول کر سکتی ہے' طلاق بالمال بھی ایک معاملہ ہے جو دونوں فریق کی منظوری سے ہو سکتا ہے۔

مسئلہ: عورت نے کہا کہ مجھے طلاق دے' مرد نے جواب میں کہا تو اپنا مہر وغیرہ سب حق معاف کر دے تو طلاق دے دوں اس پر عورت نے کہا: میں معاف کیا یا لکھ کر دے دیا پھر شوہر نے طلاق نہ دی تو کچھ معاف نہیں ہوا' اگر شوہر اسی مجلس میں طلاق دے دے تو عورت کا معاف کرنا معتبر ہوگا ورنہ وہ اپنا حق وصول کر سکے گی۔

مسئلہ: اگر مرد نے زبردستی کر کے مار پیٹ کر عورت کو خلع کرنے پر مجبور کر دیا اور اس کی زبان سے خلع کرنے کا لفظ کہلوا لیا یا

لکھے ہوئے خلع نامہ پر انگوٹھا لگوالیا یا دستخط کروالیا اور کہا کہ خلع کرتا ہوں تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی لیکن عورت پر مال واجب نہ ہوگا نہ اس کا کوئی حق معاف ہوگا۔ اگر مہر باقی ہے تو شوہر پر اس کا ادا کرنا واجب رہے گا۔

مسئلہ: اگر کسی شوہر نے عورت کی جانب سے کاغذ لکھ لیا کہ میں نے مہر اپنے دیگر حقوق کے عوض طلاق لینا منظور کر لیا اور اسے دکھائے بغیر کچھ اور بات سمجھا کر دستخط کرالیا یا انگوٹھا لگوالیا تو کچھ معاف نہ ہوگا البتہ اگر شوہر نے کہا کہ میں نے طلاق دی ہے یا خلع کیا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر شوہر نے کورٹ میں کاغذ پیش کر کے دنیا والے حاکموں کے یہاں معافی کا فیصلہ کرالیا تو وہ معتبر نہ ہوگا اور قاضی روز جزا کے حضور میں جب پیشی ہوگی تو اس مال کے عوض نیکیاں دینی ہوں گی یا عورت کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے۔

یہ سب تفصیل ہم نے یہ بتانے کیلئے لکھی ہے کہ خلع دونوں کے درمیان طے ہونے والا معاملہ ہے کوئی ایک فریق خود سے فیصلہ نہیں کر سکتا۔

دور حاضر کا غیر شرعی طریقہ کار

آج کل کے حکام نے جو یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ جہاں عورت نے استغاثہ کیا نکاح فسخ کرنے کا فیصلہ دے دیا اور اس کا نام خلع رکھ دیا یہ سراسر غیر شرعی طریقہ ہے بعض مرتبہ شوہر تک سمن پہنچتا بھی نہیں یا وہ حاضر عدالت ہوتا ہے اور بیوی کو بیوی کی طرح ادائیگی حقوق کے ساتھ رکھنا چاہتا ہے پھر بھی بعض حکام نکاح فسخ کر دیتے ہیں اور عورت کی ناپسندیدگی ہی کو حق خلع استعمال کرنے کی دلیل بنا کر جدائی کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ یہ طریق کار یورپ کے قوانین سے تو جوڑ کھاتا ہے مگر شریعت کے بالکل خلاف ہے یہ نہ تو شرعی خلع ہے (کیونکہ فیصلہ مرد کی مرضی کے بغیر کر دیا جاتا ہے) اور نہ اس طرح فسخ کر دینے سے نکاح فسخ ہوتا ہے اور ایسے فیصلے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرنا درست نہیں ہوتا۔

بعض حالات میں حاکم مسلم کو نکاح فسخ کر دینے کا حق ہے مگر مخصوص اسباب اور مخصوص طریق کار کے بغیر فسخ کر دینے سے نکاح فسخ نہیں ہو سکتا جن اسباب کی وجہ سے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ شوہر کا پاگل ہونا ' ۲۔ متعنت ہونا (جو نان نفقہ نہ دے) ۳۔ نامرد ہونا ' ۴۔ مفقود الخبر (گمشدہ ہونا ' جس کی موت وحیات کا پتہ نہ ہو) ۵۔ غائب غیر مفقود ہونا جس کی زندگی کا علم تو ہو مگر پتہ نہیں کہ کہاں ہے' ان اسباب کی بنیاد پر مخصوص شرائط اور حدود وقیود کے ساتھ مسلم حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے جو کتاب "الحیلۃ الناجزۃ" میں لکھی ہیں۔ واضح رہے کہ کافر جج (قادیانی یا عیسائی وغیرہ) کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ نہ ہوگا اگرچہ اسباب وشرائط کا لحاظ کرتے ہوئے فسخ کرے۔

عدت طلاق اور عدت وفات کے مسائل

وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ سُبَيْعَةَ الْاَسْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَأْذَنَتْهُ اَنْ تَنْكِحَ فَاَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ (رواہ البخاری)

حضرت مسورؓ سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہؓ کے بطن سے ان کے شوہر کی وفات کے چند دن کے بعد بچہ تولد ہو گیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور (چونکہ تولد ہو جانے کی وجہ سے عدت ختم ہو چکی تھی) اس لئے انہوں نے کسی

دوسرے مرد سے نکاح کی اجازت چاہی چنانچہ آپ نے اجازت دے دی اور انہوں نے نکاح کر لیا۔

تشریح: جب کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا مر جائے تو عورت پر عدت گزارنا لازم ہوتا ہے یعنی شریعت کے اصول کے مطابق مخصوص و مقرر ایام گزر جانے تک اسے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ بھی عدت کے دوران کچھ اور پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں حدیث بالا میں عدت سے متعلق ایک مسئلہ ذکر فرمایا ہے جس کی تشریح بھی آتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ

جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ یہ شوہر کے یہاں گئی ہے یا نہیں گئی ہے اگر شوہر کے یہاں نہیں گئی یعنی میاں بیوی میں یکجائی نہیں ہوئی اور صرف نکاح کے بعد طلاق ہو گئی تو ایسی عورت پر کوئی عدت لازم نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا. (سورۃ الاحزاب)

اے ایمان والو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو تو ان کو کچھ متاع دے دو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔

اور اگر نکاح کے بعد میاں بیوی میں یکجائی ہو چکی ہے تو دیکھا جائے گا کہ عورت کو حمل ہے یا نہیں اگر عورت کو حمل ہو تو اس کی عدت وضع حمل پر ختم ہو گی یعنی جب تک ولادت نہ ہو جائے اس وقت تک عدت میں رہے گی خواہ ایک دن بعد وضع حمل ہو جائے خواہ کئی مہینے لگ جائیں یا ڈیڑھ دو سال یا اس سے زیادہ لگ جائیں (واضح رہے کہ شریعت میں حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے) اور اگر اسے حمل نہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ تین ماہواری گزر جائے اس کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے جتنے دن میں تین حیض گزریں اتنے دن تک عدت میں رہنا ہوگا عورتوں میں یہ مشہور ہے کہ تین مہینے تیرہ دن یا تین مہینے دس دن عدت ہے شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں عدت کا مدار حمل ہونے کی صورت میں وضع حمل پر اور حمل نہ ہونے کی صورت میں تین حیض گزر جانے پر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی عورت کو ایسی حالت میں طلاق ہوئی کہ اسے اب تک حیض نہیں آیا یا زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے یہ تین ماہ چاند کے حساب سے شمار ہوں گے قرآن مجید نے ان مسائل کو سورہ بقرہ اور سورہ طلاق میں بیان فرمایا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ۔ (البقرہ)

یعنی جن عورتوں کو طلاق دے دی جائے وہ تین حیض تک اپنے کو نکاح سے روکے رکھیں اور سورہ طلاق میں فرمایا ہے:

وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ. (سورۃ الطلاق)

یعنی جو عورتیں حیض سے نا امید ہو چکی ہیں (بڑھاپے کی وجہ سے) اگر تم کو (ان کی عدت مقرر کرنے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ ایسے ہی ان عورتوں کی عدت تین ماہ ہے جن کو اب تک حیض نہیں آیا۔

اب رہی وہ عورت جس کا شوہر وفات پا چکا ہو اس کی عدت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ حمل سے ہے تو جب بھی وضع حمل ہو جائے اس وقت اس کی عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ شوہر کی وفات کو دو چار ہی روز گزرے ہوں یا اس سے بھی کم وقت گزرا ہو حدیث بالا میں یہی مسئلہ بتایا ہے اور اگر حمل کی مدت بڑھ جائے تو اس کے بقدر عدت کے ایام بڑھ جائیں گے اور اگر یہ عورت

حمل سے نہیں ہے تو اس کی عدت چاند کے اعتبار سے چار مہینہ دس دن ہے حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ (البقرہ)

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن۔

مسئلہ: اگر شوہر کا انتقال چاند کی پہلی تاریخ کو ہوا اور عورت کو حمل نہیں ہے تو چاند کے حساب سے چار مہینے دس دن پورے کرنا ہوں گے اور اگر پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور تاریخ میں انتقال ہوا ہو تو ہر مہینہ تیس تیس دن کا حساب لگا کر چار مہینے دس دن پورے کرنا ہوں گے اور جس وقت وفات ہوئی جب یہ مدت گزر کر وہی وقت آئے گا عدت ختم ہو جائے گی۔

مسئلہ: جس عورت کا نکاح اصول شریعت کے مطابق کسی مسلمان حاکم نے فسخ کیا ہو اس پر بھی عدت لازم ہے اور اسے عدت طلاق پوری کرنی ہوگی۔

مسئلہ: جس عورت نے شوہر سے خلع کر لیا ہو اسے بھی عدت طلاق گزارنی ہوگی۔

مسئلہ: جس عورت کو طلاق دے دی گئی ہو اس کے عدت کے زمانہ کا نان نفقہ اور رہنے کا گھر طلاق دینے والے شوہر ہی کے ذمہ ہے بشرطیکہ عورت شوہر کے دیئے ہوئے اس گھر میں عدت گزارے جس میں طلاق سے پہلے رہتی تھی اگر ماں باپ کے یہاں سے چلی جائے تو شوہر پر ایام عدت کا نان نفقہ واجب نہ ہوگا واضح رہے کہ ایام عدت شوہر ہی کے گھر گزارنا لازم ہے۔ جہاں رہتے ہوئے طلاق ہوئی اور طلاق بائن یا مغلظہ ہو تو شوہر سے پردہ کرکے رہے۔

مسئلہ: اگر عورت ایام عدت کا نان نفقہ معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔

مسئلہ: جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اس عورت کے لئے شوہر کے مال میں میراث تو ہے لیکن عدت کا نان نفقہ نہیں ہے اور اگر مہر وصول نہ کیا ہو اور معاف بھی نہ کیا ہو تو حصہ میراث سے پہلے مہر وصول کرے گی۔

مسئلہ: اگر کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا تھا کہ مہر نہ لے گی یا نکاح کے وقت مہر کا کوئی تذکرہ نہ ہوا ہو اور پھر میاں بیوی والی یکجائی ہونے سے پہلے طلاق دے دی تو شوہر پر لازم ہے کہ اس عورت کو چار کپڑوں کا ایک جوڑا اپنی حیثیت کے مطابق دے۔ کپڑے یہ ہیں۔ ایک کرتا ایک پاجامہ ایک دوپٹہ اور ایک بڑی چادر جس میں سر سے پاؤں تک لپٹ سکے اور اگر مہر مقرر کئے بغیر نکاح کرنے کے بعد شوہر کو میاں بیوی والی تنہائی بھی حاصل ہوگئی یا وہ مر گیا تو مہر مثل دینا ہوگا۔

یعنی اتنا مہر دینا ہوگا جتنا اس عورت کے میکے کی اس جیسی عورتوں کا مہر ہوا کرتا ہے اس جیسی حسن و جمال اور عمر اور دینداری اور سلیقہ مندی وغیرہ میں دیکھی جائے گی یہ مسئلہ مہر کے باب سے متعلق ہے لیکن ہم نے نان نفقہ کے ذیل میں اس لئے لکھ دیا ہے کہ کپڑے کا جوڑا جس صورت میں دینا پڑتا ہے وہ سامنے آجائے اور جس صورت میں کپڑوں کے علاوہ اور کچھ واجب ہوتا ہے اور اس کا بھی علم ہو جائے۔

مسئلہ: حیض کے زمانہ میں طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے شریعت کا خیال نہ کیا اور حیض کے زمانہ میں طلاق دے دی تو واقع ہو جائے گی اور اس کی عدت بھی تین حیض ہوگی اور یہ تین حیض اس حیض کے علاوہ ہوں گے جس میں اس نے طلاق دی ہے یعنی جس حیض میں طلاق دی گئی ہے وہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا۔

مسئلہ: کسی نے اپنی بیماری کے زمانہ میں طلاق کی عدت ابھی پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ مر گیا تو دیکھا جائے گا کہ طلاق کی عدت کی مدت زیادہ ہے یا موت عدت کی مدت زیادہ ہے جس عدت میں زیادہ دن لگیں گے وہ عدت پوری کرے اور اگر بیماری میں طلاق رجعی دی ہے اور ابھی عدت طلاق کی نہ گزری تھی کہ شوہر مر گیا تو اس عورت پر وفات کی عدت لازم ہے۔

عدت کے ایام میں سوگ کرنا بھی واجب ہے

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس عورت کا شوہر وفات پا گیا وہ (عدت گزرنے تک) عصفر سے رنگا ہوا اور مٹی سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے اور زیور بھی نہ پہنے اور خضاب بھی نہ لگائے۔

تشریح: جب عورت کو طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر وفات پا جائے تو عدت ختم ہونے تک اس کو اسی گھر میں رہنا ضروری ہے جس میں شوہر کے نکاح میں ہوتے ہوئے آخر وقت تک رہا کرتی تھی اس گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں جانا جائز نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں شوہر کی موت ہوتے ہی یا طلاق ہوتے ہی میکے چلی جاتی ہیں۔ یہ خلاف شرع ہے اور گناہ ہے نہ اس کو جانا جائز ہے نہ سسرال والوں کا اس کو نکالنا درست ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ.

البتہ جو عورت بیوہ ہو گئی ہو اور اس کے نان نفقہ کا کچھ انتظام نہ ہو تو کسی جگہ کام کاج کر کے روزی حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن سورج چھپنے سے پہلے پہلے اس گھر میں آ جائے جس میں شوہر کے ساتھ رہتی تھی' عدت کے دوران گھر میں رہتے ہوئے کسی ایک ہی کوٹھری یا کمرے میں بیٹھے رہنا ضروری نہیں ہے' نہ یہ کوئی مسئلہ ہے جیسا کہ عورتیں سمجھتی (بلکہ گھر میں رہتے ہوئے پورے گھر میں چلے پھرے اس پر کچھ پابندی نہیں)

جس عورت کو رجعی طلاق ملی ہو' عدت کے ایام میں اس کو بھی گھر سے نکلنا درست نہیں ہے' وہ بھی شوہر کے گھر میں عدت گزارے' جو عورت عدت میں ہو گھر سے نکلنے کی پابندی کے ساتھ اس پر شرعاً سوگ کی پابندی بھی عائد کی گئی ہے۔ ترک زینت اور بناؤ سنگھار ترک کرنے کو سوگ کہتے ہیں۔ حدیث بالا میں سوگ کے بعض مسائل بتائے گئے ہیں۔ سوگ کے احکام جہاں ایسی عورت پر عائد ہوتے ہیں جس کا شوہر وفات پا گیا ہو' اس عورت کو بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے جس کو طلاق بائن دی گئی ہو' یا طلاق مغلظہ مل گئی ہو خلاصہ یہ ہے کہ جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو اور جسے ایسی طلاق ملی ہو جس کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا اس پر عدت کے دوران سوگ کرنا بھی لازم ہے۔ جب عدت ختم ہو جائے سوگ ختم کر دے۔ چونکہ عدت کے زمانہ میں کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا درست نہیں اور بناؤ سنگھار کی ضرورت شوہر کے لئے ہوتی ہے۔

اس لئے زمانہ عدت میں سوگ کرنے کا حکم دیا گیا' سوگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عورت ایسا لباس اور ایسا رنگ ڈھنگ اختیار نہ کرے جس سے اس کی طرف مردوں کی طبیعت راغب ہو لہٰذا عدت گزارنے والی کے لئے (جس پر سوگ واجب ہو)

یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ بھڑک دار کپڑے نہ پہنے، خوشبو نہ لگائے، خوشبو میں رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے، زیور استعمال نہ کرے، زیب و زینت کی کوئی شکل نہ اختیار کرے، بال نہ سلجھائے اور سر میں تیل نہ ڈالے اور سرمہ لگانا درست ہے لیکن رات کو لگائے اور دن کو پونچھ ڈالے، سر دھونا اور غسل کرنا درست ہے لیکن خوشبو دار صابن وغیرہ استعمال نہ کرے۔ اگر سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو بے خوشبو کا تیل ڈال دے لیکن کنگھی پٹی نہ کرے۔

جس عورت پر سوگ کرنا واجب ہے اسے پان کھا کر منہ لال کرنا اور دانتوں پر مسی ملنا، پھول پہننا، مہندی لگانا، ہاتھ اور ناخن پر سرخی لگانا درست نہیں۔

مسئلہ: سوگ کرنا حکم شرعی ہے شوہر کے مرنے یا طلاق و خلع کے ذریعہ اس سے چھٹکارا حاصل ہونے سے، اگر عورت کو دلی طور پر خوشی بھی ہوئی ہو تب بھی سوگ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر کورٹ کے ذریعہ نکاح فسخ کر دیا ہو (اور وہ شرعی اصول کے مطابق فسخ ہو گیا ہو) تو ایسی عورت پر بھی عدت اور سوگ واجب ہے۔ مسئلہ: اگر نابالغ لڑکی کو طلاق مل گئی یا اس کا شوہر مر گیا تو اس پر سوگ واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: جس عورت کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ ہوا اس پر یہ بھی واجب ہے کہ زمانہ عدت میں طلاق دینے والے شوہر کے گھر رہتے ہوئے اس سے پردہ کرے اور جس کو طلاق رجعی ملی ہو وہ زیب و زینت سے رہے سوگ نہ کرے۔

زمانہ جاہلیت میں عدت

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنَتِيْ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَهَا أَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَا ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِيْ بِالْبَعْرَةِ عَلٰى رَأْسِ الْحَوْلِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ ایک صحابی خاتون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری لڑکی کا شوہر وفات ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا ہم اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! دو یا تین بار یہی سوال و جواب ہوا آپ نے ہر بار یہی فرمایا کہ نہیں لگا سکتے ہیں۔ اس کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (شریعت اسلام میں) یہ عدت اور سوگ کے چار ماہ اور دس دن ہیں (جن کا پابندی مشکل معلوم ہو رہی ہے) حالانکہ جاہلیت کے زمانہ میں جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو پورے ایک سال تک عدت گزارتی تھی اور ایک سال ختم ہو کر جب دوسرا سال لگتا تھا تو (اونٹ وغیرہ کی) مینگنیاں پھینکتی تھی۔

تشریح: اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں مختلف علاقوں اور مختلف قوموں میں شوہر کے مر جانے پر اس کی بیوہ پر طرح طرح کے احکام عائد کئے جاتے تھے یہ احکام مذہبی بھی ہوتے تھے اور قومی بھی، ہندوستان کے ہندوؤں میں تو یہ قانون تھا کہ بیوہ کو اپنے مردہ شوہر کے ساتھ زندہ ہی جل جانا پڑتا تھا اس کو ستی ہونا کہتے تھے اور عرب میں یہ طریقہ تھا کہ جب عورت کا شوہر مر جاتا تو

ایک سال اس کے لئے بڑا کٹھن ہوتا تھا جس کی تفصیل سنن ابوداؤد میں اس طرح مروی ہے کہ:

"جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تھا تو سال بھر کے لئے ایک چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہو جاتی تھی اور بدترین کپڑے پہن لیتی تھی اور سال گزرنے تک نہ خوشبو لگاتی نہ اور کوئی چیز (صفائی ستھرائی کی) اپنے بدن سے چھوائی تھی' جب سال ختم ہو جاتا تو کوئی چارپایہ گدھا' بکری یا پرندہ اس کے پاس لایا جاتا تھا جس سے وہ اپنی شرمگاہ کی جگہ کو رگڑتی تھی' (یہ کام ٹوٹکے کے طور پر کرتی تھی اور اس کو مصیبت کے دفع ہونے کا ذریعہ سمجھتی تھی) چونکہ سال بھر تک بدحالی میں رہ کر اس کے بدن میں زہریلے اثرات پیدا ہو جاتے تھے اس لئے) جس جانور سے وہ اپنے جسم کا مخصوص حصہ رگڑتی تھی اکثر مر جاتا تھا اس کے بعد (کوٹھری سے) نکلتی اور اس کو اونٹ وغیرہ کی مینگنیاں دی جاتی تھیں وہ ان مینگنیوں کو آگے پیچھے پھینکتی تھی' اس سے لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اس کی عدت گزر گئی ہے اور اس سے یہ فال لینا بھی مقصود تھا کہ مصیبت پھینک دی جیسا کہ یہ مینگنیاں پھینکی جا رہی ہیں' اس کے بعد اپنی مرضی کے مطابق خوشبو وغیرہ استعمال کرتی تھی۔ (سنن ابی داؤد)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی یہ پابندی یاد دلائی اور فرمایا کہ اسلام نے صرف چار ماہ دس دن کی عدت اور سوگ رکھا ہے جاہلیت کی کیسی کیسی مصیبتوں سے تمہاری جان چھڑائی ہے پھر بھی تم اسلام کے قانون کی پاسداری سے بچنے کا راستہ نکالنا چاہتی ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنکھ میں تکلیف ہونے کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت والی کو سوگ میں سرمہ لگانے کی اجازت نہ دی۔ حدیث کی شرح لکھنے والے عالموں نے بتایا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کا علاج سرمہ کے بغیر ہو سکتا تھا اور سرمہ بطور زینت لگانا چاہتی تھی۔ اس لئے منع فرمایا کیونکہ حضرت ام سلمہؓ کا فتویٰ ہے (جو سوگ والی احادیث کی راوی ہیں) کہ سوگ والی عورت علاج کی مجبوری سے رات کو سرمہ لگا سکتی ہے۔

عورت بیوہ ہو جائے تو دوسرا نکاح کر لے اس کو عیب سمجھنا جہالت ہے

ہندوؤں میں یہ عیب سمجھا جاتا تھا کہ شوہر کی موت کے بعد عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرے ہر وقت کا جلاپا اور ساس نندوں کے طعنے اسے باعزت زندگی گزارنے نہ دیتے تھے۔ مذہبی قانون اور قومی رواج کے مطابق بے شوہر پوری زندگی گزارنا لازم تھی۔ اگرچہ تیرہ سال کی لڑکی بیوہ ہو جائے اور چونکہ شوہر کی ارتھی کے ساتھ جلنا مذہبی مسئلہ تھا اور سب نفرت و حقارت کا برتاؤ کرتے تھے اس لئے لامحالہ وہ شوہر کی ارتھی میں کود پڑتی تھی اور زندگی جل جانے کو نفرت کی زندگی پر ترجیح دیتی تھی۔ اس کے بالکل برعکس اسلام نے نہ صرف اجازت دی بلکہ ترغیب دی اور مستحب اور مستحسن بلکہ بعض حالات میں واجب قرار دیا کہ عدت گزارنے کے بعد عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے وہ مر جائے تو تیسرا شوہر کر لے وہ بھی مر جائے تو چوتھے مرد کی زوجیت میں آ جائے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا آپ کی اکثر بیویاں بیوہ تھیں جن کے پہلے شوہر وفات ہو چکے تھے ان میں بعض وہ تھیں جو آپ سے پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔

آج کل بھی بعض قوموں میں (جو مسلمان کہلاتی ہیں) بیوہ کی دوسری شادی کو عیب سمجھا جاتا ہے اور جو بیوہ ہو جائے زندگی

عمر یوں ہی بلا شوہر بیٹھی رہتی ہے خدا کی پناہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کیا ہوا سے عیب سمجھنا بہت بڑی جہالت ہے۔ اس سے ایمان سلب ہو جانے کا خطرہ ہے جن لوگوں کے ایسے خیالات ہیں توبہ کریں۔

اسلام نے عورت کو بڑا مرتبہ دیا اور اس کو اعزاز و اکرام سے نوازا ہے پستی سے نکال کر اس کو بلندی عطا کی ہے لیکن افسوس ہے کہ عورتیں اب بھی اسلام کے احکام کو چھوڑ کر (جو سراسر رحمت ہیں) جاہلیت کی طرف دوڑ رہی ہیں۔

بعض عورتوں کا نکاح ثانی کو عیب یا ذلت کا موجب سمجھنا سخت قابل گرفت غلطی ہے

ایسی عورتیں بکثرت ہیں جو نکاح ثانی کے ترک کو اس کے فعل پر ترجیح دیتی ہیں جس کا سبب بکثرت تو یہی ہے کہ وہ نکاح ثانی کو عیب سمجھتی ہیں اور بعض زبان سے بھی ایسی باتیں کہہ ڈالتی ہیں جن میں بعض باتیں تو حد کفر تک پہنچ جاتی ہیں اور بعض عیب بھی نہیں سمجھتیں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ عورتیں بھی بے نکاح بیٹھے رہنے کو زیادہ عزت کا سبب سمجھتی ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ایک چھپا چور ہے جس کا وطن اسی سرحد کفر میں داخل نہیں مگر اس کے جوار (قرب) میں ضرور ہے ورنہ کامل مسلمان کیا وجہ کہ خلاف سنت زیادہ اعزاز کا سبب سمجھے۔ اور بعض غریب ایسی بھی ہیں جو نکاح کو ہر طرح مستحسن سمجھتی ہیں اس سے ذرا بھی انقباض (ناپسندیدگی) نہیں کرتیں بلکہ یہ بات ہی کہ بچے شائع ہو جائیں گے یا کوئی اس کو قبول نہیں کرتا بلکہ یہ دونوں معذور ہیں بلکہ یہ تو ماجور (ثواب پانے والی) ہے۔

شوہر کے علاوہ کسی کی موت پر سوگ کرنے کا حکم

وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِىْ سَلَمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَتْ لَمَّا اَتٰى اُمَّ حَبِيْبَةَ نَعْىُ اَبِىْ سُفْيَانَ دَعَتْ فِىْ الْيَوْمِ الثَّالِثِ بِصُفْرَةٍ فَمَسَحَتْ بِهٖ ذِرَاعَيْهَا وَعَارِضَيْهَا وَقَالَتْ كُنْتُ عَنْ هٰذَا غَنِيَّةً سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلٰثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ فَاِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا.

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت زینب نے بیان فرمایا کہ جب ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو (ان کے والد) حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے تیسرے دن خوشبو منگائی جو زرد رنگ کی تھی اور اپنی بانہوں اور رخساروں پر ملی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی (لیکن اس ڈر سے کہ کہیں تین دن سے زائد سوگ کرنے والیوں میں شمار نہ ہو جاؤں میں نے خوشبو لگالی) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں ہے کہ (کسی میت پر) تین دن تین رات سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے کہ اس (کی موت ہو جانے) پر چار مہینے دس دن سوگ کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: جس کپڑے سے مردوں کو کشش ہوتی ہے اس کو نہ پہنے اور خوشبو سرمہ مہندی اور زیب و زینت کی دوسری چیزیں ترک کرنے کو سوگ کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل گزشتہ حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔ جس عورت کا شوہر مر جائے اس کی عدت

حمل نہ ہونے کی صورت میں چار مہینہ دس دن ہے اور حمل ہو تو وضع حمل پر اس کی عدت پوری ہوگی اور دونوں صورتوں میں جب تک عدت نہ گزرے اس پر سوگ کی حالت میں رہنا واجب ہے۔

کیا شوہر کے علاوہ کسی کی موت پر سوگ کرنے کی گنجائش ہے؟ اگر گنجائش ہے تو کتنے دن سوگ کیا جاسکتا ہے۔ حدیث بالا میں اس سوال کا جواب دیا ہے کہ شوہر کے علاوہ دوسرے کسی عزیز قریب (بیٹا باپ وغیرہ) کی موت پر بھی عورت کو سوگ کرنے کی اجازت ہے لیکن صرف تین دن تین رات تک سوگ کرسکتی ہے اس سے زیادہ سوگ کرنا حلال نہیں ہے جیسا کہ حدیث بالا سے بالکل واضح ہو رہا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں ان کے والد حضرت سفیان رضی اللہ عنہ تھے جب ان کی وفات کی خبر آئی تو حضرت ام حبیبہؓ نے دو دن کوئی خوشبو نہ لگائی پھر تیسرے دن خوشبو منگا کر لگائی اور ارشاد فرمایا کہ مجھے اس وقت خوشبو لگانے کی بالکل کوئی ضرورت نہ تھی لیکن حدیث کی وجہ سے بچنے کے لئے خوشبو منگوائی ہے ایسا نہ ہو کہ خوشبو نہ لگانا سوگ میں شامل ہو جائے اور یہ سوگ تین دن سے آگے بڑھ جائے اس لئے تین دن پورے ہونے سے پہلے ہی خوشبو لگالی تاکہ گناہ گار نہ ہوں۔ ٹھیک ایسا ہی واقعہ حضرت زینب بنت جحشؓ کو پیش آیا یہ بھی ازواج مطہرات میں سے تھیں جب ان کے بھائی کی موت کی خبر آئی تو انہوں نے خوشبو منگا کر لگائی اور اسی حدیث کی روایت کی جو حدیث حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے والد کی موت کے بعد (تیسرے دن) خوشبو لگا کر سنائی۔

جن حضرات نے حدیث کی شرحیں لکھی ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کے علاوہ کسی دوسرے عزیز کی موت پر بھی سوگ کرنا جائز ہے لیکن واجب تو نہیں ہے جس کے ترک سے گناہ ہو لیکن طبعی طور پر چونکہ عورت کو رنج زیادہ ہوتا ہے اس لئے اسے اجازت دی گئی کہ تین دن تک بناؤ سنگھار نہ کرے تو ایسا کرسکتی ہے البتہ تین دن کے بعد شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کی موت پر سوگ کرے گی تو گنہگار ہوگی یہ تین دن والی اجازت بھی عورت کے لئے ہے مردوں کو سوگ کرنے کی اجازت کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

آج کل ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ عمل کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال کو سامنے نہیں رکھا جاتا بلکہ رواج اور طبیعت کے تقاضوں پر چلتے ہیں۔ رنج و غم سوگ وغیرہ کے سلسلے میں بھی خدا اور رسول کی نافرمانیاں ہوتی ہیں۔ شوہر کی موت پر سوگ کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کو برا مانتی ہیں بلکہ عدت کے زمانہ میں گھر میں رہنے کی شرعی پابندی کی بھی خلاف ورزی کرتی ہیں اور خود سے سوگ کرنے میں آئیں تو شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کی موت پر برسوں سوگ کرلیں۔ دینی احکام کو پس پشت ڈالنے کا یہ مزاج بہت برا ہے اس کی وجہ سے گناہوں میں بے انتہا ترقی ہوتی چلی جاتی ہے اللہ جل شانہ ہم سب کو اسلام کے اصولوں پر چلنے اور مرمٹنے کی توفیق دے۔

شیعوں کا ماتم اور سیاہ کپڑے

وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَتْ لَمَّا اَتٰى اُمَّ حَبِيْبَةَ نَعْيُ اَبِيْ سُفْيَانَ دَعَتْ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ بِصُفْرَةٍ فَمَسَحَتْ بِهِ ذِرَاعَيْهَا وَعَارِضَيْهَا وَقَالَتْ كُنْتُ عَنْ هٰذَا غَنِيَّةً سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ

تُحِدُّ فَوْقَ ثَلٰثٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ فَاِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے بیان فرمایا کہ جب ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو (ان کے والد) حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے تیسرے دن خوشبو منگائی جو زرد رنگ کی تھی اور اپنی بانہوں اور رخساروں پر ملی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی (لیکن اس ڈر سے کہ کہیں تین دن سے زائد سوگ کرنے والیوں میں شمار نہ ہو جاؤں میں نے خوشبو لگالی) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں ہے کہ (کسی میت پر) تین دن تین رات سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے کہ اس (کی موت ہو جانے) پر چار مہینے دس دن سوگ کرے۔ (صحیح مسلم)

یہ سوگ کا سلسلہ محرم کے مہینے میں بڑا زور پکڑ لیتا ہے۔ شیعوں کی دیکھا دیکھی بہت سے سنی ہونے کے دعوے دار بھی محرم میں سوگ مناتے ہیں۔ اس ماہ میں اور خصوصاً شروع کے دس دنوں میں میاں بیوی والی محبت ترک کر دیتے ہیں اور کالے کپڑے پہنتے ہیں بچوں کو بھی سیاہ کپڑے پہناتے ہیں۔ جس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں' یہ سب جہالت اور گمراہی کے طریقے ہیں۔ محرم کے مہینے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی' اس شہادت کو یاد کر کے لوگ روتے ہیں سینے پیٹتے ہیں چاقو چھری سے گھائل ہوتے ہیں' جھوٹے واقعات بنا بنا کر شعر بناتے ہیں' مرثیے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ثواب کا کام کر رہے ہیں' حالانکہ ان چیزوں میں ہرگز ثواب نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں سراسر گناہ ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کیوں ہے۔ اسی لئے تو ہے کہ وہ اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے ہیں۔ جب باعث حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نانا جان کی ذات گرامی ہے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونے کی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت ہے) تو اس محبت کے اظہار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی کیوں خلاف ورزی کی جاتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا کہ کسی عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ شوہر کے علاوہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے وہ یہ اجازت بھی صرف عورت کے لئے مرد کے لئے سوگ کرنے کی اجازت نہیں۔ پھر یہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد کیسا سوگ ہو رہا ہے؟ کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف چلنے والوں سے خوش ہوں گے؟ کیا ایسے نافرمانوں کے لئے جنہوں نے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی طرف سے احکام کا اضافہ کر دیا حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سفارش کریں گے؟ حدیث شریف میں تو آیا ہے کہ جن لوگوں نے دین محمدی میں ادل بدل کر دیا ان کو حوض کوثر سے ہٹا دیا جائے گا اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔

سُحْقًا سُحْقًا لِّمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ۔ دور ہوں دور ہوں جنہوں نے میرے دین کو بدلا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حافظ علی القاری رحمہ اللہ الموضوعات الکبیر میں لکھتے ہیں کہ:

اور قصبوں میں بہادر مجمع کے اندر مثلاً خراسان، عراق اور ہندو پاکستان کے شہروں میں بڑے بڑے گناہوں کے کام رواج پائے ہوئے ہیں مثلاً کالے کپڑے پہنتے ہیں اور شہروں میں گھومتے ہیں اور اپنے سروں اور جسموں کو مختلف طریقوں سے زخمی کرتے ہیں۔ وہ اس کے مدعی ہوتے ہیں کہ یہ حضرات اہل بیت علیہم السلام سے محبت کرنے والے ہیں حالانکہ وہ ان سے بیزار ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے

مرد کیلئے سوگ جائز نہیں

وَيُكْرَهُ لِلرِّجَالِ تَسْوِيدُ الثِّيَابِ وَتَمْزِيقُهَا لِلتَّعْزِيَةِ. (فتاویٰ عالمگیری)

یعنی تعزیت کے عنوان سے مردوں کو کالے کپڑے پہننا اور ان کو پھاڑنا جائز نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ.

"میں اس سے بیزار ہوں جو (کسی کی وفات پر اظہار رنج کے لئے) سر منڈائے اور شور مچائے اور کپڑے پھاڑے"۔

کپڑے پھاڑنا مرد و عورت ہر ایک کے لئے حرام ہے۔

سب جانتے ہیں کہ خدائے پاک کے آخری رسول سرور عالم سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامل دین دے کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (مائدہ)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

چونکہ اسلام دین کامل ہے اس لئے اس میں حرام حلال کی مکمل تفصیلات موجود ہیں اور ثواب و عذاب کے کاموں سے پوری طرح آگاہ فرما دیا گیا ہے اور زندگی گزارنے کے پورے طریقے بتا دیئے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں ہدایات دے دی گئی ہیں، اب کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دین میں اضافہ کر دے یا حلال کو حرام قرار دے دے یا حرام کو حلال کر دے، خدا کی شریعت میں مردوں کے لئے سوگ نہیں اور عورتوں کے لئے شوہر کی وفات پر صرف چار ماہ دس دن سوگ کرنا واجب ہے اور کسی دوسرے عزیز کی موت پر صرف تین دن تک عورت کو سوگ کرنا جائز ہے۔ پھر حکم شرعی سے آگے بڑھ کر مردوں کو سوگ کرنا اور سوگ کے کپڑے پہننا یا عورت کو مندرجہ بالا تفصیل کے خلاف سوگ کرنا دین میں کہاں سے داخل ہو گیا، شریعت اسلامیہ نے محرم میں میاں بیوی کے ملاپ پر یا اچھے کپڑے پہننے پر پابندی لگانے یا کسی طرح کی زیب و زینت اختیار کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی تو یہ پابندی کس کی طرف سے لگائی، اللہ پاک نے جو کچھ حلال قرار دیا اس کو کیوں حرام کیا؟ قرآن و حدیث کی ہدایت چھوڑ کر گمراہی میں کیوں لگے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: آپ فرما دیجئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا آپ پوچھئے کہ کیا تم کو خدا نے حکم دیا ہے یا اللہ پر افتراء کرتے ہو۔ اس آیت میں اس کی مذمت کی گئی ہے کہ اپنی جانب سے حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر لیا جائے۔

طلاق اور عدت کے احکام

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، نکاح و شادی کا مقصد یہ ہے کہ مرد و عورت یہ رشتہ قائم کر کے اور باہم وابستہ ہو کر عفت و پاکبازی کے ساتھ مسرت و شادمانی کی زندگی گزار سکیں اور جس طرح وہ خود کسی کی اولاد ہیں اسی طرح ان سے بھی اولاد کا سلسلہ چلے اور وہ اولاد ان کے لئے دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اور آخرت میں حصول جنت کا وسیلہ بنے۔ اور ان مقاصد کے لئے ضروری ہے کہ دونوں میں محبت اور خوشگواری کا تعلق رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہروں اور بیویوں کو باہم برتاؤ کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا محور و مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس کے باوجود کبھی ایسے حالات ہو جاتے ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان سخت تلخی اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ رہنا بجائے راحت و مسرت کے مصیبت بن جاتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ترغیب یہی ہے کہ حتی الوسع دونوں ناگواریوں کو جھیلیں، نباہنے اور تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن آخری چارہ کار کے طور پر "طلاق" کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اگر کسی حالت میں بھی طلاق اور علیحدگی کی اجازت نہ ہوتی تو پھر یہ تعلق اور رشتہ دونوں کیلئے عذاب بن سکتا ہے۔ پھر طلاق کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اصولی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ طلاق اور اس کے ذریعے شوہر و بیوی کے تعلقات کا ٹوٹنا اللہ تعالیٰ کو بے حد ناپسند ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنا ہی چاہئے، نہ مرد خود یہ اقدام کرے نہ عورت اس کا مطالبہ کرے۔ بس انتہائی مجبوری کی صورت ہی میں ایسا کیا جائے جس طرح کسی عضو میں بڑا فساد پیدا ہو جانے کی صورت میں آپریشن گوارا کیا جاتا ہے۔

پھر اس طلاق اور علیحدگی کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ شوہر طہر کی حالت میں (یعنی جن دنوں میں عورت کی ناپاکی کی خاص حالت نہ ہو) صرف ایک رجعی طلاق دے تاکہ زمانہ عدت میں رجعت یعنی رجوع کر لینے کی گنجائش رہے پھر اگر شوہر رجوع کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے تو عدت کی مدت گزر جانے دے۔ اس کے بعد رجعت کی گنجائش تو نہ رہے گی لیکن دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کا رشتہ قائم ہو سکے گا۔

بیک وقت تین طلاقیں دینے کو تو ناجائز اور سخت گناہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا، لیکن متفرق اوقات میں تین طلاقیں دینے کو بھی سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ اور اس کی یہ سزا اس دنیا میں مقرر کی گئی ہے کہ اگر وہ شوہر اپنی اس مطلقہ بیوی سے پھر نکاح کرنا چاہے تو نہیں کر سکے گا، جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آ کر اس کی زوجیت نہ رہی ہو، پھر یا تو اس کے انتقال کر جانے سے بیوہ ہوگئی ہو یا اس نے بھی طلاق دے دی ہو۔

الغرض صرف اسی صورت میں عدت گزر جانے کے بعد ان دونوں کا دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ یہ سخت پابندی دراصل شوہر کو تین طلاق دینے ہی کی سزا ہے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی ایک حدیث پڑھیے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللهِ الطَّلَاقُ (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ طَلَّقَ امْرَاَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم

فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه وآله وسلم ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَإِنْ بَدَالَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خود انہوں نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں کہ اس کی ناپاکی کے ایام جاری تھے طلاق دے دی تو ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بہت سخت برہمی اور ناراضی کا اظہار فرمایا، اور حکم دیا کہ عبداللہ بن عمر کو چاہئے کہ وہ اس طلاق سے رجعت کرلے اور بیوی کو اپنے پاس اپنے نکاح میں رکھے، یہاں تک کہ ناپاکی کے ایام ختم ہو کر طہر (یعنی پاکی کے ایام) آجائیں اور پھر اس طہر کی مدت ختم ہو کر دوبارہ ناپاکی کے ایام آجائیں اور اس کے بعد وہ پھر طہر کی حالت میں آجائے۔ تو اس حالت میں اگر وہ طلاق ہی دینا مناسب سمجھے تو اس طہر میں اس سے صحبت کئے بغیر اس کو طلاق دے دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے (فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ) (صحیح بخاری صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه وآله وسلم كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ وَالْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر طلاق درست و نافذ ہے سوائے اس آدمی کی طلاق کے جس کی عقل و فہم مغلوب ہوگئی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مرض یا صدمہ کی وجہ سے آدمی کی عقل و ہوش غیر متوازن اور مغلوب ہو جاتی ہے اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو عقل و فہم کی سلامتی کی حالت میں نہ کرتا، اور اسے اپنی باتوں کا پورا شعور بھی نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کو "معتوہ" اور "مغلوب العقل" کہا جائے گا۔ پس اگر ایسا شخص اس حالت میں بیوی کو طلاق دے دے تو وہ واقع نہ ہوگی جس طرح دیوانے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں مانی جاتی۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تین آدمی شریعت میں "مرفوع القلم" ہیں، یعنی ان کے کسی قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پر شرعی حکم مرتب نہیں ہوگا۔ ایک وہ جو نیند کی حالت میں ہو، دوسرے نابالغ بچہ اور تیسرے مغلوب العقل آدمی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی سونے کی حالت میں بڑبڑائے اور اس میں بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی، اسی طرح چھوٹے بچے کی اور مغلوب العقل کی طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی الله علیه وآله وسلم يَقُولُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ. (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ زبردستی کی طلاق اور زبردستی کے "عتاق" کا اعتبار نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... یعنی اگر کسی آدمی کو مجبور اور بالکل بے بس کر کے اس سے بیوی کو طلاق دلوائی گئی یا اس کے غلام کو آزاد کرایا گیا (یعنی

اس کی زبان سے زبردستی طلاق یا عتاق کی بات کہلوائی گئی) تو شریعت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اکثر ائمہ مجتہدین کا مسلک یہی ہے کہ جو طلاق زبردستی لی جائے (جس کو اصطلاح میں "طلاقِ مُکرَہ" کہتے ہیں) اس کا اعتبار نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ ہنسی مذاق کی طرح زبردستی والی طلاق کو بھی نافذ مانتے ہیں اور بعض حضرات اس حدیث کی تاویل و توجیہ دوسری طرح کرتے ہیں ..... قابلِ ذکر ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ منفرد نہیں ہیں۔ سلف میں سعید بن المسیبؒ ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ کا مذہب بھی شروح حدیث میں یہی نقل کیا گیا ہے۔

عدت کے احکام

اسلامی شریعت میں طلاق یافتہ عورت کے لئے عدت کا قانون بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی حکم ہے کہ جس بیوی کو اس کا شوہر طلاق دے دے وہ ایک مقررہ مدت تک عدت گزارے جس کی مختصر تفصیل (جو خود قرآن مجید میں بیان فرما دی گئی ہے) یہ ہے کہ اگر اس عورت کو حیض کے ایام ہوتے ہوں تو ان کے پورے تین دور گزر جائیں اور اگر عمر کی یا زیادتی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں اور حمل بھی نہ ہو تو تین مہینے اور اگر حمل کی حالت ہو تو پھر عدت کی مدت وضع حمل تک ہے، کم ہو یا زیادہ۔

عدت کے اس قانون میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ رشتۂ نکاح کی عظمت اور تقدس کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر عدت کا قانون نہ ہو اور عورت کو اجازت ہو کہ شوہر کی طرف سے طلاق کے بعد وہ اپنے حسب خواہش فوراً نکاح کرلے تو ظاہر ہے یہ بات نکاح کی عظمت شان کے خلاف ہوگی اور نکاح بچوں کا ایک کھیل سا ہو جائے گا۔ ایک دوسری مصلحت خاص کر طلاق رجعی کی صورت میں یہ بھی ہے کہ عدت کی اس مدت میں مرد کے لئے امکان ہو گا کہ وہ معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے رجعت کرلے اور پھر دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گزارنے لگیں۔ یہی بات اللہ و رسول کو زیادہ پسند ہے۔ اسی لئے طلاق رجعی کی عدت میں عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنانے سنوارنے کا ایسا اہتمام کرے اور ایسا رویہ اختیار کرے کہ شوہر کی طبیعت پھر اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ رجعت کرلے۔ اور طلاق بائن کی صورت میں اگرچہ رجعت کا امکان تو نہیں رہتا لیکن زمانۂ عدت میں عورت کو دوسرا نکاح نہ کرسکنے کی وجہ سے اس کی زیادہ گنجائش رہتی ہے کہ دونوں باہم راضی ہو کر دوبارہ نکاح کے ذریعے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑ لیں۔

ایک تیسری مصلحت یہ بھی ہے کہ عدت کے اس قانون کی وجہ سے عورت سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ بہرحال قانون عدت کی یہ چند کھلی ہوئی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے اکثر متمدن قوموں کے قوانین میں میاں بیوی کی علیحدگی کی صورت میں کسی نہ کسی شکل میں عدت کا ضابطہ ہے لیکن بعض قوموں کے قوانین میں یہ عدت بہت طویل رکھی گئی ہے جو بے چاری عورت کے لئے تکلیف مالایطاق ہے۔ شریعت اسلام نے جو مدت مقرر کی ہے وہ یقیناً مناسب ہے اور متوسط ہے۔

شریعت اسلام میں جس طرح مطلقہ عورت کے لئے عدت کا حکم ہے اسی طرح اس بیوہ عورت کے لئے بھی عدت کا حکم ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو۔ اس عدت کا حکم بھی قرآن مجید میں صراحۃً بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

"وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا"

(تم میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو روکے رکھیں گی چار مہینے دس دن) یہ

عدت ان بیوہ عورتوں کے لئے ہے جو حاملہ نہ ہوں اور جو حمل کی حالت میں ہوں ان کی عدت دوسری آیت میں وضع حمل تک کی مدت قرار دی گئی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اور اس عدت وفات میں سوگ کا بھی حکم ہے یعنی بیوہ ہو جانے والی عورت کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ عدت کی پوری مدت میں سوگ منائے جو چیزیں زینت اور سنگھار کے لئے استعمال ہوتی ہیں وہ اس مدت میں بالکل استعمال نہ کرے۔ الغرض اس پوری مدت میں اس طرح رہے کہ اس کی شکل وصورت ولباس ہیئت سے اس کی بیوگی اور غمزدگی ظاہر ہو اور دوسروں کو بھی اس کی ظاہری حالت سے محسوس ہو کہ شوہر کے انتقال کا اس کو ویسا ہی رنج وصدمہ ہے، جیسا کہ ایک شریف وپاکدامن بیوی کو ہونا چاہیے۔ لیکن یہ حکم صرف مدت عدت کے لئے ہے، عدت کے ایام ختم ہو جانے کے بعد اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی عورت بیوہ ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے سوگ کا طریقہ اختیار کرلے۔

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے اپنے عزیز قریب مثلاً بھائی، باپ وغیرہ کے انتقال پر اگر کوئی عورت اپنا دلی صدمہ اور تاثر، سوگ کی شکل میں ظاہر کرے تو صرف تین دن تک کی اجازت ہے اس سے زیادہ منع ہے۔

استمناء بالید (مشت زنی) محض لذت کیلئے حرام ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبْعَۃٌ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلَیْہِمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ وَلَا یَجْمَعُہُمْ مَعَ الْعَالَمِیْنَ یُدْخِلُہُمُ النَّارَ اَوَّلَ الدَّاخِلِیْنَ اِلَّا اَنْ یَّتُوْبُوْا اِلَّا اَنْ یَّتُوْبُوْا اِلَّا اَنْ یَّتُوْبُوْا فَمَنْ تَابَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اَلنَّاکِحُ یَدَہٗ وَالْفَاعِلُ وَالْمَفْعُوْلُ بِہٖ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات (قسم کے) آدمی ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر (رحمت کی) نظر نہ فرمائیں گے اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے اور نہ ہی اور لوگوں کے ساتھ ان کو جمع کریں گے (بلکہ ان کو علیحدہ رکھیں گے) اور ان کو (جہنم کی) آگ میں شروع میں داخل ہونے والے کے ساتھ داخل کریں گے۔ الا یہ کہ یہ لوگ توبہ کرلیں، الا یہ کہ یہ لوگ توبہ کرلیں۔ الا یہ کہ یہ لوگ توبہ کریں اور جو کوئی توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ (ان سات قسم کے آدمیوں میں سے دو یہ ہیں محض لذت کے لیے) مشت زنی کرنے والا اور اغلام بازی کرنے والا اور کرانے والا۔

عَنْ مُجَاہِدٍ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ الْاِسْتِمْنَاءِ فَقَالَ ذٰلِکَ نَائِکُ نَفْسَہٗ۔ (محلی ابن حزم)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشت زنی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا (جب یہ کسی مجبوری سے نہ ہو تو) یہ تو خود اپنے آپ سے جماع کرتا ہے۔

زنا کا اندیشہ ہو تو جائز ہے

عَنْ زِیَادٍ اَنَّہُمْ کَانُوْا یَفْعَلُوْنَہٗ فِی الْمَغَازِیْ یَعْنِی الْاِسْتِمْنَاءَ یَعْبَثُ الرَّجُلُ بِذَکَرِہٖ یُدَلِّکُہٗ حَتّٰی یُنْزِلَ۔ (محلی ابن حزم)

زیاد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جہاد (کے دنوں) میں (جب شہوت کا بہت زور ہوتا تو

اس کو ختم کرنے کے لیے) مشت زنی کر لیتے تھے یعنی آدمی اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ سے رگڑے یہاں تک کہ انزال ہو جائے۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كَانَ مَنْ مَضٰى يَأْمُرُوْنَ شُبَّانَهُمْ بِالْاِسْتِمْنَاءِ يَسْتَعْفِفُوْنَ بِذٰلِكَ. (عبدالرزاق)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں پہلے لوگ (یعنی صحابہؓ) اپنے جوانوں کو (جب ان پر شہوت کا غلبہ ہوتا) مشت زنی کرنے کو کہتے تاکہ اس کے ذریعے اپنے کو بدکاری سے بچائیں۔

عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ اَنَّهُ كَانَ لَا يَرٰى بَأْسًا بِالْمَرْاَةِ تُدْخِلُ شَيْئًا تُرِيْدُ السَّتْرَ تَسْتَغْنِيْ بِهِ عَنِ الزِّنَا. (عبدالرزاق)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ اس میں کچھ حرج نہ سمجھتے تھے کہ عورت پر (جب شہوت کا شدید غلبہ ہو تو محض) حیاداری کی خاطر اور زنا سے بچنے کی خاطر اپنی شرمگاہ میں کوئی چیز داخل کرے (جس کی وجہ سے اسے انزال ہو جائے اور شہوت کا غلبہ جاتا رہے)۔

مرد کا مرد کے ساتھ اور عورت کا عورت کیساتھ فعل بد کرنا

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِي الْمَرْاَةُ اِلَى الْمَرْاَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ. (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرد دوسرے مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور ایک عورت دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ (جبکہ دونوں ننگ دھڑنگ ہوں) ایک چادر کے اندر نہ گھسیں اور ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ (جبکہ دونوں ننگ دھڑنگ ہوں) ایک چادر کے اندر نہ گھسیں۔

عَنْ وَاثِلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّحَاقُ بَيْنَ النِّسَاءِ زِنَا بَيْنَهُنَّ. (طبرانی، ابویعلی)

واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' عورتوں کا آپس میں شرمگاہوں کو رگڑنا آپس میں زنا (کرنے کے برابر) ہے۔

منع حمل

منع حمل اختیار کرنے کی اگر کوئی ایسی غرض ہو جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہو تب تو جائز نہیں مثلاً:

ا۔ اگر لڑکی ہوگی تو بدنامی ہوگی۔ ۲۔ زیادہ اولاد ہوئی تو لوگوں میں سبکی ہوگی اور لوگ مذاق اڑائیں گے۔

۳۔ اگر مزید اولاد ہوگی تو مفلسی آ جائے گی۔ جیسا کہ حکومت خاندانی منصوبہ بندی کی مہم خاص اسی غرض سے چلاتی ہے۔

ایسی کوئی غرض نہ ہو تو عام حالات میں کوئی مانع حمل طریقہ اختیار کرنا جائز لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔ البتہ مجبوری ہو مثلاً بچہ ہونے سے پہلے کسی اور وجہ سے عورت کمزور ہے یا بیمار ہے اور حمل کا تحمل نہیں کر سکتی یا حج وغیرہ کا سفر درپیش ہے یا اوپر تلے دو تین بچے ہو گئے اور ان کی دیکھ بھال کیلئے کوئی ملازم رکھنے کی استطاعت نہیں ہے وغیرہ تو ان حالات میں کراہت تنزیہی بھی نہیں ہوگی۔

جواز کے دلائل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ. (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزل (Coitus Interruptus) یعنی جماع کے وقت آلۂ تناسل کو باہر کر کے انزال) کرتے تھے۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع نہیں کیا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً هِيَ خَادِمُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهٗ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهٗ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا میری ایک باندی ہے جو میرے کام کاج بھی کرتی ہے اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کو حمل ٹھہر جائے (کیونکہ اس سے میرے کام کاج میں فرق آجائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم چاہو تو اس سے عزل کرلو البتہ (یہ سمجھ لو کہ) جو بچہ اس کے لیے مقدر کردیا گیا وہ تو اس کے پاس ہوکر ہی رہے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ صاحب پھر آئے اور بتایا کہ میری اس باندی کو تو (عزل اور منع حمل کی تدبیر کے باوجود) حمل ٹھہر گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو میں نے تمہیں بتا ہی دیا تھا کہ اس کے لیے جو بچہ ہونا مقدر ہے وہ ہوکر ہی رہے گا۔

کراہت تنزیہی کے دلائل

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُوْنُ الْوَلَدُ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ. (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ہر نطفہ سے تو بچہ پیدا نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی شے کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو پھر کوئی بھی شے (اور کوئی بھی تدبیر) اس کو نہیں روک سکتی۔ (مطلب یہ ہے کہ منع حمل کی تمہاری تدبیر سے صرف تمہاری تسلی ہوتی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی تدبیر تقدیر الٰہی کو روک نہیں سکتی۔ (اگر کوئی بچہ ہونا ہے تو ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور یہ کہو کہ تم نے تدبیر کی تو بچہ نہیں ہوا تو ہر جماع اور ہر نطفہ سے تو بچہ ہوتا ہی نہیں ہے کتنے ہی نطفے ضائع جاتے ہیں۔ لہٰذا تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ تمہاری تدبیر نے بچہ نہیں ہونے دیا)

عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ قَالَتْ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُنَاسٍ ثُمَّ سَاَلُوْهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهِيَ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ. (مسلم)

حضرت جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئی کچھ دیر کے بعد لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو خفیہ زندہ درگور کرنے کی مانند ہے (خفیہ اس طرح کہ اصل غرض یہ ہے کہ اولاد سے چھٹکارا رہے۔ پھر اس غرض کو حاصل کرنے کے لیے کبھی تو بچہ ہونے کے بعد اس کو زندہ درگور کر دیتے ہیں جو کھلا قتل ہے اور دیگر لوگوں کی نظر میں آتا ہے اور کبھی بچہ ہونے سے پہلے عزل کر کے اس کے مادہ تخلیق کو ضائع کر دیتے ہیں جو کہ خفیہ قتل ہے۔ لیکن چونکہ اس میں بھی مقصود یہی ہے لہٰذا خفیہ زندہ درگور کرنا ہے اور (ایک درجہ میں) یہ آیت "وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ" کے تحت داخل ہے۔

نامردی

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَضٰى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي الْعِنِّيْنِ أَنْ يُؤَجَّلَ سَنَةً۔ (عبد الرزاق)

سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں نامرد کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ دیا کہ اس کو (علاج کے لیے) ایک سال کی مہلت دی جائے۔ (اتنی مدت میں اگر وہ بیوی سے جماع کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ زوجین کے درمیان جدائی کر دو اور عورت کو پورا مہر ملے گا)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ يُؤَجَّلُ الْعِنِّيْنُ سَنَةً فَإِنْ جَامَعَ وَإِلَّا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا۔ (عبد الرزاق)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نامرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے۔ پھر اگر اس مدت میں اس نے جماع کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ زوجین کے درمیان جدائی کر دی جائے۔

عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْهُ فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّ زَوْجَهَا لَا يَصِلُ إِلَيْهَا فَأَجَّلَهُ حَوْلًا فَلَمَّا انْقَضٰى حَوْلٌ وَلَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا خَيَّرَهَا فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا عُمَرُ وَجَعَلَهَا تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً۔ (کتاب الحجۃ لمحمد)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور آپ کو بتایا کہ اس کا شوہر اس سے جماع نہیں کر پاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اس کے شوہر کو بلوایا اور تحقیق کر کے علاج کی خاطر) اس کو ایک سال کی مہلت دی۔ جب سال گزر گیا اور شوہر کو بیوی سے جماع پر قدرت حاصل نہ ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورت کو اختیار دیا (کہ وہ چاہے تو اپنی جدائی کو اختیار کر لے) اور عورت نے اپنی جدائی کو اختیار کیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور اس تفریق کو ایک طلاق بائن قرار دیا۔

زنا سے متعلق احکام کے نزول کی ترتیب

زنا کے متعلق پہلے یہ دو آیتیں نازل ہوئیں:

۱۔ وَاللَّاتِي يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوْا فَأَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا۔ (سورہ نساء: ۱۵)

"اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیویوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر بند رکھو۔ یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راہ تجویز فرما دیں۔"

۲۔ وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوْا عَنْهُمَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (سورہ نساء: ۱۶)

"اور دو مرد و عورت جو تم میں سے بے حیائی کریں انہیں ایذا پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

ان دو آیتوں سے دو حکم ملے۔ ۱۔ اگر شوہر بیویوں پر زنا کا الزام رکھیں اور ان کے جرم پر چار گواہ بھی لے آئیں تو آئندہ حکم آنے تک ان کو گھروں میں محبوس رکھا جائے۔

۲۔ جو بھی مرد و عورت زنا کریں خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں ان کو حسب حال تعزیر کی جائے۔

زنا کی مرتکب بیویاں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جن سے صحبت ہو چکی ہو یعنی وہ ثیب ہوں یا ان سے صحبت نہ ہوئی ہو یعنی وہ باکرہ ہوں۔ اسی طرح زنا کے مرتکب مردوں میں بعض ایسے ہیں جو نکاح کے بعد صحبت کر چکے ہوں اور کچھ وہ ہیں جو ابھی تک صحبت نہ کر پائے ہوں اور کچھ وہ ہیں جن کا نکاح ہی نہ ہوا ہو۔ جب یہ کہا گیا کہ "آئندہ حکم آنے تک زنا کی مرتکب بیویوں کو گھروں میں محبوس رکھو۔" تو انتظار صرف ان بیویوں کے حکم کا نہیں بلکہ ان سے زنا کرنے والوں کے حکم کا بھی ہے کیونکہ اول یہ انہیں سے ملوث ہوتے ہیں اور دوسرے ان کے بارے میں بھی کوئی متعین حکم نہیں دیا۔

مذکورہ بالا حکم کے بعد دوسرا حکم سنت و حدیث میں بیان ہوا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا عَنِّيْ خُذُوْا عَنِّيْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے لو مجھ سے لو اللہ تعالیٰ نے ان زنا کار بیویوں کے لیے (اور ان سے ملوث مردوں کے لیے) ضابطہ مقرر فرما دیا ہے۔ غیر شادی شدہ مرد کی غیر شادی شدہ عورت سے بدکاری میں سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ (یہی حکم ان مردوں اور عورتوں کا جن کا نکاح ہو چکا ہو لیکن صحبت نہ ہوئی) اور شادی شدہ مرد کی شادی شدہ عورت سے بدکاری میں (جب کہ دونوں پہلے نکاح سے صحبت بھی کر چکے ہوں) سو کوڑے اور رجم ہے۔

اس حدیث و سنت سے اس بیوی کا حکم بھی معلوم ہوا جس سے صحبت ہو چکی ہو پھر اس نے زنا کیا ہو اور شوہر نے اس پر چار گواہ قائم کر دیے ہوں کہ اس کی سزا رجم ہے۔

تیسرے درجے میں سورہ نور کی آیات نازل ہوئیں۔ ان کے ساتھ ہی رجم سے متعلق آیت بھی نازل ہوئی۔ ان آیات میں مندرجہ ذیل احکام ملے۔ ۱۔ شوہر بیوی پر زنا کا الزام رکھے لیکن چار گواہ پیش نہ کر سکے تو لعان ہوگا۔

۲۔ "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ" کے الفاظ سے غیر شادی شدہ کا حکم بتایا کہ اس کی سزا صرف سو کوڑے ہیں اور ایک سالہ جلاوطنی کو منسوخ کر دیا گیا۔

۳۔ رجم کی آیت بھی نازل ہوئی جس سے رجم کی سزا کو برقرار رکھا گیا اور سو کوڑوں کی سزا کو منسوخ کر دیا گیا۔ بعد میں اس آیت کے الفاظ منسوخ کر دیے گئے۔

کِتَابُ الْبُیُوْعِ وَالْمُعَامَلَاتِ

حلال روزی فرائض میں سے ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اکثر شارحین نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان اور نماز روزہ وغیرہ جو اسلام کے اولین اور بنیادی ارکان و فرائض ہیں۔ درجہ اور مرتبہ میں ان کے بعد حلال روزی حاصل کرنے کی فکر اور کوشش بھی ایک اسلامی فریضہ ہے۔ بندہ اگر اس سے غفلت برتے اور کوتاہی کرے گا تو خطرہ ہے حرام روزی سے پیٹ بھرے اور آخرت میں اس کا انجام وہ ہوگا جو حرام سے پیٹ بھرنے والوں کا بتلایا گیا ہے۔ اللہ کی پناہ!

پھر یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے کسی فریضہ کا ادا کرنا اس کی بندگی اور عبادت ہے اور بندہ اس پر اس اجر و ثواب کا مستحق ہے جو فریضہ کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا چاہئے۔ پس کسب حلال کی فکر و کوشش اور اس میں مشغول ہونا بھی دینی عبادت اور موجب اجر و ثواب ہے۔ اس میں کسب حلال کے طالب ہر تاجر، ہر مزدور اور ہر کاشتکار اور ہر دست کار کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے لیکن یہ بہر حال پیش نظر رہے کہ اس حدیث میں صرف ترقی کرنے کو نہیں بلکہ کسب حلال کی تلاش و فکر کا فریضہ بتلایا گیا ہے اور اس ارشاد کا خاص مقصد اور مطمح نظر حرام سے بچانا ہے۔

بعض حالات میں روپیہ پیسہ کی ضرورت اور اہمیت

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ إِلَّا الدِّيْنَارُ وَ الدِّرْهَمُ. (رواہ احمد)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے لوگوں کے لئے ایک وقت آئے گا جب روپیہ پیسہ ہی کام آئے گا۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس حدیث کو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ایک تابعی ابوبکر بن ابی مریم ہیں،

انہوں نے واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت مقدامؓ کے یہاں دودھ دینے والے جانور تھے ان کی ایک باندی دودھ فروخت کرتی اور اس کی قیمت خود حضرت مقدامؓ لے لیتے تھے، اس پر بعض لوگوں نے ناپسندیدگی کے ساتھ تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ دودھ فروخت کراتے ہیں اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں میں ایسا کرتا ہوں، اور اپنے طرز عمل کے جواز کی سند میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا حوالہ دیا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اپنی چیز فروخت کر کے روپیہ پیسہ حاصل کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ روپیہ پیسہ ہی آدمی کے کام آئے گا۔ یعنی میں اسی خیال سے دودھ فروخت کر کے روپیہ پیسہ حاصل کرتا ہوں، مطلب یہ تھا کہ یہ اگر عزیمت نہیں تو رخصت ضرور ہے۔

سچائی اور دیانتداری کے ساتھ تجارت کرنے کے فضائل

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ. (رواه الترمذى والدارمى والدارقطنى، ورواه ابن ماجة عن ابن عمر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن دارمی، سنن دارقطنی)

اور ابن ماجہ نے یہی حدیث اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

تشریح ..... "الصدوق" اور "الامین" دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، حدیث کا مطلب اور پیغام واضح ہے کہ جو تاجر اور سوداگر اپنے کاروبار میں سچائی اور امانت یعنی دیانت داری کی پورے اہتمام سے پابندی کریں گے، قیامت اور آخرت میں وہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

"وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا."

(جو بندے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کریں گے، وہ (قیامت و آخرت میں) ان مقبولین و مقربین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے، یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین (کے ساتھ) اور یہ سب بہت ہی اچھے رفیق ہیں) تجارت اور سوداگری بڑی آزمائش کی چیز ہے، تاجر کے سامنے بار بار ایسی صورتیں آتی ہیں کہ اگر وہ خدا کے حکم کے مطابق سچائی اور دیانت داری کا لحاظ کرنے کے بجائے اس وقت وہ اپنی تجارتی مصلحت کے مطابق بازاری بات کرے تو ہزاروں لاکھوں کا نفع ہوتا ہے، پس جو تاجر اپنی تجارتی مصلحت اور نفع نقصان سے صرف نظر کر کے اللہ کے حکم کے مطابق ہر حال میں سچائی اور ایمانداری کی پابندی کرتا ہے وہ خدائی امتحان میں بڑا کامیاب ہے اور اس حدیث میں ایسے تاجروں کو بشارت سنائی گئی ہے کہ قیامت و آخرت میں وہ اللہ کے مقبول ترین بندوں یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ان کی سچائی و دیانت داری کا صلہ ہوگا۔

آمدنی وخرچ کا انتظام رکھنا

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تزول قدم ابن ادم یوم القیامۃ حتی یسئل عن خمس (ومن الخمس) وعن مالہ من این اکتسبہ وفیما انفقہ

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی آدمی کے قدم (حساب کے موقع سے) نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو چکے گا اور (ان پانچ میں دو یہ بھی ہیں کہ) ان کے مال کے متعلق بھی (سوال ہوگا) کہ کہاں سے کمایا (یعنی حلال سے یا حرام سے) اور کاہے میں خرچ کیا؟ الخ (ترمذی)

فائدہ: تفصیل اس کی یہ ہے کہ کمانے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے جیسے سود لینا اور رشوت لینا اور کسی کا حق دبا لینا جیسے کسی کی زمین چھین لینا۔ موروثی کا دعویٰ کرنا یا کسی کا قرض مار لینا یا کسی کا حصہ میراث کا نہ دینا جیسے بعضے آدمی لڑکیوں کو نہیں دیتے یا اس کے کمانے میں اتنا کھپ جانا کہ نماز کی پرواہ نہ رہے یا آخرت کو بھول جائے۔ زکوٰۃ و حج ادا نہ کرے یا دین کی باتیں سیکھنا یا بزرگوں کے پاس آنا جانا چھوڑ دے اور اسی طرح خرچ کرنے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے جیسے گناہوں کے کام میں خرچ کرنا یا شادی غمی کی رسموں میں یا نام کے لیے خرچ کرنا یا محض نفس کے خوش کرنے کو ضرورت سے زیادہ کھانے کپڑے یا مکان کی تعمیر یا سجاوٹ یا سواری شکار یا بچوں کے کھیل کھلونوں میں خرچ کرنا، سو ان سب احتیاطوں کے ساتھ اگر مال کماوے یا جمع کرے تو کچھ ڈر نہیں بلکہ بعضی صورتوں میں ایسا کرنا بہتر بلکہ ضروری ہے جیسے بیوی بچوں کا ساتھ ہے اور ان کے کھانے پینے یا ان کو دین سکھلانے میں روپیہ کی حاجت ہے یا دین کی حفاظت میں روپیہ کی ضرورت ہے جیسے علم دین کے مدرسے ہیں یا مسلمانوں کی خدمت یا اسلام کی تبلیغ کی انجمنیں ہیں یا اسلامی یتیم خانے ہیں یا مسجدیں ہیں۔

خاص کر جب دشمنانِ دین ان چیزوں کے مٹانے کے لیے روپیہ خرچ کرتے ہوں اور حالات ایسے ہوں کہ روپیہ کا مقابلہ روپیہ ہی سے ہو سکتا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے ایسے موقع کے لیے پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھنے کا حکم فرمایا ہے (سورۂ توبہ) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے ہی گھوڑوں کے رکھنے میں خاص درجے کے ثواب کا اور ان گھوڑوں کی ہر حالت پر بہت بہت نیکیوں کا وعدہ فرمایا ہے (مسلم)۔ غرض ایسی حاجتوں میں دنیا اور دین کی موجودہ اور آئندہ حاجتوں کی کفایت کی قدر روپیہ حاصل کرنا عبادت ہوگا۔ اگلی حدیثوں میں اسی کا ذکر ہے۔

(مثلاً کوئی کافر زمیندار کسی مسلمان رعایا کو تنگ کرے، اگر مسلمان کے پاس زمین ہو وہ اس کو پناہ دے سکتا ہے ۱۲)

۲۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کمائی کی تلاش کرنا فرض ہے بعد فرض (عبادت) کے۔ (بیہقی)

ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں کیلئے ہے (ان میں سے) ایک وہ بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال بھی دیا اور دین کی واقفیت بھی دی سو وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کیلئے اس کے حقوق پر عمل کرتا ہے یہ شخص سب سے افضل مرتبہ میں ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال خوش نما خوش مزہ چیز ہے جو شخص اس کو حق کے ساتھ (یعنی شرع کے موافق) حاصل کرے اور حق میں (یعنی جائز موقع میں) خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لانبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا مال اچھے آدمی کے لیے اچھی چیز ہے۔ (احمد)

مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں صرف اشرفی اور روپیہ ہی کام دے گا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مال پہلے زمانہ میں (یعنی صحابہ کے وقت میں) ناپسند کیا جاتا تھا (کیونکہ قلب میں دین کی قوت ہوتی تھی اس لیے مال سے قوت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اس کی خرابیوں پر نظر کر کے اس سے دور رہنا پسند کرتے تھے) لیکن اس زمانہ میں وہ مال مومن کی ڈھال ہے (یعنی اس کو بددینی سے بچاتا ہے کیوں کہ قلب میں وہ قوت نہیں۔ سو مال کے نہ ہونے سے پریشان ہو جاتا ہے اور پریشانی میں دین کو برباد کر لیتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ ہمارے پاس یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بڑے لوگ ہماری صفائی بنا لیتے (یعنی ذلیل وخوار سمجھتے اور ذلت سے بعض دفعہ دین کا بھی نقصان ہو جاتا ہے۔ اب مال کے سبب ہماری عزت کرتے ہیں اور عزت کے سبب ہمارا دین محفوظ رہتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے ہاتھ میں کچھ روپیہ پیسہ ہو اس کی درستی کرتا رہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہے یا کم از کم اس کو برباد نہ کرے) کیونکہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی (اس میں) محتاج ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے اپنے دین ہی پر ہاتھ صاف کرتا ہے (جیسا ڈھال ہونے کے مطلب میں بھی گذرا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ حلال مال فضول خرچی کی برداشت نہیں کر سکتا (یعنی اکثر وہ اتنا ہوتا ہی نہیں کہ اس کو بے موقع اڑایا جاوے اور وہ پھر بھی ختم نہ ہو اس لیے اس کو سنبھال سنبھال کر ضرورت میں خرچ کرے تاکہ جلدی ختم ہونے سے پریشانی نہ ہو (شرح سنہ) آگے حلال مال حاصل کرنے کے ذریعوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنے والا امانت والا تاجر (قیامت میں) پیغمبروں اور ولیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی ودارمی ودار قطنی)

فائدہ: اس میں حلال تجارت کی فضیلت ہے۔

فضیلت تجارت وزراعت

عن مقدام بن معد یکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ وان نبی اللہ داود علیہ السلام کان یاکل من عمل یدیہ

مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھائے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے (بخاری)

اور وہ دستکاری زرہ بنانا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے اور اس سے حلال دستکاری کی فضیلت معلوم ہوئی۔ البتہ حرام دستکاری گناہ کی چیز ہے، جیسے جاندار کا فوٹو لینا یا تصویر بنانا یا باجے بنانا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اور آپ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراطوں پر چرایا کرتا تھا۔ (بخاری)

فائدہ: قیراط دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے اور دینار دو روپے سکہ سے قریب پونے تین روپے کے ہوتا ہے تو قیراط دو پائی کم دو آنہ کا ہوا تو فی ہر بکری کی چرائی اتنی ٹھہرتی ہوگی اور اس سے ایسی مزدوری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں کئی شخصوں کا کام کیا جائے۔

عتبہ بن المنذر رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو آٹھ یا دس برس کے لیے نوکر رکھ دیا تھا (حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانے پر)۔ (احمد و ابن ماجہ)

فائدہ: یہ قصہ قرآن مجید میں بھی ہے اس سے ایسی نوکری کی فضیلت ہوئی کہ جس میں ایک ہی شخص کا کام کیا جائے۔

حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (زمین کو) کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا کچھ حرج نہیں۔ (مسلم)

فائدہ: اس سے جائز کرایہ کی آمدنی کی اجازت معلوم ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ کوئی درخت لگا دے یا کھیتی کرے پھر اس سے کوئی آدمی یا کوئی پرندہ یا کوئی مواشی کھا دے مگر اس شخص کے لیے وہ (جو کھا گئے) خیرات ہوتا ہے (یعنی خیرات کا ثواب ملتا ہے)۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس سے کھیتی کرنے اور اسی طرح درخت یا باغ لگانے کی کیسی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی آمدنی کا ایک پسندیدہ ذریعہ ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آیا آپ نے (اس کے گھر سے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ پانی پینے کا منگا کر اور اس کو نیلام کر کے اس کی قیمت میں سے کچھ اناج اور کلہاڑی خرید کر اس کو دے کر) فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بیچو پھر فرمایا یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ مانگنے کا کام قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر (ذلت کا) ایک داغ ہو کر ظاہر ہو۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حلال پیشہ کیسا ہی گھٹیا ہو۔ (بشرطیکہ دینی ذلت نہ ہو جیسے مسلمان کسی کافر کی بہت ذلیل خدمت کرے ۱۲) اگرچہ گھاس ہی کھودنا ہو مانگنے سے اچھا ہے اگرچہ شان ہی بنا کر مانگا جاوے جیسے بہت لوگوں نے چندہ مانگنے کا پیشہ کر لیا ہے جس سے اپنی ذلت اور دوسروں پر گرانی ہوتی ہے البتہ کسی دینی کام کے لیے عام خطاب سے چندہ کی ضرورت ظاہر کی جاوے تو مضائقہ نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (حلال) پیشہ کرنے والے مومن سے محبت کرتا ہے۔ (طبرانی و بیہقی)

فائدہ: اس میں ہر حلال پیشہ آ گیا کسی حلال پیشہ کو ذلیل نہ سمجھنا چاہیے آگے اس کا ذکر ہے کہ اپنی تسلی کے لیے

حلال، اس کا ذخیرہ رکھنا بھی مصلحت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ (یہود) بنی نضیر کے اموال (مراد زمینیں ہیں جو بذریعہ فتح مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (خرچ کے) لیے مخصوص تھے آپ اس میں سے اپنی بیویوں کا خرچ ایک سال کا دے دیتے تھے اور جو بچتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں (یعنی جہاد کے سامان) میں لگا دیتے۔ (صحیح بخاری)

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میری توبہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ و رسول کی نذر کر کے اس سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کچھ مال تھام لیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر (اور مصلحت) ہے (اور وہ مصلحت یہی ہے کہ گذر کا سامان اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہونے پاتی) میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ تھامے لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے۔ (صحیح بخاری)

فائدہ: پہلی حدیث سے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بقدر ضرورت ذخیرہ رکھنا اور دوسری حدیث سے حضور کا اس کے لیے مشورہ دینا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایسے شخص سے نفرت رکھتا ہوں جو شخص بیکار ہو نہ کسی دنیا کے کام میں ہو اور نہ آخرت کے کام میں ہو۔ (بیہقی و ابن ابی شیبہ)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے متعلق کوئی دینی کام نہ ہو اس کو چاہیے کہ معاش کے کسی جائز کام میں لگے بیکار عمر نہ گزارے باقی دین کا کام کرنے والوں کو وعدہ رزق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ معاش کی فکر نہ کریں۔ یہاں تک آمدنی کا ذکر تھا آگے خرچ کا ذکر ہے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مال کے ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: ضائع کرنے کا مطلب بے موقع خرچ کرنا ہے جس کی کچھ تفصیل حدیث نمبر ایک کے ذیل میں مذکور ہے۔

حضرت انس و ابو امامہ و حضرت ابن عباس و حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے (مجموعاً مرفوعاً) روایت ہے کہ خرچ کی چال چلنا (یعنی نہ کنجوسی کرے اور نہ فضول اڑا دے بلکہ سوچ سمجھ کر اور سنبھال کر ہاتھ روک کر کفایت شعاری اور اقتصاد و اعتدال کے ساتھ ضرورت کے موقعوں میں صرف کرے تو بطرح خرچ کرنا) آدھی کمائی ہے۔ جو شخص خرچ کرنے میں اعتدال کی چال چلے گا وہ محتاج نہیں ہوتا اور فضول اڑانے میں زیادہ مال بھی نہیں رہتا۔ (من مقاصد و مشکوٰۃ و بیہقی وغیرہ)

فائدہ: اس میں خرچ کے انتظام کا گر بتلا دیا گیا اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ زیادہ تر پریشانی و بربادی کا سبب یہی ہے کہ خرچ کا انتظام نہیں رکھا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ہاتھ میں ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر قرض لینا شروع کر دیتے ہیں۔ جس کے ادا ہونے بے شمار رہتی ہیں۔ جو کہ دنیا میں بھی ذلیل ہو جاتے ہیں اور آخرت میں بھی وعید ہے۔

حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کے بارے میں فرمایا (یعنی جو کسی کا مالی حق کسی کے ذمہ آتا ہو) قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے قبضہ میں ہے

کہ اگر کوئی شخص جہاد میں شہید ہو جاوے پھر زندہ ہو کر (دوبارہ) شہید ہو جاوے پھر زندہ ہو کر (سہ بارہ) شہید ہو جاوے اور اس کے ذمہ کسی کا دین آتا ہو وہ جنت میں نہ جاوے گا جب تک اس کا دین ادا نہ کیا جائے گا۔ (نسائی، بیہقی)

فائدہ: البتہ جو دین کسی ایسی ضرورت سے لیا کہ شرع کے نزدیک بھی وہ ضرورت ہے اور اس کے ادا کرنے کی دھن میں بھی لگا رہا اس کی اجازت ہے۔ (از مؤدۃ فی الترہیب من الدین من الترغیب)

ان سب حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ مال کا آمد و خرچ اگر شرع کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس میں کوئی بُرائی نہیں اور جہاں بُرائی آتی ہے وہ اس صورت میں ہے جب اس کا آمد و خرچ شرع کے خلاف ہو جیسے حدیثوں میں نکاح کرنے کی اور نسل بڑھانے کی تاکید بھی آئی ہے۔ (کمافی الروح الاقی) پھر بی بی اور اولاد کو دشمن بھی فرمایا ہے۔ (تغابن)

یعنی جب آخرت سے روکے (جلالین)۔ یہی حالت مال کی ہے۔

اسی لیے فتنہ ہونے میں بھی مال اور اولاد دونوں کا ساتھ ہی ذکر فرمایا (تغابن) یعنی جب آخرت سے غافل کرے (جلالین)۔ پس ان سب کی ایک حالت ہوئی۔ سو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں خوب برتو مگر غلام بن کر نہ کہ باغی بن کر۔ یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی ہیں اور بعض حدیثیں جو دوسری کتابوں سے لی ہیں ان کے نام کے ساتھ لفظ عن بڑھا دیا۔

جائز مال و دولت بندۂ مومن کیلئے اللہ کی نعمت ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه و آله وسلم قَالَ لَهُ أُرِيْدُ أَنْ أَبْعَثَكَ عَلَى جَيْشٍ فَيُسَلِّمَكَ اللّٰهُ وَيُغْنِمَكَ وَأَرْغَبُ لَكَ مِنَ الْمَالِ رَغْبَةً صَالِحَةً فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا أَسْلَمْتُ مِنْ أَجْلِ الْمَالِ وَلٰكِنْ أَسْلَمْتُ رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ وَأَنْ أَكُوْنَ مَعَكَ فَقَالَ يَا عَمْرُو نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ۔ (رواہ احمد)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ تم کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں، پھر تم اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح سالم لوٹو (اور وہ مہم تمہارے ہاتھ پر فتح ہو) اور تم کو مال غنیمت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو مال و دولت کا اچھا عطیہ ملے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، میں نے اسلام مال و دولت کے لئے قبول نہیں کیا ہے، بلکہ میں نے اسلام کی رغبت و محبت کی وجہ سے اس کو قبول کیا ہے، اور اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت و رفاقت مجھے نصیب ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرو! اللہ کے صالح بندہ کے لئے جائز و پاکیزہ مال و دولت اچھی چیز (اور قابل قدر نعمت) ہے۔ (مسند احمد)

تشریح...... حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال و دولت اگر جائز طریقہ سے حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کی قابل قدر نعمت اور اس کا خاص فضل ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جائز اور پاک ذرائع سے مال و دولت نصیب فرمائے اور شکر کی اور صحیح مصارف میں خرچ کرنے کی توفیق ملے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور بڑی قابل قدر نعمت ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت داؤد و سلیمان اور حضرت ایوب و یوسف علیہم السلام اور ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل سے نوازا تھا

اور اکابر صحابہ میں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام وغیرہم رضی اللہ عنہم کو بھی اس فضل خداوندی سے وافر حصہ عطا ہوا تھا، بہرحال یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی قابل قدر اور لائق شکر نعمت ہے۔ (نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ)

حرام مال کی نحوست

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لَا یَکْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَیَتَصَدَّقُ مِنْہُ فَیُقْبَلُ مِنْہُ وَلَا یُنْفِقُ مِنْہُ فَیُبَارَکُ لَہٗ فِیْہِ وَلَا یَتْرُکُہٗ خَلْفَ ظَھْرِہٖ اِلَّا کَانَ زَادَہٗ اِلَی النَّارِ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَمْحُو السَّیِّئَ بِالسَّیِّئِ وَلٰکِنْ یَمْحُو السَّیِّئَ بِالْحَسَنِ، اِنَّ الْخَبِیْثَ لَا یَمْحُو الْخَبِیْثَ. (رواہ احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقے سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے لللہ صدقہ کرے، تو اس کا صدقہ قبول ہو۔ اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (منجانب اللہ) برکت ہو اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔“ (مسند احمد)

تشریح۔۔۔ حدیث کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا اور حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی، اور جب کوئی آدمی ناجائز و حرام طریقے سے کمایا ہوا مال مرنے کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ گیا تو وہ آخرت میں اس کیلئے وبال ہی کا باعث ہوگا اس کو حرام کمانے کا بھی گناہ ہوگا اور وارثوں کو حرام کھلانے کا بھی۔ (حالانکہ وارثوں کے لئے حلال مال چھوڑ جانا ایک طرح کا صدقہ ہے اور اس پر یقیناً اجر و ثواب ملنے والا ہے) آگے جو فرمایا گیا ہے۔ ”اِنَّ اللّٰہَ لَا یَمْحُو السَّیِّئَ بِالسَّیِّئِ الخ۔“ اس میں مال حرام کا صدقہ قبول نہ ہونے اور مرنے کے بعد باعث وبال ہونے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر صحیح اور پاک مال سے ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اگر حرام اور ناپاک مال سے صدقہ کیا گیا تو وہ نجس اور ناپاک ہے وہ گناہوں کی گندگی کو دھونے کی اور گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح گندے اور ناپاک پانی سے ناپاک کپڑا صاف نہیں کیا جا سکتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَکُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِہٖ. (رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جا سکے گا جس کا نشوونما حرام مال سے ہوا ہو اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہو جہنم کی آگ ہی کا زیادہ مستحق ہے۔ (مسند احمد، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح۔۔۔ اللہ کی پناہ! اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے۔ الفاظ حدیث کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ جو شخص حرام کمائی کی غذا سے پلا بڑھا ہوگا وہ جنت کے داخلے سے محروم رہے گا اور دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ اللھم احفظنا۔

شارحین حدیث نے قرآن و حدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسا آدمی حرام

خوری کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جا سکے گا۔ ہاں اگر وہ مومن ہوگا تو حرام کا عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں جا سکے گا اور اگر مرنے سے پہلے اس کو صادق توبہ و استغفار نصیب ہو گیا یا کسی مقبول بندہ نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور قبول ہو گئی یا خود رحمت الٰہی نے مغفرت کا فیصلہ فرما دیا تو عذاب کے بغیر بھی بخشا جا سکتا ہے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ. (رواه البخاري وزاد رزين فاذا ذلك لا تجاب لهم دعوة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ جو لے رہا ہے حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس زمانہ کی اس حدیث میں خبر دی ہے بلاشبہ وہ آ چکا ہے آج امت میں ان لوگوں میں بھی جو دیندار سمجھے جاتے ہیں کتنے ہیں جو اپنے پاس آنے والے روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں یہ سوچنا اور تحقیق کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ ہو سکتا ہے کہ آگے اس سے بھی زیادہ خراب زمانہ آنے والا ہو۔ (مسند رزین کی اسی حدیث کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی)

حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تمیز نہ کرنا، روح ایمانی کی موت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سلسلہ کی تعلیمات و ہدایات نے صحابہ کرام کی زندگیوں اور ان کے دلوں پر کیا اثر ڈالا تھا اس کا اندازہ ان دو واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اس میں سے کچھ کھا لیا، اس کے بعد اس غلام نے بتلایا کہ یہ چیز مجھے اس طرح حاصل ہوئی کہ اسلام کے دور سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی کو میں نے اپنے کو کاہن ظاہر کر کے دھوکا دیا تھا اور اس کو کچھ بتلا دیا تھا۔ جیسے کہ کاہن لوگ بتلا دیا کرتے تھے تو آج وہ آدمی ملا اور اس نے مجھے اس کے حساب میں کھانے کی یہ چیز دی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کی اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب نکال دیا۔

اسی طرح امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دودھ پیش کیا، آپ نے اس کو قبول فرما لیا اور پی لیا۔ آپ نے اس آدمی سے پوچھا کہ دودھ تم کہاں سے لائے؟ اس نے بتلایا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے میں گزر رہا تھا وہاں زکوٰۃ کے جانور اونٹنیاں بکریاں وغیرہ تھیں لوگ ان کا دودھ دوہ رہے تھے، انہوں نے مجھے بھی دیا، میں نے لے لیا، یہ وہی دودھ تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کی طرح حلق میں انگلی ڈال کر آپ نے بھی قے کر دی اور اس دودھ کو اسی طرح نکال دیا۔ (مشکوٰۃ)

ان دونوں واقعوں میں ان دونوں بزرگوں نے جو کھایا پیا تھا چونکہ لاعلمی اور بے خبری میں کھایا پیا تھا اس لئے ہرگز گناہ نہ تھا لیکن حرام غذا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ ان حضرات نے سنا تھا اس سے یہ اتنے خوفزدہ تھے کہ اس کو پیٹ سے نکال دینے کے بغیر چین نہ آیا۔ بے شک حقیقی تقویٰ یہی ہے۔

مشتبہ سے بھی بچنا ضروری ہے

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو حلال ہے وہ واضح اور روشن ہے اور جو حرام ہے وہ بھی واضح اور روشن ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں، ان کو (یعنی ان کے شرعی حکم کو) بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی (ازراہ احتیاط) پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لے گا اور بے داغ رہے گا، اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا اور مبتلا ہوگا وہ (خدانخواستہ) حرام کے حدود میں جا گرے گا، اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور محفوظ سرکاری علاقے کے آس پاس بالکل قریب میں چراتا ہے تو اس کا قریبی خطرہ ہوتا ہے کہ وہ جانور اس محفوظ سرکاری علاقے میں داخل ہو کر چرنے لگیں (جو قابل سزا جرم ہے) اور معلوم ہونا چاہئے کہ ہر بادشاہ اور فرمانروا کا ایک حمی (محفوظ علاقہ) ہوتا ہے (جس کی حدود میں بغیر اجازت داخلہ جرم سمجھا جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا حمی (محفوظ علاقہ) اس کے محارم یعنی محرمات ہیں (آدمی کو چاہئے کہ اس کے قریب بھی نہ جائے یعنی مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے) اور خبردار انسان کے جسم میں ایک مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) ہے (جس کی شان یہ ہے) کہ اگر وہ ٹھیک ہو (یعنی اس میں نور ایمان، خدا کی معرفت اور اس کا خوف ہو) تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے (یعنی اس کے اعمال و احوال صحیح و درست ہوتے ہیں) اور اگر اس کا حال خراب ہو تو سارے جسم کا حال بھی خراب ہوتا ہے۔ (یعنی اس کے اعمال و احوال خراب ہو جاتے ہیں) آگاہ رہو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کے پورے ذخیرہ میں چند حدیثیں وہ ہیں جن کو امت کے علماء اور فقہاء نے بہت اہم اور اصولی سمجھا ہے۔ انہی میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں سب سے پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ شریعت میں جو چیزیں اور جو معاملات صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دیئے گئے ہیں ان کا معاملہ تو صاف اور روشن ہے لیکن ان کے علاوہ بہت سی چیزیں اور بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا جائز یا ناجائز ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہ ہو سکے گا بلکہ دونوں رایوں کی گنجائش ہوگی مثلاً شریعت کے ایک اصول کی روشنی میں ان کو جائز اور کسی دوسرے اصول کی روشنی میں ناجائز قرار دیا جا سکے گا تو ایسی شبہ والی چیزوں اور ایسے معاملات کے بارے میں بندۂ مومن کا طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ ازراہ احتیاط و تقویٰ ان سے بھی پرہیز کرے، اسی میں دین و آبرو کی حفاظت ہے۔ آگے آپ نے ارشاد فرمایا کہ:
"جو شخص ایسی مشتبہ چیزوں سے پرہیز کا اہتمام نہ کرے گا تو وہ بے احتیاطی کا عادی بن کر حرام کا بھی مرتکب ہو جائے گا۔" پھر اس بات کو مثال سے سمجھاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مثلاً جو چرواہا اپنے جانوروں کو اس سرکاری محفوظ علاقے کے قریب اور بالکل اس کی سرحد پر چرائے گا جس میں عوام کے لئے جانوروں کا چرانا جرم ہے تو بعید نہیں کہ اس

کے جانور کسی وقت اس محفوظ علاقہ کی حدود میں داخل ہو کر چرنے لگیں، پس جس طرح چرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو سرکاری علاقہ سے دور ہی رکھے اور اس کے قریب بھی نہ جانے دے اسی طرح بندۂ مومن کو چاہئے کہ وہ مشتبہ چیزوں اور مشتبہ معاملات سے بھی پرہیز کرے، اس طرح وہ محرمات اور معصیات سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ یہی مقام تقویٰ ہے۔

آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نہایت اہم بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ انسانی وجود کے بگاڑ اور سدھار، سعادت اور شقاوت کا دارومدار اس کے قلب کے حال پر ہے جو انسان کے پورے جسمانی وجود پر اور تمام اعضاء پر حکمرانی کرتا ہے اگر وہ درست ہوگا اور اس میں خدا کی معرفت کا خوف اور ایمان کا نور رہوگا تو انسان کا پورا جسمانی وجود درست رہے گا اور اس کے اعمال و احوال صحیح اور صالح ہوں گے اور اگر قلب میں فساد و بگاڑ ہوگا اور اس پر حیوانی و شیطانی جذبات کا غلبہ ہوگا تو اس کا پورا جسمانی وجود فاسد اور غلط کار ہوگا اور اس کے اعمال و احوال شیطانی و حیوانی ہوں گے۔

اس حدیث میں قلب سے مراد انسان کا وہ باطنی مرکز ہے جس کا رجحان خیر یا شر کی طرف ہوتا ہے۔ اس کو مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کے سینہ میں بائیں جانب صنوبری شکل کا جو ایک خاص عضو اور مضغہ ہے جس کو قلب اور دل کہا جاتا ہے وہ اس باطنی حاسہ کا خاص محل اور گویا اس کا تخت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث پاک میں پہلے تو محرمات کے علاوہ مشتبہات سے بھی بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی جو تقوے کی بنیادی شرط ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلب کے بارے میں بیان کا جو اہل دل ہی کا حق ہے، انسان کی سعادت و شقاوت کا دارومدار قلب کے صلاح و فساد پر ہے اس کی حفاظت اور نگرانی کی طرف توجہ دلائی۔ مبارک ہیں وہ بندے جو قلب اور باطن کی اس اہمیت کو سمجھتے ہیں اور آداب اور ظاہر سے زیادہ اپنے قلب اور باطن کی فکر رکھتے ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام کا یہی امتیاز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت کی اہمیت کو سب سے زیادہ انہوں نے سمجھا ہے اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔

بعض شارحین نے اس حدیث پاک کے مضامین کی ترتیب سے یہ بھی سمجھا ہے کہ قلب کی صفائی اور طہارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی کھانے پینے میں محرمات کے علاوہ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔

عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَاْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَاْسٌ. (رواه الترمذى وابن ماجه)

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ متقین میں شمار ہو جب تک کہ اس کا یہ حال نہ ہو کہ گناہوں سے بچنے کے لئے وہ مباحات کو بھی ترک نہ کرے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... بہت سی چیزوں اور بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ وہ فی نفسہ جائز اور مباح ہوتے ہیں لیکن ان کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی ان میں مشغول ہو کر گناہ تک پہنچ جائے اس لئے مقام تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ان جائز و مباح چیزوں اور کاموں سے بھی پرہیز کرے۔ اس کے بغیر آدمی مقام تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔

معاملات اور دوسرے ابواب میں تقوے کا جو تقاضا ہے وہ ان تین حدیثوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

"اَللّٰهُمَّ اٰتِ نُفُوْسَنَا تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا"

مالی معاملات میں نرمی اور رعایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و تعلیم میں ایمان اور اللہ کی عبادت کے بعد بندگان خدا اور عام مخلوق کے ساتھ حسن سلوک، خاص کر کمزوروں اور حاجت مندوں کی خدمت اور اعانت پر جو زور دیا گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا بہت وسیع اور اہم باب ہے۔

خرید و فروخت اور قرض وغیرہ جیسی دین کے معاملات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو مختلف عنوانات سے اس کی ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ ہر فریق دوسرے کی رعایت اور خیر خواہی کرے، جس پر کسی کا حق ہے وہ اس کو ادا کرنے کی کوشش کرے، اور جس کا کسی دوسرے پر حق ہے وہ اس کے وصول کرنے میں فراخ دلی، نرمی اور فیاضی سے کام لے اور سخت اور بے لچک رویہ اختیار نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ جو بندے ایسا کریں گے وہ ارحم الراحمین کی خاص خاص رحمت کے مستحق ہوں گے۔ اس سلسلے کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے

قرض..... فضیلت و احکام

ظاہر ہے کہ حاجت مند اور ضرورت مند کو قرض دینا اس کی مدد ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اجر و ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔ اسی کے ساتھ قرض کے بارے میں سخت وعیدیں بھی ہیں۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فَرَأَى عَلَى بَابِهَا مَكْتُوْبًا الصَّدَقَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا۔ (الترغیب والترہیب)

تشریح حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کس آدمی کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں داخل ہوا تو اس نے اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا دیکھا، ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ کسی مرد صالح کے خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انداز میں اس کو بیان فرمایا ہو۔ اس دوسرے احتمال کی کسی قدر تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ

فَقُلْتُ لِجِبْرِيْلَ مَا بَالُ الْقَرْضِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ؟ قَالَ لِأَنَّ السَّائِلَ يَسْأَلُ وَعِنْدَهُ وَالْمُسْتَقْرِضُ لَا يَسْتَقْرِضُ إِلَّا مِنْ حَاجَةٍ (جمع الفوائد)

میں نے جبریل سے پوچھا کہ قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوال کرتا اور صدقہ لے لیتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج و ضرورت مند ہوتا ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک غریب مگر شریف و عفیف بندہ انتہائی حاجت مند اور گویا اضطرار کی حالت میں ہوتا ہے، لیکن خود وہ کسی سے سوال کرنا چاہتا ہے اور نہ صدقہ خیرات لینے کے لئے اس کا دل آمادہ ہوتا ہے، ہاں وہ اپنی ضرورت پوری کرنے اور بچوں کا فاقہ توڑنے کیلئے قرض چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس کو قرض دینا صدقہ سے افضل ہوگا۔ جو بہت سے لوگ کسی ضرورت مند کی زکوٰۃ خیرات سے مدد کرنے کے لئے تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن اس کو قرض دینے پر ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا اس کے لئے اس حدیث میں خاص سبق ہے۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے (جو ابن ماجہ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے) یہ بھی اشارہ ملا کہ صدقہ کے مقابلہ میں وہی قرض افضل ہے جو کسی حاجتمند کو اس کی حاجت رفع کرنے کے لئے دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرف تو اصحاب وسعت کو ترغیب دی کہ وہ ضرورت مند بھائیوں کو قرض دیں اور اس کی ادائیگی کیلئے مقروض کو مہلت دیں کہ جب سہولت ہو ادا کرے اور اگر وہ مفلس ہو تو قرضہ کا کل یا جز معاف کر دیں اور اس کا بڑا اجر وثواب بیان فرمایا اور دوسری طرف قرض لینے والوں کو آگاہی دی کہ وہ جلد سے جلد قرض کے ادا کرنے اور اس کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کریں، اگر خدانخواستہ قرض ادا کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو آخرت میں اس کا انجام ان کے حق میں بہت برا ہوگا کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تنگین ترین اور ناقابل معافی گناہ بتایا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی میت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو اس نے ادا نہیں کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آخری درجہ کی تنبیہ تھی۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا أُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرٰى، فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ، فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟ قَالُوْا ثَلٰثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ. (رواه البخاري)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک میت کا جنازہ لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ حضرت اس کی نماز جنازہ پڑھا دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا اس آدمی پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ قرض نہیں ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جنازہ کی نماز پڑھادی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اس میت پر کسی کا قرض ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہاں اس پر قرض ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو جائے) لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے تین دینار چھوڑے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی، پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کے بارے میں بھی دریافت فرمایا کہ کیا اس مرنے والے پر کچھ قرضہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں اس پر تین دینار کا قرضہ ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو سکے) لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں چھوڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ اپنے اس ساتھی کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ تو ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور اس کی نماز پڑھا دیں اور اس پر جو قرضہ ہے وہ میں نے اپنے ذمے لیا (میں ادا کروں گا) تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جنازے کی بھی نماز پڑھا دی۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طرز عمل بظاہر زندوں کو تنبیہ کے لئے تھا کہ وہ قرضوں کے ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی نہ کریں اور ہر شخص کی یہ کوشش ہو کہ اگر اس پر کسی کا قرضہ ہے تو وہ اس سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کرے اور دنیا سے اس حال میں جائے کہ اس کے ذمہ کسی کا کچھ مطالبہ نہ ہو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اسی بارے میں مروی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طرز عمل (کہ قرض دار میت کی نماز جنازہ سے خود معذرت فرما دیتے اور صحابہ کرام سے فرما دیتے تھے کہ تم لوگ پڑھ لو) ابتدائی دور میں تھا، بعد میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور افلاس و ناداری کا دور ختم ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اگر کوئی مسلمان اس حال میں انتقال کر جائے کہ اس پر قرض ہو (اور ادائیگی کا سامان نہ چھوڑا ہو) تو وہ قرض میرے ذمہ ہے میں اس کو ادا کروں گا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی مسلمان کے ذمہ کسی دوسرے کا حق باقی نہ رہ جائے۔

بہر حال ان سب حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قرض ادا نہ کرنا اور اس حال میں دنیا سے چلا جانا بڑا سنگین گناہ ہے اور اس کا انجام بہت ہی خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات سے سبق لینے کی ہم سب کو توفیق دے اور دنیا سے اس حال میں اٹھائے کہ کسی بندہ کا قرض اور کوئی حق ہمارے ذمہ نہ ہو۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ خَلِيلِي وَصَفِيِّي صلى الله عليه وآله وسلم يَقُولُ مَا مِنْ أَحَدٍ يُدَانُ دَيْنًا فَعَلِمَ اللَّهُ أَنَّهُ يُرِيدُ قَضَاءَهُ إِلَّا أَدَّاهُ اللَّهُ عَنْهُ فِي الدُّنْيَا. (رواه النسائي)

حضرت عمران بن حصینؓ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو کوئی بندہ قرض لے اور اس کے علم میں ہو کہ اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ قرضہ دنیا ہی میں ادا کرا دے گا۔ (سنن نسائی)

تشریح ..... حضرت عمران بن حصین کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بہت قرض لے لیا کرتی تھیں (غالباً مصارف خیر میں صرف کرنے کے لئے لیتی ہوں گی) تو ان کے خاص اعزا اور متعلقین نے اس بارے میں ان سے بات کی (اور اس معاملہ میں احتیاط کا مشورہ دیا) تو آپ نے صاف فرما دیا کہ میں اس کو نہیں چھوڑوں گی اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی ارشاد سنایا، مطلب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر مجھے کامل یقین ہے کہ

میں جو کچھ قرض لیتی رہوں گی اس کی پائی پائی اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں ادا کرا دے گا، مجھے اس کی ضمانت اور کفالت پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہے۔ بے شک ایسے اصحاب یقین کیلئے یہ طرز عمل درست ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرُوْا لَهٗ بَعِیْرًا فَاَعْطُوْهُ اِیَّاهُ قَالُوْا لَا نَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ اشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِیَّاهُ فَاِنَّ خَیْرَکُمْ اَحْسَنُکُمْ قَضَاءً (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قرضہ کا تقاضا کیا اور سخت کلامی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام نے (جو اس وقت موجود تھے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا) ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "اس کو چھوڑ دو کچھ نہ کہو کیونکہ صاحب حق کو کہنے کا حق ہے، اور اس کا قرض ادا کرنے کے واسطے ایک اونٹ خرید لاؤ اور اس کو دے دو۔" انہوں نے واپس آ کر کہا (اس شخص کا اونٹ جس حیثیت کا تھا اس طرح کا اونٹ نہیں مل رہا ہے) صرف ایسا اونٹ ملتا ہے جو اس کے اونٹ سے زیادہ عمر کا اور زیادہ بڑھیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو کیونکہ وہ آدمی زیادہ اچھا ہے جو بہتر اور برتر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بلکہ اس سے پہلے عرب میں یہ عام رواج تھا کہ ایک آدمی اپنی ضرورت کے لئے دوسرے آدمی سے اونٹ قرض لے لیتا اور یہ معاملہ روپیہ پیسے کے حساب سے نہیں ہوتا بلکہ یہ طے ہو جاتا کہ اس عمر اور اس حیثیت کا دوسرا اونٹ اس کے بدلے مقررہ مدت تک دے دیا جائے گا۔ تو رسول اللہ نے اس رواج کے مطابق کسی وقت کسی شخص سے اونٹ قرض لیا تھا۔ غالباً مقررہ وقت آ جانے پر وہ تقاضا کرنے آیا اور اس نے ادب و تمیز کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا۔ صحابہ کرام میں سے جو حضرات اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کچھ نہ کہو، اس کا تم پر حق ہے اور صاحب حق کو سخت سست کہنے کا حق ہے۔ ہاں تم یہ کرو کہ جس عمر کا اور جس حیثیت کا اس شخص کا اونٹ تھا ویسا ہی خرید کر لا دو اور اس کو ادا کر دو۔ صحابہ کرام نے ویسا اونٹ تلاش کیا لیکن کہیں نہیں ملا، ہاں عمر اور حیثیت کے لحاظ سے اس سے بڑا اور بڑھیا اونٹ ملتا تھا، انہوں نے واپس آ کر حضور سے یہی عرض کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بڑا اور بڑھیا مل رہا ہے وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی زیادہ بہتر و برتر ادا کرتا ہے وہی زیادہ اچھا ہے۔ اس حدیث میں امت کے لئے جو سبق ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں۔

کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ شخص جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اور جس نے تقاضا کرنے میں ادب و تمیز کے خلاف رویہ اختیار کیا تھا کون تھا، غالب گمان یہی ہے کہ کوئی غیر مسلم یہودی وغیرہ ہوگا۔

سود کی وضاحت

دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کی طرح عربوں میں بھی سودی لین دین کا رواج تھا اور ہمارے یہاں کے سود خور مہاجنوں کی طرح وہاں بھی کچھ سرمایہ دار یہ کاروبار کرتے تھے جس کی عام مروج و معروف صورت یہی تھی کہ ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے اور

طے ہو جاتا کہ یہ رقم وہ فلاں وقت تک اتنے اضافے کے ساتھ ادا کر دیں گے۔ پھر اگر مقررہ وقت پر قرض لینے والا ادا نہ کر سکتا تو مزید مہلت لے لیتا اور اس مہلت کے حساب میں سودی رقم میں اضافہ طے ہو جاتا۔ اس طرح غریب قرضداروں کا بوجھ بڑھتا رہتا اور سود خور مہاجن ان کا خون چوستے رہتے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلام کی روح اور اسکے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ اسلام کی تعلیم اور ہدایت تو اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ غریبوں کی مدد کی جائے، کمزوروں کو سہارا دیا جائے اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے اور یہ سب اپنی کسی دنیوی مصلحت و منفعت کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں جس طرح ام الخبائث شراب سے لوگوں کو بچانے کے لئے تدریجی رویہ اختیار فرمایا اسی طرح سود کے ظالمانہ اور لعنتی کاروبار کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بھی اسی حکمت عملی کو استعمال کیا گیا۔ شروع میں طویل مدت تک صرف مثبت انداز میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اپنی دولت فی سبیل اللہ خرچ کرو، غریبوں کی مدد کرو، کمزوروں کو سہارا دو، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ رحم، سخاوت اور ایثار جیسے اخلاق کو اپناؤ، بتلایا گیا کہ تم بھی فانی ہو، تمہاری دولت بھی فنا ہو جانے والی ہے۔ اس لئے اس دولت کے ذریعہ آخرت کی ابدی فلاح اور جنت کماؤ، قارون جیسے پرستاران دولت کے انجام سے سبق حاصل کرو۔

اس تعلیم و ہدایت اور اس کے مطابق عمل نے معاشرہ کا مزاج ایسا بنا دیا، اور فضا اس کے لئے ایسی سازگار ہو گئی کہ اس ظالمانہ اور انسانیت کش کاروبار (ربوا۔ سود) کی قطعی حرمت کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ چنانچہ اواخر سورۂ بقرہ کی ۲۷۵ سے ۲۸۰ تک کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں واضح طور پر ربوا (سود) کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ (یعنی "اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا" سے لے کر "وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" تک۔

ان آیتوں میں یہ بھی صراحت کر دی گئی اگر پچھلے لین دین کے سلسلے میں کسی کی کوئی سودی رقم کسی مقروض کے ذمے باقی ہے تو وہ بھی اب نہیں لی دی جائے گی۔ انہی آیتوں میں آخر میں یہ بھی اعلان فرما دیا گیا کہ سودی کاروبار کی حرمت کے اس اعلان کے بعد بھی جو لوگ باز نہ آئیں اور خداوندی قانون کی نافرمانی کریں ان کے خلاف اللہ اور ان کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے (فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ)۔ اللہ کی پناہ!

یہ وعید (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ کی وعید) سودی کاروبار کے سوا زنا، شراب، خون ناحق وغیرہ کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کے بارے میں قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں یہ گناہ دوسرے سب گناہوں سے زیادہ شدید و غلیظ ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود خوری کو انتہائی درجہ کے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ اور سود لینے والوں کے ساتھ اس کے دینے والوں یہاں تک کہ سودی دستاویز لکھنے والوں اور سودی معاملے کے گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے۔ اور بعض روایات میں سود کا گناہ زنا سے بھی کئی گنا زیادہ بتلایا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ

الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّىْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات مہلک اور تباہ کن گناہوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سے سات گناہ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت یا صفات یا افعال میں کسی کو) شریک کرنا، اور جادو کرنا اور ناحق کسی آدمی کو قتل کرنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور (اپنی جان بچانے کے لئے) جہاد میں لشکر اسلام کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا اور عفت والی پاک دامن بھولی بھالی بندیوں پر زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں جن گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے یہ شدید ترین اور خبیث ترین کبیرہ گناہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو "موبقات" فرمایا ہے (یعنی آدمی کو اور اس کی ایمانی روح کو ہلاک و برباد کر دینے والے) ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک اور سحر و قتل ناحق کے بعد اکل ربا (سود لینے اور کھانے) کا ذکر فرمایا اور اس کو روح ایمانی کے لئے قاتل اور مہلک بتلایا ہے۔ جس طرح اطبا اور ڈاکٹر اپنے تحقیقی علم و فن اور تجربہ کی بناء پر اس دنیا میں زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں، دواؤں، غذاؤں وغیرہ کے خواص بیان کرتے ہیں کہ فلاں چیز میں یہ خاصیت اور تاثیر ہے اور یہ آدمی کے فلاں مرض کے لئے مفید یا مضر ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم کی بنیاد پر انسانوں کے معتقدات و افکار اور اعمال و اخلاق کے خواص اور نتائج بتلاتے ہیں کہ فلاں ایمانی عقیدہ اور فلاں نیک عمل اور فلاں اچھی خصلت کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں جنت کی نعمتیں اور دنیا میں قلب و روح کا سکون ہے اور فلاں کافرانہ و مشرکانہ عقیدے اور فلاں ظلم و معصیت کا انجام اللہ کی لعنت اور دوزخ کا عذاب اور دنیا میں طرح طرح کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی تحقیق اور غور و فکر میں غلطی کا امکان ہے اور کبھی کبھی اس کا تجربہ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے علم کی بنیاد خالق کائنات اور علیم کل اللہ تعالیٰ کی وحی پر ہوتی ہے اس میں کسی بھول چوک یا غلطی کا احتمال اور کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر عجیب معاملہ ہے کہ حکیموں ڈاکٹروں کی تجویز کی ہوئی دواؤں کو سب بلا چون و چرا ان کے اعتماد پر استعمال کرتے ہیں اور پرہیز کے بارے میں وہ جو ہدایت دیں اس کی بھی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسی کو عقل کا تقاضا سمجھا جاتا ہے اور کسی مریض کو یہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا کہ وہ کہے کہ میں دوا جب استعمال کروں گا جب اس کی تاثیر کا فلسفہ مجھے سمجھا دیا جائے۔ لیکن اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول برحق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثلاً سود کے بارے میں فرمائیں کہ وہ شدید و خبیث کبیرہ گناہ اور "موبقات" میں سے ہے۔ خدا کی لعنت و غضب کا موجب اور روح ایمان کے لئے قاتل ہے اور سود خوروں کے لئے آخرت میں لرزہ خیز عذاب ہے تو بہت سے مدعیان عقل و ایمان کے لئے یہ کافی نہ ہوا اور وہ اس کا "فلسفہ" معلوم کرنا ضروری سمجھیں۔ اللہ والوں کو ایمان و یقین نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِىَ بِىْ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ اَكَلَةُ الرِّبٰوا. (رواہ احمد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر

ایک ایسے گروہ پر ہوا جن کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو باہر سے نظر آتے ہیں میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جو ایسے عذاب میں مبتلا ہیں) انھوں نے بتلایا کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

تشریح . شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم غیب کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اسی ضمن میں جنت اور دوزخ کے بعض منظر بھی دکھائے گئے تاکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "حق الیقین" کے بعد "عین الیقین" کا مقام بھی حاصل ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتی مشاہدہ کی بناء پر بھی لوگوں کو عذاب و ثواب سے آگاہ کر سکیں۔ اسی سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک منظر یہ بھی دیکھا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ کچھ لوگوں کے پیٹ اتنے بڑے ہیں جیسے کہ اچھا خاصا گھر اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو دیکھنے والوں کو باہر ہی سے نظر آتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل نے بتلایا کہ یہ سود لینے والے اور کھانے والے لوگ ہیں جو اس لرزہ خیز عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مشاہدہ کو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے بعد کے راویان حدیث کو ان کی محنت و عنایت کے طفیل میں حدیث کی مستند کتابوں کے ذریعہ یہ مشاہدہ ہم تک بھی پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا یقین نصیب فرمائے کہ دل کی آنکھوں سے یہ منظر ہم کو بھی نظر آئے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم آكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے اور کھانے والے پر اور سود دینے اور کھلانے والے پر اور سودی دستاویز لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (گناہ کی شرکت میں) یہ سب برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے اور عقل سلیم کے نزدیک بھی یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اصل خبیث اور موجب لعنت ظالمانہ گناہ سود لینا اور کھانا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے روایت کئے ہوئے اس ارشاد نبوی کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ سودی کاروبار ایسا خبیث اور لعنتی کاروبار ہے کہ اس میں کسی طرح کی شرکت بھی لعنت الٰہی کا موجب ہے اس بناء پر سود دینے والا، سودی دستاویز کا کاتب اور اسکے گواہ بھی لعنت میں حصہ دار ہیں۔ اس لئے جو خدا اور رسول کی لعنت اور ان کے غضب سے بچنا چاہے وہ اس کاروبار سے دور دور رہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبٰوا وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ. (رواه ابن ماجة والدارمى)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ ربوا والی آیت (یعنی سورۂ بقرہ کی جس آیت میں ربوا کی حرمت کا قطعی اعلان فرمایا گیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے) آخری دور میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے اٹھا لئے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لئے اس کی

پوری تفسیر و تشریح نہیں فرمائی لہٰذا ربوا کو بالکل چھوڑ دو اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی پرہیز کرو۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح ...... "ربوٰ" عربی زبان کا ایک عام معروف لفظ تھا جو نزول قرآن سے پہلے بھی بولا جاتا تھا اور وہاں کا ہر شخص اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس لئے جب حرمت ربوا والی آیت نازل ہوئی تو وہاں سب نے اس سے یہی سمجھا کہ سودی کاروبار (جس کا وہاں رواج تھا) حرام قرار دے دیا گیا۔ اس میں نہ کسی کو کوئی شبہ ہوا اور نہ کسی شبہ کی گنجائش تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعض ارشادات میں جو (آگے درج ہو رہے ہیں) خرید و فروخت کی بعض ایسی صورتوں کے بھی "ربوا" کے حکم میں ہونے کا اعلان فرمایا جن میں کسی پہلو سے ربوا کا شائبہ تھا اور جن کو وہاں پہلے "ربوا" نہیں کہا اور سمجھا جاتا تھا مگر اس سلسلہ کی ساری جزئیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان نہیں فرمائیں بلکہ جیسا کہ حکمت شریعت کا تقاضا تھا اصولی ہدایت فرما دی اور یہ کام امت کے مجتہدین اور فقہا کے لئے رہ گیا کہ وہ آپ کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں جزئیات کے بارے میں فیصلہ کریں (تمام ابواب شریعت کا یہی حال ہے) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو امت کے فقہاء و مجتہدین کی صف اول میں ہیں ربوا کے بارے میں سخت وعیدوں سے ڈرتے اور لرزتے ہوئے یہ خواہش رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس باب (ربوا) کی وہ جزئیات بھی بیان فرما جاتے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان نہیں فرمائیں اور جن کے بارے میں اب اجتہاد سے فیصلہ کرنا پڑے گا۔ اپنے اس انتہائی خدا ترسانہ اور محتاط نقطہ نظر کی بنا پر انہوں نے اپنے اس ارشاد کے آخر میں فرمایا "فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ" یعنی اب اہل ایمان کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ وہ "ربوا" اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی اپنے کو بچائیں لیکن اس کے برعکس ہمارے زمانے کے بعض دانشور مدعیان اجتہاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "ربوا" کی حقیقت مشتبہ بلکہ نامعلوم ہے اور پھر اس کی بنیاد پر وہ سود کی بہت کی مروجہ صورتوں کا جواز نکالتے ہیں۔

"سود بظاہر بڑھے لیکن بالآخر گھٹتا ہے"

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ الرِّبٰوا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ. (رواه احمد، وابن ماجه والبيهقي في شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود اگر چہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے لیکن اس کا آخری انجام قلت اور کمی ہے۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، شعب الایمان بیہقی)

تشریح ... اگر حدیث کے لفظ عاقبت سے اخروی انجام مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی صاحب ایمان کو اس میں شک شبہ نہیں ہو گا۔ عالم آخرت میں پہنچ کر ہم سب دیکھ لیں گے کہ جن لوگوں نے سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کیا اور یہاں وہ لکھ پتی کروڑ پتی ہو گئے آخرت میں وہ بالکل مفلس کوڑی کوڑی کے محتاج ہوں گے اور ان کی وہ دولت وہاں ان کے لئے وبال اور عذاب ہو گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اطلاع دی ہے۔ اور اگر حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ سود کے ذریعہ دولت خواہ کتنی ہی بڑھ جائے لیکن آخر کار دنیا میں بھی اس پر زوال آئے گا تو ظاہر بینوں کو اس میں شبہ اور

کلام ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو حقائق دیکھنے والی نگاہ دی ہے انہیں اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہ ہوگا۔ بکثرت ایسے واقعات مشہور ہیں کہ ایک شخص سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہا اور وہ اپنے وقت کا قارون بن گیا، پھر بھی اس شخص کی زندگی ہی میں یا اس کے بعد کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا اور ایسی کوئی آفت آئی جس نے سارا حساب برابر کر دیا اور کبھی کبھی تو وہ لکھ پتی اور کروڑ پتی دیوالیہ اور محتاج ہو کر رہ گیا۔ اور یہ بات سو فیصدی مشاہدہ اور تجربہ میں ہے کہ سود خور لوگ اس حقیقی راحت اور عزت و احترام سے یکسر محروم رہتے ہیں جو دولت کا اصل مقصد اور ثمرہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کوئی سود خور سودی کاروبار کے ذریعہ خواہ کتنی ہی دولت پیدا کر لے وہ دولت کے حقیقی لطف و ثمرہ سے ہمیشہ محروم ہی رہتا ہے اس حساب سے وہ دولت مند ہونے کے باوجود مفلس اور تہی دست ہی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبٰوا" (ربا اور سود سے کمائی ہوئی دولت کو اللہ تعالیٰ برکت سے محروم رکھتا ہے اور اس پر بربادی آتی ہے) حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث میں اسی ارشاد خداوندی کی ترجمانی کی گئی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ (وَيُرْوَى مِنْ غُبَارِهِ) (رواه احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ہر شخص سود کھانے والا ہوگا۔ (کوئی بھی اس سے محفوظ نہ ہوگا) اگر خود سود نہ بھی کھاتا ہوگا تو اس کے بخارات یا اس کا غبار ضرور اس کے اندر پہنچے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ..... اس ارشاد سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد مستقبل کے بارے میں صرف ایک پیشین گوئی کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد امت کو خبردار کرنا ہے کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب سود کی وبا عام ہو جائے گی اور اس سے محفوظ رہنا بہت ہی دشوار ہو گا۔ لہذا چاہئے کہ ہر صاحب ایمان اور صاحب تقویٰ اس بارے میں چوکنا رہے اور اپنے کو اس لعنت سے محفوظ رکھنے کی فکر اور کوشش کرتا رہے۔ بلاشبہ ہمارا زمانہ بھی وہی زمانہ ہے۔ اللہ کے جو بندے سود کو لعنت سمجھتے اور بتوفیق خداوندی اس سے پرہیز کرتے ہیں وہ بھی اپنا ضروری سامان یا پیسے کا کچھ حصہ جن دکانداروں سے خریدتے ہیں ان کے کاروبار کا رشتہ بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی سودی سلسلہ سے ضرور ہے۔ آج کل کسی کاروباری سلسلہ کا اس سے محفوظ رہنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا جنگل کے کسی درخت کا ہوا سے محفوظ رہنا۔ اللّٰھم احفظنا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبَى الْآخِذُ وَالْمُعْطِي فِيهِ سَوَاءٌ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض اور گیہوں گیہوں کے عوض اور جو جو کے عوض اور کھجوریں کھجوروں کے عوض اور نمک نمک کے عوض دست بدست برابر سرابر بیچا خریدا جائے۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سود کا معاملہ کیا (اور وہ سود کے گناہ کا مرتکب ہوا) اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس مضمون کی حدیثیں اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری کے علاوہ حضرت عمر، حضرت عبادہ بن

صامت، حضرت ابوبکرہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ان کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے (یعنی سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک) اگر ان میں سے کسی جنس کا اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے (مثلاً گیہوں دے کر اس کے بدلے میں گیہوں لئے جائیں) تو یہ معاملہ جب جائز ہوگا جب برابر برابر اور دست بدست لیا جائے۔ اگر کمی بیشی ہوئی یا لین دین دست بدست (ہاتھ کے ہاتھ) نہ ہوا بلکہ قرض ادھار کی بات ہوئی تو جائز نہ ہوگا بلکہ یہ ایک طرح کا سودی معاملہ ہو جائے گا اور دونوں فریق سود کے مرتکب اور گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں ان حدیثوں کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور اس سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جس ربا (سود) کا رواج تھا اور جس کو "ربا" کہا جاتا تھا وہ قرض ادھار والا ہی سود تھا جس کی صورت (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا) یہ تھی کہ جو سرمایہ دار مہاجن سودی کاروبار کرتے تھے ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے تھے اور طے ہو جاتا تھا کہ اتنے اضافہ کے ساتھ فلاں وقت تک وہ یہ قرض ادا کر دیں گے، پھر اگر مقررہ میعاد پر وہ ادا نہ کر سکتے تو اور مہلت لے لیتے اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اور اضافہ طے ہو جاتا (شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ) اس سودی کاروبار کا رواج تھا اور اسی کو "ربا" کہا جاتا تھا، قرآن مجید میں براہ راست اسی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے خرید و فروخت کی بعض صورتوں کے بھی ربا کے حکم میں داخل ہونے کا اعلان فرمایا اور ان سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔ ان حدیثوں میں اسی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اور مقصد و مدعا یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ان میں کسی جنس کا بھی اگر اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے تو کسی طرف کی بیشی نہ ہو بلکہ برابر برابر ہو اور لین دین ہاتھ کے ہاتھ ہو اگر تبادلہ میں کمی بیشی ہوئی یا لین دین ہاتھ کے ہاتھ نہ ہوا تو یہ بھی ربا اور سود کی ایک قسم ہوگی اور دونوں فریق گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے معمول کے مطابق اس حکم کی جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تعیش اور "رفاہیت بالغہ" یعنی زیادہ بلند معیار اور عیش پسندانہ ٹھاٹ باٹ کی زندگی پسند نہیں فرماتا کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی تعیش کی زندگی گزارے گا وہ لازمی طور پر طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہوگا اور آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے اور روح کے تزکیہ کی فکر سے وہ اسی حساب سے غافل ہوگا علاوہ ازیں معاشرہ میں زیادہ اونچ نیچ سے جو طرح طرح کے مفاسد پیدا ہوتے ہیں وہ بھی پیدا ہوں گے اور تعیش اور اعلیٰ معیار زندگی ہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائے، گیہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے، کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں، سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائیں جس کی عملی صورت اکثر یہی ہوتی تھی کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہیں ہے بلکہ معمولی درجہ کی ہے تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر ان کے بدلے میں اعلیٰ معیار کی تھوڑی مقدار میں لے لی جائے، بہرحال کمی بیشی کے ساتھ ایک جنس کا اسی جنس سے تبادلہ عموماً تعیش اور اعلیٰ معیار زندگی کے تقاضے سے ہی کیا جاتا تھا تو اس کی ممانعت کے ذریعہ اس کے راستہ میں رکاوٹ ڈالی گئی اور ایک حد تک اس کا سدباب کیا گیا۔ واللہ اعلم باسرار شریعتہ۔

حدیث میں صرف مذکورہ بالا چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے لیکن امت کے فقہاء مجتہدین کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی جو چیزیں اس نوعیت کی ہیں ان کا حکم بھی یہی ہے اگرچہ تفصیلات میں فقہا کی راؤں میں کچھ فرق و اختلاف ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ مُعَاوِيَةَ بَاعَ سِقَايَةً مِنْ ذَهَبٍ اَوْ وَرِقٍ بِاَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا فَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ مَا اَرٰى بِمِثْلِ هٰذَا بَاْسًا فَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ مَنْ يَعْذِرُنِيْ مِنْ مُعَاوِيَةَ اَنَا اُخْبِرُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ يُخْبِرُنِيْ عَنْ رَاْيِهِ لَا اُسَاكِنُكَ بِاَرْضٍ اَنْتَ بِهَا ثُمَّ قَدِمَ اَبُو الدَّرْدَاءِ عَلٰى عُمَرَ فَذَكَرَ لَهُ ذٰلِكَ فَكَتَبَ عُمَرُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اَنْ لَا تَبِيْعَ ذٰلِكَ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَزْنًا بِوَزْنٍ. (رواہ مالک فی الموطا والنسائی فی سننہ)

عطاء بن یسار تابعی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ (یا جگ) اسی جنس کے اس سے زیادہ وزن کے عوض فروخت کیا تو حضرت ابو الدرداء نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کی بیع فروخت سے منع فرماتے تھے، الا یہ کہ برابر برابر ہو تو حضرت معاویہ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی مضائقہ اور گناہ کی بات نہیں ہے۔ حضرت ابو الدرداء نے (سخت رنجیدہ ہوکر) کہا کہ مجھے معاویہ کے بارے میں معذور سمجھا جائے۔ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بتاتا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتاتے ہیں۔ (اس کے بعد خود حضرت معاویہ سے کہا کہ) میں تمہارے ساتھ اس سرزمین میں نہیں رہوں گا، جہاں تم ہو گے۔ اس کے بعد حضرت ابو الدرداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے اور آپؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ اس طرح کی بیع فروخت نہ کرو، سونا، چاندی وغیرہ کا اسی جنس سے تبادلہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ دونوں طرف وزن یکساں اور برابر برابر ہو۔ (مؤطا امام مالک، سنن نسائی)

تشریح..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ علاقہ شام کے حاکم (گورنر) تھے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا قیام بھی وہیں تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی سے بنا ہوا پانی کا ایک برتن (پیالہ یا جگ) بطور قیمت اسی جنس سے وزن میں کچھ زیادہ لے کر فروخت کیا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، حضرت ابو الدرداء نے ان سے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے، حکم یہ ہے کہ سونے یا چاندی کی کوئی چیز اگر اسی جنس کے عوض بیچی یا خریدی جائے تو وزن میں کمی بیشی نہ ہونی چاہئے وزن برابر برابر ہونا چاہئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال غالباً یہ تھا کہ سونے یا چاندی سے بنی ہوئی چیز (زیور یا برتن) اگر فروخت کیا جائے تو بنوائی کی اجرت کا لحاظ کر کے کچھ زیادہ لینا جائز ہونا چاہئے، اسی بنا پر انہوں نے کہا کہ "میرے نزدیک تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔"

لیکن حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہؓ کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ سنا تھا وہ اس کی روشنی میں اس رائے یا اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں سمجھتے تھے۔ بہرحال وہ ناراض ہو کر وہاں کی سکونت ترک کر کے مدینہ چلے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے واقعہ بیان کیا، آپؓ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ شرعی حکم وہی ہے جو ابو الدرداء نے بتایا لہٰذا ایسی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ربا (سود) کی اس دوسری قسم (ربائے فضل) کے بارے میں بھی صحابہ کرام میں کتنی شدت تھی اور اس بارے میں کسی کی اجتہادی غلطی بھی ان کے لئے قابل برداشت نہیں تھی۔

سود اور صدقہ میں فرق

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ اپنی کتاب "مسئلہ سود" میں لکھتے ہیں۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (سورۃ بقرہ: ۲۷۶)

مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو، اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کسی کفر کرنے والے اور گناہ کے کام کرنے والے کو۔

اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ یہاں "سود" کے ساتھ "صدقات" کا ذکر ایک خاص مناسبت سے لایا گیا ہے کہ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں بھی تضاد ہے اور ان کے نتائج بھی متضاد ہیں، اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض و نیت اور حالات و کیفیات بھی متضاد ہوتے ہیں۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقے میں تو بغیر کسی معاوضے کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے اور سود میں بغیر کسی مالی معاوضے کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے۔ اور دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لئے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور ثواب آخرت کے لئے اپنے مال کو کم یا ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے، اور سود لینے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بے پرواہ ہو کر اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہے۔ اور نتائج کا متضاد ہونا قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال کو یا اس کی برکت کو مٹا دیتے ہیں، اور صدقہ کرنے والے کے مال کو یا اس کی برکت کو بڑھا دیتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مال کی ہوس کرنے والے کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا جو اپنے مال کی کمی پر راضی تھا اس کے مال میں برکت ہو کر اس کا مال یا اس کے ثمرات و فوائد بڑھ جاتے ہیں۔ اور کیفیات کا تضاد یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو دین کے دوسرے کاموں کی بھی توفیق ہوتی ہے اور سود خور ان سے عموماً محروم رہتا ہے۔

سود کے مٹانے اور صدقات کے بڑھانے کا مطلب

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آیت میں سود کے مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کا کیا مطلب ہے؟ ظاہری طور پر تو یہ بات مشاہدے کے خلاف ہے، ایک سود خور کے سو روپے میں جب سود کے پانچ روپے شامل ہوئے تو وہ ایک سو پانچ ہو گئے، اور صدقہ دینے والے نے جو سو روپے میں سے پانچ کا صدقہ کر دیا تو اس کے پچانوے روپے رہ گئے، کوئی حساب داں اگر وقت پہلے کو کم اور دوسرے کو زیادہ کہے تو لوگ اسے دیوانہ کہیں گے، لیکن قرآن کی یہ آیت سود خور کے ایک سو پانچ کو صدقہ دینے والے کے پچانوے سے کم قرار دیتی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے:

مانقصت صدقۃ من مال۔ کوئی صدقہ کسی مال میں سے کچھ گھٹاتا نہیں۔ (رواہ مسلم)

اس میں بھی یہی سوال ہے کہ یہ بات بظاہر مشاہدے کے خلاف ہے کیونکہ جو رقم صدقے میں دی جاتی ہے وہ از روئے حساب اصل میں سے کم ہو جاتی ہے۔ اس کا ایک سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ صدقے کا بڑھ جانا اور سود کا گھٹنا جس کا آیت مذکورہ میں ذکر ہے اس کا تعلق دنیا سے نہیں بلکہ آخرت کا حکم ہے کہ آخرت میں جہاں حقائق کھل کر سامنے آ دیں گے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ سود کے ذریعہ بڑھائے ہوئے مال کی کوئی قیمت وحیثیت نہیں تھی بلکہ وہ اپنے کمانے والے کے لئے وبال وعذاب بنا ہے، اور صدقے میں دیا ہوا مال اگرچہ تھوڑا دیا گیا تھا وہ بڑھ چڑھ کر اس کے حساب میں بہت زیادہ ہو گیا۔ علماء مفسرین نے آیت مذکورہ کی یہی توجیہ فرمائی ہے، لیکن ان میں سے اہل تحقیق حضرات کا ارشاد یہ ہے کہ یہ حکم دنیا و آخرت دونوں میں ہے، اور دنیا میں سود کا گھٹنا اور صدقے کا بڑھنا گو حساب وشمار کے اعتبار سے مشاہدے میں نہ آئے لیکن مال ودولت کے اصل مقصود کے اعتبار سے بالکل واضح اور مشاہدے و تجربے سے ثابت ہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ سونا چاندی خود تو انسان کی کسی بھی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے، نہ ان سے انسان کی بھوک پیاس بجھتی ہے، نہ وہ اوڑھنے بچھانے اور پہننے برتنے کا کام دیتے ہیں، نہ دھوپ اور بارش وغیرہ سے سر چھپانے کا کام ان سے لیا جا سکتا ہے۔ اس مال و دولت کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان اپنی ضروریات بازار سے خرید کر آرام حاصل کر سکتا ہے۔

اس میں یہ بات ناقابل تردید مشاہدوں اور تجربوں سے ثابت ہے کہ صدقات وزکوٰۃ میں خرچ کرنے والے کے مال میں اللہ تعالیٰ ایسی برکت عطا فرما دیتے ہیں کہ اس کے تھوڑے روپے میں اتنے کام نکل جاتے ہیں جو دوسروں کے سو میں بھی نہ نکل سکیں، ایسے آدمی کے مال پر عادۃ اللہ کے مطابق آفتیں نہیں آتیں یا بہت کم آتی ہیں، اس کا پیسہ بیماریوں کے اخراجات، مقدمہ بازی، تھیٹر، سینما، ٹیلی ویژن وغیرہ کی فضولیات میں نہیں ضائع ہوتا، فیشن پرستی کے اسراف سے محفوظ ہوتا ہے، اور معنوی طور پر بھی اس کی ضروریات دوسروں کی بہ نسبت کم قیمت سے مہیا ہو جاتی ہیں۔

اس لئے اس کے تھوڑے روپے نتیجے اور مقصد کے اعتبار سے حرام آمدنی کے سو روپے سے زائد ہو گئے، بصورت حساب کے اعتبار سے تو جب کسی نے سو روپے میں سے دس کا صدقہ کر دیا تو اس کا عدد گھٹ کر نوے رہ گیا، مگر حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے اس کا ایک ذرہ نہیں گھٹا۔ یہی مطلب ہے حدیث مذکور کا جس میں ارشاد ہے کہ صدقے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ اس کے نوے روپے سو روپے سے بھی زیادہ کام دے جاتے ہیں۔ تو یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اس کا مال بڑھ گیا کہ نوے روپے نے اتنے کام پورے کر دیئے جتنے ایک سو دس میں ہوتے ہیں۔ عام طور پر مفسرین نے فرمایا کہ یہ سود کا مٹانا اور صدقے کا بڑھانا آخرت کے متعلق ہے کہ سود خور کا اس کا مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گا بلکہ اس پر وبال بن جائے گا، اور صدقہ خیرات کرنے والوں کا مال آخرت میں ان کے لئے ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں۔ اور بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ سود کا مٹانا اور صدقے کا بڑھانا آخرت کے لئے تو ہے ہی مگر اس کے کچھ آثار دنیا میں بھی مشاہد ہو جاتے ہیں، سود جس مال میں شامل ہو جاتا ہے بعض اوقات تو وہ مال خود ہلاک و برباد ہو جاتا ہے اور پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتا ہے، جیسا کہ ربا اور سٹے کے بازاروں میں اس کا

اکثر مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بڑے بڑے کروڑ پتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ اور فقیر بن جاتے ہیں۔ بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع و نقصان کے احتمالات ضرور ہیں اور بہت سے تاجروں کو نقصان بھی کسی تجارت میں ہو جاتا ہے لیکن ایسا نقصان کہ ایک تاجر جو کل کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسے کی بھیک کا محتاج ہے، یہ صرف سود اور سٹے کے بازاروں میں نظر آتا ہے اور اہل تجربہ کے بے شمار بیانات اس بات میں مشہور و معروف ہیں کہ سود کا مال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً پائیدار اور دیر تک باقی نہیں رہتا جس کا فائدہ اولاد اور نسلوں میں چلے، اکثر کوئی نہ کوئی آفت پیش آ کر اس کو برباد کر دیتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ سود خور پر چالیس سال گزرنے نہیں پاتے کہ اس کے مال پر محاق (گھاٹا) آ جاتا ہے۔

سود کے مال کی بے برکتی

اور اگر ظاہری طور پر مال برباد بھی نہ ہوا تو اس کے فوائد اور برکات و ثمرات سے محرومی تو یقینی اور لازمی ہے کیونکہ یہ بات مخفی نہیں کہ سونا چاندی خود نہ تو مقصود ہے، نہ کارآمد، نہ اس سے کسی کی بھوک مٹ سکتی ہے نہ پیاس، نہ اس کو گرمی سردی سے بچنے کے لئے اوڑھا بچھایا جا سکتا ہے، نہ کپڑوں اور برتنوں کا کام دے سکتا ہے، پھر اس کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے میں ہزاروں مشقتیں اٹھانے کا منشاء ایک عقلمند انسان کے نزدیک اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ سونا چاندی ذریعہ ہیں ایسی چیزوں کے حاصل ہونے کا جن سے انسان کی زندگی خوشگوار بن سکے اور وہ راحت و عزت کی زندگی گزار سکے، اور انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ یہ راحت و عزت جس طرح اسے حاصل ہوئی اسی طرح اس کی اولاد اور متعلقین کو بھی حاصل ہو، یہی وہ چیزیں ہیں جو مال و دولت کے فوائد و ثمرات کہلا سکتی ہیں، اس کے نتیجے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جس شخص کو یہ فوائد و ثمرات حاصل ہوئے اس کا مال حقیقت کے اعتبار سے بڑھ گیا، اگرچہ دیکھنے میں کم نظر آئے، اور جس کو یہ فوائد و ثمرات کم حاصل ہوئے اس کا مال حقیقت کے اعتبار سے گھٹ گیا، اگرچہ دیکھنے میں زیادہ نظر آئے، اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سود کے کاروبار اور صدقہ و خیرات کے اعمال کا جائزہ لیجئے تو یہ بات آنکھوں سے نظر آ جائے گی کہ سود خور کا مال اگرچہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ بڑھنا ایسا ہے جیسے کسی انسان کا بدن ورم سے بڑھ جائے، ورم کی زیادتی بھی تو بدن ہی کی زیادتی ہے مگر کوئی سمجھدار انسان اس زیادتی کو پسند نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادتی موت کا پیغام ہے، اسی طرح سود خور کا مال کتنا ہی بڑھ جائے مگر مال کے فوائد و ثمرات یعنی راحت و عزت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

سود خوروں کی ظاہری خوشحالی دھوکا ہے

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سود خوروں کو بڑی سے بڑی راحت حاصل ہے، وہ کوٹھیوں، بنگلوں کے مالک ہیں، عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہیں، کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی سب ان کو حاصل ہیں، نوکر چاکر اور شان و شوکت کے تمام سامان موجود ہیں، لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامان راحت اور "راحت" میں بڑا فرق ہے، سامان راحت تو فیکٹریوں اور کارخانوں میں بنتا اور بازاروں میں بکتا ہے، وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہو سکتا

ہے، لیکن جس کا نام "راحت" ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے، نہ کسی منڈی میں بکتی ہے، وہ ایک ایسی رحمت ہے جو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے جو بعض اوقات بے سروسامان انسان بلکہ جانوروں کو بھی دے دی جاتی ہے اور بعض اوقات ہزاروں اسباب وسامان کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک نیند کی "راحت" کو دیکھ لیجئے! کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لئے مکان کو بہتر سے بہتر بنائیں، اس میں ہوا اور روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب اور دل خوش کن ہو، چارپائی اور گدے تکیے حسب منشا ہوں، لیکن کیا نیند آ جانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟! اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں وہ انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضے سے نیند نہیں آتی، یہ سارے سامان دھرے رہ جاتے ہیں، خواب آور دوائیں بھی بعض اوقات جواب دے دیتی ہیں، نیند کے سامان تو آپ بازار سے خرید لائے لیکن نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لا سکتے، اسی طرح دوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے، ان کے سامان تو روپے پیسے کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں مگر راحت ولذت کا حصول ہو جانا ضروری نہیں۔

یہ بات سمجھ لینے کے بعد سود خوروں کے حالات کا جائزہ لیجئے تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر "راحت" کا نام نہ پائیں گے، وہ اپنے کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ اور ڈیڑھ کروڑ کو دو کروڑ بنانے میں ایسے مست نظر آتے ہیں کہ ان کو نہ اپنے کھانے پینے کا ہوش ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا، کئی کئی مل چل رہی ہیں، دوسرے ملکوں سے جہاز آ رہے ہیں، ان کی ادھیڑ بن ہی میں صبح سے شام اور شام سے صبح ہو جاتی ہے، افسوس ہے کہ ان دیوانوں نے سامان راحت کا نام "راحت" سمجھ لیا ہے اور درحقیقت "راحت" سے کوسوں دور ہو گئے، اگر یہ مسکین "راحت" کی حقیقت پر غور کرتے تو یہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ مفلس محسوس کرتے، ہمارے محترم مجذوب صاحب نے خوب فرمایا ہے۔

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے   تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

یہ حال تو ان کی "راحت" کا ہے، اب "عزت" کو دیکھ لیجئے۔ یہ لوگ چونکہ سخت دل، بے رحم ہو جاتے ہیں ان کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ مفلسوں کی مفلسی سے یا کم، یہ لوگوں کی کم مائیگی سے فائدہ اٹھائیں، ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو پالیں اس لئے ممکن نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی کوئی عزت ووقار ہو۔ اپنے ملک کے بنیوں اور یورپ وافریقہ مصر وشام کے یہودیوں کی تاریخ پڑھ لیجئے، ان کے حالات کو دیکھ لیجئے، ان کی تجوریاں کتنے ہی سونے چاندی اور جواہرات سے بھری ہوں لیکن دنیا کے کسی گوشے میں انسانوں کے کسی طبقے میں ان کی کوئی عزت نہیں بلکہ ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کے دلوں میں ان کی طرف سے بغض ونفرت پیدا ہوتی ہے، اور آج کل تو دنیا کی ساری جنگیں اسی بغض ونفرت کے مظاہرے ہیں، محنت وسرمایہ کی جنگ نے ہی دنیا میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظریے پیدا کئے، کمیونزم کی تحریکی سرگرمیاں اسی بغض ونفرت کا نتیجہ ہیں، جن سے پوری دنیا قتل وقتال وجنگ وجدال کا جہنم بن کر رہ گئی ہے۔ یہ حال تو ان کی راحت وعزت کا ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ سود کا مال سود خور کی آنے والی نسلوں کی زندگی بھی خوشگوار نہیں بننے دیتا، یا ضائع ہو جاتا ہے یا اس کی نحوست سے وہ بھی مال ودولت کے حقیقی ثمرات سے محروم وذلیل رہتے ہیں۔

یورپین اقوام کی سودخوری سے دھوکا نہ کھائیں

لوگ شاید یورپ کے سودخوروں کی مثال سے فریب میں آئیں کہ وہ لوگ تو سب کے سب خوش حال ہیں اور ان کی نسلیں بھی پھولتی پھلتی ہیں، لیکن اول تو ان کی خوش حالی کی حقیقت اور اس میں جو سامان راحت کو "راحت" سمجھ بیٹھنے کا فریب ہے اس کا اجمالی خاکہ عرض کر چکا ہوں، دوسرے اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی مردم خور دوسرے انسانوں کا خون چوس کر اپنا بدن پالتا ہو اور ایسے کچھ انسانوں کی ایک جماعت ایک محلے میں آباد ہو جائے، آپ کسی کو اس محلے میں لے جا کر خون چوسنے کی برکات کا مشاہدہ کرائیں کہ یہ سب کے سب بڑے صحت مند اور سرسبز و شاداب ہیں لیکن ایک عقلمند آدمی جو پوری انسانیت کی فلاح کا خواہش مند ہے صرف اس محلے کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کے مقابل ان بستیوں کو بھی دیکھتا ہے جن کا خون چوس کر ان کو لاغر و معذور کر دیا گیا ہے، اس محلے اور ان بستیوں کے مجموعے پر نظر ڈالنے والا کبھی اس محلہ والوں کے فربہ ہونے پر خوش نہیں ہو سکتا اور مجموعی حیثیت سے ان کے عمل کو انسانی ترقی کا ذریعہ نہیں بتا سکتا، کیونکہ اس کے سامنے جہاں یہ مردم خور درندے فربہ نظر آ رہے ہیں وہیں دوسری بستیوں میں ان کی ماری ہوئی زندہ لاشیں بھی نظر آ رہی ہیں، پوری انسانیت پر نظر رکھنے والا انسان اس کو انسان کی ہلاکت و بربادی ہی کہنے پر مجبور ہوگا۔

اس کے بالمقابل صدقہ خیرات کرنے والوں کو دیکھئے کہ ان کو کبھی اس طرح مال کے پیچھے حیران و سرگرداں نہ پائیں گے، ان کو راحت کے سامان اگرچہ کم حاصل ہوں مگر اصل راحت سامان والوں سے بھی زیادہ حاصل ہے، اطمینان و سکون قلب جو اصل راحت ہے ان کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حاصل ہوگا اور دنیا میں ہر انسان ان کو عزت کی نظر سے دیکھے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقے کو بڑھاتا ہے، یہ مضمون آخرت کے اعتبار سے تو بالکل صاف ہے ہی، دنیا کے اعتبار سے بھی اگر حقیقت ذرا سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بالکل کھلا ہوا ہے، یہی ہے مطلب اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ان الربوا وان کثر فان عاقبتہ تصیر الی قل" یعنی سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجام کار اس کا نتیجہ قلت ہے، یہ روایت مسند احمد اور ابن ماجہ میں مذکور ہے۔

آیت کے اخیر میں ارشاد ہے: "ان اللہ لا یحب کل کفار اثیم" یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو، کسی گناہ کا کام کرنے والے کو۔ اس میں اشارہ فرما دیا کہ جو لوگ سود کو حرام ہی نہ سمجھیں وہ کفر میں مبتلا ہیں اور جو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہیں وہ گناہگار فاسق ہیں۔

سود کے اخلاقی نقصانات

سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر کے خودغرضی، بےرحمی، سنگ دلی، زر پرستی اور کنجوسی کی صفت پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس اسلام ایک ایسے صحت مند معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، جو رحم و کرم، محبت و مروت، ایثار، تعاون اور بھائی چارے کی بنیاد پر قائم ہو، اس میں تمام انسان مل جل کر زندگی گزاریں، ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آئیں، غریبوں اور ناداروں کی امداد کریں، دوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھیں، رحم دلی

اور سخاوت کو اپنا شعار بنائیں اور اجتماعی مفاد کے آگے پختہ سمجھیں۔ انسانوں میں یہ تمام صفات پیدا کرکے اسلام انہیں انسانیت اور شرافت کے اس اوج کمال تک پہنچانا چاہتا ہے جہاں سے انہیں "اشرف المخلوقات" کا خطاب عطا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف سود (خواہ وہ تجارتی ہو یا مہاجنی) جس ذہنیت کو جنم دیتا ہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی کوئی جگہ نہیں، قرض دینے والے ساہوکار کو بس اپنے سود کی تو پرواہ ہوتی ہے، آگے اسے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ مقروض کو نفع ہوا یا نقصان؟ نفع ہوا تو کتنا؟ کتنی مدت میں؟ اور کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد؟ وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے مال پر منافع وصول کرتا رہتا ہے، اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مقروض کو جتنا ہو سکے دیر میں نفع ہوتا کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا سود بڑھتا اور چڑھتا رہے، اسے مدیون کے نقصان کا بھی کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ نفع نقصان کی ہر شکل میں اس کا نفع برقرار رہتا ہے۔ یہ چیز خود غرضی کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ ایک سرمایہ دار کسی حاجت مندانہ قرضے میں بھی اپنی رقم کو بلا سود لگانے پر راضی نہیں ہوتا، وہ یہ سوچتا ہے کہ میں یہ فاضل رقم کسی تاجر کو کیوں نہ دوں تاکہ گھر بیٹھے ایک متعین نفع مجھے حاصل ہوتا رہے، اس خیال کے پیش نظر اگر ایک شخص کے گھر میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے، یا اس کا کوئی عزیز دم توڑ رہا ہے وہ بھی اس کے پاس آکر اس سے قرض مانگے گا تو وہ یا تو انکار کردے گا یا تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اس سے بھی سود کا مطالبہ کرے گا، ایسے مواقع پر بالعموم حرام کہتے کہتے قساوت قلب کی یہ صفت اس درجہ رنگ جماتی ہے کہ اس وقت آپ کے مدلل لکچر اور پراثر مواعظ کچھ کام نہیں آتے، سود خور دولت مند کو اپنے چاروں طرف پیسہ ہی ناچتا نظر آتا ہے، اس لئے اس وقت آپ کو اس سے یہ شکایت ہونی بھی نہ چاہئے کہ وہ ہماری بات کیوں نہیں سنتا؟ اور ہمارے مواعظ کا کیوں اثر نہیں لیتا؟ اس کے پاس بزبان حال یہ جواب ہے کہ

اندرون قعر دریا تختہ بندم کردہ ... باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

پھر جب لوگ دیکھتے ہیں کہ فاضل سرمایہ اس قدر منافع بخش ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بھی ایک یقینی نفع حاصل ہو سکتا ہے تو ان میں زر اندوزی کا جذبہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا ہے، اور وہ پیسہ بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اور بسا اوقات وہ اس حرص کے نشے میں ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی فکر کرتے ہیں اور کچھ نہیں تو یہ چیز ان میں کنجوسی تو ضرور ہی پیدا کر دیتی ہے، اور اس مرحلے پر زر اندوزی کے میدان میں ریس شروع ہوتی ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے زیادہ روپیہ جمع کرلوں، اور پھر یہ ریس حسد، بغض اور عداوت کو جنم دیتی ہے، بھائی سے بھائی کی لڑائی ہوتی ہے، دوست سے دوست جلنے لگتا ہے، باپ کو بیٹے کے اور بیٹے کو باپ کے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں رہتی، یہاں تک کہ نفسی نفسی کے اس محشر میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے۔

یہ محض خیالی باتیں نہیں ہیں، آپ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ کیا آج یہ سب کچھ نہیں ہو رہا ہے؟ آپ کو جواب اثبات میں ملے گا، اور اگر آپ نے انصاف سے کام لیا تو آپ پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ "سود" ہی کے شجرۂ خبیثہ کے پھل پھول ہیں، اور اگر ہمیں ان تمام ناہمواریوں کو دور کرنا ہے تو ہمیں ہمت کرکے اسی شجرۂ خبیثہ پر کلہاڑا چلانا پڑے گا، اور اگر ہم اصلاح و تبلیغ کے صرف لفظی طریقے اختیار کرتے رہے تو ہماری مثال اس احمق سے مختلف نہ ہوگی

جو بدن پر جا بجا نکلی ہوئی پھنسیوں کا علاج صرف پاؤڈر چھڑک کر کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح اس شخص کو کبھی شفا حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ بیماری کی اصل جڑ کو پکڑ کر اسے ختم نہ کروائے اسی طرح ہم بھی اپنے معاشرے کو اس وقت تک صحت مند نہیں بنا سکتے جب تک کہ سود کی لعنت سے چھٹکارا نہ پالیں۔ (از کتاب مسئلہ سود)

سود کے حرام ہونے کا عقلی تجزیہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب المصالح العقلیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

سود کی ایک کثیر الوقوع صورت یہ ہے کہ مقروض نے جتنا قرض لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام اور باطل ہے کیونکہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرض اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا ایفاء کرنے سے دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اس میں عام جھگڑوں کا گمان غالب ہے اور جب کہ مال کے بڑھانے کا اس طرح طریقہ ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی۔ اس لئے اس پیشہ کو حرام ٹھہرایا گیا۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیاج لینے والے اور دینے والے اور سود کا معاہدہ لکھنے والے اور سود کے گواہوں سب پر لعنت فرمائی ہے۔ (مسلم و ترمذی) اور خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

”اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو سود رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے اور سود لینے اور دینے سے باز نہیں آتے ہو تو تم کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ (سورہ بقرہ)

سود دینے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اگر سود دینے والے نہ ہوتے ہوں یعنی سود پر قرض کوئی نہ لے تو پھر سود خور بھی کوئی نہ رہے بلکہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی ہو جائے۔ پس اس اعتبار خاص سے یہ زیادہ تر گناہ ان لوگوں کا ہے جو سود کے دینے کے معاہدہ پر قرض لیتے اور پھر سود کھانے والے لوگوں سے قرض لیتے ہیں جن قوموں کا پیشہ سود خواری کا تھا وہ بالآخر ذلیل و معدوم ہو گئیں۔ منجملہ ان کے قوم یہود ہے کہ چونکہ ان کی کہیں سلطنت نہیں ہے جس ملک میں جاتے ہیں ایسے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں کہ ذلیل ہو کر ان کو نکلنا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سود خوار قوم ہے جب لوٹ چکتے ہیں کہ ان کے پنجے سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تو اپنے بادشاہوں کے پاس چغلیاں کھاتے ہیں اور پھر انہیں حکم ہوتا ہے کہ اس ملک سے نکل جاؤ۔

نیز سود خواروں کے اخلاق بہت برے ہوتے ہیں۔ ایک شخص حکایت کرتے تھے کہ میں نے ایک فقیر کیلئے ایک سود خوار سے سفارش کی تو وہ کہنے لگا کہ پانچ روپے میں دیدوں گا مگر میرے پاس رہتے تو سو برس میں سو در سود ۱۱/۸ لاکھ ہو جاتا۔

لکھنؤ میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سود سے تباہ ہوئی۔ پہلے ان کے ملحقات پرامیسری نوٹوں کے بدلے میں گئے پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت برباد ہو گئی۔ بعض نابکار لوگ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ حالانکہ بارہ سو برس کا (بارہ سو برس میں نے اس لئے کہا کہ تیرھویں صدی میں مسلمانوں نے سود لینا دینا شروع کر دیا) تجربہ بتاتا ہے کہ بغیر سود کے سب کام چل سکتے ہیں اور بعض صورتیں سود کی اور بھی ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں۔ ان کی تحریم کی علت زیادہ گہری ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (از احکام اسلام عقل کی نظر میں)

سود کی قباحت

دنیا کی زندگی کا نظام امراء و غرباء مل کر ہی چلا سکتے ہیں نہ غربت کسی کے لئے دوامی ہے اور نہ کوئی امیری کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اجارہ دار ہے۔ بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہے اور بعض کو ضروری حاجات کے لئے بھی میسر نہیں۔ امیر و غریب اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔ اس لئے اللہ پسند نہیں کرتا کہ امیر غریبوں کا گلا گھونٹ دیں اور ان کی زندگی وبال جان بن جائے کوئی سلیم الفطرت انسان ایسی بے رحمی روا نہیں رکھتا کہ ایک غریب اور مجبور انسان کسی دولت مند کے پاس اپنی حاجت روائی کے لئے جائے اور وہ اس کو ٹھکرا دیتا تو درکنار مگر یہ اور کرے کہ اس کو کچھ رقم قرض دے کر اور اس پر سود کا اضافہ کر کے اس غریب کی ساری جائیداد ہی چھین لے۔ اس لئے سود کا عام رواج پایا جانا بنی نوع انسان کی بھلائی اور بہبودی کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تورات میں بھی سود کی ممانعت موجود ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی سود لینے کا حکم نہیں دیا۔ اجتماعی حیثیت سے کسی قوم یا ملک میں سود کا رواج پایا جانا بے حد ضرر رساں ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ سرمایہ دار فروغ پائے اور غرباء کی جماعت بڑھے اور ان کی خودداری مفقود ہو کر اخلاق رذیلہ پیدا ہوں۔ جب قوم میں اس قسم کے آدمیوں کی کثرت ہو جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سود خور سرمایہ دار قوم بحیثیت اجتماعی کمزور ہو کر بالآخر کسی بلند اخلاق قوم سے مغلوب ہوگی۔ قومیں اخلاق کی بلندی و پستی سے فاتح و مفتوح ہوا کرتی ہیں۔ سود قوم کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ وہ سرمایہ دار جو چند دن پہلے نشۂ دولت میں سرشار تھے دوسری قوموں کے ہاتھوں ذلیل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جو اس دنیا کا حقیقی مالک ہے وہ کب پسند کرتا ہے کہ انسان ہی انسانوں کا قافیہ تنگ کر دیں اس لئے اس نے اپنی مخلوق کو حکم دیا ہے کہ سود کا رواج دنیا سے مٹا دیں۔ سود لینے والے نے مالدار ہو کر اتنا بھی نہ کیا کہ محتاج کو قرض ہی بلا سود دے رکھتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ خیرات کے طور پر حاجت مند کو دیتا تو اب اس سے زیادہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کیا ہوگی؟ چاہئے تو یہ تھا کہ امیر غریب لوگوں سے اچھا سلوک کریں ان کو قرض بلا سود دیں۔ اور وقت پر ان کی امداد کریں۔ مسلمانوں کا شیوہ یہی ہے کہ قرض حسنہ دیں اور پھر اپنا اصل روپیہ واپس لے لیں۔ اگر نفع کمانا مقصود ہو تو تجارت اور سوداگری کریں دل و دولت سے اتنی محبت نہ رکھیں کہ یاد الٰہی سے غافل ہو جائیں مگر سود خور دن رات ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے اس کو دنیا کی محبت بہت سخت ہے۔ سود خور کاہل اور سست ہو جاتے ہیں۔ محنت اور مشقت کی عادت ڈالیں سوداگری کر کے مال کمائیں شرک کے بعد کسی دوسرے گناہ کی اتنی مذمت نہیں ہے جتنی کہ سود کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! خدا کا خوف کرو بقایا سود چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر اب بھی توبہ کر لو اور سود سے باز آ جاؤ تو اصل رقم لینے کے تم حقدار ہو نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ سود کے متعلق پہلا قانونی حکم غزوہ احد کے موقعہ پر ۳ھ میں نازل ہوا۔ اور سود کی ممانعت کا آخری قطعی حکم جو اوپر ذکر کیا گیا فتح مکہ کے بعد ہوا جبکہ پورے عرب پر اسلام کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور اسلامی مملکت اتنی مستحکم ہو چکی تھی کہ اپنے احکام کو پورے عرب پر نافذ کر سکے۔ اس آخری حکم

کے بعد اسلامی مملکت کے دائرہ نفوذ میں سودی کاروبار ایک فوجداری جرم بن گیا۔ چنانچہ سودی کاروبار کرنے والے ثقیفیوں کو دھمکی دے دی گئی کہ اس کاروبار کو نہ چھوڑو گے تو تمہارے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی۔ اسی طرح نجران کے عیسائیوں سے جب معاہدۂ صلح ہوا تو اس میں یہ تصریح کر دی گئی کہ اگر وہ سودی کاروبار کریں گے تو معاہدہ فسخ ہو جائے گا اور حالت جنگ تصور کی جائے گی۔ اسی آخری حکم کی بناء پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دوسرے اہل علم سے منقول ہے کہ دارالاسلام میں سود کھانے والے کو توبہ پر مجبور کیا جائے اور نہ کرنے والے کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ جصاص میں جلد ا صفحہ ۵۵۹ میں تصریح ہے۔ غور فرمایئے کہ قرآن حکیم میں کفر و شرک یعنی کھلم کھلا بغاوت کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے گناہ کو بھی اللہ اور رسول سے جنگ کے ہم معنی قرار نہیں دیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کے ستر حصے ہیں (یعنی سود کے ستر گناہ ہیں) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ بہت بڑے تھے اور ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے صاف نظر آتے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ سود خور ہیں۔

سود خوار کو جن جن عذابوں کی قرآن نے دھمکی دی ہے جن کی آنکھیں ہیں وہ دیکھیں اور جن کے کان ہیں وہ سنیں اور جن کے دل ہیں وہ سوچیں ان کو ظالم اعلان کیا گیا ہے کہ نہ دوسروں پر ظلم کرے اور نہ اپنے اوپر ظلم کرو۔ لیکن انہوں نے دوسروں پر بھی ظلم کیا اور اپنے اوپر بھی ظلم کیا۔ آج سود کی بدولت امن و امان غارت ہو گیا ہے۔ غریب بھوکے بھیڑیوں کی طرح دولت مندوں کو چیرنے پھاڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ آج یورپ اشتراکی حیوانوں کے تھپیڑوں سے مخبوط ہو رہا ہے۔ سودی کاروبار اختیار کر کے اس نے قدرت کو جنگ کا اعلان دیا۔ کفر کی وجہ سے باغی تو پہلے ہی تھا اوپر سے اس مخفی کاروبار کو دنیا میں فروغ دیا۔ چنانچہ چیلنج قبول کر لیا گیا اسی سود کے بل بوتے پر وہ جنگ لڑی جا رہی ہے جس کی نظیر نہ دنیا کی آنکھوں نے پہلے دیکھی اور نہ سنی۔ آج سود ہی ہولناک جنگ کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ اور اسی جنگ کے ذریعے سے انسانوں کی کمائی ہوئی آمدنی دھواں بن بن کر کچھ فضائی ہواؤں میں اور کچھ جہاز تارپیڈو اور خدا جانے کیا کیا بن کر سمندر کے پانیوں میں غرق و رسوا ہو کر برباد ہو رہی ہے۔ لوگوں کو نہ گھر کے اندر چین ہے اور نہ گھر کے باہر جائے پناہ۔ خدا سے جنگ کرنے کے بعد لوگ کہاں پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ سود لینے والے۔ سود دینے والے۔ کاغذات سود لکھنے والے اور گواہیاں ثبت کرنے والے سب لعنتی ہیں۔ اور قیامت کے روز یہ سب لوگ قطعی طور پر حضور کی سفارش سے محروم رہیں گے۔ اللّٰھم احفظنا

سود.... اللہ کی طرف سے اعلان جنگ

علماء کرام کی جدوجہد کی بدولت اس وقت سود کی حرمت کا مسئلہ تقریباً قانون کی حد تک عیاں ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے زہریلے اثرات اس وقت قوم میں بری طرح اپنے پنجے گاڑ چکے ہیں۔ لوگ اس کے نقصانات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کتنے ہی سرمایہ دار اس کی لپیٹ میں آ کر تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ کتنے ہی لوگوں کو ہوس مال نے سود کی طرف دھکیلا اور ایسا پھنسایا کہ کنگال کر کے چھوڑا؟ کتنے ہی بڑے بڑے بزنس مین اس سود کی نحوست سے نادہندگان ہو چکے ہیں۔ کروڑوں کی جائیداد، لاکھوں روپے کا مکان، موجود ہر طرح کی سہولیات و آرائش زندگی میسر لیکن جناب بے چین قرار۔ سبب سودی کاروبار۔

سود کے یہ وہ چند بنیادی نقصانات ہیں جس سے اس وقت قوم دوچار ہے جن قوموں کی تقلید میں ہم اس لعنت کی لپیٹ میں آئے ہیں وہ قومیں خود اس وقت سود کو چھوڑ کر اسلامی نظام معیشت کی طرف رجوع کر رہی ہیں۔ خود امریکا کے تمام بینک اس وقت سود کی لین دین کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر ہیں۔ تو ان کو بھی اپنی بقا کیلئے اسلامی نظام معیشت کے در پر دستک دینا پڑی ہے ملاحظہ فرمایئے۔

اسلامی اخبار "ضرب مومن" کی رپورٹ کے مطابق امریکا کے تمام بڑے بینک سود کے ہاتھوں تباہ ہونے کی وجہ سے اب اس بارہ میں فکرمند ہیں کہ کسی طرح اسلامی نظام میں موجود سود کو متبادل نظام رائج کیا جائے تاکہ معیشت کی ڈوبتی ہوئی اس ناؤ کو ساحل پر لایا جا سکے۔ سچ بھی ہے اس سود نے عالمی معیشت کو بری طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ سادہ لوح مسلمان بھی جو اس کے شکار ہوتے ہیں۔ ان میں مشترکہ مرض ہوس زر ہے۔ جو سود کی راہ دکھاتا ہے۔ اگر انسان قناعت و شکر کو نہ اپنائے تو زندگی پرسکون نہیں بن سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حبک الشیئ یعمی ویصم۔ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ تو اسی زیادہ سے زیادہ مال بٹورنے کی ہوس اور لالچ میں کتنے مسلمان ہیں جو اس زبردست گناہ یعنی سود میں بالواسطہ یا بلاواسطہ خوشی سے یا بادل نخواستہ پھنسے ہوئے ہیں۔

سود کی قباحت کے متعلق حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ "سود کو قرآن کریم نے اتنا بڑا گناہ قرار دیا کہ شاید کسی اور گناہ کو اتنا بڑا گناہ قرار نہیں دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر تم سود نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ یہ اعلان جنگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور گناہ پر نہیں کیا گیا۔ چنانچہ جو لوگ شراب پیتے ہیں ان کے بارہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے یا جو لوگ خنزیر کھاتے ہیں یا جو لوگ زناکاری کرتے ہیں یا جو چوری کرتے ان کے بارہ میں نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے لیکن سود کے بارے میں یہ فرمایا کہ جو لوگ سودی معاملات

نہیں چھوڑتے ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اس پر اتنی سخت اور سنگین وعید نازل ہوئی ہے۔ اتنی زبردست اور واضح وعید کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان سود کے حق میں کوئی کلمہ کہتا ہے تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔

اللہ کے فضل سے دنیا میں اس وقت سود سے پاک بینکاری شروع ہو چکی ہے۔ اللہ پاک مسلمانوں کو اس خوفناک عذاب (سود) جس نے پوری قوم کو ڈس رکھا ہے سے جلد از جلد نجات عطا فرمائیں۔ آمین۔

دور حاضر میں غیر سودی بینکاری

غیر سودی بینکاری کے بارہ میں ہمارے اکابر نے کس طرح جدوجہد فرمائی اس کے بارہ میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنی جدید کتاب "غیر سودی بینکاری" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

اپنے اکابر میں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بندے کو یاد ہے کہ یہ سب حضرات اس فکر میں رہے کہ موجودہ نظام بینکاری کو سود سے پاک کر کے کیا متبادل نظام قائم ہو جس کے ذریعے اس جرم عظیم سے نجات مل سکے۔ ان حضرات میں سے بعض نے اس موضوع پر تحریریں بھی لکھیں۔ بعض نے اس کیلئے عملی کوششیں بھی کیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مجھے یاد ہے کہ انہوں نے میرے بچپن کے زمانے میں چوہدری محمد علی صاحب مرحوم سے جو اس وقت وزیر خزانہ تھے اور بعد میں وزیراعظم بھی بنے، اس موضوع پر طویل نشستیں کیں اور غیر سودی بینکاری کا ایک خاکہ بھی تیار کیا تھا۔ پھر صدر محمد ایوب خان صاحب مرحوم کے زمانے میں شیخ احمد ارشاد صاحب نے کراچی میں ایک کوآپریٹیو شرکتی اصولوں پر قائم کرنے کا ارادہ کیا تو وہ کثرت سے حضرت والد صاحب اور حضرت بنوری صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ سے ملتے رہے۔

بہرحال! اپنے بزرگوں کی یہ خواہش اور کوشش تقریباً تواتر سے سامنے آتی رہی ہے کہ سودی بینکاری کا کوئی متبادل نظام پیش کیا جائے لیکن اس کی مفصل عملی شکل ہمارے ملک میں پہلی بار اس وقت سامنے آئی جب صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم کے زمانے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نو ہوئی اور اس وقت حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے رکن نامزد کئے گئے اور بندے کو بھی حضرت قدس سرہ کے ساتھ اس میں خدمت کا موقع ملا۔ اس کے بالکل ابتدائی اجلاسات میں ہی کونسل کے کام کا جو نقشہ تیار کیا گیا، اس میں غیر سودی بینکاری کی مفصل تجویز دینا شامل تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت بنوری قدس سرہ کی اس کے فوراً بعد وفات ہو گئی اور ان کی جگہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہ کو رکن بنایا گیا اور بالآخر کونسل نے ایک رپورٹ تیار کی جس پر حضرت رحمہ اللہ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بندے کے بھی دستخط تھے۔

اس کے بعد ۱۴۱۲ھ میں غیر سودی بینکاری کے مجوزہ طریقوں پر غور کرنے کیلئے کراچی میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا اجلاس ہوا جس میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد

رحیم صاحب، حضرت مولانا مفتی عبداستار صاحب ملتان محمود صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی، حضرت مفتی عبدالواحد صاحب، خیر المدارس ملتان سے حضرت مفتی محمد انور صاحب مدظلہم شریک تھے اور یہ ناکارہ بھی حاضر تھا۔ اس مجلس کی قرار دادیں احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۱۱ پر شائع ہو چکی ہیں۔

بلاشبہ اس دور میں آپ کی کاوشوں سے ملک بھر میں متعدد بینک کامیابی کے ساتھ غیر سودی بینکاری میں مصروف عمل ہیں۔ شریعت کے مطابق غیر سودی بینکاری کے ذریعے ان لوگوں کو بھی سود جیسی حرام چیز سے بچنے کا موقع مل گیا ہے اور آپ کی کوششوں کی برکت سے کھلی آنکھوں دنیا نے دیکھ لیا کہ سود کے بغیر بھی معیشت چل سکتی ہے اور آدمی سود سے بچنا چاہے تو ہر دور میں شریعت کے اصول ہمارے لئے راہنما ہیں۔

وہ حضرات جنہیں اس مسئلہ میں کوئی علمی اشکال ہو وہ حضرت کی جدید تصنیف "غیر سودی بینکاری" کا مطالعہ کر کے اپنی تسکین کا سامان کر سکتے ہیں۔

خرید وفروخت کے متعلق احکامات

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ (رواه البخاري ومسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا پھلوں کی بیع سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیچنے والے کو بھی منع فرمایا اور خریدنے والے کو بھی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کھجوروں کی فصل کی بیع سے جب تک ان پر سرخی نہ آ جائے اور کھیت کی بالوں کی بیع سے جب تک ان پر سفیدی نہ آ جائے اور تباہی کا خطرہ نہ رہے۔

تشریح:... جس طرح ہمارے ملک اور ہمارے علاقوں میں آم کے باغوں کی فصل آم تیار ہونے سے پہلے، بہت پہلے بھی فروخت کر دی جاتی ہے اسی طرح مدینہ منورہ وغیرہ عرب کے پیداواری علاقوں میں کھجور یا انگور کے باغات اور درختوں کے پھل تیاری سے پہلے فروخت کر دیئے جاتے تھے اور کھیتوں میں پیدا ہونے والا غلہ بھی تیاری سے پہلے فروخت کر دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ اس میں خطرہ اور امکان ہے کہ فصل پر کوئی آفت آ جائے مثلاً تیز آندھیاں یا آسمان سے گرنے والے اولے غلہ کو یا پھلوں کو ضائع کر دیں یا ان میں کوئی خرابی اور بیماری پیدا ہو جائے تو بے چارے خریدنے والے کو بہت نقصان پہنچ جائے گا، پھر اس کا بھی خطرہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہو۔ بہرحال اس بیع فروخت میں یہ کھلے ہوئے مفاسد اور خطرات ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَاَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا (باغ کو) چند سالوں کے واسطے

فروخت کرنے سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ناگہانی آفات (کے نقصان) کو وضع کر دینے کا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: باغ کی فصل کئی سال کے لئے فروخت کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ معلوم نہیں کہ پھل آئے گا بھی یا نہیں، اور باقی رہے گا یا خدانخواستہ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں بے چارے خریدار کو مفت نقصان پہنچے گا اور وہ قیمت ادا کرنا ہی ہے گا جس سے نزاع اور جھگڑا پیدا ہوگا جو سو خرابیوں کی جڑ ہے۔ دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا کہ اگر باغ کی فصل فروخت کی گئی اور پھلوں پر کوئی آفت آ گئی تو باغ کے مالک کو چاہئے کہ نقصان کا لحاظ کر کے قیمت میں کمی اور تخفیف کر دے۔

ظاہر ہے کہ ان سب احکام کا مقصد اہل معاملہ کی خیر خواہی اور ان کو باہمی اختلاف و نزاع سے بچانا اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری اور ایثار و قربانی کا عادی بنانا ہے۔

جو چیز فی الحال اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کی جائے

کاروباری دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوتا تھا اور ہر دور زمانہ میں بھی ہوتا ہے کہ تاجر کے پاس ایک چیز موجود نہیں ہے لیکن اس کے طالب خریدار سے وہ اس کا سودا اس امید پر کر لیتا ہے کہ میں کہیں سے خرید کر اس کو دے دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس کا امکان ہے کہ وہ چیز فراہم نہ ہو سکے یا فراہم ہو جائے مگر خریدار اس کو پسند نہ کرے، اس صورت میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا ہو سکتا ہے۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم اَنْ اَبِيْعَ مَا لَيْسَ عِنْدِيْ. (رواه الترمذي)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے میں اس کی بیع فروخت کا کسی سے معاملہ کروں۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... یہ حکیم بن حزام ایک دولت مند تاجر تھے، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ بعض اوقات کسی چیز کا خریدار میرے پاس آتا ہے اور وہ چیز میرے پاس موجود نہیں ہوتی تو میں اس سے معاملہ کر لیتا ہوں اور بازار سے وہی چیز خرید کے اس کو دے دیتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کی بیع فروخت نہ کرو۔

بعض اوقات آدمی فقر و فاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے یا کسی ناگہانی پریشانی میں گھر جانے کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے یا کھانا وغیرہ کی کوئی چیز خریدنے کے لئے سخت مجبور اور "مضطر" ہوتا ہے۔ ایسے وقت بے درد تاجر اس شخص کی مجبوری اور اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اسی کو "بیع مضطر" کہا گیا ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ. (رواه ابوداؤد)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا "مضطر" کی خرید و فروخت سے، اور ایسی چیز کی بیع سے جس کا ملنا یقینی نہ ہو اور پھلوں کی تیاری سے پہلے ان کی بیع فروخت سے۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح..... "مضطر کی بیع" کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے، اس کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسے مجبور و مضطر آدمی سے خرید و فروخت کا تاجرانہ معاملہ نہ کیا جائے بلکہ اس بھائی کی خدمت اور اعانت کی جائے۔ دوسری چیز جس سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے "بیع غرر" ہے یعنی ایسی چیز کی بیع جو فروخت کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور اس کا ملنا یقینی نہیں ہے، جیسے کہ کوئی جنگل کے ہرن کی یا کسی پرندکی یا دریا کی مچھلی کی اس امید پر بیع کرے کہ شکار کر کے فراہم کر دوں گا۔ یہ "بیع غرر" ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے، کیونکہ بیچی جانے والی چیز نہ بائع کے پاس موجود ہے اور نہ اس کا ملنا یقینی ہے اور مل بھی جائے تو نوعیت کے بارے میں نزاع و اختلاف کا خطرہ ہے۔ تیسری چیز جس کی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے تیار ہونے سے پہلے پھلوں کی فصل کی فروخت ہے۔ اس کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے۔

دھوکے فریب کی ممانعت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَاِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے مال خریدنے کے لئے آگے جا کے نہ ملو، جس تاجر نے آگے جا کر راستہ میں سودا کیا اور خرید لیا تو مال کا مالک جب بازار پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے تو معاملہ فسخ کر دے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ غلہ وغیرہ ضروریات کی چیزیں باہر سے لا کر شہروں کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے اور یہ چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں آتے تھے، (ان تجارتی قافلوں کو "جلب" کہا جاتا تھا) چالاک تاجر ایسا کرتے تھے کہ بازار اور منڈی تک پہنچنے سے بہت پہلے راستہ ہی میں ان کے پاس پہنچ کر مال کا سودا کر لیتے تھے اس میں اس کا بہت امکان ہوتا تھا کہ بازار کے بھاؤ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے باہر سے مال لانے والے اپنا مال ان تاجروں کے ہاتھ سستے داموں بیچ دیں اور اس سے ان کو نقصان پہنچے۔ اور اس سے بڑی دوسری خرابی اس طریقے میں یہ تھی کہ باہر سے آنے والا سارا غلہ اور دیگر سامان ان چالاک سرمایہ دار تاجروں کے ہاتھ میں چلا جاتا تھا پھر یہ اس کو عام صارفین کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچتے اور زیادہ سے زیادہ نفع کماتے۔ اگر مال بازار میں آ کر بکتا تو لانے والوں کو بھی مناسب قیمت ملتی اور عام ضرورت مند بھی مناسب داموں پر خرید سکتے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی کہ غلہ وغیرہ لانے والوں سے بازار پہنچنے سے پہلے راستے میں جا کر خریداری نہ کی جائے اور اگر اس طرح کسی نے کوئی سودا کیا تو مال لانے والا اگر بازار پہنچ کر محسوس کرے کہ بازار کے بھاؤ سے بے خبری کی وجہ سے اس کو دھوکا اور نقصان ہو گیا تو اس کو معاملہ فسخ کر دینے کا اختیار ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلِبَهَا اِنْ رَضِيَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لئے آگے جا کے نہ ملو، اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کے بیع کے معاملے میں اپنے معاملہ بیع سے مداخلت نہ کرے، اور (کسی سودے کے لئے) نمائشی خریدار بن کر اس کی قیمت بڑھانے کا کام نہ کرو، اور شہری تاجر بدویوں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں، اور (بیچنے کے لئے) اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے اگر پسند ہو تو اسے اپنے رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کر دے اور (جانور کے مالک کو) ایک صاع (قریباً ۳ سیر) کھجوریں بھی دے دے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح۔ اس حدیث میں تجارت اور خرید و فروخت سے متعلق چند ہدایتیں دی گئی ہیں۔ پہلی ہدایت تو وہی ہے جو اس سے اوپر والی حدیث میں دی گئی تھی کہ غلہ وغیرہ ضروریات باہر سے لانے والے تجارتی قافلوں سے بازار اور منڈی میں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں جا کر ان سے مال نہ خریدا جائے بلکہ جب وہ بازار اور منڈی میں مال لے آئیں تو ان سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے۔ اس ہدایت کی حکمت اور مصلحت بھی لکھی جا چکی ہے۔

دوسری ہدایت کے الفاظ یہ ہیں "وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار ایک دکاندار سے کوئی چیز خرید رہا ہے تو دوسرے دکاندار کو نہ چاہئے کہ وہ معاملہ میں مداخلت کرے اور خریدار سے کہے کہ یہی چیز تم مجھ سے خرید لو، ظاہر ہے کہ اس سے دکانداروں میں باہم عداوت اور ایک دوسرے کی بدخواہی پیدا ہوگی جو شرافت کے خلاف ہے۔

تیسری ہدایت کے الفاظ ہیں "وَلَا تَنَاجَشُوا" بازار کی دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دکاندار سے کوئی چیز خریدنے کی بات چیت کر رہا ہے تو کوئی صاحب اس چیز کے صرف نمائشی خریدار بن کے کھڑے ہوگئے اور زیادہ قیمت لگا دی تاکہ بھولا بھالا اور واقعی خریدار بے وقوف بن کر زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ بے چارے خریدار کے ساتھ یہ ایک طرح کا فریب ہے "لَا تَنَاجَشُوا" میں اسی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

چوتھی ہدایت کے الفاظ ہیں "لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے تاجروں کو نہ چاہئے کہ دیہات کے لوگ جو سامان غلہ وغیرہ فروخت کرنے کے لئے لائیں تو ان کو وہ مال اپنے پاس اس غرض سے رکھ لیں کہ جب دام بڑھ جائیں گے اس وقت فروخت کریں گے، بلکہ دیہات کے لوگ جب مال لائیں تو اس کو فروخت ہو جانا چاہئے۔ اس صورت میں ان اشیاء کی قلت نہیں ہوگی، عوام کے لئے قیمتیں نہیں چڑھیں گی اور گرانی نہیں بڑھے گی۔ اور دیہات سے مال لانے والوں کو جب ان کے دن اور ہاتھ کے ہاتھ اپنے مال کی قیمت مل جائے گی تو جلدی وہ بازار میں دوسرا مال لاسکیں گے، اس طرح ان کی تجارت بڑھ جائے گی اور نفع بھی بڑھے گا۔

پانچویں اور آخری ہدایت ہے "لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ الخ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے کہ جب اس کو اپنا دودھ دینے والا جانور (اونٹنی، بکری وغیرہ) بیچنا ہو تو ایک دو وقت پہلے سے اس کا دودھ دوہنا چھوڑ دے تاکہ خریدار اس کے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر سمجھے کہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے اور زیادہ قیمت میں خریدے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا دھوکا فریب ہے۔ آگے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ایسا جانور خریدا تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے گھر پر دوہنے کے بعد اگر

جانور کو ناپسند کرے تو واپس کر دے اور پسند کرے تو اپنے پاس رکھ لے۔ اور واپس کرنے کی صورت میں ایک صاع (قریباً ۳ سیر) کھجوریں بھی جانور کے مالک کو پیش کر دے۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کی روایت میں الفاظ ہیں "فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ" جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا جانور خریدنے والے کو تین دن تک واپسی کا اختیار رہے گا۔ (اس کے بعد واپسی کا حق نہ ہوگا۔) نیز "مسلم" کی اس روایت میں "صَاعًا مِنْ تَمْرٍ" کے بجائے "صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ" کے الفاظ ہیں، ان کی بناء پر ایک صاع کھجوروں کی جگہ گیہوں کے علاوہ ایک صاع کوئی غلہ (جو وغیرہ) دینا بھی صحیح ہوگا۔ جانور کی واپسی کی صورت میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجور وغیرہ پیش کرنے کی ہدایت کی حکمت و مصلحت شاید یہ ہو کہ خریدنے والے نے ایک دن یا دو دن یا تین دن (جب تک جانور کو اپنے پاس رکھا) اس کا دودھ دوہا اور استعمال کیا، ساتھ ہی اس کے کھلانے پلانے پر خرچ بھی کیا، اس طرح حساب گویا برابر ہو گیا۔ پھر بھی جو کسر رہی ہو اور واپسی سے جانور کے مالک کی جو دل شکنی ہوئی ہو اس کی مکافات اور واپسی کے معاملہ کی ناخوشگواری ختم کرنے یا کم کرنے کے لئے یہ ہدایت دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ يَزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ. (رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بچھانے کا) ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ اس طرح فروخت کیا کہ آپ نے (مجلس کے حاضرین کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ یہ ٹاٹ اور پیالہ کون خریدنا چاہتا ہے (وہ بولی بولے) ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لے سکتا ہوں، آپ نے فرمایا کون ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہے؟ تو ایک دوسرے صاحب نے آپ کو دو درہم پیش کر دیئے تو آپ نے وہ دونوں چیزیں ان کے ہاتھ بیچ دیں۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت جائز ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ نیلام کے جس واقعہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر ہے وہ پوری تفصیل کے ساتھ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ..... کہ ایک نہایت مفلس اور مفلوک الحال انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حاجت مندی کا حال بیان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امداد و اعانت کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کر کے کمانے کے قابل ہیں) ان سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کچھ سامان ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں ہے بس ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم (بطور فرش کے) بچھا لیتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور اس کے علاوہ بس ایک پیالہ ہے جو پانی پینے کے کام آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں بکتی ہیں، آپ لوگوں میں سے کون ان کا خریدار ہے۔" ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک درہم میں دونوں چیزیں لے سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من یزید" (یعنی جو کوئی اس سے زیادہ قیمت میں خریدنے والا ہو وہ بولے!) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ بات آپ نے ۲، ۳ دفعہ فرمائی تو ایک صاحب نے دو درہم نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کر دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں اور جو دو درہم انہوں نے دیئے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان انصاری صحابی کو دیئے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک درہم کا تو کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کے اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کے میرے پاس لے آؤ، انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی خرید کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا اور ان سے کہا کہ یہ کلہاڑی لے کے جنگل نکل جاؤ، لکڑیاں لاؤ اور بیچو! حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ اب ۱۵ دن تک ہرگز میرے پاس نہ آؤ (یعنی زیادہ سے زیادہ وقت محنت اور کمائی ہی میں صرف کرو) انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس محنت اور کمائی کے نتیجہ میں ان کے پاس دس درہم جمع ہو گئے اس سے انہوں نے گھر والوں کے لئے غذائی سامان اور کچھ کپڑا وغیرہ خریدا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ محنت کر کے گزارا کرنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ سائل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ اور قیامت میں تمہارے چہرے پر اس کا داغ اور نشان ہو۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

جس طرح ہمارے زمانہ میں بہت سے تاجر غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مہنگائی اور گرانی بڑھ جاتی ہے اور عام صارفین پر بوجھ پڑتا ہے اور ان کے لئے گزارہ دشوار ہو جاتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی کچھ تاجر ایسا کرتے تھے (اور غالباً اس کو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سختی سے منع فرمایا اور گناہ قرار دیا۔ عربی زبان میں اس کو "احتکار" کہا جاتا ہے۔

عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ. (رواه ابن ماجه والدارمي)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جالب (یعنی غلہ وغیرہ باہر سے لا کر بازار میں بیچنے والا تاجر) مرزوق ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا کفیل ہے) اور محتکر (یعنی مہنگائی کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنے والا) ملعون ہے (یعنی اللہ کی طرف سے پھٹکارا ہوا اور اس کی رحمت و برکت سے محروم ہے) (سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا رخ یہ ہے کہ معاشی نظام ایسا ہو جس میں عوام خاص کر غرباء یعنی کم آمدنی والوں کو زندگی گزارنا دشوار نہ ہو، تجارت پیشہ اور دولت مند طبقہ زیادہ نفع

اندوزی اور ذاتی دولت میں اضافہ کے بجائے عوام کی سہولت کو پیش نظر رکھے اور اس مقصد کے لئے کم نفع پر قناعت کر کے اللہ کی رضا و رحمت اور آخرت کا اجر حاصل کرے۔ اگر ایمان و یقین نصیب ہو تو بلاشبہ یہ تجارت بڑی نفع بخش ہے۔

قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ

کبھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ غذا جیسی ضروری اشیاء کی قیمتوں پر حکومت کی طرف سے یا کسی با اختیار ادارہ کی طرف سے کنٹرول کیا جائے اور تاجروں کو من مانے طریقہ پر زیادہ نفع خوری کی اجازت نہ دی جائے تاکہ عوام خاص کر غرباء کو زیادہ تکلیف نہ پہنچے، اسی کو عربی زبان میں تسعیر کہا جاتا ہے۔ یہاں اسی سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد درج کیا جا رہا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِنْكُمْ يُطَالِبُنِيْ بِمَظْلَمَةٍ بِدَمٍ وَّلَا مَالٍ۔ (رواه الترمذى و ابوداؤد و ابن ماجه والدارمى)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں (ایک دفعہ) مہنگائی بڑھ گئی تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نرخ مقرر فرما دیں (اور تاجروں کو اس کا پابند کر دیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ نرخ کم و بیش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی تنگی یا فراخی کرنے والا ہے، وہی سب کا روزی رساں ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے جان و مال کے ظلم اور حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح ..... اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کی طرف سے مہنگائی کی شکایت اور تسعیر (یعنی قیمتوں پر کنٹرول) کی درخواست کرنے کے باوجود اپنے لئے اس کو مناسب نہیں سمجھا اور اندیشہ ظاہر فرمایا کہ اس طرح کے حکم سے کسی پر زیادتی اور کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ غلہ وغیرہ کی گرانی اور مہنگائی کبھی قحط اور پیداوار کی کمی جیسے قدرتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی تاجر اور کاروباری لوگ زیادہ نفع کمانے کے لئے مصنوعی قلت کی صورت پیدا کر کے قیمتیں بڑھا دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو جواب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی گرانی قدرتی اسباب کی پیدا کی ہوئی تھی، تاجروں کی نفع اندوزی کا اس میں دخل نہیں تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنٹرول نافذ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطرہ ہوا کہ تاجروں پر زیادتی نہ ہو جائے۔ اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر حاکم وقت یقین کے ساتھ محسوس کرے کہ تاجروں کی طرف سے عام صارفوں پر زیادتی ہو رہی ہے اور افہام و تفہیم اور نصیحت سے تاجر اپنے رویہ کی اصلاح نہیں کرتے تو وہ قیمتیں مقرر کر کے کنٹرول نافذ کر سکتا ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ تاجروں کو غلط منافع اندوزی کی چھوٹ دینا تو فساد فی الارض اور اللہ کی مخلوق پر تباہی لانا ہے (حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی

حدیث کی شرح کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: "فان روی منهم جور ظاهر لا یشک فیه الناس جاز تغییره فانه من الافساد فی الارض" حجة الله البالغه ص ۱۱۳ ج ۲)۔ لیکن بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مقتضی یہی ہے کہ حتی الوسع اس سے بچا جائے اور یہ قدم اسی وقت اٹھایا جائے جب تاجروں کی طرف سے نفع اندوزی کے جذبہ کے تحت عوام کے ساتھ کھلی زیادتی ہو رہی ہو اور تسعیر کی کارروائی ناگزیر ہو جائے۔

امام مالک نے موطا میں حضرت سعید بن المسیب تابعی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ خشک انگور (یعنی منقی) ایسے نرخ پر فروخت کر رہے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک نامناسب حد تک گراں ہے، تو آپ نے ان سے فرمایا:

اما ان تزید فی السعر واما ان ترفع من سوقنا. (جمع الفوائد ص ۲۹۲ ج ۱)

یا تو تم بھاؤ بڑھاؤ (یعنی قیمت مناسب حد تک کم کرو) اور یا پھر اپنا مال ہمارے بازار سے اٹھاؤ۔

شریعت کے عام قواعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی روشنی میں علماء محققین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو عوام کو تاجروں کے استحصال سے بچانے کے لئے حکومت کی طرف سے ضروری اشیاء کی قیمتیں مقرر کر دی جائیں اور کنٹرول نافذ کر دینا چاہئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے بعض رسائل میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

معاملہ فسخ کرنے کا اختیار

خرید و فروخت کے معاملہ میں اگر دونوں فریق (بیچنے والا اور خریدنے والا) یا دونوں میں سے کوئی ایک یہ شرط کر لے کہ ایک دن یا دو تین دن تک مجھے اختیار ہوگا کہ میں چاہوں تو اس معاملہ کو فسخ کر دوں، تو شرعاً جائز ہے۔ اور شرط کرنے والے فریق کو فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا۔ فقہ کی اور شریعت کی اصطلاح میں اس کو "خیار شرط" کہا جاتا ہے۔ اس کا حدیث میں صراحۃً ذکر ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ امام شافعی اور بعض دوسرے آئمہ کے نزدیک اسی طرح کی شرط اور قرارداد کے بغیر بھی فریقین کو معاملہ فسخ کرنے کا اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ دونوں اسی جگہ رہیں جہاں سودا طے ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایک بھی اس جگہ سے ہٹ جائے اور علیحدہ ہو جائے تو یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس کو فقہ کی زبان میں "خیار مجلس" کہا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے آئمہ اس "خیار مجلس" کے قائل نہیں ہیں۔ اس بارے میں ان کا مسلک یہ ہے کہ خرید و فروخت کی بات جب فریقین کی طرف سے بالکل طے ہوگئی اور سودا پکا ہو گیا اور لین دین بھی ہو گیا تو اگر پہلے سے کسی فریق نے بھی فسخ کے اختیار کی شرط نہیں لگائی ہے تو اب کوئی فریق بھی یکطرفہ طور پر معاملہ فسخ نہیں کر سکتا، ہاں باہمی رضامندی سے معاملہ فسخ کیا جا سکتا ہے جس کو شریعت کی اور فقہ کی زبان میں "اقالہ" کہا جاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُ اَنْ يُّفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ اَنْ يَّسْتَقِيْلَهُ. (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خریدار اور

فروخت کرنے والے دونوں فریقوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک باہم جدا نہ ہوں (اس کے بعد اختیار نہیں) سوائے اس صورت کے کہ (شرط لگا کے) اختیار کر لیا گیا ہو۔ دونوں میں سے کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اقالہ رد ہونے کے خطرہ کی وجہ سے دوسرے سے جدا ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح . اس حدیث کا مدعا بھی وہی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں (بائع و مشتری) کو اس وقت تک معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ متفرق اور جدا نہ ہوں۔ جدا ہونے کے بعد صرف اسی صورت میں فسخ کا اختیار رہے گا جب شرط کے طور پر یہ طے کر لیا گیا ہو۔ اس کے آگے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت بھی ہے کہ "فریقین میں سے کوئی بھی اس خطرہ کی وجہ سے الگ اور جدا نہ ہو کہ وہ اپنی بات الٹی لے کر معاملہ فسخ نہ کر دے۔"

خیار عیب

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کی اختیار کی دو صورتوں کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں آ چکا ہے (ایک "خیار شرط" دوسرے "خیار مجلس") ایک تیسری شکل یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہو جائے جو پہلے معلوم نہیں تھا، اس صورت میں بھی خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار رہے گا۔ اس کی ایک مثال وہ ہے جو حضرت عائشہؓ کی مندرجہ ذیل حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا ابْتَاعَ غُلَامًا فَأَقَامَ عِنْدَهُ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَخَاصَمَهُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَرَدَّهُ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ اسْتَغَلَّ غُلَامِي فَقَالَ صلى الله عليه وآله وسلم اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ. (رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے سے ایک غلام خریدا اور وہ (کچھ دن) جتنے اللہ نے چاہا اس کے پاس رہا، پھر اسے معلوم ہوا کہ غلام میں ایک عیب ہے، تو وہ شخص اس معاملہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ چاہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس عیب کی بنیاد پر) غلام واپس کر دینے کا فیصلہ فرما دیا۔ مدعا علیہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس بھائی نے (اتنے دن تک) میرے غلام سے کام لیا ہے اور فائدہ اٹھایا ہے (لہذا مجھے اس کا معاوضہ بھی ملنا چاہئے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "الخراج بالضمان" (یعنی نفع کا مستحق وہی ہے جو نقصان کا ضامن ہے) (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح . حدیث کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد "الخراج بالضمان" شریعت کے ان اصولی قواعد میں سے ہے جن سے فقہاء نے بیسیوں مسئلوں کا حکم نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منفعت کا مستحق وہی ہوتا ہے جو نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر بالفرض غلام خریدنے والے کے پاس یہ غلام مر جاتا یا کسی حادثہ سے اس کا کوئی عضو ٹوٹ پھوٹ جاتا تو یہ نقصان خریدنے والے ہی کا ہوتا، اس لئے ان دنوں میں جو فائدہ خریدنے والے نے غلام سے اٹھایا وہ اس کا حق تھا، لہذا اس کے معاوضے کا کوئی سوال نہیں۔

یہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں نقل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں کسی شخص کے ہاتھ بیچا اور یہ وضاحت کر دی کہ اس غلام میں

کوئی عیب نہیں ہے۔ بعد میں غلام خریدنے والے نے کہا کہ اس کو فلاں بیماری ہے جس کے بارے میں آپ نے بتایا نہیں تھا (حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے غالباً کہا کہ یہ بیماری اس کو میرے ہاں نہیں تھی) بہرحال یہ مقدمہ خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپؓ نے معاملہ دیکھ کے (اور یہ دیکھ کے خریدار اس بات کے گواہ پیش نہیں کر سکتا کہ غلام کو یہ بیماری پہلے سے تھی) تو قانون شریعت کے مطابق حضرت ابن عمر سے کہا کہ آپ قسم کے ساتھ یہ بیان دے دیں کہ غلام کو یہ مرض آپ کے ہاں نہیں تھا۔ حضرت ابن عمر نے قسم کے ساتھ یہ بیان دینے سے معذرت کر دی اور اپنا غلام واپس لے لیا۔ پھر اللہ نے کیا کہ بیماری کا اثر ختم ہو کے غلام بالکل صحیح تندرست ہو گیا اور اس کے بعد وہی غلام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پندرہ سو درہم میں فروخت کیا۔

ائمہ فقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب نکل آئے (جس کی وجہ سے اس کی قیمت اور حیثیت کم ہو جائے) تو یہ ثابت ہو جانے پر کہ یہ عیب خرید و فروخت کے معاملے سے پہلے کا ہے، خریدار کو معاملہ فسخ کر دینے اور خریدی ہوئی چیز واپس کر کے اپنی ادا کی ہوئی قیمت واپس لینے کا اختیار ہے۔ اسی کو "خیار عیب" کہا جاتا ہے۔

بیع کا معاملہ ہو جانے کے بعد واپسی

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں کے درمیان کسی چیز کی بیع کا معاملہ ہوا اور فریقین کی طرف سے بات بالکل ختم ہو گئی لین دین بھی ہو گیا۔ اس کے بعد کسی ایک نے اپنی مصلحت سے معاملہ فسخ کرنا چاہا۔ مثلاً خریدار نے جو چیز خریدی تھی اس کو واپس کرنا چاہا، یا بیچنے والے نے بیچی چیز واپس لینی چاہی تو اگرچہ قانون شریعت کی رو سے دوسرا فریق مجبور نہیں ہے کہ وہ اس کے لئے راضی ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاقی انداز میں اس کی اپیل کی ہے اور اس کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ شریعت کی زبان میں اسی کو "اقالہ" کہا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (رواه ابو داؤد وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اقالہ کا معاملہ کرے (یعنی اس کی بیچی یا خریدی ہوئی چیز کی واپسی پر راضی ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں (یعنی اس کے گناہ) بخش دے گا۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ... کسی چیز کو خرید کر یا بیچ کر آدمی واپس کرنا یا واپس لینا جب ہی چاہتا ہے جب محسوس کرتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، میں اس معاملہ میں نقصان اور خسارہ میں رہا اور دوسرا فریق نفع میں رہا۔ اس صورت میں دوسرے فریق کا معاملہ فسخ کر کے واپسی پر راضی ہو جانا بلاشبہ ایثار ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد میں اسی ایثار کی ترغیب دی ہے اور ایسا کرنے والے کو بشارت سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت میں اس کے قصوروں اور گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ بلاشبہ بڑا نفع بخش ہے یہ سودا۔

تجارت میں قسمیں کھانے کی ممانعت

بعض سوداگر اور دکاندار اپنا سودا بیچنے کے لئے بہت قسمیں کھاتے ہیں اور قسموں کے ذریعہ گاہک کو خریداری پر آمادہ کرتا

ہاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا بہت بے جا استعمال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس سے منع فرمایا اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا ہے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیچ فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بہت بچو کیونکہ اس سے (اگرچہ بالفعل) دکانداری خوب چل جاتی ہے لیکن بعد میں بے برکتی ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں سوداگروں، دکانداروں کو زیادہ قسمیں کھانے کی بری عادت سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سودا بیچنے کے لئے کثرت سے قسم کھانا اگرچہ وہ قسم جھوٹی نہ ہو بلکہ سچی ہو، اللہ تعالیٰ کے باعظمت نام کا بہت نامناسب استعمال ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانا تو ایک دفعہ بھی گناہ عظیم ہے۔ صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو سوداگر جھوٹی قسم کھا کر اپنا کاروبار چلاتا ہے وہ ان مجرمین میں شامل ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ (یعنی قیامت میں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی ہم کلامی کی لذت وعزت سے اور نگاہ رحمت ونظر عنایت سے محروم رکھے گا اور فسق وفجور کی نجاست سے ان کو پاک نہیں کیا جائے گا، ان کا حصہ بس خدا کا دردناک عذاب ہوگا۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ. (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

قیس بن ابی غرزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے معشر تجار (اے سوداگرو!) بیع میں لغو اور بے فائدہ باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور قسم بھی کھائی جاتی ہے تو (اس کے علاج اور کفارہ کے طور پر) اس کے ساتھ صدقہ ملا دیا کرو۔" (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ..... واقعہ ہے کہ اپنا سودا بیچنا اور گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنے کے لئے بہت سے دکاندار قسمیں بھی کھاتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک لغو ولایعنی اور ناپسندیدہ ہوتی ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد میں ہدایت فرمائی کہ اس کے کفارہ کے طور پر تاجر لوگ صدقہ (یعنی فی سبیل اللہ غرباء اور مساکین وغیرہ کی خدمت واعانت) کو اپنے کاروبار میں شامل کر لیں، یہ انشاء اللہ حب مال کی اس بیماری کا علاج بھی ہوگا جو کاروباری لوگوں سے ناپسندیدہ باتیں اور غلط کام کراتی ہیں۔

عَنْ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

حضرت رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تاجر لوگ سوائے

ان کے جنھوں نے (اپنی تجارت میں) تقوے اور نیکی اور سچائی کا رویہ اختیار کیا۔ قیامت میں فاجر اور بدکار اٹھائے جائیں گے۔

تشریح ۔۔۔ اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے جو خوف خدا، احکام شریعت اور سچائی و نیکوکاری سے آزاد ہو کر تجارت اور سوداگری کرتے ہیں اور جھوٹ سچ، جس طرح بھی ہو سکے، بس اپنی دولت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر "فاجروں" یعنی بدکار مجرموں کی حیثیت سے ہوگا اور اسی حیثیت سے بارگاہ خداوندی میں ان کی پیشی ہوگی۔ اللہ کی پناہ؟ اس کے برخلاف جو تجارت پیشہ بندے اپنی تجارت اور کاروبار میں آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھتے ہوئے سچائی اور دیانت داری کی پابندی کے ساتھ تجارت اور کاروبار کریں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشخبری سنائی ہے کہ:

"وہ قیامت میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کرام کے ساتھ ہوں گے۔"

مکان وغیرہ جائیداد کی فروخت کے بارے میں ایک مشفقانہ ہدایت

مکان باغ یا کاشت کی زمین جیسی غیر منقولہ چیزوں کی یہ خصوصیت ہے کہ نہ ان کو کوئی چرا سکتا ہے نہ ان پر اس طرح کے دوسرے حادثے آ سکتے ہیں جو اموال منقولہ پر آتے ہیں دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کسی خاص ضرورت اور مصلحت کے ان چیزوں کو فروخت نہ کیا جائے اور اگر فروخت کیا جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ اس قیمت سے کوئی غیر منقولہ جائیداد ہی خریدی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کے مال پر جو شفقت تھی اس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کے مشورے بھی دیئے ہیں۔

کاروبار میں شرکت کا جواز اور دیانتداری کی تاکید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا. (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جو دو آدمی شرکت میں کاروبار کریں تو تیسرا میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میری رحمت اور برکت ان کے ساتھ ہوتی ہے) جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساجھے دار کے حق میں خیانت اور بددیانتی نہ کرے۔ پھر جب کسی شریک کی طرف سے خیانت اور بددیانتی کا صدور ہوتا ہے تو میں ان سے الگ ہو جاتا ہوں (اور وہ میری معیت کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح ۔۔۔ علماء و محدثین کی اصطلاح کے مطابق یہ "حدیث قدسی" ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تجارت اور کاروبار میں شرکت جائز ہے بلکہ باعث برکت بھی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت اور کاروبار کی شرکت ہی کے باب میں زہرہ بن معبد تابعی کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ میرے دادا عبداللہ بن ہشام کو ان کے بچپن ہی میں، ان کی والدہ (زینب بنت حمید) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ حضرت میرے اس بچے کو بیعت فرمالیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ھو صغیر" یعنی یہ ابھی بہت کم عمر ہے اور آپ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے دعا فرمائی (آگے زہرہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ) پھر میرے یہ دادا عبداللہ بن ہشام جب تجارت اور کاروبار کرنے لگے تو میں ان کے ساتھ بازار اور منڈی جایا کرتا تھا تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ تجارت کے لئے غلہ کی خریداری کرتے تو حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (دونوں بزرگ صحابی) ان کو ملتے اور ان سے کہتے کہ ہم کو بھی شریک کرلو اور حصہ دار بنالو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی (تو اس دعا کی برکت سے انشاء اللہ خوب نفع ہوگا) تو میرے دادا عبداللہ ابن ہشام سودے میں ان دونوں صاحبوں کو بھی شریک کرلیتے تھے، تو بسا اوقات اتنا نفع ہوتا کہ پورا ایک اونٹ بھر غلہ نفع سے بچ جاتا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیتے۔ (صحیح بخاری کتاب الشرکۃ)

تجارت اور کاروبار میں وکالت

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِي أَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَعْطَاهُ دِيْنَارًا يَشْتَرِي شَاةً فَاشْتَرَى لَهُ شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ وَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ فَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي بَيْعِهِ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوِ اشْتَرَى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيْهِ. (رواه البخاري)

عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس مقصد سے ایک دینار دیا کہ وہ آپ کے لئے ایک بکری خرید لائیں وہ گئے اور انہوں نے اس ایک دینار کی دو بکریاں خرید لیں۔ پھر ان میں سے ایک ایک دینار کی بیچ دی اور واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بکری بھی پیش کردی اور ایک دینار بھی (اور واقعہ بتلا دیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے واسطے (خاص طور سے) خرید و فروخت میں یعنی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے ان کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہو جاتا۔ (صحیح بخاری)

تشریح۔ عروہ بن ابی الجعد بارقی نے بکریوں کی یہ خرید و فروخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کے وکیل کی حیثیت سے کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اور چونکہ پہلے خریدی ہوئی دو بکریوں میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لئے بغیر فروخت کردی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس فعل کو غلط اور خلاف شریعت قرار نہیں دیا بلکہ شاباشی اور دعا دی تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وکیل اپنے مؤکل کی چیز اس کی اجازت کے بغیر بھی فروخت کرسکتا ہے اور مؤکل اگر اس کو قبول کرلے تو وہ بیع جائز اور نافذ ہوگی۔

اجارہ

کسی کو اجرت اور مزدوری دے کر اپنا کام کرانا، یا استعمال کے لئے کسی کو اپنی چیز دے کر اس کا کرایہ لینا۔ شریعت اور فقہ کی زبان میں اس کو "اجارہ" کہا جاتا ہے اور یہ ان معاملات میں سے ہے جن پر انسانی تمدن کی بنیاد قائم ہے۔ اس

موضوع سے متعلق ایک حدیث ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ، فَقَالَ اَصْحَابُهُ وَاَنْتَ؟ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعَى عَلٰى قَرَارِیْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب نے بکریاں چرائی ہیں، صحابہ نے عرض کیا اور حضرت آپ نے! فرمایا کہ ہاں میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں، میں چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں چند قیراط مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چرانے کا اپنا جو واقعہ بیان فرمایا ہے یہ غالباً ابتدائی عمر کا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا خواجہ ابو طالب کے ساتھ رہتے تھے تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے مزدوری پر مکہ والوں کی بکریوں چراتے تھے جس کے عوض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند قیراط مل جاتے تھے۔ یہی اس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک قیراط درہم کا قریباً بارھواں حصہ ہوتا تھا۔

بکریاں چرانا بڑا صبر آزما کام ہے اور اگر آدمی میں صلاحیت ہو تو اس سے اس کی بڑی تربیت ہوتی ہے۔ غرور اور تکبر جیسے رذائل کا علاج ہوتا ہے صبر کی اور غصہ پینے کی عادت پڑتی ہے اور شفقت و ترحم کی مشق ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سب پیغمبروں نے یہ کورس پورا کیا ہے۔ ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح کی مزدوری نہ صرف جائز بلکہ سنت انبیاء ہے۔

لگان یا بٹائی پر زمین دینا

اجارہ ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی زمین کسی کو دی جائے کہ وہ اس سے کاشت کرے اور طے شدہ کرایہ نقدی شکل میں ادا کرے جس کو ہم لگان کہا جاتا ہے یا بجائے نقد لگان کے بٹائی طے ہو جائے کہ پیداوار کا اتنا حصہ زمین کے مالک کو دیا جائے۔ مندرجہ ذیل حدیث کا تعلق ان دونوں صورتوں سے ہے۔

عَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِطَاوُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَاِنَّهُمْ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهٰى عَنْهُ قَالَ اَیْ عَمْرُو وَاُعْطِیْهِمْ وَاُغْنِیْهِمْ وَاِنَّ اَعْلَمَهُمْ اَخْبَرَنِیْ یَعْنِی ابْنَ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَمْ یَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ اَنْ یَّمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّاْخُذَ عَلَیْهِ خَرْجًا مَعْلُوْمًا. (رواہ البخاری ومسلم)

عمرو بن دینار تابعی نے فرمایا کہ میں نے جناب طاؤس (تابعی) سے ایک بار کہا کہ آپ بٹائی (یا لگان) پر زمین اٹھانا چھوڑ دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں کاشت کاروں کو کاشت کے لئے زمین بھی دیتا ہوں اور اس کے علاوہ بھی ان کی مدد کرتا ہوں۔ اور امت کے بڑے عالم یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کو بٹائی یا لگان پر اٹھانے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ البتہ یہ فرمایا تھا کہ اپنی زمین اپنے دوسرے بھائی کو کاشت کے لئے (بغیر کسی معاوضہ کے) دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر کوئی مقررہ لگان وصول کرے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ..... عمرو بن دینار کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں کچھ حضرات کا خیال تھا کہ اپنی مملوکہ زمین کی بٹائی یا لگان پر اٹھانا درست نہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد اور فقیہ طاؤس نے حضرت ابن عباس سے یہ وضاحت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا تھا بلکہ اخلاقی طور پر فرمایا تھا کہ اپنے کسی بھائی کو مقررہ لگان یا بٹائی پر زمین دینے سے بہتر یہ ہے کہ حسبۃً للہ بغیر کسی معاوضہ کے اس کو کاشت کے لئے زمین دے دی جائے۔ طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت اور فتوے کی روشنی میں اپنی زمینیں بٹائی یا لگان پر اٹھاتے تھے اور ان کاشتکاروں کی کاشت کے اخراجات وغیرہ میں مزید امداد و اعانت بھی کرتے تھے۔

دم کرنے اور جھاڑنے پر معاوضہ لینا

اپنے عمل اور اپنی محنت کا معاوضہ لینا جائز ہے اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی مریض وغیرہ پر قرآن شریف یا کوئی دعا پڑھ کر دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے اور اس کا معاوضہ لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں اور صحابہ کرام نے دم کرنے کا معاوضہ لیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جائز اور طیب قرار دیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَرُّوْا بِمَاءٍ فِيْهِمْ لَدِيْغٌ أَوْ سَلِيْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ رَاقٍ إِنَّ فِي الْمَاءِ رَجُلًا لَدِيْغًا أَوْ سَلِيْمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَاءٍ فَبَرَأَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلٰى أَصْحَابِهِ فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا أَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ. (رواه البخاری) وَفِيْ رِوَايَةٍ أَصَبْتُمْ وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک بستی پر گزری تو بستی کا ایک آدمی ملا اور اس نے کہا کہ کیا تم لوگوں میں کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ہماری بستی میں ایک آدمی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے یا کہا کہ بچھو نے کاٹ لیا ہے۔ (غالباً یہ راوی کا شک ہے) تو جماعت صحابہ میں سے ایک آدمی اٹھ کر چل دیا اور بستی میں جا کر کچھ بکریاں بطور معاوضہ مقرر کر کے اس کاٹے ہوئے آدمی پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ بالکل اچھا ہو گیا تو صاحب ٹھہرائی ہوئی بکریاں ساتھ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آ گئے۔ تو ان حضرات نے ان کو برا سمجھا اور ان سے کہا کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھنے کا معاوضہ لے لیا۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات مدینہ آ گئے۔ لوگوں نے مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ ہمارے فلاں ساتھی نے کتاب اللہ (سورۂ فاتحہ) پڑھ کر معاوضہ لے لیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر معاوضہ لیا جائے۔" (صحیح بخاری) ..... اور اس حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ تم نے ٹھیک کیا ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

تشریح ..... صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اور اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ مسند

احمد اور سنن ابی داؤد میں بھی روایت کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اسی طرح کے ایک سفر میں ایک دیوانے اور پاگل پر لوگوں نے دم کرایا، ایک صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر صبح و شام تین دن دم کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ انہوں نے بھی معاوضہ وصول کیا۔ لیکن ان صحابی کو خود تردد ہو گیا کہ میرا معاوضہ لینا جائز ہے یا ناجائز۔ چنانچہ واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اس کو صحیح اور جائز قرار دیا۔

انہی حدیثوں کی روشنی میں علماء و فقہا کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ اس طرح دم کرنے یا تعویذ لکھنے پر معاوضہ لینا جائز ہے جس طرح طبیبوں اور ڈاکٹروں کے لئے علاج کی فیس لینا جائز ہے۔ ہاں اگر بغیر معاوضہ لئے محض للہ بندگانِ خدا کی خدمت کی جائے تو وہ بلند درجہ کی بات ہے اور انبیاء علیہم السلام سے نیابت کی نسبت رکھنے والوں کا طریقہ یہی ہے۔

عاریت

تمدنی زندگی میں اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ وقتی ضرورت کے لئے کسی سے کوئی چیز (بغیر اجرت اور معاوضہ) کے استعمال کے لئے مانگ لی جائے اور ضرورت پوری ہو جانے پر واپس کر دی جائے، اسی کو "عاریت" کہا جاتا ہے، یہ ایک طرح کی اعانت اور امداد ہے اور بلاشبہ کسی ضرورت مند کو عاریت پر اپنی چیز دینے والا اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ضرورت کے موقعوں پر بعض چیزیں بطور عاریت کے لے کر استعمال فرمائی ہیں اور اس کے بارے میں ہدایت بھی دی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

عَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم اسْتَعَارَ مِنْهُ أَدْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ أَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ؟ قَالَ بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ. (رواه ابوداؤد)

حضرت امیہ بن صفوان اپنے والد صفوان بن امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ حنین کے موقع پر ان کی زرہیں ان سے مانگیں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی زرہیں جنگ میں استعمال کے لئے ہم کو دے دو) تو صفوان نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا کہ کیا (میری زرہیں) غصب کے طور پر لینا چاہتے ہو؟ (یعنی چونکہ تم فاتح ہو اور قوت و اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے اس لئے زبردستی لے لینا چاہتے ہو؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت کے طور پر (لینا چاہتا ہوں) جس کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... یہ صفوان بن امیہ قریش مکہ کے سردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت دشمنوں میں تھے۔ ۸ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور اسلام کا اقتدار قائم ہو گیا تو یہ صفوان اس دن مکہ مکرمہ سے فرار ہو گئے۔ ان سے تعلق رکھنے والے بعض صحابہ نے ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمائی، وہ ان کی تلاش میں نکلے اور یہ مل گئے تو وہ ان کو واپس لے آئے لیکن یہ اپنے کفر پر قائم رہے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ سے فارغ ہو کر حنین کا قصد کیا تو مکہ کے ایسے بہت سے لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو گئے جنہوں نے ابھی اسلام قبول

نہیں کیا تھا، ان میں یہ صفوان بن امیہ بھی تھے۔ اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے آہنی زرہیں عاریتاً مانگی تھیں، تو ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اب میری یہ زرہیں غصب اور ضبط کر لی جائیں گی اور مجھے واپس نہیں ملیں گی، انہوں نے صفائی سے اپنے شبہ کا اظہار بھی کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا کہ "یہ زرہیں تم سے صرف عاریت کے طور پر مانگی جا رہی ہیں ان کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔" تو انہوں نے وہ زرہیں آپ کے حوالہ کر دیں۔

اسی غزوہ حنین کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ کر اور آپ کے طور طریقوں اور خاص کر اپنے جیسے قدیمی اور خون کے پیاسے دشمن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیر معمولی حسن سلوک دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی صادق ہونے کا ان کو یقین ہو گیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بہر حال یہ صحابی ہیں اور ان سے اس واقعہ کے نقل کرنے والے ان کے بیٹے امیہ بن صفوان بھی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما وعن سائر الصحابۃ اجمعین۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُولُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ. (رواه الترمذى وابو داؤد)

حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ عاریت (والی چیز لازماً) واپس کی جائے۔ اور منحہ (یعنی جو چیز فائدہ اٹھانے کے لئے دی گئی ہو وہ عرف کے مطابق فائدہ اٹھا کر مالک کو) لوٹائی جائے گی۔ اور قرض (حسب قرار داد) ادا کرنا ہوگا، اور کفالت کرنے والا ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث میں شریعت کے چار حکم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اپنی ضرورت اور استعمال کیلئے کسی کی کوئی چیز عاریت کے طور پر لی جائے تو اس کا واپس کرنا لازم ہے، اس میں تساہل نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ "منحہ" کا لوٹانا ضروری ہے۔ اس عرب میں رواج تھا کہ فیاض اور فراخ حوصلہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا اپنی ملکیت کی کوئی چیز صرف فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کے لئے دوسرے کسی بھائی کو دے دیتے۔ مثلاً اپنا اونٹ سواری کے لئے یا اونٹنی یا بکری دودھ پینے کے لئے دے دیتے تھے کہ اس کو اپنے پاس رکھو اور کھلاؤ پلاؤ اور اس سے فائدہ اٹھاؤ، یا پھلوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا باغ یا کاشت کے لئے اپنی زمین بغیر کسی معاوضہ کے دے دیتے۔ اس کو "منحہ" کہا جاتا تھا۔ تو اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ جس شخص کو "منحہ" کے طور پر کوئی چیز دی گئی وہ اس کو اپنی ملک نہ بنا لے بلکہ عرف کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا کے اصل مالک کو واپس کر دے۔ بلاشبہ بڑا مبارک تھا یہ رواج اور کچھ دن پہلے تک ہمارے علاقوں میں بھی یہ رواج تھا۔ لیکن اب اس طرح کی ساری خوبیاں اور نیکیاں اٹھتی اور مٹتی جا رہی ہیں، خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

تیسرا حکم اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا کہ جس کسی نے اللہ کے کسی بندہ سے قرض لیا ہو وہ اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

چوتھا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ کسی شخص کے ذمہ اگر کسی دوسرے کا قرض یا کسی قسم کا مالی حق ہو اور کوئی اس کا کفیل اور ضامن بن جائے تو وہ ادائیگی کا ذمہ دار ہے، یعنی اگر بالفرض اصل مدیون ادا نہ کرے تو اس کفیل اور ضامن کو ادا کرنا پڑے گا۔

غصب

اگر کسی کی کوئی چیز قیمت دے کر لی جائے تو شریعت اور عرف میں اس کو بیع و شراء (خرید و فروخت) کہا جاتا ہے اور اگر اجرت اور کرایہ معاوضہ دے کر کسی کی چیز استعمال کی جائے تو شریعت اور عرف میں وہ "اجارہ" ہے اور اگر بغیر کسی معاوضہ اور کرایہ کے کسی کی چیز وقتی طور پر استعمال کے لئے لی جائے اور استعمال کے بعد واپس کر دی جائے تو وہ "عاریت" ہے۔ یہ سب صورتیں جائز اور صحیح ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات و ارشادات گزشتہ صفحات میں ناظرین کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

کسی دوسرے کی چیز لے لینے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اور ظالمانہ طور پر اس کی مملوکہ چیز لے لی جائے۔ شریعت کی زبان میں اس کو "غصب" کہا جاتا ہے اور یہ حرام اور سخت ترین گناہ ہے اس کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد جو ارشادات ناظرین کرام پڑھ لیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِلٰى سَبْعِ أَرَضِيْنَ. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی دوسرے کی کچھ بھی زمین ناحق لے لی تو قیامت کے دن اس زمین کی وجہ سے (بطور اس کی سزا کے) اس کو زمین کے ساتوں طبق تک دھنسایا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دو لفظوں کے فرق کے ساتھ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی زمین کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی ناحق غصب کر لیا (ایک روایت میں ہے کہ اگر صرف بالشت بھر بھی غصب کیا) تو قیامت کے دن اس گناہ کی سزا میں وہ زمین میں دھنسایا جائے گا اور آخری حد تک یا تحت الثریٰ تک دھنسایا جائے گا..... اللہ کی پناہ!

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک بڑا عبرت آموز واقعہ زمین کے غصب ہی کے بارے میں روایت کیا گیا ہے۔ جس کا تعلق اس حدیث ہی سے ہے اور وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ انہوں نے میری فلاں زمین دبا لی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا انہوں نے مروان سے کہا کہ میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں یہ سخت وعید سنی ہے۔ (یہ بات حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا) اور اس نے کہا کہ اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا۔ اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (دکھے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کر دے اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنا دے۔ (واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) پھر ایسا ہی ہوا۔ میں نے خود اس عورت کو دیکھا وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئی اور خود کہا کرتی تھی کہ سعید بن زید کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے۔ اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی

ہوئی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم مَرَّ وَاَصْحَابُهُ بِامْرَأَةٍ فَذَبَحَتْ لَهُمْ شَاةً وَاتَّخَذَتْ لَهُمْ طَعَامًا فَاَخَذَ لُقْمَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُسِيْغَهَا فَقَالَ هٰذِهِ شَاةٌ ذُبِحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَقَالَتِ الْمَرْأَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَحْتَشِمُ مِنْ اٰلِ مُعَاذٍ نَاْخُذُ مِنْهُمْ وَيَاْخُذُوْنَ مِنَّا۔ (رواہ احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند اصحاب ورفقاء کا گزر ایک خاتون کی طرف سے ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھانا تناول فرمانے کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالیا۔) تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء کے سامنے حاضر کردیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے ایک لقمہ لیا مگر اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلق سے نہیں اتار سکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے) یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرلی گئی ہے۔ اس خاتون نے عرض کیا کہ ہم لوگ (اپنے پڑوسی) معاذ کے گھر والوں سے کوئی تکلف نہیں کرتے ہم ان کی چیز لے لیتے ہیں اور اسی طرح وہ ہماری چیز لے لیتے ہیں۔ (مسند احمد)

تشریح ..... جیسا کہ دعوت کرنے والی خاتون کے جواب سے معلوم ہوا واقعہ یہی تھا کہ وہ بکری جو ذبح کی گئی تھی پڑوس کے ایک گھرانے آل معاذ کی تھی اور باہمی اعتماد و تعلق اور رواج وچلن کی وجہ سے ان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بکری ذبح کرکے اور کھانا تیار کرکے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء کے سامنے پیش کردیا گیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب پہلا ہی لقمہ اس میں سے لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت مبارک نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ حلق سے اتر ہی نہیں سکا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ منکشف کردیا گیا کہ یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرلی گئی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں عام انسانوں کو ایک ذوق اور احساس دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کڑوی کسیلی چیزوں کا کھانا اور حلق سے اتارنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے بعض خاص بندوں کو جن کو وہ ناجائز غذاؤں سے حفاظت فرمانا چاہتا ہے ایسا ذوق عطا فرمادیتا ہے کہ ناجائز غذا ان سے کھائی جاسکتی ہے اور نہ حلق سے اتاری جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقمہ منہ میں لے لینے کے باوجود نہ کھاسکنا اللہ تعالیٰ کی اسی خاص الخاص عنایت کا ظہور تھا۔ امت کے بعض اولیاء اللہ سے بھی اسی طرح کے واقعات منقول ہیں۔ "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔"

اس واقعہ میں یہ بات خاص طور سے قابل غور ہے کہ بکری نہ چرائی گئی تھی، نہ غصب کی گئی تھی، بلکہ باہمی اعتماد و تعلق اور رواج وچلن کی وجہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور ذبح کرلی گئی تھی، اس کے باوجود اس میں اتنی

خباثت اور خرابی پیدا ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو نہیں کھا سکے اور حلق سے نہیں اتار سکے۔ اس میں سبق ہے کہ دوسروں کی چیز بغیر اجازت لے لینے اور استعمال کرنے کے بارے میں کس قدر احتیاط کرنی چاہئے۔

ہدیہ تحفہ لینے دینے کے احکام

تمدنی زندگی میں سے دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کر دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ اس کی یہ حکمت بھی بتائی ہے کہ اس سے دلوں میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آفتوں سے حفاظت اور عافیت و سکون حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کیساتھ اپنا تعلق خاطر ظاہر کرنے کے لئے دیا جائے اور اس کے ذریعے رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ یہ عطیہ اور تحفہ اگر اپنے کسی چھوٹے کو دیا جائے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے، اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ زیادہ محبت کا وسیلہ ہے، اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعے اس کی تطییب خاطر کا ذریعہ ہے اور اگر اپنے کسی بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو ان کا اکرام ہے اور "نذرانہ" ہے۔

اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہوگا صدقہ ہوگا۔ ہدیہ جب ہی ہوگا جبکہ اسکے ذریعہ اپنی محبت اور اپنے تعلق خاطر کا اظہار مقصود ہو اور اسکے ذریعہ رضائے الٰہی مطلوب ہو۔

ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقے سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوگا۔ ہدیہ اور صدقہ کے اس فرق کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ شکریہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس کو خود بھی استعمال فرماتے تھے اور صدقہ کو بھی اگرچہ شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعائیں بھی دیتے لیکن خود استعمال نہیں فرماتے تھے دوسروں ہی کو مرحمت فرما دیتے تھے۔

افسوس ہے کہ امت میں باہم مخلصانہ ہدیوں کے لینے دینے کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے۔ بعض خاص حلقوں میں بس اپنے بزرگوں، عالموں، مرشدوں کو ہدیہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے لیکن اپنے عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں وغیرہ کے پاس ہدیہ بھیجنے کا رواج بہت ہی کم ہے حالانکہ قلوب میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواری اور زندگی میں چین و سکون پیدا کرنے اور اسی کے ساتھ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتایا ہوا "نسخہ کیمیا" تھا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ۔ (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو، ہدیہ سینوں کی کدورت اور رنجش دور کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیے کے لئے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح : ہدیے تحفے دینے سے باہمی رنجشوں اور کدورتوں کا دور ہونا، دلوں میں جوڑ، تعلقات میں خوشگواری پیدا ہونا بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زریں ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں جو یہ اضافہ

ہے کہ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے لئے بکری کے کھر کے ٹکڑے کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ ہدیہ دینے کے لئے ضروری نہیں کہ بہت بڑھیا قیمتی چیز ہو، اگر اس کی پابندی اور اس کا اہتمام کیا جائے گا تو ہدیہ دینے کی نوبت بہت کم آئے گی۔ اس لئے بالفرض اگر گھر میں بکری کے پائے پکے ہیں تو پڑوسن کو بھیجنے کے لئے اس کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے وہی بھیج دیا جائے۔

(واضح رہے کہ یہ ہدایت اس حالت میں ہے جب اطمینان ہو کہ پڑوسن خوشی کے ساتھ قبول کرے گی اور اس کو اپنی توہین و تذلیل نہ سمجھے گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ماحول ایسا ہی تھا۔)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا. (رواه البخارى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول و دستور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں خود بھی عطا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح.. مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی محب و مخلص ہدیہ پیش کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشی سے قبول فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "هل جزاء الاحسان الا الاحسان" کے مطابق اس ہدیہ دینے والے کو خود بھی ہدیے اور تحفے سے نوازتے تھے (خواہ اسی وقت عنایت فرماتے یا دوسرے وقت) آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو بھی اس طرز عمل کی ہدایت فرمائی، وہ بلاشبہ مکارم اخلاق کا تقاضا یہی ہے لیکن افسوس ہے کہ امت میں بلکہ خواص امت میں بھی اس کریمانہ سنت کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنَى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ. (رواه الترمذى وابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر اس کے پاس بدلہ میں دینے کے لئے کچھ موجود ہو تو وہ اس کو دے دے اور جس کے پاس بدلہ میں تحفہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ (بطور شکریہ کے) اس کی تعریف کرے اور اس کے حق میں کلمہ خیر کہے، جس نے ایسا کیا اس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اور احسان کے معاملہ کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔ اور جو کوئی اپنے کو آراستہ دکھائے اس صفت سے جو اس کو عطا نہیں ہوئی تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جو دھوکے فریب کے دو کپڑے پہنے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جس کو کسی محب کی طرف سے ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر ہدیہ پانے والا اس حال میں ہو کہ اس کے جواب اور صلہ میں ہدیہ تحفہ دے سکے تو ایسا ہی کرے اور اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو اس کے حق میں کلمہ خیر کہے اور اس کے اس احسان کا دوسروں کے سامنے بھی تذکرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو بھی شکر سمجھا جائے گا۔ (اور آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا کہ "جزاک اللہ" کہنے سے بھی یہ حق ادا ہو جاتا ہے) اور جو شخص ہدیہ تحفہ پانے کے بعد اس کا اخفاء کرے زبان سے ذکر تک نہ کرے "جزاک اللہ" جیسا کلمہ بھی نہ کہے تو وہ کفران نعمت اور ناشکری کا مرتکب ہوگا۔

حدیث کے آخری جملے "وَمَنْ تَحَلّٰی الخ" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص اپنی زبان یا طرز عمل یا خاص قسم کے لباس وغیرہ کے ذریعہ اپنے اندر وہ کمال (مثلاً علمیت یا مشیخت) ظاہر کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ اس دھوکہ باز اور فریبی بہروپیے کی طرح ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے باعزت اور باوقار لوگوں کا سا لباس پہنے۔ بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ عرب میں کوئی شخص تھا جو نہایت گھٹیا اور ذلیل درجہ کا آدمی تھا لیکن وہ باعزت اور باوقار لوگوں کے سے قمیص اور شاندار کپڑے پہنتا تھا تاکہ اس کو معززین میں سمجھا جائے اور اس کی گواہی پر اعتبار کیا جائے، حالانکہ وہ جھوٹی گواہیاں دیتا تھا۔ اسی کو "لَابِسُ ثَوْبَیْ زُوْرٍ" کہا گیا ہے۔ ہدیہ تحفہ سے متعلق مذکورۂ بالا ہدایت کے ساتھ اس آخری جملہ کے فرمانے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد غالباً یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں وہ کمالات اور وہ اوصاف نہ ہوں جن کی وجہ سے لوگ ہدیہ وغیرہ پیش کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسا شخص اگر لوگوں کے ہدیے تحفے حاصل کرنے کے لئے اپنی باتوں اور اپنے لباس اور اپنے طرز زندگی سے وہ کمالات اور اوصاف اپنے لئے ظاہر کرے تو یہ فریب اور بہروپیا پن ہوگا اور یہ شخص اس روایتی "لَابِسُ ثَوْبَیْ زُوْرٍ" کی طرح مکار اور دھوکے باز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے احسان کرنے والے بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح ..... بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جس بندے کے ہاتھ سے کوئی ہدیہ تحفہ کوئی نعمت ملے یا وہ کسی طرح کا بھی احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کے لئے کلمہ خیر کہا جائے، تو جس نے ایسا نہیں کیا اس نے خدا کی بھی ناشکری اور نافرمانی کی۔ بعض شارحین نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو احسان کرنے والے بندوں کا شکر گزار نہ ہوگا وہ ناشکری کی اس عادت کی وجہ سے اللہ کا بھی شکر گزار نہ ہوگا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رَاَيْنَا قَوْمًا اَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا اَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَاَشْرَكُوْنَا فِى الْمَهْنَاِ حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا اَنْ يَّذْهَبُوْا بِالْاَجْرِ كُلِّهٖ فَقَالَ لَا مَا دَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے (اور مہاجرین نے انصار کی میزبانی اور ان کے ایثار کا تجربہ کیا) تو ایک دن مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے تو کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے جیسے یہ لوگ ہیں جن کے پاس آ کے ہم اترے ہیں (یعنی انصار مدینہ) زیادہ ہو تو اس کو (فراخ حوصلگی اور دریا دلی سے ہماری میزبانی پر) خوب خرچ کرنے والے اور (کسی کے پاس) تھوڑا ہو تو اس سے بھی ہماری غم خواری اور مدد کرنے والے۔ انہوں نے محنت مشقت کی ساری ذمہ داری ہماری طرف سے بھی اپنے ذمہ لے لی ہے اور منفعت میں ہم کو شریک کر لیا ہے (ان کے اس غیر معمولی ایثار سے) ہم کو اندیشہ ہے کہ سارا اجر و ثواب انہی کے حصہ میں آ

جائے (اور آخرت میں ہم خالی ہاتھ رہ جائیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں، ایسا نہیں ہوگا جب تک اس احسان کے عوض تم ان کے حق میں دعا کرتے رہو گے اور ان کے لئے کلمہ خیر کہتے رہو گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کے مدینہ پاک تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ مہاجرین کی بھی اچھی خاصی جماعت تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کے مدینہ طیبہ آئے تو جیسا کہ معلوم ہے ابتدائی ایام میں ان سب کو مدینہ طیبہ کے انصار نے تقریباً اپنا مہمان بنا لیا۔ کھیتی باڑی اور دوسرے کاموں میں خود محنت کرتے اور جو کچھ حاصل ہوتا اس میں مہاجرین کو شریک کر لیتے۔ ان انصار میں اچھے دولت مند بھی تھے اور نادار غربا بھی لیکن اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہاجرین کی خدمت میں سب حصہ لیتے، جو دولت مند تھے وہ پوری دریا دلی سے مہاجرین پر اپنی دولت بے دریغ خرچ کرتے اور جو غربا تھے وہ بھی اپنا پیٹ کاٹ کے ان کی خدمت اور مہمانداری کرتے تھے۔ اس صورت حال سے مہاجرین کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کے اس غیر معمولی ایثار و احسان کی وجہ سے ہماری ہجرت اور عبادات وغیرہ کا ثواب بھی ہمارے ان محسن میزبانوں کے حصہ میں آ جائے اور ہم خسارہ میں رہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا یہ خدشہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطمینان دلایا کہ ایسا نہ ہوگا بشرطیکہ تم ان کے اس احسان کے عوض ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور دل و زبان سے ان کے احسان کا اعتراف اور شکر گزاری کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اسی عمل کو ان کے احسان کے بدلے اور شکریہ کے طور پر قبول فرما لے گا اور تمہاری طرف سے ان کے اس احسان و ایثار کا پورا بدلہ اپنے خزانہ کرم سے عطا فرما دے گا۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم ثَلٰثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں (بالخصوص) ایسی ہیں جن کو رد نہیں کرنا چاہئے، قبول ہی کر لینا چاہئے۔ تکیہ، تیل اور دودھ۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... ان تینوں چیزوں کی خصوصیت یہی ہے کہ دینے والے پر ان کا زیادہ بار نہیں پڑتا اور جس کو دی جائیں وہ ان کو استعمال کر کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے جس سے ہدیہ دینے والے کا دل خوش ہوتا ہے اور بھی جو چیزیں اس حیثیت کی ہوں ان کو بھی انہی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

کن لوگوں سے ہدیہ لینا منع ہے

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ شَفَعَ لِأَخِيْهِ شَفَاعَةً فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا. (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی شخص کے لئے (کسی معاملہ میں) سفارش کی تو اگر اس شخص نے اس سفارش کرنے والے کو کوئی ہدیہ پیش کیا اور اس نے وہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کی ایک بڑی خراب قسم کے گناہ کا مرتکب ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ... حضرت جابر اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہدیہ وہی قابل قبول ہے جو اخلاص

کے ساتھ ہو اور غلط قسم کے اغراض کا شبہ اور شائبہ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی دین کے سلسلہ کی ان تمام ہدایات کی روح کو سمجھیں اور ان کی پابندی اور پیروی کو اپنی زندگی کا اصول بنائیں۔

وقف کے احکام

ہدیہ اور صدقہ وخیرات جیسے باعث ثواب مالی معاملات وتصرفات میں سے ایک وقف بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے وقف کے تصور اور طریقہ سے واقف نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت ورہنمائی سے اس کی تعلیم وترغیب دی۔ وقف کی حقیقت یہ ہے کہ جائیداد جیسی باقی رہنے والی اپنی کوئی مالیت، جس کا نفع جاری رہنے والا ہو اپنی طرف سے مصارف خیر کے لئے محفوظ کر دی جائے۔ اس کی پیداوار یا آمدنی وقف کرنے والے کی منشاء کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ مصارف خیر میں صرف ہوتی رہے، اور خود وقف کرنے والا اپنے مالکانہ حق تصرف سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو جائے۔ اس بارے میں چند احادیث پڑھئے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِىْ مِنْهُ فَمَا تَاْمُرُنِىْ بِهٖ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِى الْفُقَرَاءِ وَفِى الْقُرْبٰى وَفِى الرِّقَابِ وَفِىْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ يُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے (وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے) اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے کبھی پائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کر دو اور (اس کی پیداوار اور آمدنی کو) صدقہ قرار دے دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو (اسی طرح وقف کر دیا اور) فی سبیل اللہ صدقہ قرار دے دیا اور طے فرما دیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو، اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو فقیروں، مسکینوں اور اہل قرابت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں۔ اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ..... یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے ۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا، یہاں کی زمین عام طور سے بڑی زرخیز تھی، فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کر

دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ سب سے قیمتی اور گرانقدر چیز ہے۔ اور قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (تم نیکی اور مقبولیت کا مقام اس وقت تک حاصل نہیں کر سکو گے جب تک کہ اپنی محبوب و مرغوب چیزیں راہ خدا میں صرف نہ کرو گے) اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں آیا کہ خیبر کی یہ جائیداد جو میرے حصہ میں آئی ہے اور اس سے بہتر و قیمتی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے میں اس کو فی سبیل اللہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور سعادت حاصل کر لوں۔ لیکن خود فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی میرے لئے سب سے بہتر صورت کیا ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کر دیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرما دیئے۔ یہ مصارف قریب قریب وہی ہیں جو قرآن پاک میں زکوٰۃ کے بیان میں ذکر کئے گئے ہیں۔ (سورۂ توبہ ع ۸)

آخر میں وقف کے متولی اور اس کا انتظام و اہتمام کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے تو اس میں سے کچھ نہ لے لیکن کھانے پینے اور اپنے اہل و عیال اور مہمانوں وغیرہ کو کھانے کیلئے اس میں سے بقدر مناسب لے سکتا ہے، یہ اس کے لئے جائز ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، (میں ان کے لئے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں) تو کونسا صدقہ زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کا ذریعہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی (یعنی کہیں کنواں بنوا دینا اور اس کو وقف عام کر دینا جس سے اللہ کے بندے اپنی پینے وغیرہ کی ضرورتوں کے لئے پانی حاصل کرتے رہیں) چنانچہ انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور بنوا دیا اور کہا کہ یہ میری والدہ ام سعد کے لئے ہے (کہ اس کا ثواب ان کو پہنچتا رہے) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح۔۔ اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو وہ سفر میں تھے سفر سے واپسی پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا میرا خیال ہے کہ اگر میں موجود ہوتا تو وہ اپنی آخرت کے لئے صدقہ وغیرہ کی وصیت کرتیں۔ اب میں ان کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو کس طرح کا صدقہ بہتر اور ان کے حق میں زیادہ ثواب کا باعث ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کنواں بنوا دینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک جگہ پر جہاں اس کی ضرورت تھی کنواں بنوایا اور اپنی والدہ کے نام پر یعنی ان کے ایصال ثواب کے لئے اس کو وقف کر دیا۔ بعض روایات میں باغ وقف کرنے کا بھی ذکر ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی باغ میں کنواں بنوایا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر وقف کی یہ دوسری مثال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی مرنے والے کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کوئی نیک کام کرنا صحیح ہے اور ایصال ثواب کا نظریہ برحق ہے اور اصولی درجہ میں اس پر ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے۔

دین کا ایک اہم شعبہ "معاملات"

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں۔

معاملات' دین کا ایک بہت ہی اہم شعبہ ہے اور جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں عبادات کا مکلف بنایا ہے' اسی طرح معاملات میں بھی کچھ احکام کا مکلف بنایا ہے اور جس طرح ہمیں عبادات میں رہنمائی عطا فرمائی ہے اسی طرح معاملات میں بھی رہنمائی عطا فرمائی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کے وقت کن باتوں کا خیال رکھیں' کون سی چیزیں حلال ہیں اور کون سی چیزیں حرام ہیں' افسوس یہ ہے کہ ایک عرصہ دراز سے مسلمانوں کے درمیان معاملات سے متعلق جو شرعی احکام ہیں ان کی اہمیت دلوں سے مٹ گئی ہے۔ دین صرف عقائد اور عبادات کا نام رکھ دیا ہے' معاملات کی صفائی' معاملات میں جائز و ناجائز کی فکر اور حلال و حرام کی فکر رفتہ رفتہ ختم ہو گئی ہے اس لئے بھی اس کی اہمیت زیادہ ہے کہ ان کے بارے میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے۔

معاملات کے میدان میں دین سے دوری کی وجہ

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چند سو سالوں سے مسلمانوں پر غیر ملکی اور غیر مسلم سیاسی اقتدار مسلط رہا اور اس غیر مسلم سیاسی اقتدار نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس بات کی تو اجازت دی کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں اور مسجدوں میں عبادات انجام دیتے رہیں اپنی انفرادی زندگی میں عبادات کا اہتمام کریں لیکن زندگی میں تجارت (Business) معیشت (Economy) کے جو عام کام ہیں وہ سارے کے سارے ان کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت چلائے گئے' اور دین کے معاملات کے احکام کو زندگی سے خارج کر دیا گیا' چنانچہ مسجد مدرسے میں تو دین کا تذکرہ ہے لیکن بازاروں میں' تجارت کے ایوانوں میں اور صنعت کی عدالتوں میں دین کا تذکرہ ہی کرنے کی فکر نہیں ہے۔

یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوا اور غیر مسلموں نے اقتدار پر قبضہ کیا چونکہ اسلام کے جو معاملات سے متعلق احکام ہیں وہ عمل میں نہیں آ رہے تھے اور ان کا عملی چلن دنیا میں نہیں رہا' اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی اہمیت گھٹ گئی اور ان پر بحث و مباحثہ اور ان کے اندر تحقیق و استنباط کا میدان بھی بہت محدود ہو کر رہ گیا۔

فطری نظام ایسا ہے کہ جیسی جیسی ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ اس کے حساب سے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں' معاملات کا شعبہ بھی ایسا ہی ہے کہ جب اس پر عمل ہو رہا ہو تو نئے نئے معاملات سامنے آتے ہیں' نئی نئی صورت حال کا سامنا ہوتا ہے' اس میں حلال و حرام کی فکر ہوتی ہے' فقہاء کرام ان پر غور کرتے ہیں' ان کے بارے میں استنباط کرتے ہیں' اور نئی نئی صورت حال کے حل بتاتے ہیں' ان کے بارے میں شریعت کے احکام سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں۔ لیکن جب ایک چیز کا دنیا

میں چلن ہی نہیں رہا تو اس کے بارے میں فقہاء سے پوچھنے والے بھی کم ہو گئے، اس کے نتیجے میں فقہاء کرام کی طرف سے استنباط کا جو سلسلہ چل رہا تھا وہ بھی دھیمہ پڑ گیا، میں یہ نہیں کہتا کہ رک گیا بلکہ دھیمہ پڑ گیا، اس واسطے کہ فقہ کے کچھ بندے ہر دور میں ایسے رہے ہیں کہ جو اپنی تجارت اور معیشت میں حلال و حرام کی فکر رکھتے تھے، وہ کبھی کبھی علماء کی طرف رجوع کرتے اور علماء ان کے بارے میں کچھ جوابات دیتے جو ہمارے ہاں فتاویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن چونکہ پورا نظام غیر اسلامی تھا اس واسطے غور و تحقیق اور استنباط کے اندر وسعت نہ رہی اور اس کا دائرہ محدود ہو گیا اور اس کی وجہ سے معاملات کے سلسلے میں فقہ کا جو ایک علمی ارتقاء تھا وہ سست پڑ گیا اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ جب ہم دینی مدارس میں فقہ اور حدیث وغیرہ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو سارا زور عبادات پر صرف کر لیتے ہیں اور جب معاملات کا باب آتا ہے تو چونکہ ذہن میں اس کی اہمیت کم ہوتی ہے اور بازار میں اس کا چلن کم ہو گیا ہے اس لئے اس پر کچھ زیادہ توجہ اور اہمیت کے ساتھ بحث و مباحثہ کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی، عام طور سے معاملات کے ابواب بھاگتے دوڑتے گزر جاتے ہیں، اس وجہ سے معاملات کی فقہ کو جاننے والے کم ہو گئے ہیں اور جب وہ کم ہو گئے ہیں تو ایک طرف بازار میں نئے نئے معاملات پیدا ہو رہے ہیں اور نئی نئی صورتیں وجود میں آ رہی ہیں، دوسری طرف ان صورتوں کو سمجھنے اور ان کے حکم کا استنباط کرنے والوں کی کمی ہو گئی ہے۔

اب اگر ایک تاجر تجارت کر رہا ہے اور اس کو اس کے اندر روزمرہ نئے نئے حالات پیش آتے ہیں وہ کسی عالم کے پاس جاتا ہے کہ بھائی میری یہ صورت حال ہے اس کا حکم بتائیں؟ اب صورت حال یہ ہوتی ہے کہ تاجر عالم کی بات نہیں سمجھتا اور عالم تاجر کی بات نہیں سمجھتا کیوں کہ دونوں کے درمیان ایک ایسا فاصلہ قائم ہو گیا ہے کہ ان کی بہت سی اصطلاحات اور بہت سے معاملات میں ان کے عرف اور ان کے طریق کار سے عالم ناواقف ہے۔ تاجر اگر مسئلہ پوچھے گا تو وہ اپنی زبان میں پوچھے گا اور عالم نے وہ زبان نہ سنی، نہ پڑھی تھی لہٰذا وہ اس کا مطلب نہیں سمجھ پاتا، عالم جواب دے گا تو اپنی زبان میں جواب دے گا جس سے تاجر محروم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ علماء کے پاس جا کر ہمیں اپنے سوالات کا پورا جواب نہیں ملتا تو انہوں نے علماء کی طرف رجوع کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ سے علماء اور کاروبار کرنے والوں کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہو گیا اور اس کے نتیجے میں خرابی در خرابی پیدا ہوتی چلی گئی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس "فقہ المعاملات" کو سمجھا جائے اور پڑھا جائے۔

دنیا میں تاجروں کے ذریعے اشاعت اسلام

دنیا کے بہت سے حصوں میں تاجروں کے ذریعے اسلام پھیلا کیونکہ اس کے لئے باقاعدہ کوئی جماعت نہیں گئی تھی کہ وہ جا کے لوگوں کو دعوت دے، تجارت کرنے گئے تھے لوگوں نے ان کے تجارتی معاملات کو دیکھا اور مشاہدہ کیا کہ یہ کیسے با اخلاق لوگ ہیں ان کو دیکھ کر مسلمان ہوئے۔ آج مسلمان چلا جائے تو لوگ ڈرتے ہیں کہ اس کے ساتھ معاملہ کیسے کریں، دھوکہ دے گا، فریب کرے گا، جھوٹ بولے گا، بدعنوانیوں کا ارتکاب کرے گا اور جو باتیں ہماری تھیں وہ غیر مسلموں نے اپنا لیں۔ تو اس کے نتیجے میں اللہ نے دنیا میں ان کو کم از کم فروغ دے دیا، اب بھی امریکہ میں یہ صورتحال ہے کہ آپ ایک دکان سے کوئی سودا خریدنے کے لئے گئے ہفتہ گزر گیا، ایک ہفتہ گزرنے کے بعد آپ دکاندار کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ بھائی یہ جو میں نے

میں نے لیا تھا یہ میرے گھر والوں کو پسند نہیں" یا اگر اس چیز میں کوئی نقص پیدا نہ ہوا ہو تو کہتے ہیں مال کوئی بات نہیں واپس کر لیں گے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "من اقال نادما بیعته اقال الله عثرته یوم القیامه" (اعلاء السنن) ہمارے ہاں اگر واپس کرنے کے لئے لے جائے تو جھگڑا ہو جائے گا جبکہ وہ واپس کر لیتے ہیں۔

ان اصولوں کی پابندی غیر مسلم تاجروں کے ہاں ہے

امریکہ سے پاکستان ٹیلیفون کیا اور آپ نے ایک ڈیڑھ منٹ بات کی اس کے بعد ٹیلیفون کو فون کر دیں کہ میں نے فلاں نمبر پر فون کرنا چاہا تھا مجھے رانگ نمبر ملا ہے جس نمبر کو میں چاہ رہا تھا وہ نمبر نہیں ملا تو کہتے ہیں کوئی بات نہیں ہم آپ کے بل سے یہ کال کاٹ دیں گے۔ اب ہمارے پاکستانی بھائی پہنچ گئے تو انہوں نے ٹیپ ریکارڈر خریدا مہینے بھر اس کو استعمال کیا اس سے اپنا کام نکالا ایک مہینے کے بعد جا کر کہا کہ پسند نہیں آیا انہوں واپس لے لیں۔ شروع شروع میں انہوں نے واپس لے لیا لیکن دیکھا کہ لوگوں نے یہ کاروبار ہی بنا لیا تو اب یہ معاملہ ختم کر دیا۔

ایک واقعہ

حضرت مولانا تقی عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ میں لندن سے کراچی واپس آ رہا تھا اور لندن کا جو ہیتھرو ایئرپورٹ ہے وہاں ایئرپورٹ پر بہت بڑا بازار ہے مختلف اسٹال وغیرہ لگے رہتے ہیں اس میں دنیا کی مشہور کتاب "انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا" کا اسٹال لگا ہوا تھا میں وہاں کتابیں دیکھنے لگا تو مجھے ایک کتاب نظر آئی جس کی بہت عرصے سے تلاش میں تھا اس کا نام "گریٹ بکس" ہے انگریزی میں پچھتر (۷۵) جلدوں میں ہے اس کتاب میں "ارسطو" سے لے کر "برٹرینڈ رسل" تک جو بھی قریب میں فلسفی گزرا ہے یعنی تمام فلسفیوں اور تمام بڑے بڑے مفکرین کی اہم ترین کتابیں جمع کر دی ہیں اور سب کے انگریزی ترجمے اس کتاب میں موجود ہیں۔ میں وہ کتاب اسٹال پر دیکھنے لگا اسٹال پر جو آدمی (Shop Keeper) یعنی دکاندار کھڑا تھا کہنے لگا کہ کیا آپ یہ کتاب لینا چاہتے ہیں اور کیا آپ کے پاس "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" پہلے سے موجود ہے؟ میں نے کہا جی ہاں لینا چاہتا ہوں اور پہلے سے موجود بھی ہے۔ اگر آپ کے پاس پہلے سے "انسائیکلوپیڈیا" موجود ہے تو آپ کو ہم یہ پچاس فیصد رعایت میں دے دیں گے یعنی جو اصل قیمت ہے اس کی آدھی قیمت پر دے دیں گے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس ہے تو سہی لیکن کوئی ثبوت نہیں ہے جس سے ثابت کروں کہ میرے پاس ہے۔

دکاندار نے کہا کہ ثبوت کو چھوڑیں بس آپ نے کہہ دیا ہے کہ "ہے" تو بس آپ پچاس فیصد کے حقدار ہیں۔ اب میں نے حساب لگایا کہ پچاس فیصد رعایت کے ساتھ کتنے پیسے بنیں گے تو پچاس فیصد رعایت کے ساتھ وہ تقریباً پاکستانی چالیس ہزار روپے بن رہے تھے۔ مجھے اپنے دارالعلوم کے لئے خریدنی تھی، دارالعلوم ہی کے لئے "برٹانیکا" پہلے بھی موجود تھی۔ میں نے کہا کہ میں تو اب جا رہا ہوں یہ کتب میرے پاس کیسے آئے گی؟ دکاندار نے کہا کہ آپ فارم بھر دیجئے ہم یہ کتاب آپ کو جہاز سے بھیج دیں گے۔ جب میں نے وہ فارم بھر دیا تو دکاندار کہنے لگا کہ آپ اپنا کریڈٹ کارڈ کا نمبر دے کر دستخط کر دیجئے۔

(تو میں ذرا ٹھٹکا کہ دستخط کروں یا نہ کروں اس لئے کہ دستخط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ادائیگی ہوگئی وہ چاہے تو اسی وقت جا کر فوراً پیسے نکلوا سکتا ہے مگر مجھے غیرت آئی کہ اس نے میری زبان پر اعتبار کیا اور میں یہ کہوں کہ نہیں میں نہیں کرتا) لہٰذا میں نے دستخط کر دیئے میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں نے کہا کہ دیکھو یہاں آپ مجھے پچاس فیصد رعایت پر دے رہے ہیں لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ میں نے یہاں سے کتابیں بہت رعایت سے خریدیں اور پاکستان جا کر مجھے اس سے بھی سستی مل گئیں لوگ پتہ نہیں کس کس طرح منگوا لیتے ہیں اور سستی بیچ دیتے ہیں تو مجھے اس بات کا احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں مجھے اس سے سستی مل جائے۔

دکاندار نے کہا کہ اچھا کوئی بات نہیں آپ جا کے پاکستان میں معلوم کر لیجئے اگر آپ کو سستی مل رہی ہوں گی تو ہمارا یہ آرڈر کینسل کر دیجئے گا اور اگر نہ ملے تو ہم آپ کو بھیج دیں گے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کیسے بتاؤں گا؟ تو دکاندار کہنے لگا کہ آپ کو تحقیق کرنے میں کتنے دن لگیں گے کیا آپ چار پانچ دن یعنی بدھ کے دن تک پتہ لگا سکیں گے؟ میں نے کہا ہاں انشاءاللہ۔

دکاندار نے کہا کہ میں بدھ کے دن بارہ بجے آپ کو فون کر کے پوچھوں گا کہ آپ کو سستی مل گئی کہ نہیں اگر مل گئی ہو تو میں آرڈر کینسل کر دوں گا اور اگر نہیں ملی ہوگی تو پھر روانہ کر دوں گا۔ تو اس نے بحث ہی نہیں چھوڑی لہٰذا میں نے کہا کہ اچھا بھائی ٹھیک ہے اور میں نے دستخط کر دیئے اور فارم اس کو دے دیا لیکن سارے راستے میرے دستخط کر کے آ گیا ہوں وہ اب چاہے تو اسی وقت جا کر بلا تاخیر چالیس ہزار روپے بینک سے وصول کر لے لیکن دل میں دھڑکا رہا کہ میں اس میں تاخیر ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے لہٰذا یہاں کراچی پہنچ کر میں نے دو کام کئے۔

ایک کام یہ کیا کہ امریکن ایکسپریس تھا جو کریڈٹ کارڈ کی کمپنی تھی اس کو خط لکھا کہ میں اس طرح دستخط کر کے آیا ہوں لیکن اس کی ادائیگی (ادائیگی) اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ میں دوبارہ آپ سے نہ کہوں۔ اور دوسرا کام یہ کیا کہ ایک آدمی کو بھیجا کہ یہ کتاب دیکھ کر آؤ اگر مل جائے تو لے آؤ میں پہلے یہاں تلاش کر رہا تھا لیکن مجھے ملی نہیں تھی ایسا ہوا کہ اس نے جا کر تلاش کی تو صدر کی ایک دکان میں یہ کتاب مل گئی اور سستی مل گئی یعنی وہاں چالیس ہزار میں پڑ رہی تھی یہاں تیس ہزار میں مل گئی جبکہ وہ پچاس فیصد رعایت کرنے کے بعد تھی اب میرا دل اور پریشان ہوا اللہ کا کرنا کہ یہاں سستی مل رہی ہے اور اس نے کہا تھا کہ بدھ کے دن میں فون کروں گا خدا جانے فون کرے نہ کرے لہٰذا میں نے احتیاطاً خط بھی لکھ دیا کہ بھائی یہاں مل گئی ہے ٹھیک بدھ کا دن تھا اور بارہ بجے دوپہر کا وقت تھا اس کا فون آیا۔

دکاندار نے فون پر کہا کہ بتایئے آپ نے کتاب دیکھی اور معلومات کر لیں؟ میں نے کہا جی ہاں کر لی ہیں اور مجھے یہاں سستی مل گئی ہے تو وہ کہنے لگا کہ آپ کو سستی مل گئی ہے تو آپ کا آرڈر کینسل کر دوں؟ میں نے کہا جی ہاں! اس پر دکاندار نے کہا کہ میں آرڈر کینسل کر رہا ہوں اور آپ نے جو فارم پُر کیا تھا اس کو پھاڑ رہا ہوں اچھا ہوا کہ آپ کو سستی مل گئی ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

چار پانچ دن بعد اس کا خط آیا کہ ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ وہ کتاب آپ کو کم قیمت پر مل گئی لیکن افسوس ضرور ہے کہ ہمیں آپ کی خدمت کا موقع نہیں مل سکا لیکن وہ کتاب آپ کو مل گئی آپ کا مقصد حاصل ہو گیا آپ کو مبارکباد دیتے ہیں اور اس

بات کی توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ ہمارے ساتھ رابطہ قائم رکھیں گے۔

ایک پیسے کا اس کو فائدہ نہیں ہوا فون لندن سے کراچی اپنے خرچے پر کیا پھر خط بھی بھیج رہا ہے!

ہم ان کو گالیاں والیاں بہت دیتے ہیں' اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے جو ہم چھوڑ چکے ہیں' بہر حال کفر کی وجہ سے ان سے نفرت ہونی بھی چاہئے لیکن انہوں نے بعض وہ اعمال اپنا لئے ہیں جو درحقیقت ہمارے اپنے اسلامی تعلیمات کے اعمال تھے اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو فروغ دیا۔

حق میں سرنگوں اور باطل میں اُبھرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک بڑی یاد رکھنے کی اور بڑی زریں بات فرمایا کرتے تھے کہ باطل کے اندر تو ابھرنے کی صلاحیت نہیں ان الباطل کان زھوقا لیکن اگر کبھی دیکھو کہ کوئی باطل پرست ابھر رہے ہیں تو سمجھو کہ کوئی حق والی چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے جس نے اس کو ابھار دیا ہے کیونکہ باطل میں تو ابھرنے کی طاقت تھی ہی نہیں' حق چیز لگ گئی اس نے ابھار دیا۔ اور حق میں صلاحیت سرنگوں ہونے کی نہیں جاء الحق وزھق الباطل تو جب حق اور باطل کا مقابلہ ہو تو ہمیشہ حق کو غالب ہونا ہے' اس میں صلاحیت پیچھے جانے کی نہیں ہے اگر کبھی دیکھو کہ حق والی قوم پیچھے جارہی ہے تو سمجھو کہ کوئی باطل چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے جس نے اس کو گرایا ہے یہ بڑی کانٹے کی بات ہے۔ ہمارے ساتھ ان کے یہ سب باطل لگ گئے اور ان اقوام نے ان حق باتوں کو اپنا لیا ہے۔ تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے کم از کم دنیا میں تو اس کا بدلہ ان کو دیا کہ دنیا کے اندر ان کو فروغ حاصل ہوا' ترقی ملی' عزت ملی لیکن آخرت میں معاملہ تو اور ہی معیار پر ہوتا ہے یعنی وہاں کا معاملہ دوسرے معیار کا ہے لہٰذا وہاں کا معاملہ تو وہاں ہوگا لیکن دنیا کے اندر ان کو جو ترقی مل رہی ہے اور ہم جو پیچھے کررہے ہیں' اس کے اسباب یہ ہیں' اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا دارالاسباب بنائی' انہوں نے یہ اخلاق اختیار کئے تو ان اخلاق کے اختیار کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے تجارت کو فروغ دیا' صنعت کو فروغ دیا اور سیاست میں فروغ دیا اور ہم نے یہ چیزیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات چھوڑ دیے لہٰذا اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں ہماری پٹائی کرادیتے ہیں۔ روزانہ پٹائی ہوتی ہے۔

برطانیہ میں ایک بے روزگاری الاؤنس ہوتا ہے یعنی کوئی آدمی بے روزگار ہوگیا اور حکومت کو پتہ چل گیا کہ یہ بے روزگار ہے تو اس کا ایک الاؤنس جاری کردیتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ بے روزگار ہے تو بھوکا نہ مرے بلکہ اس کو ایک وظیفہ ملتا رہے اور اگر وہ معذور نہیں ہے تو روزگار کی تلاش میں لگا رہے کوشش کرتا رہے اور جب روزگار مل جائے تو اپنا روزگار خود سنبھالے اور اگر معذور ہے تو وظیفہ ملتا رہتا ہے۔

اب ہمارے مسلمان بھائیوں کی ایک بڑی تعداد وہاں پر ہے اس نے اپنے آپ کو بے روزگار ظاہر کرکے وہ ایک الاؤنس جاری کروا رکھا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہتے ہیں جب آرام سے گھر پر مل رہا ہے تو کمانے کی کیا ضرورت ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو روزگار ملا ہوا ہے یعنی چوری چھپے روزگار بھی کررہے ہیں اور وہ الاؤنس بھی لے رہے ہیں اور صدمہ تو یہ ہے کہ ائمہ مساجد یہ کام کررہے ہیں اور اس کی دلیل یہ بتاتی ہے کہ یہ تو کافر لوگ ہیں ان سے پیسے وصول کرنا ثواب ہے۔ لہٰذا ہم یہ پیسے وصول کریں

گے۔ امامت کے پیسے بھی مل رہے ہیں اور ٹیوشن بھی چلا رہے ہیں اور ساتھ میں بے روزگاری الاؤنس بھی لے رہے ہیں۔ ہم اس عذاب میں مبتلا ہیں تو پھر کیسے رحمت نازل ہو؟ اور جب ہمارا حال یہ ہو گیا تو کیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت شامل حال ہو۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کا معمول

دارالعلوم دیوبند کے حضرات اساتذہ کرام کو دیکھئے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ صحابہ کرام کے دور کی یادیں تازہ کرائیں، ان حضرات اساتذہ کرام کی تنخواہ دس دس روپے ماہانہ یا پندرہ روپے ماہانہ ہوتی تھی، لیکن چونکہ جب تنخواہ مقرر ہو گئی، اور اپنے اوقات مدرسے کے ہاتھ فروخت کر دیے، اس لئے ان حضرات اساتذہ کا یہ معمول تھا کہ اگر مدرسے کے اوقات کے دوران مہمان یا دوست احباب ملنے کے لئے آتے تو جس وقت وہ مہمان آتے تو فوراً گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے۔ اور پھر ان کو چند از چند نمٹانے کی فکر کرتے۔ اور جس وقت وہ مہمان چلے جاتے، اس وقت گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے۔ پورا مہینہ اس طرح وقت نوٹ کرتے رہتے پھر جب مہینہ پورا ہو جاتا تو وہ اساتذہ باقاعدہ درخواست دیتے کہ اس ماہ کے دوران ہم نے اتنا وقت مدرسے کے کام کے علاوہ دوسرے کاموں میں صرف کیا ہے، لہٰذا براہ کرم ہماری تنخواہ میں سے اتنے وقت کے پیسے کاٹ لئے جائیں، وہ حضرات اساتذہ اس لئے ایسا کرتے تھے اگر ہم نے اس وقت کی تنخواہ لے لی اور تنخواہ ہمارے لئے حرام ہو گئی۔ اس لئے واپس کر دیتے۔ آج تنخواہ لینے کے لئے تو درخواستیں دی جاتی ہیں۔ تنخواہ کٹوانے کے لئے درخواست دینے کا آج تصور بھی مشکل ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تنخواہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ، جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم ہیں، جن کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند کا آغاز ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم میں، تقویٰ میں، معرفت میں بہت اونچا مقام بخشا تھا۔ جس زمانے میں آپ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھے، اس وقت آپ کی تنخواہ ماہانہ دس روپے تھی، پھر جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی اور تجربہ بھی زیادہ ہو گیا، تو اس وقت دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ حضرت والا کی تنخواہ بہت کم ہے۔ جبکہ آپ کی عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ ضروریات بھی زیادہ ہیں، مشاغل بھی زیادہ ہیں، اس لئے تنخواہ بڑھانی چاہئے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ اب آپ کی تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے ماہانہ کر دی جائے، جب تنخواہ تقسیم ہوئی تو حضرت والا نے یہ دیکھا کہ اب دس کے بجائے پندرہ روپے ملے ہیں۔ حضرت والا نے پوچھا کہ یہ پندرہ روپے مجھے کیوں دیئے گئے۔ لوگوں نے بتایا کہ مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے کر دی جائے۔ آپ نے وہ تنخواہ لینے سے انکار کر دیا، اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کے نام ایک درخواست لکھی کہ حضرت! آپ نے میری تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے کر دی ہے۔ حالانکہ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں، پہلے تو میں نشاط کے ساتھ دو تین گھنٹے سبق پڑھا دیتا تھا۔ اور اب تو میں کم پڑھا تا ہوں۔ وقت کم دیتا ہوں۔ لہٰذا میری تنخواہ میں اضافے کا کوئی جواز نہیں، لہٰذا جو اضافہ

آپ حضرات نے کیا ہے یہ واپس لیا جائے۔ اور میری تنخواہ اسی طرح دس روپے کر دی جائے۔

لوگوں نے آ کر حضرت والا سے منت سماجت شروع کر دی کہ حضرت! آپ تو اپنے تقویٰ اور ورع کی وجہ سے اضافہ واپس کر رہے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگوں کے لئے یہ مشکل ہو جائے گی کہ آپ کی وجہ سے ان کی ترقیاں رک جائیں گی۔ لہٰذا آپ اس کو منظور کر لیں۔ مگر انہوں نے اپنے لئے اس کو گوارا نہ کیا، کیوں؟ اس لئے کہ ہر وقت یہ فکر لگی ہوتی تھی کہ یہ دنیا تو چند روزہ کی ہے۔ خدا جانے آج ختم ہو جائے، یا کل ختم ہو جائے۔ لیکن یہ پیسہ جو میرے پاس آ رہا ہے، کہیں یہ پیسہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر وہاں شرمندگی کا سبب نہ بن جائے۔

دارالعلوم دیوبند عام یونیورسٹی کی طرح نہیں تھا کہ استاذ نے سبق پڑھا دیا، اور طالب علم نے سبق پڑھ لیا۔ بلکہ وہ ان اداؤں سے دارالعلوم دیوبند بنا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کی فکر سے بنا ہے۔ اس ورع اور تقویٰ سے بنا ہے۔ لہٰذا یہ اوقات جو ہم نے تنخواہ پر دیئے ہیں، یہ امانت ہیں۔ اس میں خیانت نہ ہونی چاہئے۔

یہاں تو آدمی بنائے جاتے ہیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خانقاہوں میں ذکر و شغل سیکھنے کے لئے جاتے ہیں، اگر ذکر و شغل سیکھنا ہے تو بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں وہاں چلا جائے، لیکن ہمارے یہاں تو آدمی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور شریعت کے جو احکام ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی فکر پیدا کی جاتی ہے۔ چنانچہ ریلوے اسٹیشن پر اگر کوئی ڈاڑھی والا آدمی اپنا سامان وزن کرانے کے لئے بکنگ آفس پہنچتا تو وہ دفتر والے اس کو دیکھتے ہی پہچان لیتے کہ اس کا تعلق تھانہ بھون سے ہے، لہٰذا اس سے خود پوچھ لیتے کہ آپ تھانہ بھون جا رہے ہیں؟

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اپنے تعلق رکھنے والوں میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے معمولات چھوٹ گئے ہیں تو مجھے زیادہ رنج اور شکایت نہیں ہوتی لیکن اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے حلال و حرام کو ایک کر رکھا ہے اور اس کو معاملات کے اندر حلال و حرام کی فکر نہیں ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہو جاتی ہے۔

حرام مال حلال مال کو بھی تباہ کر دیتا ہے

لہٰذا ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کر جو پیسے اس کے پاس آ رہے ہیں اور جو کام وہ کر رہا ہے ان میں کہیں حرام مال کی آمیزش تو نہیں ہے۔ حرام مال کی آمیزش کی چند مثالیں میں نے آپ کے سامنے سمجھانے کے لئے پیش کر دیں ورنہ جانے کتنے کام ایسے ہیں جن کے ذریعہ نادانستہ طور پر اور غیر شعوری طور پر ہمارے حلال مال میں حرام مال کی آمیزش ہو جاتی ہے اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جب بھی کسی حلال مال کے ساتھ حرام مال لگ جاتا ہے تو وہ حرام حلال کو بھی تباہ کر کے چھوڑتا ہے، یعنی اس حرام مال کے شامل ہونے کے نتیجے میں حلال مال کی برکت، اس کا سکون اور راحت تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر شخص اس کی فکر کرے اور ہر شخص اپنے ایک ایک عمل کا جائزہ لے اور اپنی آمدنی کا جائزہ لے کہ ہمارے حلال مال میں کہیں کوئی حرام مال تو شامل نہیں ہو رہا ہے۔

حرام مال سے بچنے کی ضرورت

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون.

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے مت کھاؤ اور ان (کے جھوٹے مقدمے) کو حکام کے پاس اس غرض سے مت لے جاؤ کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ گناہ کے طریقے پر کھا جاؤ جبکہ تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت میں حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی ممانعت بڑے جامع انداز میں بیان کی گئی ہے۔ یوں تو ہر قوم اور ہر مذہب و ملت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مال حاصل کرنے کے کچھ طریقے پسندیدہ اور جائز ہیں اور کچھ ناپسندیدہ اور ممنوع، مثلاً چوری، ڈاکہ، دھوکہ فریب کو ساری ہی دنیا برا سمجھتی ہے۔ لیکن ان ذرائع کے جائز یا ناجائز ہونے کا کوئی ایسا معیار نہ کسی قوم کے پاس ہے اور نہ ہو سکتا ہے جو پوری دنیا کے لئے معقول اور قابل قبول ہو۔ اس کا صحیح اور معقول معیار صرف وہی ہو سکتا ہے جو رب العالمین کی طرف سے بذریعہ وحی بھیجا گیا ہو، کیونکہ خالق کائنات ہی اپنے بندوں کی حقیقی مصلحتوں سے باخبر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا جو قانون بنایا ہے وہ صرف وحی الٰہی سے ماخوذ و مستفاد ہے۔ اس قانون میں ہر قدم پر اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی بھی انسان اپنی جدوجہد کے مطابق ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور کوئی انسان دوسروں کے حقوق غصب کر کے یا دوسروں کو نقصان پہنچا کر سرمایہ کو محدود افراد میں مقید نہ کر دے۔ بلکہ جو بھی ملکیت کسی کو حاصل ہو وہ قانون الٰہی کے مطابق ہو۔ آیت مذکورہ ان تمام ناجائز صورتوں کو شامل ہے۔ اس میں سود، قمار، رشوت خوری، خیانت، دھوکہ فریب، جھوٹے مقدمات غرض ان تمام ناجائز ذرائع آمدنی کو شامل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے (ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل) یعنی نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر۔

اس میں ایک بات تو یہ قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے "اموالکم" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے اصلی معنی یہ ہیں کہ "نہ کھاؤ اپنے مال"۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم جو کسی دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہو تو یہ غور کرو کہ دوسرے شخص کو بھی اپنے مال سے ایسی ہی محبت ہوگی جیسی تمہیں اپنے مال سے محبت ہے۔ اگر وہ تمہارے مال میں ایسا ناجائز تصرف کرتا تو تمہیں جو دکھ پہنچتا ایسا ہی دکھ دوسرے کو بھی پہنچے گا۔ اس بات کا احساس اس وقت بھی اسی طرح کرو جیسے کہ وہ تمہارا مال ہے۔ اس کے علاوہ آیت کے ان الفاظ میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتا ہے اور یہ رسم چل پڑتی ہے تو اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کے مال میں ایسا ہی ناجائز تصرف کرتے ہیں۔ اس حیثیت سے کسی شخص کے مال میں ناجائز تصرف درحقیقت اپنے مال میں ناجائز تصرف کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ غور کیجئے کہ جب اشیاء ضرورت میں ملاوٹ کی رسم چل جائے تو ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص گھی میں تیل یا چربی ملا کر زائد پیسے حاصل کرتا ہے لیکن جب اس کو دودھ خریدنے کی ضرورت پڑتی ہے تو دودھ والا اس میں پانی ملا کر دیتا ہے، مسالے کی ضرورت ہوتی

ہے تو اس میں خلاف ملی ہے دوا لینے جاتا ہے تو وہاں کھوٹ ملتا ہے اس طرح جتنے زائد پیسے ہیں نے ایک جگہ ملاوٹ کر کے حاصل کئے دوسرے افراد دسیوں جگہ ملاوٹ کر کے اس کی جیب سے نکال لیتے ہیں۔ یہ بے چارہ اپنی جگہ پیسوں کی زیادتی شمار کر کے خوش ہوتا ہے مگر انجام نہیں دیکھتا کہ اس کے پاس کیا رہا؟ اور حقیقت میں جو کوئی شخص دوسرے کا مال غلط طریقے سے حاصل کرتا ہے درحقیقت وہ خود اپنے مال کے ناجائز تصرف کا دروازہ کھولتا ہے۔

یوں تو یہ ناجائز ذرائع آمدنی ہر وقت اور ہر زمانے میں ناجائز ہیں لیکن کسی مقدس زمانے میں یا مقدس مقام پر ان کا ارتکاب کیا جائے تو ان کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے خاص طور سے رمضان کے مبارک مہینے میں کیونکہ اس مہینے میں ایک مسلمان اللہ کے حکم کی خاطر ناجائز اور مباح چیزوں (مثلاً کھانے پینے) کو چھوڑ دیتا ہے تو یہ بات بڑی شرم کی ہے کہ جو چیزیں ہمیشہ سے حرام تھیں انہیں ترک نہ کرے لہٰذا اس مبارک مہینے میں اکلِ حلال کا زیادہ اہتمام لازمی ہے۔ حرام سے بچنے اور حلال کے حاصل کرنے کے لئے قرآن وسنت میں مختلف عنوانات سے تاکیدیں کی گئی ہیں ایک آیت میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کے اعمال واخلاق میں بہت بڑا دخل حلال کھانے کو ہے اگر اس کا کھانا پینا حلال نہیں تو اس سے اچھے اخلاق واعمال کی توقع مشکل ہے۔ ارشاد ہے: یاایھا الرسل کلوامن الطیبت واعملوا صالحاً انی بما تعملون بصیر. اے گروہ انبیاء! حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو میں تمہارے اعمال کی حقیقت سے باخبر ہوں۔

اس آیت میں حلال کھانے کے ساتھ عمل صالح کا حکم فرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ اعمال صالحہ کا صدور اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ انسان کا کھانا پینا حلال ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ حرام مال کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی، فرمایا کہ بہت سے آدمی عبادت وغیرہ میں مشقت اٹھاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ دعا کے لئے پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر کھانا ان کا حرام پینا ان کا حرام لباس ان کا حرام تو ان کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے یہ دعا فرما دیجئے کہ میری ہر دعا قبول ہوا کرے۔ آپ نے فرمایا اے سعد! اپنا کھانا حلال اور پاک بنالو۔ تمہاری دعائیں قبول ہونے لگیں گی اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو اس گوشت کیلئے تو جہنم کی آگ ہی زیادہ لائق ہے۔

دو معاشی نظریے

ہم اور آپ اس وقت ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں یہ کہا اور سمجھا جا رہا ہے کہ انسان کی زندگی کا سب سے بنیادی مسئلہ "معاش کا مسئلہ" ہے۔ اور اسی بنیاد پر اس دور میں دو معاشی نظریوں کے درمیان پہلے فکری اور پھر عملی تصادم رونما ہوا۔ ایک "سرمایہ دارانہ معیشت" کا نظریہ۔ اور دوسرا "اشتراکی معیشت کا نظریہ" ان دونوں نظریوں کے درمیان پچھلی نصف صدی سے زیادہ عرصے تک زبردست ٹکراؤ رہا اور فکری اور عملی دونوں سطح پر یہ دونوں نظریے برسرپیکار رہے۔ دونوں کے پیچھے ایک فلسفہ اور ایک

نظریہ تھا۔ چوہتر سال گزرنے کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اشتراکی معیشت کا جو نظریہ فریب یا ان تھا وہ ٹوٹ گیا۔ اور دنیا نے اس فریب نظریہ کی حقیقت کو عملی تجربہ کا شکل پہچان لیا اور اشتراکیت بحیثیت ایک انقلابی نظام کے فیل ہو گئی۔

مسلم اور غیر مسلم میں تین فرق ہیں

مسلم اور غیر مسلم میں تین فرق ہیں۔ پہلا فرق یہ ہے کہ مسلمان اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتا ہے، جبکہ غیر مسلم اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی عطا نہیں سمجھتا، بلکہ اس دولت کو اپنی قوت بازو کا کرشمہ سمجھتا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اس دولت کو آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنائے، اور دولت کو حاصل کرنے اور اس کو خرچ کرنے میں ایسا طرز عمل اختیار کرے کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف نہ ہو تا کہ یہ دنیا اس کے لئے دین کا ذریعہ بن جائے اور آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بن جائے۔ یہی دنیا ہے کہ اگر اس کے حصول میں انسان کی نیت درست ہو اور اللہ تعالیٰ کے عائد کئے ہوئے حلال و حرام کے احکام کی پابندی ہو تو یہی دنیا دین بن جاتی ہے اور یہی دنیا آخرت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ ایک مسلمان بھی کماتا ہے اور کماتا ہے، اور ایک غیر مسلم بھی کماتا ہے اور کماتا ہے، لیکن غیر مسلم کے دل میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا تصور ہوتا ہے اور نہ اس کے احکام کی پابندی کا خیال ہوتا ہے، اور مسلمان کے دل میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ دنیا دین بنا دی۔ اگر ایک تاجر اس نیت کے ساتھ تجارت کرے کہ میں دو وجہ سے تجارت کر رہا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے ذمے کچھ حقوق عائد کئے ہوئے ہیں۔ میرے نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ میرے بچوں کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں، میری بیوی کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں، ان حقوق کی ادائیگی کے لئے یہ تجارت کر رہا ہوں۔ دوسرے اس لئے میں تجارت کر رہا ہوں کہ اس تجارت کے ذریعہ میں معاشرے میں ایک چیز فراہم کرنے کا ذریعہ بن جاؤں، اور مناسب طریقے سے ان کی اشیاء ضرورت ان تک پہنچاؤں۔ اگر تجارت کرتے وقت دل میں یہ دو نیتیں موجود ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ حلال طریقے کو اختیار کرے اور حرام طریقے سے بچے تو پھر یہ ساری تجارت عبادت ہے۔

تاجروں کی دو قسمیں

۱- ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء (ترمذی کتاب البیوع، باب ما جاء فی التجار)

یعنی ایک امانت دار اور سچا تاجر قیامت کے دن انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ لیکن اگر تجارت کے اندر نیت صحیح نہ ہو اور حلال و حرام کی فکر نہ ہو تو پھر ایسے تاجر کے بارے میں پہلی حدیث کے برخلاف دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۲- التجار یحشرون یوم القیامة فجارا الا من اتقی و بر و صدق

یعنی تجار قیامت کے دن فاجر بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ "فجار" کے معنی ہیں نافرمان و فاجر، گناہگار، سوائے اس تاجر کے

جو تقویٰ اختیار کرے، نیکی اختیار کرے، اور سچائی اختیار کرے۔ اگر یہ تین شرطیں موجود نہیں ہیں تو وہ تاجر فجار میں شامل ہے۔ اور اگر یہ تین شرطیں موجود ہیں تو پھر وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کی صف میں شامل ہے۔ ایسے تاجر کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام بخشا ہے۔

بہرحال، پہلا مرحلہ نیت کی درستی ہے۔ اور دوسرا مرحلہ عمل کے اندر حلال و حرام کا امتیاز ہے۔ یہ نہ ہو کہ مسجد کی حد تک تو وہ مسلمان ہے، لیکن مسجد سے باہر نکلنے کے بعد اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہو کہ میں جو کاروبار کرنے جا رہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس دوسرے مرحلے پر مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہیں۔ ایک غیر مسلم سودی کاروبار کر رہا ہے تو مسلمان بھی سودی کاروبار کر رہا ہے، غیر مسلم قمار کا کام کر رہا ہے تو مسلمان بھی کر رہا ہے، اگر کسی مسلمان تاجر کے اندر یہ بات ہے تو پھر ایسا تاجر اس وعید کے اندر داخل ہے جو دوسری حدیث میں اوپر عرض کی۔ اور اگر یہ بات نہیں تو پھر وہ تاجر پہلی حدیث میں بیان کی گئی بشارت کا مستحق ہے۔

دوسری ہدایت

اب دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اسلام نے ہماری تجارت کا راستہ بھی بند کر دیا اور یہ فرما دیا کہ بس آخرت ہی کو دیکھو، دنیا کو مت دیکھو، اور دنیا کے اندر اپنی ضروریات کا خیال نہ کرو۔ اس خیال کی تردید کے لئے قرآن کریم نے فوراً دوسرے جملے میں دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ: ولا تنس نصیبک من الدنیا

یعنی ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، بلکہ تمہارا دنیا کا جو حصہ ہے اس کو مت بھولو، اس کے لئے جائز اور حلال طریقے اختیار کرنے کی کوشش کرو۔

یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں

لیکن قرآن کریم کے انداز بیان نے ایک بات اور واضح کر دی کہ تمہارا بنیادی مسئلہ اس زندگی کے اندر "معاش کا مسئلہ" نہیں۔ بیشک قرآن و حدیث میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاش کے مسئلے کو تسلیم کیا ہے، لیکن یہ معاش کا مسئلہ تمہاری زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک کافر اور مومن میں یہی فرق ہے کہ کافر اپنی ساری زندگی کا بنیادی مسئلہ اس کو سمجھتا ہے کہ میری پیدائش سے لے کر مرتے دم تک میرے کھانے کمانے کا کیا انتظام ہے، اس سے آگے اس کی سوچ اور فکر نہیں جاتی۔ لیکن ایک مسلمان کو قرآن و حدیث یہ تعلیم دیتے ہیں کہ بیشک معاشی سرگرمیوں کی تمہیں اجازت ہے، لیکن یہ تمہاری زندگی کا بنیادی مقصد نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ زندگی تو خدا جانے کتنے دن رہے گی، آج بھی ختم ہو سکتی ہے، کل بھی ختم ہو سکتی ہے۔ ہر لمحے اس زندگی کے ختم ہونے کا امکان موجود ہے۔ آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے موت سے انکار کیا ہو، خدا کا انکار کرنے والے دنیا میں موجود ہیں لیکن موت سے انکار کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دنیا سے ضرور جانا ہے۔ اور اگر تم مسلمان ہو تو یقیناً تمہارا یہ اعتقاد ہوگا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔

چوتھی ہدایت

چوتھے نمبے میں یہ ہدایت دی کہ: ولا تبغ الفساد فی الارض

زمین میں فساد مت پھیلاؤ یعنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ مت ڈالو۔ دوسروں کے حقوق غصب مت کرو۔ اگر تم نے ان چار ہدایات پر عمل کرلیا تو تمہاری یہ دولت، تمہارا یہ سرمایہ اور تمہاری یہ معاشی سرگرمیاں تمہارے لئے مبارک ہیں۔ اور تم انبیاء، صدیقین، اور شہداء کی فہرست میں شامل ہو۔ اور اگر تم نے ان ہدایات پر عمل نہ کیا تو پھر تمہاری ساری معاشی سرگرمیاں بیکار ہیں۔ اور آخرت میں اس کا نتیجہ سزا اور عذاب کی صورت میں سامنے آجائے گا۔

تجارت میں سچ بولنا

تجارت کو بظاہر دنیاداری کا کام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر تجارت اس نیت سے کی جائے کہ اس کے ذریعہ رزق حلال حاصل کیا جائے گا اور اس سے اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کے حقوق ادا کئے جائیں گے تو تجارت کا سارا کام اجر وثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں ناجائز کاموں سے پرہیز کیا جائے۔ چنانچہ تجارت میں سچائی اور امانت کو اپنا معمول بنانے والے کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء یوم القیامۃ (ترمذی)

جو تاجر سچا اور امانت دار ہو وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (آسان نیکیاں)

بیچی ہوئی چیز کا واپس لے لینا

بعض اوقات ایک شخص کسی سے کوئی چیز خرید لیتا ہے لیکن بعد میں کسی وجہ سے وہ واپس کرنا چاہتا ہے ایسی صورت میں بیچنے والے کے ذمے یہ واجب تو نہیں ہے کہ وہ ضرور بیچی ہوئی چیز واپس لینا منظور کرے لیکن اگر وہ خریدار کی پشیمانی یا اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے واپسی منظور کرلے تو حدیث میں اس کی بھی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من اقال اخاہ بیعا اقالہ اللہ عثرتہ یوم القیامۃ

جو شخص اپنے کسی بھائی سے کی ہوئی بیع کو واپس لے لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف فرمائیں گے۔ (مجمع الزوائد)

معاملات کی صفائی ۔ دین کا اہم رکن

یایها الذین امنوا لا تاکلوا امولکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (نساء ۲۹)

یہ آیت دین کے ایک بہت اہم رکن سے متعلق ہے، وہ دین کا اہم رکن "معاملات کی درستی اور اس کی صفائی" ہے۔ یعنی انسان کا معاملات میں اچھا ہونا اور خوش معاملہ ہونا، یہ دین کا بہت اہم باب ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ دین کا جتنا اہم باب ہے، ہم لوگوں نے اتنا ہی اس کو اپنی زندگی سے خارج کر رکھا ہے۔ ہم نے دین کو صرف چند عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ،

عمرہ، وظائف اور اوراد میں منحصر کر لیا ہے، لیکن روپے پیسے کے لین دین کا جو باب ہے، اس کو ہم نے بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے، گویا کہ دین سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ حالانکہ اسلامی شریعت کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ عبادات سے متعلق جو احکام ہیں وہ ایک چوتھائی ہیں، اور تین چوتھائی احکام معاملات اور معاشرت سے متعلق ہیں۔

تین چوتھائی دین معاملات میں ہے

فقہ کی ایک مشہور کتاب ہے جو ہمارے تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، اور اس کتاب کو پڑھ کر لوگ عالم بنتے ہیں۔ اس کا نام ہے "ھدایہ" اس کتاب میں طہارت سے لے کر میراث تک شریعت کے جتنے احکام ہیں، وہ سب اس کتاب میں جمع ہیں۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں، پہلی جلد عبادات سے متعلق ہے جس میں طہارت کے احکام، نماز کے احکام، زکوۃ، روزے، اور حج کے احکام بیان کئے گئے ہیں، اور باقی تین جلدیں معاملات یا معاشرت کے احکام سے متعلق ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ دین کے احکام کا ایک چوتھائی حصہ عبادات سے متعلق ہے اور تین چوتھائی حصہ معاملات سے متعلق ہے۔

معاملات کی خرابی کا عبادت پر اثر

پھر اللہ تعالیٰ نے ان معاملات کا یہ مقام رکھا ہے کہ اگر انسان روپے پیسے کے معاملات میں حلال و حرام کا، اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہ رکھے تو عبادات پر بھی اس کا اثر یہ واقع ہوتا ہے کہ چاہے وہ عبادات ادا ہو جائیں لیکن ان کا اجر و ثواب اور ان کی قبولیت موقوف ہو جاتی ہے، دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں اس حال میں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر اور رو رو کر پکارتے ہیں کہ یا اللہ! میرا یہ مقصد پورا کر دیجئے، فلاں مقصد پورا کر دیجئے، بڑی عاجزی سے، الحاح و زاری کے ساتھ یہ دعائیں کر رہے ہوتے ہیں، لیکن کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، اور ان کا جسم حرام آمدنی سے پرورش پایا ہوا ہے فانی یستجاب لہ اللہ! ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو؟ ایسے آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

معاملات کی تلافی بہت مشکل ہے

دوسری جتنی عبادات ہیں، اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی تلافی آسان ہے مثلاً نمازیں چھوٹ گئیں، تو اب اپنی زندگی میں قضا نمازیں ادا کر لو، اور اگر زندگی میں ادا نہ کر سکے تو وصیت کر جاؤ کہ اگر میں مر جاؤں اور میری نمازیں ادا نہ ہوئی ہوں تو میرے مال میں اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے اور توبہ کر لو۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تلافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیا تو اس کی تلافی اس وقت تک نہیں ہو گی جب تک صاحب حق معاف نہ کرے۔ چاہے تم ہزار توبہ کرتے رہو، ہزار نفلیں پڑھتے رہو۔ اس لئے معاملات کا باب بہت اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور معاملات

اسی وجہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تصوف اور طریقت کی تعلیمات میں

صاحب کو سب سے زیادہ دولت حاصل تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اپنے مریدین میں سے کسی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے اپنے معمولات نوافل اور اوراد و وظائف پورے نہیں کئے تو اس کی وجہ سے رنج ہوتا ہے اور اس مرید سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کو پورا کرلو۔ لیکن اگر کسی مرید کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے روپے پیسے کے معاملات میں گڑبڑ کی ہے تو مجھے اس مرید سے نفرت ہو جاتی ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے، جن کو آپ نے خلافت بھی عطا فرمادی تھی، اور ان کو بیعت اور تلقین کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ ایک مرتبہ وہ سفر کر کے حضرت والا کی خدمت میں تشریف لائے، ان کے ساتھ ان کا بچہ بھی تھا، انہوں نے آکر سلام کیا اور ملاقات کی، اور بچے کو بھی ملوایا کہ حضرت یہ میرا بچہ ہے، اس کے لئے دعا فرما دیجئے۔ حضرت والا نے بچے کے لئے دعا فرمائی، اور پھر ویسے ہی پوچھا کہ اس بچے کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت اس کی عمر ۱۳ سال ہے، حضرت نے پوچھا کہ آپ نے ریل گاڑی کا سفر کیا ہے تو اس بچے کا آدھا ٹکٹ لیا تھا یا پورا ٹکٹ لیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ حضرت نے فرمایا: کہ آپ نے آدھا ٹکٹ کیسے لیا جب کہ بارہ سال سے زائد عمر کے بچے کا تو پورا ٹکٹ لگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قانون تو یہی ہے کہ بارہ سال کے بعد ٹکٹ پورا لینا چاہئے، اور یہ بچہ اگرچہ ۱۳ سال کا ہے لیکن دیکھنے میں ۱۲ سال کا لگتا ہے، اس وجہ سے میں نے آدھا ٹکٹ لے لیا۔ حضرت نے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تصوف اور طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی، آپ کو ابھی تک اس بات کا احساس اور ادراک نہیں کہ بچے کو جو سفر آپ نے کرایا، یہ حرام کرایا۔ جب قانون یہ ہے کہ ۱۲ سال سے زائد عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لگتا ہے اور آپ نے آدھا ٹکٹ لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ریلوے کے آدھے ٹکٹ کے پیسے غصب کر لئے اور آپ نے چوری کر لی۔ اور جو شخص چوری اور غصب کرے ایسا شخص تصوف اور طریقت میں کوئی مقام نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا آج سے آپ کی خلافت اور اجازت بیعت واپس لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بات پر ان کی خلافت سلب فرمالی۔ حالانکہ اپنے اوراد و وظائف میں، عبادات اور نوافل میں، تہجد اور اشراق میں، ان میں سے ہر چیز میں بالکل اپنے طریقے پر عمل تھے، لیکن یہ غلطی کی کہ بچے کا ٹکٹ پورا نہیں لیا، صرف اس غلطی کی بناء پر خلافت سلب فرمالی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک اور واقعہ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اپنے سارے مریدین اور متعلقین کو یہ ہدایت تھی کہ جب بھی ریلوے میں سفر کرو اور تمہارا سامان اس مقدار سے زائد ہو جتنا ریلوے نے تمہیں مفت لیجانے کی اجازت دی ہے تو اس صورت میں اپنے سامان کا وزن کراؤ اور زائد سامان کا کرایہ ادا کرو، پھر سفر کرو۔ خود حضرت والا کا اپنا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ریلوے میں سفر کے ارادے سے اسٹیشن پہنچے، گاڑی کے آنے کا وقت قریب تھا، آپ اپنا سامان لے کر اس دفتر میں پہنچے جہاں پر سامان کا وزن کرایا جاتا تھا اور جاکر لائن میں لگ گئے۔ اتفاق سے گاڑی میں ساتھ جانے والا گارڈ مل گیا اور حضرت

والا کو دیکھ کر پہچان لیا، اور پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں سامان کا وزن کرانے آیا ہوں۔ گارڈ نے کہا کہ آپ کو سامان کا وزن کرانے کی ضرورت نہیں، آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، میں آپ کے ساتھ گاڑی میں جا رہا ہوں، آپ کو زائد سامان کا کرایہ دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ تم میرے ساتھ کہاں تک جاؤ گے؟ گارڈ نے کہا کہ میں فلاں اسٹیشن تک جاؤں گا۔ حضرت نے پوچھا کہ اس اسٹیشن کے بعد کیا ہوگا؟ گارڈ نے کہا کہ اس اسٹیشن پر دوسرا آئے گا، میں اس کو بتا دوں گا کہ یہ حضرت کا سامان ہے، اس کے بارے میں کچھ پوچھ گچھ مت کرنا۔ حضرت نے پوچھا کہ وہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟ گارڈ نے کہا وہ تو اور آگے جائے گا، اس سے پہلے ہی آپ کا اسٹیشن آ جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تو اور آگے جاؤں گا یعنی آخرت کی طرف جاؤں گا اور اپنی قبر میں جاؤں گا، وہاں پر کونسا گارڈ میرے ساتھ جائے گا؟ جب وہاں آخرت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ ایک سرکاری گاڑی میں سامان کا کرایہ ادا کئے بغیر جو سفر کیا اور جو چوری کی اس کا حساب دو۔ تو وہاں پر کونسا گارڈ میری مدد کرے گا؟

معاملات کی خرابی سے زندگی حرام

چنانچہ وہاں یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی شخص ریلوے کے دفتر میں اپنے سامان کا وزن کرا رہا ہوتا تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ شخص تھانہ بھون جانے والا ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے ہے۔ حضرت والا کی بہت سی باتیں لوگوں نے لے کر مشہور کر دیں، لیکن یہ پہلو کہ ایک پیسہ بھی شریعت کے خلاف کسی ذریعہ سے ہمارے پاس نہ آئے، یہ پہلو نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آج کتنے لوگ اس قسم کے معاملات کے اندر مبتلا ہیں اور ان کو خیال بھی نہیں آتا کہ ہم یہ معاملات شریعت کے خلاف اور ناجائز کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے غلط کام کر کے چند پیسے بچا لئے تو وہ چند پیسے حرام ہو گئے، اور وہ حرام مال ہمارے دوسرے مال کے ساتھ ملنے کے نتیجے میں اس کے بُرے اثرات ہمارے مال میں پھیل گئے۔ پھر اسی مال سے ہم کھانا کھا رہے ہیں، اسی سے کپڑے بنا رہے ہیں، اسی سے لباس تیار ہو رہا ہے، جس کے نتیجے میں ہماری پوری زندگی حرام ہو رہی ہے۔ اور ہم چونکہ بے حس ہو گئے ہیں، اس لئے حرام مال اور حرام آمدنی کے بُرے نتائج کا ہمیں ادراک بھی نہیں۔ یہ حرام مال ہماری زندگی میں کیا فساد مچا رہا ہے۔ اس کا ہمیں احساس نہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ وہ احساس عطا فرماتے ہیں، ان کو پتہ لگتا ہے کہ حرام چیز کیا ہوتی ہے۔

حرام کی دو قسمیں

یہ جو آج ہمارے دلوں سے گناہوں کی نفرت نکلتی جا رہی ہے اور گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہو رہا ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے مال میں حرام مال کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ پھر ایک تو وہ حرام ہے جو کھلا حرام ہے، جس کو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حرام ہے۔ جیسے رشوت کا مال، سود کا مال، جوا کا مال، دھوکے کا مال، چوری کا مال وغیرہ۔ لیکن حرام کی دوسری قسم وہ حرام ہے جس کے حرام ہونے کا ہمیں احساس ہی نہیں ہے، حالانکہ وہ بھی حرام ہے اور وہ حرام چیز ہمارے کاروبار میں پل رہی ہے۔ اس دوسری قسم کی تفصیل سنئے۔

ملکیت متعین ہونی چاہیے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ معاملات چاہے بھائیوں کے درمیان ہوں، باپ بیٹے کے درمیان ہوں، شوہر اور بیوی کے درمیان ہوں۔ وہ معاملات بالکل صاف اور بے غبار ہونے چاہئیں اور ان میں کوئی غبار نہ ہونا چاہیے۔ اور ملکیتیں آپس میں متعین ہونی چاہئیں کہ کونسی چیز باپ کی ملکیت ہے، اور کونسی چیز بیٹے کی ملکیت ہے۔ کونسی چیز شوہر کی ملکیت ہے اور کونسی چیز بیوی کی ملکیت ہے۔ کونسی چیز ایک بھائی کی ہے اور کونسی چیز دوسرے بھائی کی ہے۔ یہ ساری بات واضح اور صاف ہونی چاہیے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔ چنانچہ اہل عرب کا محاورہ ہے۔

تعاشروا کالاخوان، تعاملوا کالاجانب

یعنی بھائیوں کی طرح رہو، لیکن آپس کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو۔ مثلاً اگر قرض کا لین دین کیا جا رہا ہے تو اس کو لکھو کہ یہ قرض کا معاملہ ہے، اتنے دن کے بعد اس کی واپسی ہوگی۔

باپ بیٹوں کے مشترک کاروبار

آج ہمارا سارا معاشرہ اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ کوئی بات صاف ہی نہیں۔ اگر باپ بیٹوں کے درمیان کاروبار ہے تو وہ کاروبار ویسے ہی چل رہا ہے، اس کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی کہ بیٹے باپ کے ساتھ جو کام کر رہے ہیں وہ آیا شریک کی حیثیت میں کر رہے ہیں، یا ملازم کی حیثیت میں کر رہے ہیں، یا ویسے ہی باپ کی مفت مدد کر رہے ہیں، اس کا کچھ پتہ نہیں مگر تجارت ہو رہی ہے، ملیں قائم ہو رہی ہیں، دکانیں بڑھتی جا رہی ہیں، مال اور جائیداد بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہیں ہے کہ کس کا کتنا حصہ ہے۔ اگر ان سے کہا بھی جائے کہ اپنے معاملات کو صاف کرو تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو غیریت کی بات ہے۔ بھائیوں بھائیوں میں صفائی کی کیا ضرورت ہے؟ یا باپ بیٹوں میں صفائی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب شادیاں ہو جاتی ہیں اور بچے ہو جاتے ہیں، اور شادی میں کسی نے زیادہ خرچ کر لیا اور کسی نے کم خرچ کیا۔ یا ایک بھائی نے مکان بنا لیا اور دوسرے نے ابھی تک مکان نہیں بنایا۔ بس اب دل میں شکایتیں اور ایک دوسرے کی طرف سے کینہ پیدا ہونا شروع ہو گیا، اور اب آپس میں جھگڑے شروع ہو گئے کہ فلاں زیادہ کھا گیا اور مجھے کم ملا۔ اور اگر اس دوران باپ کا انتقال ہو جائے تو اس کے بعد بھائیوں کے درمیان جو لڑائی اور جھگڑے ہوتے ہیں وہ لامتناہی ہوتے ہیں، پھر ان کے حل کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

باپ کے انتقال پر میراث کی تقسیم فوراً کریں

جب باپ کا انتقال ہو جائے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ فوراً میراث تقسیم کرو، میراث تقسیم کرنے میں تاخیر کرنا حرام ہے۔ لیکن آج کل یہ ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال پر میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور جو بڑا بیٹا ہوتا ہے وہ کاروبار پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور بیٹیاں خاموش بیٹھی رہتی ہیں، ان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ ہمارا کیا حق ہے، اور کیا نہیں ہے؟ یہاں تک کہ اسی حالت میں دس سال اور بیس سال گزر گئے۔ اور پھر اس دوران کسی اور کا بھی انتقال ہو گیا، یا کسی بھائی نے اس کاروبار میں اپنا پیسہ ملا دیا، پھر سالہا سال گزرنے

کے بعد جب ان کی اولاد بڑی ہوئی تو اب جھگڑے کھڑے ہو گئے۔ اور جھگڑے ایسے وقت میں کھڑے ہوئے جب ذرا بھی ہوئی ہے۔ اور جب وہ جھگڑے انتہا کی حد تک پہنچے تو اب مفتی صاحب کے پاس چلے آ رہے ہیں کہ اب آپ بتائیں کہ ہم کیا کریں۔ مفتی صاحب بیچارے ایسے وقت میں کیا کریں گے۔ اب اس وقت یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے کہ جس وقت کاروبار کے اندر شرکت تھی، اور بیٹے اپنے باپ کے ساتھ مل کر کاروبار کر رہے تھے، اس وقت بیٹے کس حیثیت میں کام کر رہے تھے؟

مشترک مکان کی تعمیر میں حصہ داروں کا حصہ

مثلاً ایک مکان بن رہا ہے، تعمیر کے دوران کچھ پیسے باپ نے لگا دیئے، کچھ پیسے ایک بیٹے نے لگا دیئے کچھ دوسرے بیٹے نے لگا دیئے، کچھ تیسرے بیٹے نے لگا دیئے۔ لیکن یہ پتہ نہیں کہ کون کس حساب سے کس غرض سے کس تناسب سے لگا رہا ہے، اور یہ بھی پتہ نہیں کہ جو پیسے تم لگا رہے ہو وہ آیا بطور قرض کے دے رہے ہو اور اس کو واپس لوگے، یا مکان میں حصہ دار بن رہے ہو، یا بطور امداد اور تعاون کے پیسے دے رہے ہو، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ اب مکان تیار ہو گیا اور اس میں رہنا شروع کر دیا۔ اب جب باپ کا انتقال ہو گیا تو اس میں دوسرے مسائل پیدا ہوئے تو اب مکان پر جھگڑے کھڑے ہو گئے۔ اب مفتی صاحب کے پاس چلے آ رہے ہیں کہ فلاں بھائی یہ کہتا ہے کہ میرا اتنا حصہ ہے، مجھے اتنا ملنا چاہئے۔ دوسرا کہتا ہے کہ مجھے اتنا ملنا چاہئے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ بھائی! جب تم نے اس مکان کی تعمیر میں پیسے دیئے تھے، اس وقت تمہاری کیا نیت تھی؟ کیا تم نے بطور قرض دیئے تھے؟ یا تم مکان میں حصہ دار بننا چاہتے تھے؟ یا باپ کی مدد کرنا چاہتے تھے؟ اس وقت کیا بات تھی؟ تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم نے تو پیسے دیتے وقت کچھ سوچا ہی نہیں تھا، نہ تو ہم نے مدد کے بارے میں سوچا تھا، اور نہ حصہ داری کے بارے میں سوچا تھا، اب آپ کوئی حل نکالیں۔ جب ذرا الجھن اور سر پر ہاتھ نہیں آ رہا ہے تو اب مفتی صاحب کی مصیبت آ گئی کہ وہ اس کا حل نکالیں کہ کس کا کتنا حصہ بنتا ہے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ معاملات کے بارے میں حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ نفلیں ہو رہی ہیں، تہجد کی نماز ہو رہی ہے، اشراق کی نماز ہو رہی ہے، لیکن معاملات میں سب الم غلم ہو رہا ہے، کسی چیز کا کچھ پتہ نہیں۔ یہ سب کام حرام ہو رہا ہے۔ جب یہ معلوم نہیں کہ میرا حق کتنا ہے اور دوسرے کا حق کتنا ہے، تو اس صورت میں جو کچھ تم اس میں سے کھا رہے ہو، اس کے حلال ہونے میں بھی شبہ ہے۔ جائز نہیں۔

امام محمدؒ اور تصوف پر کتاب

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سارے فقہی احکام اپنی تصانیف کے ذریعہ ہم تک پہنچائے۔ ان کا احسان ہمارے سروں پر اتنا ہے کہ ساری عمر تک ہم ان کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں ہیں لیکن تصوف اور زہد کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ تم کیسے

کہتے ہو کہ میں نے تصوف پر کتاب نہیں لکھی، میں نے جو "کتاب البیوع" لکھی ہے وہ تصوف ہی کی تو کتاب ہے۔ مطلب یہ تھا کہ خرید و فروخت کے احکام اور لین دین کے احکام حقیقت میں تصوف ہی کے احکام ہیں، اس لئے کہ زہد اور تصوف در حقیقت شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کا نام ہے۔ اور شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی خرید و فروخت اور لین دین کے احکام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔

دوسروں کی چیز اپنے استعمال میں لانا

اسی طرح دوسرے کی چیز استعمال کرنا حرام ہے مثلاً کوئی دوست ہے یا بھائی ہے، اس کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرلی تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ البتہ اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ اس کی چیز استعمال کرنے سے وہ خوش ہوگا اور خوشی سے اس کی اجازت دے دے گا، تب تو استعمال کرنا جائز ہے۔ لیکن جہاں ذرا بھی اس کی اجازت میں شک ہو، چاہے وہ حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو، یا چاہے وہ بیٹا ہو اور اپنے باپ کی چیز استعمال کر رہا ہو، جب تک اس بات کا اطمینان نہ ہو کہ خوش دلی سے وہ اجازت دے دے گا، میرے استعمال کرنے سے وہ خوش ہوگا، اس وقت تک اس کا استعمال جائز نہیں۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ (کنز العمال، حدیث ۳۹۷)

کسی مسلمان کا مال تمہارے لئے حلال نہیں جب تک وہ خوش دلی سے نہ دے۔ اس حدیث میں "اجازت" کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ "خوش دلی" کا لفظ استعمال فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اجازت کافی نہیں بلکہ وہ اس طرح اجازت دے کہ اس کا دل خوش ہو، تب تو وہ چیز حلال ہے۔ اگر آپ دوسرے کی چیز استعمال کر رہے ہیں، لیکن آپ کو اس کی خوش دلی کا یقین نہیں ہے تو آپ کے لئے وہ چیز استعمال کرنا جائز نہیں۔

ہر ایک کی ملکیت واضح ہونی چاہئے

بہر حال! یہ اصول تو ذہن میں رکھو کہ جب تک دوسرے کی خوش دلی کا اطمینان نہ ہو، اس وقت تک دوسرے کی چیز استعمال کرنا حلال نہیں، چاہے وہ بیٹا کیوں نہ ہو، باپ کیوں نہ ہو، بھائی اور بہن کیوں نہ ہو، چاہے بیوی اور شوہر کیوں نہ ہو۔ اس اصول کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہمارے مال میں حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو کوئی غلط کام نہیں کرتا، رشوت میں نہیں لیتا، سود میں نہیں کھاتا، چوری میں نہیں کرتا، ڈاکہ میں نہیں ڈالتا، اس لئے میرا مال تو حلال ہے۔ لیکن اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس اصول کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے مال حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اور مال حرام کی آمیزش حلال مال کو بھی تباہ کر دیتی ہے اور اس کی برکتیں زائل ہو جاتی ہیں، اس کا نفع ختم ہو جاتا ہے۔ اور الٹا اس حرام مال کے نتیجے میں انسان کی طبیعت گناہوں کی طرف چلتی ہے، روحانیت کو نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے معاملات کو صاف رکھنے کی کوشش کریں کہ کسی معاملے میں کوئی الجھن نہ رہے، ہر چیز صاف اور واضح ہونی چاہئے۔ ہر چیز کی ملکیت واضح ہونی چاہئے کہ یہ چیز میری ملکیت ہے، یہ فلاں کی ملکیت ہے۔ البتہ ملکیت واضح ہو جانے کے بعد آپس میں بھائیوں کی طرح رہو۔ دوسرے شخص کو تمہاری چیز استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو دیدو، لیکن ملکیت واضح ہونی چاہئے تاکہ کل کو کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے۔

چوری یہ بھی ہے

حکیم الامت کا ایک واقعہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جا رہے تھے، جب ریل میں سوار ہونے کیلئے اسٹیشن پہنچے تو محسوس کیا کہ ان کے ساتھ سامان اس مقررہ حد سے زیادہ ہے جو ایک مسافر کو بک کرائے بغیر اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس کھڑکی پر پہنچے جہاں سامان کا وزن کرکے زائد سامان کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے تاکہ سامان بک کرا سکیں، کھڑکی پر ریلوے کا جو اہلکار موجود تھا، وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود حضرت مولانا کو جانتا تھا، اور ان کی بڑی عزت کرتا تھا، جب حضرتؒ نے سامان بک کرنے کی فرمائش کی تو اس نے کہا کہ "مولانا! رہنے بھی دیجئے، آپ سے سامان کا کیا کرایہ وصول کیا جائے؟ آپ کو سامان بک کرانے کی ضرورت نہیں، میں ابھی گارڈ سے کہہ دیتا ہوں، وہ آپ کو زائد سامان کی وجہ سے کچھ نہیں کہے گا"۔

مولانا نے فرمایا: "یہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟" "غازی آباد تک" ریلوے افسر نے جواب دیا۔

"پھر غازی آباد کے بعد کیا ہوگا؟" مولانا نے پوچھا۔ "یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے بھی کہہ دے گا" اس نے کہا

مولانا نے پوچھا "وہ دوسرا گارڈ کہاں تک جائے گا؟" افسر نے کہا "وہ کانپور تک آپ کے ساتھ جائے گا"

"پھر کانپور کے بعد کیا ہوگا؟" مولانا نے پوچھا۔ افسر نے کہا "کانپور کے بعد کیا ہونا ہے؟ وہاں تو آپ کا سفر ختم ہو جائے گا"

حضرتؒ نے فرمایا "نہیں، میرا سفر تو بہت لمبا ہے، کانپور پر ختم نہیں ہوگا، اس لمبے سفر کی انتہا تو آخرت میں ہوگی، یہ بتایئے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اپنا سامان تم کرایہ دیئے بغیر کیوں اور کس طرح لے گئے؟ تو یہ گارڈ صاحبان میری کیا مدد کرسکیں گے؟"

پھر مولاناؒ نے ان کو سمجھایا کہ یہ ریل آپ کی یا گارڈ صاحب کی ملکیت نہیں ہے، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے ریلوے کے محکمے کی طرف سے آپ کو یا گارڈ صاحب کو یہ اختیار بھی نہیں دیا گیا کہ وہ جس مسافر کو چاہیں ٹکٹ کے بغیر یا اس کے سامان کو کرائے کے بغیر ریل میں سوار کر دیا کریں، لہٰذا اگر میں آپ کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر بغیر کرائے کے سامان لے بھی جاؤں تو یہ میرے دین کے لحاظ سے چوری میں داخل ہوگا، اور مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس گناہ کا جواب دینا پڑے گا، اور آپ کی یہ رعایت مجھے بہت مہنگی پڑے گی، لہٰذا براہ کرم مجھ سے پورا پورا کرایہ وصول کر لیجئے۔ ریلوے کا وہ اہلکار مولانا کو دیکھتا رہ گیا، لیکن پھر اس نے تسلیم کیا کہ بات آپ ہی کی درست ہے۔

ایک اور واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ پیش آیا، وہ ایک مرتبہ ریل میں سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے، لیکن دیکھا کہ جس درجے کا ٹکٹ لیا ہوا ہے، اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں، گاڑی روانہ ہونے والی تھی، اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ جا کر ٹکٹ تبدیل کروالیں، مجبوراً اوپر کے درجے کے ایک ڈبے میں سوار ہو گئے، خیال یہ تھا کہ ٹکٹ چیک کرنے والے آئے گا تو ٹکٹ تبدیل کرالیں گے، لیکن اتفاق سے پورے راستے کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا نہ آیا، یہاں تک

کہ منزل آگئی، منزل پر اتر کر دوسرے سے ٹکٹ گھر پہنچے، وہاں جا کر معلومات کیں کہ دونوں درجوں کے کرائے میں کتنا فرق ہے؟ پھر اتنی ہی قیمت کا ایک ٹکٹ وہاں سے خریدا اور وہیں پر پھاڑ کر پھینک دیا، ریلوے کے جس ہندو افسر نے ٹکٹ دیا تھا، جب اس نے دیکھا کہ انہوں نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیا ہے تو اسے سخت حیرانی ہوئی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ والد صاحب کی ذہنی حالت پر بھی شبہ ہوا ہو، اس لئے اس نے باہر آ کر ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ آپ نے ٹکٹ کیوں پھاڑا؟ والد صاحبؒ نے اسے پورا واقعہ بتایا اور کہا کہ اوپر کے درجے میں سفر کرنے کی وجہ سے یہ پیسے میرے ذمے رہ گئے تھے، ٹکٹ خرید کر میں نے یہ پیسے ریلوے کو پہنچا دیئے، اب یہ ٹکٹ بیکار تھا، اس لئے پھاڑ دیا، وہ شخص کہنے لگا کہ "مگر آپ تو اسٹیشن سے نکل آئے تھے، اب آپ سے کون زائد کرائے کا مطالبہ کر سکتا تھا" والد صاحبؒ نے جواب دیا کہ "جی ہاں، انسانوں میں تو اب کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں تھا، لیکن جس حق دار کے حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو، اس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ ضرور کرتے ہیں، مجھے ایک دن ان کو منہ دکھانا ہے، اس لئے یہ ضروری تھا"۔

یہ دونوں واقعات قیام پاکستان سے پہلے اس دور کے ہیں جب برصغیر پر انگریزوں کی حکومت تھی، اور مسلمانوں کے دل میں اس حکومت کے خلاف جو نفرت تھی وہ محتاج بیان نہیں، چنانچہ ملک کو انگریزی حکومت سے آزاد کرانے کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں، خود حضرت مولانا تھانوی برملا اس خواہش کا اظہار فرما چکے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی الگ حکومت ہونی چاہئے جس میں وہ غیر مسلموں کے تسلط سے آزاد ہو کر شریعت کے مطابق اپنا کاروبار زندگی چلا سکیں، لیکن انگریز کی حکومت سے متنفر ہونے کے باوجود اس کے قائم کئے ہوئے محکمے سے تھوڑا سا فائدہ بھی معاوضہ ادا کئے بغیر حاصل کرنا انہیں منظور نہ تھا۔

دوسروں کی اشیاء استعمال کرنے میں اسلامی تعلیمات

بات دراصل یہ ہے کہ چوری کی قانونی تعریف خواہ کچھ ہو، لیکن گناہ و ثواب کے نقطہ نظر سے کسی دوسرے کی چیز اس کی آزاد مرضی کے بغیر استعمال کرنا چوری ہی میں داخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دسیوں احادیث میں مختلف انداز سے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے، چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہے کہ:

" حُرمَةُ مَالِ المُسلِمِ کَحُرمَةِ دَمِهِ "

"مسلمان کے مال کی حرمت بھی ایسی ہی ہے جیسے اس کے خون کی حرمت" (مجمع الزوائد، ص ۱۷۲، ج ۴)

واضح رہے کہ حدیث میں اگرچہ "مسلمان" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن دوسری احادیث کی روشنی میں مسلمان حکومت کے غیر مسلم باشندے، جو اس کے معاہدے کے ساتھ رہتے ہوں، یا اس غیر مسلم حکومت کے غیر مسلم باشندے جس کے تحت مسلمان پر امن طور پر رہتے ہوں، ان کے جان و مال کا احترام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا مسلمان کے جان و مال کا احترام، لہٰذا اس لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ غیر مسلموں کی جان و مال قابل احترام نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه "

کسی مسلمان شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے (مجمع الزوائد، ص ۱۷۲، ج ۴)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں جو خطبہ دیا، اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

" لَا يَحِلُّ امْرِئٍ مِنْ مَالِ أَخِيهِ إِلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُهُ "

کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کوئی مال حلال نہیں ہے سوائے اس مال کے جو اس نے خوش دلی سے دیا ہو۔ (مجمع الزوائد ص ۱۷۲، ج ۴)

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَأْخُذَ مَالَ أَخِيهِ بِغَيْرِ حَقٍّ، وَذٰلِكَ لِمَا حَرَّمَ اللّٰهُ مَالَ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ، وَأَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ "

کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کا کوئی مال ناحق طور پر لے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کیا ہے، اور اسکو بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اسکی خوش دلی کے بغیر لے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۷۱، ج ۴)

ان تمام احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی واضح فرما دی ہے کہ دوسرے کی کوئی چیز لینے یا استعمال کرنے کے لئے اس کا خوشی سے راضی ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر کسی وقت حالات سے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے اپنی ملکیت استعمال کرنے کی اجازت کسی دباؤ کے تحت یا شرما شرمی میں دیدی ہے، اور وہ دل سے اس پر راضی نہیں ہے، تو اسکی اجازت کو اجازت نہیں سمجھا جائیگا، بلکہ اسکا استعمال بھی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

دعوت فکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو نظر آئیگا کہ نہ جانے کتنے شعبوں میں ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر ان احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، ہم چوری اور غصب بس اسی کو سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں چھپ کر داخل ہو اور اس کا سامان چرا لے، یا طاقت کا باقاعدہ استعمال کرکے اس کا مال چھینے، حالانکہ کسی کی مرضی کے خلاف اسکی ملکیت کا استعمال، کسی بھی صورت میں ہو، وہ چوری یا غصب کے گناہ میں داخل ہے۔ (جدید مسائل اسلام کا حل)

کِتَابُ الْقَضَاءِ

عدالت کے احکام

لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مختلف قسم کے نزاعات وخصومات کا فیصلہ کرنے اور حقداروں کو ان کا حق دلوانے، نیز تعزیر و سزا کے مستحق چوروں، ڈاکوؤں جیسے مجرموں کو سزا دینے کے لئے محکمہ قضا یعنی نظام عدالت کا قیام بھی انسانی معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی معاملات کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں بھی اپنے طرز عمل اور ارشادات سے پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کی زندگی میں تو اس کا سوال ہی نہیں تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ بسے اور یہاں اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہوگئی تو اس وقت نظام عدالت بھی اپنی ابتدائی سادہ شکل میں قائم ہو گیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی و رسول ہونے کے ساتھ قاضی اور حاکم عدالت بھی تھے، نزاعی معاملات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا فیصلہ فرماتے، حدود جاری کرتے یعنی سزا کے مستوجب مجرمین کو قانون خداوندی کے مطابق سزائیں دلواتے۔ قرآن مجید میں براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ (المائدہ، آیت ۴۹)

(اے پیغمبر!) آپ لوگوں (کے نزاعات و معاملات) کا فیصلہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت اور اس کے قانون کے مطابق کیا کریں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (النساء، آیت ۱۰۵)

ہم نے نازل کی آپ کی طرف "کتاب" حق (کی ہدایت) کے ساتھ تاکہ آپ لوگوں کے باہمی معاملات کا فیصلہ کریں اللہ کی رہنمائی کے مطابق۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزاعات وخصومات کے فیصلے خود فرماتے تھے نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں قاضی کی حیثیت سے مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے اور جب یمن کا علاقہ بھی اسلامی اقتدار کے دائرہ میں آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بھی وہاں قاضی بنا کر بھیجا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو جو کسی علاقہ میں عدل و انصاف کے ذمہ دار (قاضی) بنائے جائیں سخت تاکید فرمائی کہ وہ اس ذمہ داری کو اپنے امکان اور اپنی فہم و فکر کی آخری حد تک عدل و انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ انجام دینے کی

پوری کوشش کریں اور ایسا کرنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی مدد اور رہنمائی کی اور آخرت میں عظیم انعامات اور بلند درجات کی بشارتیں سنائیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر بالفرض ایسے لوگوں سے نادانستہ اجتہادی غلطی بھی ہو جائے گی تو اس پر مواخذہ نہیں ہو گا بلکہ اپنی نیک نیتی اور حق سمجھنے کی محنت و کوشش کا ان کو اجر و ثواب ملے گا۔ اور اس کے بالمقابل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانبداری اور بے انصافی کرنے والے حاکموں کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرایا اور سخت وعیدیں سنائیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حاکم اور قاضی ایسے بندگانِ خدا کو بنایا جائے جو اس منصب اور عہدے کے خواہش مند نہ ہوں، اور جو لوگ اس کے طالب اور خواہش مند ہوں ان کو ہرگز یہ منصب اور عہدہ نہ دیا جائے۔ قضا اور عدالت کے طریقۂ کار کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہنمائی فرمائی اور اس کے لئے کچھ بنیادی اصول بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (اہلِ حکومت اور ارباب اقتدار میں سے) عدل و انصاف کرنے والے بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی آخرت میں) نور کے منبروں پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے معاملات میں اور اپنے اختیارات کے استعمال کے بارے میں عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں ان اہل حکومت اور ارباب اختیار کو جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اختیارات کے استعمال اور سارے معاملات میں عدل و انصاف کا اہتمام اور اس کی پابندی کریں یہ عظیم بشارت سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا یہ اعزاز و اکرام ہو گا کہ وہ اس کے داہنی جانب نور کے منبروں پر بٹھائے جائیں گے۔ اس دنیا کے شاہی درباروں میں کسی کی کرسی کا تختِ شاہی کے داہنی جانب ہونا اس کے خاص الخاص اعزاز و اکرام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسی بناء پر اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہو گا کہ جو بندے برسرِ حکومت اور صاحبِ اختیار ہونے کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کی پوری پابندی کریں، تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کے ساتھ ایسا ہی خاص الخاص اعزاز و اکرام ہو گا ان کی نورانی نشست گاہیں (منبر کہئے یا کرسیاں) اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب ہوں گی۔

حدیث کے لفظ "عن یمین الرحمن" (خداوند رحمن کے داہنی جانب) سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح ہم لوگوں کے داہنے ہاتھ کے ساتھ دوسرا بایاں ہاتھ ہوتا ہے (جو داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں کمزور اور کمتر ہوتا ہے) اسی طرح خداوند رحمن کا بھی دوسرا بایاں ہاتھ ہو گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس حدیث میں یا اس طرح کی دوسری احادیث یا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو "یمین" یا "ید" (ہاتھ یا داہنے ہاتھ) کے الفاظ کہیں استعمال ہوئے ہیں ان سے

ہمارے جیسے ہاتھ مراد نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے "لیس کمثلہ شیء" (کوئی چیز بھی اللہ کی مثل یا مثال نہیں ہے) رہی یہ بات کہ پھر "ید" جیسے الفاظ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے بارے میں آئمہ سلف کے اس مسلک میں زیادہ سلامتی اور احتیاط ہے کہ ہم اس کا اعتراف اور اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی نوعیت اور حقیقت کی دریافت سے ہم عاجز ہیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ہیں "الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وما ولوا" یعنی یہ بشارت ان عادل و منصف بندوں کے لئے ہے جو اپنے عدالتی اور حکومتی فیصلوں میں انصاف کریں اور اپنے اہل وعیال اور اہل تعلق کے ساتھ بھی ان کا رویہ عادلانہ اور منصفانہ ہو، اور اگر وہ کسی کے ولی اور سرپرست ہوں یا کسی جائیداد یا ادارہ کے متولی اور ذمہ دار ہوں تو اس کے معاملات میں بھی عدل وانصاف کے تقاضوں کی پابندی کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل وانصاف کا حکم اور اس پر بشارت کا تعلق صرف ارباب حکومت اور حاکمان عدالت ہی سے نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں ہر شخص اس کا مکلف ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ یَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْہُ وَلَزِمَہُ الشَّیْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قاضی (یعنی حاکم عدالت) کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے (یعنی اس کی مدد اور توفیق اس کی رفیق رہتی ہے) جب تک وہ عدل وانصاف کا پابند رہے، پھر جب وہ (عدل وانصاف کی پابندی چھوڑ کے) بے انصافی کا رویہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ اس سے الگ اور بے تعلق ہو جاتا ہے (یعنی اس کی مدد اور رہنمائی اس کو حاصل نہیں رہتی) اور پھر شیطان اس کا ہمدم اور رفیق ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ حاکم اور قاضی کی نیت اور کوشش جب تک یہ رہے کہ میں حق وانصاف ہی کے مطابق فیصلے کروں اور مجھ سے بے انصافی سرزد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد اور رہنمائی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن جب خود اس کی نیت خراب ہو جائے اور ظلم و بے انصافی کا راستہ اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مدد اور رہنمائی سے محروم فرما دیتا ہے اور پھر شیطان ہی اس کا رفیق و رہنما بن جاتا ہے اور وہ اس کو جہنم کی طرف لیجانے والے راستہ پر چلاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ فَاَصَابَ فَلَہُ اَجْرَانِ وَاِذَا حَکَمَ فَاجْتَھَدَ فَاَخْطَأَ فَلَہُ اَجْرٌ وَاحِدٌ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب حاکم (کسی معاملہ کا) فیصلہ کرنا چاہے اور (حق کے مطابق اور صحیح فیصلہ کرنے کے لئے) غور وفکر اور کوشش کرے اور صحیح فیصلہ کر دے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ (ایک صحیح فیصلہ کرنے کی نیت اور کوشش ومحنت کا اور دوسرا صحیح فیصلہ کرنے کا) اور اگر اس نے حقیقت کو جاننے سمجھنے اور صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے باوجود فیصلہ غلط کر دیا تو بھی اس کو ایک اجر وثواب ملے گا (یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی نیت اور محنت کا) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ حدیث کے مطلب کی بقدر ضرورت تشریح ترجمہ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

"اس حدیث سے ایک بڑی اہم اصولی بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر حاکم اور مجتہد کسی معاملہ اور مسئلہ میں حق و صواب کو جاننے سمجھنے کی امکان بھر کوشش کرے تو اگر وہ صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تب بھی وہ عنداللہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس کی نیت حق و صواب کو سمجھنے کی تھی اور اس کے لئے اس نے غور و فکر اور محنت و کوشش بھی کی۔ اور وہ اسی کا مکلف تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق انہی لوگوں سے ہے جو اس کے اہل ہوں۔ نااہلوں کو اجتہاد کی اجازت تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ جس شخص نے قدیم یا جدید طب کا فن حاصل ہی نہیں کیا وہ اگر مطب کھول کر بیٹھ جائے اور بیماروں کا علاج کرنے لگے تو مجرم اور جیل خانہ کا مستحق ہوگا۔ ہماری زبان کی صحیح مثل ہے "نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان"۔

رشوت لینے اور دینے والے مستحق لعنت

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔۔۔ کسی مجرم کے لئے اللہ یا اس کے رسول کی طرف سے لعنت، اس سے انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اعلان اور نہایت سنگین سزا ہے۔ اللہ کی طرف سے کسی پر لعنت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خداوند رحمن و رحیم نے اس مجرم کو اپنی وسیع رحمت سے محروم کر دینے کا فیصلہ فرما دیا ہے اور اللہ کے رسول یا فرشتوں کی طرف سے لعنت کا مطلب اس شخص سے بیزاری اور اس کے ملعون ہونے کا اعلان اور اس کی رحمت سے محروم کر دیئے جانے کی بددعا ہوتی ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت لینے والوں اور رشوت دینے والوں سے اپنی انتہائی ناراضی و بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کے لئے بددعا فرمائی کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دے۔ اللہ کی پناہ! رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بدنصیب سے بیزاری کا اعلان فرمائیں اور اس کیلئے رحمت خداوندی سے محروم کئے جانے کی بددعا فرمائیں اس بدبخت کا کہاں ٹھکانا!

اس حدیث کی بعض روایتوں میں ایک لفظ "والرائش" کا اضافہ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ رشوت لینے اور دینے والے کے علاوہ اس درمیانی آدمی (دلال) پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی جو رشوت کے لین دین کا ذریعہ اور واسطہ بنے۔

ظاہر ہے قاضی اور حاکم بن جانے کے بعد اس کے بہت امکانات پیدا ہو جاتے ہیں کہ آدمی کی نیت اور اس کے اخلاق میں فساد آ جائے اور وہ ایسے غلط کام کرنے لگے جن سے اس کا دین و ایمان برباد اور آخرت خراب ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے اس سے بہت ڈرایا ہے اور حتی الوسع اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حکومتی عہدے اور عدالتی مناصب ان لوگوں کو نہ دیئے جائیں جو ان کے طالب اور خواہش مند ہوں بلکہ ایسے لوگوں کو یہ ذمہ داری سپرد کی جائے جو اس کے طالب نہ ہوں۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ. (رواہ احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قاضی (جج عدالت) بنایا گیا تاکہ لوگوں کے مقدمات و نزاعات کا فیصلہ کرے تو وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (مسند احمد)

تشریح ..... جس آدمی کو چھری سے ذبح کیا جائے وہ ایک منٹ میں ختم ہو جائے گا لیکن اگر کسی کو چھری کے بغیر ذبح کرنے کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے اس کا جلدی کام تمام نہ ہو سکے گا اور اس کی تکلیف طویل اور شدید ہوگی۔ حدیث کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ قاضی اور حاکم عدالت بننا اپنے کو بڑی آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کرنا ہے اور اس منصب اور ذمہ داری کے قبول کرنے والے کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سر پر کانٹوں کا تاج رکھ رہا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ ایسا زمانہ بھی آنے کا کہ تم لوگ حکومت اور اس کے عہدوں کی حرص کرو گے اور وہ قیامت کے دن ندامت و پشیمانی کا باعث ہوگی۔ بڑی اچھی لگتی ہے حکومت کی آغوش میں لے کر دودھ پلانے والی، اور بہت بری لگتی ہے دودھ چھڑانے والی۔ (صحیح بخاری)

تشریح ... اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں حکومت اور اس کے عہدے حاصل کرنے کا شوق اور اس کی حرص پیدا ہوگی۔ ایسے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہی دی کہ یہ حکومت قیامت میں سخت ندامت اور پشیمانی کا باعث ہوگی جب ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حکومت کا حساب دینا ہوگا۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حکومت جب کسی کو ملتی ہے تو بڑی اچھی لگتی ہے جیسے بچہ کو دودھ پلانے والی دایہ اچھی لگتی ہے اور جب وہ اس سے جاتی ہے (خواہ موت کے وقت یا زندگی ہی میں اس سے محروم یا دست بردار ہونا پڑے) تو بہت بری لگتی ہے جیسے کہ دودھ چھڑانے والی دایہ بچہ کو بہت بری لگتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت کے شوقین اور دلداہ لوگوں کو اس کے اخروی انجام سے غافل نہ ہونا چاہئے، قیامت میں ان کو اپنے زیر حکومت لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کے حقوق کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات کا یہ اثر تھا کہ بہت سے صحابہ کرام حکومتی اور عدالتی عہدوں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی بنانا چاہا لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

قاضیوں کے لئے اہم ہدایات

مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو رہنما اصول مقرر فرمائے اور جو ہدایات دیں ان سے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَمَّا بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ اَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَاِنْ لَمْ

تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلَا آلُو قَالَ فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللهِ. (رواه الترمذي وابوداؤد والدارمي)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قاضی بنا کر یمن کے لئے روانہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ اور قضیہ پیش ہوگا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب (قرآن مجید کی ہدایت) کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تمہیں (اس کے بارے میں کوئی حکم اور ہدایت) نہ ملے؟ (تو کیا کرو گے) انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں تمہیں (اس بارے میں) حکم اور ہدایت نہ ملے (تو کیا کرو گے؟) انہوں نے عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لوں گا اور اجتہاد کروں گا اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا سینہ ٹھوکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

تشریح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان چند ممتاز صحابہ کرام میں سے ہیں جن کو اپنے صائب عمدہ مزاج اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طویل صحبت اور خصوصی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں کتاب و سنت کے علم اور تفقہ فی الدین میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دور میں ان کو یمن کا قاضی اور حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کار کے مسلسل مطالعہ سے ان کو یہ اصول معلوم ہو چکا تھا کہ جب کوئی فیصلہ طلب معاملہ پیش آئے تو اسکے بارے میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اگر وہاں سے ہدایت نہ مل سکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کار سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، وہاں بھی نہ ملے تو کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد و قیاس کیا جائے۔ تو جب آنحضرت نے ان کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو امتحان کے طور پر ان سے دریافت کیا کہ تمہارے سامنے جو معاملات و مقدمات آئیں گے تم ان کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ انہوں نے اس کا وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شاباش دی، ان کا سینہ ٹھونکا، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی اور منشاء کے مطابق جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور صحبت سے اچھا استفادہ کیا ہے۔

یہ حدیث اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے کہ دین و شریعت میں اجتہاد و قیاس کی یہ سب سے زیادہ واضح بنیاد ہے، اور امت کے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین نے اسی حدیث کو بنیاد بنا کر اجتہاد و قیاس سے کام لیا ہے اور ان ہزاروں مسائل و معاملات کا فیصلہ کیا ہے جن کے بارے میں واضح ہدایت اور حکم کتاب و سنت میں نہیں ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ

حَتّٰی تَسْمَعَ کَلَامَ الْاٰخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِیْ کَیْفَ تَقْضِیْ، قَالَ عَلِیٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِیًا بَعْدُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، جب تمہارے پاس دو آدمی (کوئی نزاعی معاملہ اور مقدمہ لے کر) فیصلہ کرانے آئیں تو تم پہلے فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ دے دو جب تک کہ دوسرے کا بیان نہ سن لو، ایسا کرو گے تو تم سمجھ لو گے اور جان لو گے کہ تم کس طرح اور کیا فیصلہ کرو"

حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں برابر قاضی رہا ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کو قاضی بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میری عمر بہت کم ہے اور میں مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنا نہیں جانتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور رہنمائی فرمائے گا اور تم سے صحیح فیصلہ کرائے گا اور ساتھ ہی یہ اصولی ہدایت فرمائی کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے آئے تو جب تک تم دونوں فریقوں کا بیان نہ سن لو اس وقت تک کوئی رائے قائم نہ کرو اور نہ فیصلہ دو۔ جب دونوں کی بات سننے کے بعد معاملہ پر غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہو گی اور صحیح فیصلہ کی توفیق ملے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں جو فرمایا تھا اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ مقدمات و نزاعات کے فیصلے کے باب میں طبقہ صحابہ میں آپ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا اور آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْلُ لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اِثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانُ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی قاضی اور حاکم (کسی معاملہ کا فیصلہ) ایسی حالت میں ہرگز نہ کرے کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح..... غصہ کی حالت میں آدمی کا ذہنی توازن صحیح نہیں ہوتا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ ایسی حالت میں کوئی حاکم عدالت کسی مقدمہ اور قضیہ کا فیصلہ نہ کرے، ایسے وقت غور و فکر کر کے رائے قائم کرے اور فیصلہ کرے جب دماغ ٹھنڈا اور اعتدال و سکون کی حالت میں ہو۔ (اور اگر حاکم کو خود مقدمہ کے کسی فریق پر غصہ ہو تو اس کا بھی خطرہ ہے کہ فیصلہ میں ناانصافی ہو جائے)

اگر کوئی شخص حاکم اور قاضی کی عدالت میں کسی دوسرے آدمی کے خلاف کوئی دعویٰ یا شکایت کرے تو خواہ دعویٰ کرنے والا کتنا ہی صالح اور کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو محض اس کے دعوے کی بنیاد پر قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکے گا، اسلامی قانون میں ہر دعوے کے لئے ضابطہ کے مطابق ثبوت اور شہادت ضروری ہے۔ اگر مدعی شہادت اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے کہا جائے گا کہ اگر اس کو دعویٰ تسلیم نہیں ہے تو وہ حلف کے ساتھ کہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعا علیہ اس طرح کے حلف سے انکار کرے تو دعویٰ صحیح سمجھ کے ڈگری کر دیا جائے گا اور اگر وہ حلف کے ساتھ مدعی کے دعوے کو غلط قرار دے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا۔ یہ عدالتی قانون اور ضابطہ ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ہدایت فرمائی اور جو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کار بھی تھا۔

عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْيَهُودِيِّ احْلِفْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِذًا يَحْلِفُ وَيَذْهَبُ بِمَالِي فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک زمین میری اور ایک یہودی کی مشترکہ ملکیت تھی، اس نے میری ملکیت سے انکار کر دیا (اور کہا اس کا مالک بس میں ہوں) تو میں اس یہودی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا (اور اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کیا) آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل (یعنی گواہ شاہد) ہے؟" میں نے عرض کیا کوئی گواہ شاہد تو نہیں ہے۔ آپ نے یہودی سے فرمایا کہ (اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو) تو قسم کھاؤ (کہ زمین میں مدعی کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ میری ہے) اشعث کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت یہ یہودی (جھوٹی) قسم کھا لے گا اور میرا مال یعنی میری جائیداد ہڑپ کر لے گا۔ تو اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی "إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ .... وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو توڑ کر) اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے ذریعہ "ثمن قلیل" یعنی دنیا کا تھوڑا سا نفع حاصل کرتے ہیں، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی بات نہ فرمائے گا اور وہ اس کی نگاہ کرم سے بھی محروم رہیں گے اور وہ ان کو پاک صاف بھی نہ کرے گا اور ان کو نہایت دردناک عذاب ہوگا۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قضیہ میں مدعی مسلم اور مدعا علیہ غیر مسلم ہو تب بھی اس قانون کے مطابق کارروائی کی جائے گی اور مدعی کے پاس ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں اگر غیر مسلم مدعا علیہ قسم کے ساتھ انکاری بیان دے گا تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اگر فی الواقع اس نے بددیانتی کی ہے اور جھوٹا حلفیہ بیان دیا ہے تو آخرت میں وہ اس کی سخت ترین سزا پائے گا۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا غَلَبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِي وَفِي يَدِي لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِينُهُ؟ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَمَّا أَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلَى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ۔ (رواہ مسلم)

علقمہ بن وائل نے اپنے والد وائل کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص حضر موت کے رہنے والے اور ایک قبیلہ کندہ کے (اپنا مقدمہ لے کر) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرمی نے (جو مدعی تھا) عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کندی نے میری ایک زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ کندی نے جو (جو مدعا علیہ تھا) جواب

میں کہا کہ وہ زمین فی الواقع میری ہی ملکیت ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدعی حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دعوے کی دلیل (گواہ شاہد) ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ گواہ شاہد تو نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو تم کو صرف یہ حق ہے کہ اپنے مدعا علیہ کندی سے قسم لے لو۔ حضرمی نے عرض کیا کہ حضرت یہ آدمی تو فاجر (بدکار و بدچلن اور بددیانت) ہے اس کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کس بات کی قسم کھا رہا ہے اور کسی بھی (بری) بات سے اس کو پرہیز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (کچھ بھی ہو جب تمہارے پاس دعوے کے گواہ شاہد نہیں ہیں تو) تم کو بس یہی حق ہے کہ اس آدمی سے قسم لے لو! تو جب وہ کندی حلف اٹھانے کے لئے دوسری طرف کو چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس کو آگاہی دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اگر اس نے حضرمی کا مال ظالمانہ اور ناجائز طور پر ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تو اللہ کے حضور میں یہ اس حال میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ (غضب و ناراضی کی وجہ سے) اس کی طرف سے رخ پھیر لیں گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... بلاشبہ آخرت میں کسی بندے کی یہ انتہائی بدبختی اور بدنصیبی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ غضب و ناراضی کی وجہ سے اس کی طرف سے رخ پھیر لیں، یہ اس کے مردود بارگاہ اور ناقابل معافی ہونے کی علامت ہوگی۔ اس سے پہلی اشعث بن قیس کی حدیث میں ایسے لوگوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو آیت تلاوت فرمائی تھی (اولئک لاخلاق لهم في الآخرة ولا يكلمهم الله ولهم عذاب اليم) وائل کی اس حدیث میں وهو عنه معرض اسی کی اجمالی تعبیر ہے اور آیت کا مضمون گویا اس کی تفصیل ہے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ایک جملہ یہ تھا "فانطلق ليحلف فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لما أدبر. الخ" جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ "جب وہ کندی حلف اٹھانے کیلئے دوسری طرف کو چلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غالباً اس کندی سے کہا گیا ہوگا کہ مسجد چل کر نماز کے بعد سب کے سامنے قسم کھاؤ یا یہ کہ منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھاؤ۔ تو جب وہ قسم کھانے کیلئے ادھر کو چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو آگاہی دی کہ جو کوئی جھوٹی قسم کھا کر پرایا مال ناجائز طور پر حاصل کرے گا۔ آخرت میں اس کا یہ انجام ہوگا۔ صحیح مسلم کی اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ پھر اس شخص نے قسم کھائی یا قسم کھانے سے باز آ گیا۔ لیکن سنن ابی داؤد میں حضرمی اور کندی کے اسی مقدمے سے متعلق اشعث بن قیس کی ایک حدیث ہے، اس کے آخر میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کے برے انجام کی وعید سنائی تو کندی قسم کھانے سے رک گیا اور اس نے اقرار کر لیا کہ وہ زمین مدعی حضرمی ہی کی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیا۔

جھوٹے دعوے اور جھوٹی قسم کھانے والوں کیلئے وعید

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مسلمٍ بِيَمِيْنِهِ فَقَدْ اوجب الله له النار وحرم عليه الجنة فقال له رجل وان كَانَ شَيْئًا يسيرا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ. (رواه مسلم)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جھوٹی قسم کھا

کرکسی مسلمان کا کوئی حق مارا (اور عدالتی فیصلے سے اس کی کوئی چیز حاصل کرلی) تو اللہ نے اس شخص کے لئے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت حرام۔ ایک شخص نے سوال کیا یارسول اللہ اگرچہ وہ چیز بالکل معمولی اور تھوڑی سی ہو (تب بھی ایسی سزا ہوگی؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ (جنگلی درخت) پیلو کی ایک ٹہنی ہی ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے عدالت میں جھوٹی قسم کھا کے کسی دوسرے بندے کی بالکل معمولی اور بے قیمت چیز بھی حاصل کی تو اس نے بھی اتنا بڑا گناہ کیا جس کی سزا میں اس کو دوزخ کا عذاب ضرور بھگتنا ہوگا اور مومنین صالحین والی جنت سے محروم رہے گا۔

حدیث میں "من اقتطع حق امرء مسلم" فرمایا گیا، یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ کا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عموماً مسلمانوں ہی کے باہمی مقدمات آتے تھے۔ ورنہ کسی غیر مسلم کی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر حاصل کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی چیز حاصل کرنا۔ اس کی واضح دلیل قرآن پاک کی وہ آیت ہے جس کا حوالہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک حدیث میں جو پہلے درج ہو چکی ہے) جھوٹی قسم کے عذاب ہی کے سلسلہ میں دیا ہے۔ یعنی

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. (آل عمران ۷۷)

ایک اہم بات

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چالاک مقدمہ باز آدمی دوسرے کی چیز پر جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا ایسا ثبوت پیش کرتا ہے کہ قاضی اس کو برحق سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے۔ اور اسی طرح کبھی کوئی جھوٹا مدعا علیہ اپنی چرب زبانی سے اور جھوٹی قسم کھا کر اپنی سچائی کا قاضی کو یقین دلا دیتا ہے اور وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے، تو قاضی شریعت کے اس فیصلہ سے وہ چیز اس جھوٹے مدعی یا مدعا علیہ کیلئے حلال و جائز نہیں ہو جاتی، حرام ہی رہتی ہے اور جھوٹا مقدمہ لڑانے اور جھوٹی قسم کھانے سے وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک بشر ہوں اور کسی مقدمہ باز کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر مجھ سے بھی ایسا فیصلہ ہو سکتا ہے تو میرے فیصلے سے بھی وہ چیز اس کیلئے حلال نہ ہوگی حرام ہی رہے گی۔ حدیث یہ ہے:

عن ام سلمة ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال انما انا بشر وانكم تختصمون الىّ ولعل بعضكم ان يكون الحن بحجته من بعض فاقضى له على نحو ما اسمع منه فمن قضيت له بشئ من حق اخيه فلا ياخذنه فانما اقطع له قطعة من النار. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں، اور تم لوگ میرے پاس اپنے نزاعات اور مقدمات لاتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک زیادہ اچھا بولنے والا اور مؤثر انداز میں تقریر کر کے اپنی دلیل پیش کرنے والا ہو دوسرے سے، اور پھر میں اس کی بات سن کر اسی کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو اس طرح میں جس کے لئے اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو ہرگز نہ لے (اس کے جھوٹے دعوے یا جھوٹی قسم کے نتیجہ

میں اس کو جو دے رہا ہوں وہ (اس مسلم کے لحاظ سے) اس کے واسطے دوزخ کا ایک حصہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح... مطلب یہ ہے کہ میں ایک انسان اور بندہ ہوں عالم الغیب نہیں ہوں، ہو سکتا ہے کہ کسی مدعی یا مدعا علیہ کی تقریر واستدلال سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ دیدوں اور فی الواقع وہ اس کا حق نہ ہو تو میرے فیصلہ سے بھی دوسرے فریق کی چیز اس کیلئے حلال اور جائز نہ ہوگی بلکہ وہ اس کے حق میں دوزخ ہوگی۔

جھوٹی قسم شدید ترین گناہ کبیرہ

عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ صَلوٰةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ. (رواہ ابوداؤد)

خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک دن) صبح کی نماز پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو (اٹھ کر) کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر کر دی گئی۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (قرآن پاک کی) یہ آیت پڑھی، "فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير مشركين به." (اے لوگو! بت پرستی کی گندگی سے بچو، اور جھوٹی گواہی سے بچو، یکسوئی کے ساتھ بس اللہ کے ہو کے اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ ہو۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو آیت اس خطاب میں تلاوت فرمائی اس میں شرک وبت پرستی کے ساتھ "قول زور" سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دونوں کے لئے امر کا ایک ہی صیغہ اور ایک ہی کلمہ "اجتنبوا" استعمال فرمایا گیا ہے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سمجھا اور مخاطبین کو سمجھایا کہ شہادت زور (جھوٹی شہادت) ایسا ہی گندہ اور خبیث گناہ ہے جیسا کہ شرک وبت پرستی اور ایمان والوں کو اس سے ایسا ہی پرہیز کرنا چاہئے جتنا کہ شرک وبت پرستی سے۔

جن کی شہادت مردود ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ وَرَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِاَهْلِ الْبَيْتِ. (رواہ ابوداؤد)

عمرو بن شعیب نے اپنے والد شعیب سے نقل کیا اور انہوں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما) سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے کسی مرد اور (اسی طرح) خیانت کرنے والی کسی عورت کی شہادت درست نہیں (یعنی قابل قبول نہیں) اور کسی زانی اور زانیہ کی شہادت بھی قابل قبول نہیں) اور کسی دشمنی رکھنے والے کی شہادت بھی اس بھائی کے خلاف جس سے اس کی دشمنی ہو قابل قبول نہیں اور جو شخص (اپنی روزی اور ضروریات زندگی کیلئے) کسی گھرانے سے وابستہ ہو کر پڑ گیا ہو اس گھر والوں کے حق میں اس کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناقابل قبول قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث میں پہلے خیانت اور زنا کا ارتکاب کرنے والے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی شہادت قابل قبول نہیں۔ ان دونوں گناہوں کو بطور مثال کے سمجھنا چاہئے، اصول اور قانون یہ ہوگا کہ جو شخص ایسے کبائر اور فواحش کا مرتکب ہو، دوسرے لفظوں میں فاسق و فاجر ہو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ ایسے گناہوں کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے اس لئے اس کی سچائی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی دشمنی رکھنے والے کی مخالفانہ گواہی کے قابل قبول نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ اسی طرح جو آدمی کسی گھرانے سے وابستہ ہو، اس کا رہنا سہنا، کھانا پینا انہیں کے ساتھ ہو وہ گویا اسی گھرانے کا ایک فرد ہے اس لئے اس گھرانے کے حق میں اس کی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی، اس سے معلوم ہو گیا کہ گھر والوں کی بدرجہ اولیٰ قابل رد ہوگی۔

خلافت و امارت کے احکام

جیسا کہ معلوم ہے "اسلام" انسانی زندگی کے سارے ہی شعبوں پر حاوی ہے۔ وہ عقائد و ایمانیات، عبادات، اخلاق، آداب معاشرت اور معاملات کی طرح نظام حکومت کے بارے میں بھی اپنے پیروؤں کی رہنمائی کرتا اور احکام و ہدایات دیتا ہے، بلکہ سلطنت و حکومت کا شعبہ اس کا اہم ترین شعبہ ہے کیونکہ دوسرے بہت سے شعبوں کا وجود اس سے وابستہ اور اسی پر موقوف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے طرز عمل اور ارشادات سے اس شعبہ کے بارے میں بھی امت کی پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہوگئی تو غیر رسمی طور پر ایک چھوٹی سی حکومت بھی قائم ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی و رسول ہونے کے ساتھ اس حکومت کے سربراہ اور فرمانروا بھی تھے، ہجرت کے بعد تقریباً دس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں رہے، اس مدت میں اس حکومت کا دائرہ و اقتدار برابر وسیع ہوتا رہا اور تیزی سے وسیع ہوا یہاں تک کہ حیات مبارک کے آخری دور میں پورا عرب بلکہ یمن اور بحرین کے علاقے بھی اس حکومت کے زیر اقتدار آ گئے۔ ان دس سالوں میں اس دور کے معیار کے مطابق وہ سب ہی کام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں سے کرائے جو حکومت کے سربراہوں ہی کے کرنے کے ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلاء کلمۃ اللہ اور اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والی دشمن طاقتوں سے جہاد بھی کیا، اس سلسلے میں فوجی مہمیں اور فوجی دستے بھی بھیجے۔ صلح کے معاہدے بھی کئے، جزیہ اور خراج اور زکوٰۃ کی وصولی کا نظام بھی قائم فرمایا۔ زیر اقتدار آ جانے والے علاقوں میں قاضی، والی اور عامل بھی مقرر کئے اور ان سب کاموں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات میں اسلامی حکومتوں اور ان کے سربراہوں کے لئے اصولی درجہ میں پوری رہنمائی موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ خواص اصحاب و رفقاء میں سے جو چار حضرات یکے بعد دیگرے اس حکومتی نظام کو چلانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہوئے۔ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم) انہوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے

ہوئے امکان بھر اس کی کوشش کی کہ حکومت سے متعلق سارے معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور طریقوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کی پوری پابندی اور پیروی کی جائے۔ ان کا یہی وہ امتیاز ہے جس کی وجہ سے ان کو ''خلفائے راشدین'' کہا جاتا ہے۔ ''خلافت راشدہ'' وہی حکومت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی حتی الامکان پوری پابندی و پیروی کی جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰہَ وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيْرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِي وَإِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰہِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذَلِكَ أَجْرًا وَإِنْ قَالَ بِغَيْرِهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور امام (یعنی اسلامی حکومت کا سربراہ) سپر اور ڈھال ہے قتال کیا جاتا ہے اس کے پیچھے سے اور اس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاتا ہے پس اگر وہ خدا ترسی اور پرہیزگاری کا حکم کرے اور عدل وانصاف کا رویہ اختیار کرے تو اس کے لئے اس کا بڑا اجر وثواب ہے اور اگر وہ اس کے خلاف بات کرے تو اس پر اس کا وبال وعذاب پڑے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح..... قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' (جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی) کیونکہ اللہ کے رسول جو احکام دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے اس لئے ان کے احکام کی تعمیل اللہ تعالیٰ کے احکام ہی کی تعمیل ہے اور ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ پھر چونکہ اللہ ہی کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت یہ ہے کہ امیر کی اطاعت کی جائے اور اس کا حکم مانا جائے (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہو) تو امیر کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہوگی اور اس کی نافرمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی ہوگی۔ ملحوظ رہے کہ عربی میں خاص کر قرآن وحدیث کی زبان میں ''امیر'' کے معنی حکمراں کے ہیں۔

بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا خاص مقصد ومدعا امیر (حاکم وقت) کی اطاعت فی المعروف کی اہمیت جتلانا ہے کہ اس کی فرمانبرداری اور نافرمانی اللہ کے رسول کی اور بالواسطہ خود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ امیر بمنزلہ سپر اور ڈھال کے ہے، سپر اور ڈھال کے ذریعہ اپنی حفاظت اور دشمن کے حملے سے بچاؤ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام وقت (اسلامی حکومت کا سربراہ) مسلمانوں کا اور دین کا محافظ اور پاسبان ہے یہ حفاظت اور دفاع اس کی خاص ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں جہاد وقتال کی نوبت آئے گی۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی وفاداری اور اطاعت کریں اس کے حکم کو مانیں۔ اس کے بغیر وہ دفاع اور حفاظت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔

آخر میں ان امراء (اصحاب حکومت) کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ تقویٰ اور عدل وانصاف کو لازم پکڑیں یعنی ہمیشہ یہ بات ان کے پیش نظر رہے کہ خدا ہر وقت اور ہر حال میں ہم کو دیکھ رہا ہے اور قیامت میں اس کے حضور میں پیشی ہوگی اور امیر وحاکم کی حیثیت سے جو

کچھ ہم نے یہاں کیا ہوگا اس کا جزا آخرت ہی میں ہوگا اس سے بھی غافل نہ ہوں اور عدل و انصاف پر قائم رہنے کی پوری کوشش کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو آخرت میں بڑا اجر پائیں گے اور اگر اس کے خلاف چلیں گے تو اس کا شدید عذاب وہاں بھگتنا پڑے گا۔

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا راعی (یعنی حاکم و نگراں) بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری پوری نہ کرے تو وہ حاکم جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور حکمران کا فرض ہے کہ جو لوگ اس کے زیر حکومت ہیں ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے، اگر عوام کی خیر خواہی میں کوتاہی کرے گا تو جنت سے بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بعض حدیثوں میں بھی امیر یعنی صاحب حکومت کو "راعی" اور اس کے زیر حکومت عوام کو "رعیت" کہا گیا ہے۔ اصل عربی زبان میں راعی کے معنی چرواہے اور نگہبان کے ہیں اور "رعیت" وہ ہے جس کو وہ چرائے اور جس کی حفاظت و نگہبانی اس کے ذمہ ہو۔ صرف یہی دو لفظ یہ بتلانے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام میں حکومت و امارت کا کیا تصور ہے اور حکمرانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ چرواہے ان جانوروں کو جن کا چرانا اور جن کی نگہبانی ان کے ذمہ ہوتی ہے سرسبز چراگاہوں میں لے جاتے ہیں، درندوں اور چوروں، بھیڑیوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور شام کو گھر واپس لاتے ہیں، اسی طرح ان کو کھلانا پلانا اور ان کی دیکھ بھال ہی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ ان حدیثوں نے بتلایا کہ اسلام میں یہی حیثیت خلیفہ اور حکمران کی ہے وہ عوام کا محافظ اور رکھوالا ہے اور ان کی ضروریات کی فکر اس کی ذمہ داری ہے اور اگر وہ اس سلسلہ میں بے پروائی برتے گا تو اللہ کے نزدیک مجرم ہوگا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ أَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا مِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُوْنَ ذَوِي الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ إِلَّا أَغْلَقَ اللّٰهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ. (رواہ الترمذی)

حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جو حکمران ضرورت مندوں اور غریب مسکینوں کے لئے اپنا دروازہ بند کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت اس کی ضرورت اور اس کی مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کر لے گا (یعنی اس کی ضرورت مندی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد نہیں ہوگی)۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کا بھی طریقہ یہی تھا کہ اصحاب حاجت بلا روک ٹوک ملاقات کر سکتے تھے اور اپنے مسئلے پیش کر سکتے تھے، ان کے لئے دروازہ بند نہیں رہتا تھا۔ لیکن جب خوارج کی طرف سے خفیہ حملوں کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی لگا دی، اسی موقع پر حدیث کے راوی حضرت عمرو بن مرہؓ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا، اسی روایت میں آگے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سننے کے بعد حضرت معاویہؓ نے دروازہ پر ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جو لوگوں کی حاجات و ضروریات معلوم کر کے حضرت معاویہ تک پہنچاتا تھا۔

عورت کی سربراہی

عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَنَّ اَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوْا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى قَالَ لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً. (رواه البخاری)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ شاہ فارس کی بیٹی کو اپنا بادشاہ اور فرمانروا بنا لیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے ایک عورت ذات کو اپنا حکمراں اور فرمانروا بنایا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت میں جو کھلا ہوا فرق ہے وہ اس کی روشن دلیل ہے کہ عورت کی تخلیق ملک و قوم پر حکمرانی جیسے کاموں کے لئے نہیں ہوئی ہے، اگر کہیں کہیں اس کے خلاف عمل میں آتا ہے تو وہ بلاشبہ فطرت کے خلاف ہے، اور ان خلاف فطرت کاموں میں سے ہے جو دنیا میں ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

جانشین اور خلیفہ کا مسئلہ

دور حاضر کے مغربی نظام جمہوریت سے مرعوبیت کے نتیجہ میں جو کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ "اسلامی نظام" میں استخلاف (یعنی سربراہ حکومت کی طرف سے اپنے جانشین کی نامزدگی) کی گنجائش نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف مرعوبیت کی پیداوار ہے۔ استخلاف اور نامزدگی کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا انحصار حالات اور اشخاص پر ہے، اگر خلیفہ وقت (موجودہ سربراہ حکومت) کسی شخص کے بارے میں پوری دیانتداری کے ساتھ سو فیصدی مطمئن ہے کہ اس منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت ہے اور عوام بھی اس کی سربراہی کو بخوشی قبول کر لیں گے تو اس صورت میں خلافت کے لئے اس کی نامزدگی نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہوگی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی صورت حال میں خلیفہ نامزد کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں صدیق اکبرؓ کی نامزدگی کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انکشاف و یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین صدیق اکبرؓ ہی ہوں گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہی مسلمانوں کا فیصلہ ہوگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو باضابطہ نامزد نہیں کیا۔ اگرچہ اپنے مرض وفات میں اپنی جگہ انہی کو امام نماز بنا کر اس طرف کھلا اشارہ فرما دیا۔

الغرض اگر خلیفہ برحق دین اور امت کے حق میں کسی اہل کی نامزدگی کو بہتر سمجھے تو اس کا حق ہے اور اس طرح وہ نامزد شخص خلیفہ برحق ہوگا۔ اور اگر خود نامزد کرنے کے بجائے ارباب حل و عقد کی ایک مجلس کو انتخاب کا اختیار دینا مناسب سمجھے اور ایسا کرے تو یہ بھی صحیح ہوگا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اور اگر کسی وقت انتخاب کے دائرہ کو امت کے عام اہل دین و فہم کی حد تک وسیع کرنا مناسب سمجھا جائے تو ایسا کرنا بھی درست ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کے طرز عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل قابل لحاظ چیز مقصد ہے، استخلاف اور انتخاب میں کوئی خاص طریقہ

اور ضابطہ متعین نہیں ہے اور دونوں مقاصد اور شرعی حدود و احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے حالات کے مطابق تجویز کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِیْ مَرَضِهٖ اُدْعِیْ لِیْ اَبَابَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَّيَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا وَيَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں مجھ سے فرمایا کہ (اے عائشہ!) اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن بن ابی بکر) کو میرے پاس بلوا دو تاکہ میں (خلافت کے بارے میں) تحریر لکھوا دوں، مجھے اندیشہ ہے کہ (خلافت کی) تمنا رکھنے والا کوئی آدمی اس کی تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں ہوں اس کا مستحق اور دوسرا نہیں ہوگا مستحق، اور اللہ تعالیٰ کو اور مومنین کو ابوبکر کے سوا کوئی منظور نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں یہ ارادہ فرمایا تھا کہ اپنے بعد خلیفہ کی حیثیت سے ابوبکر صدیق کو نامزد فرما دیں اور "خلافت نامہ" تحریر کرا دیں اور اس کی تکمیل کے لئے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلوانا بھی چاہا تھا لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ انکشاف و یقین ہوگیا کہ مشیت الٰہی میں یہی طے ہوچکا ہے اور میرے بعد اہل ایمان ابوبکر کے سوا کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہی مناسب سمجھا کہ میری نامزدگی کے بغیر ہی اہل ایمان کے انتخاب سے وہ خلیفہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ بہرحال اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ استخلاف اور نامزدگی بھی ایک طریقہ ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوچا تھا اور اس کا اظہار فرمایا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو غالباً ان کے سامنے دلیل کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی ارادہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کیلئے خلیفہ نامزد کرنے کے بجائے مسئلہ کو ایک مجلس شوریٰ کے سپرد کیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے روشنی حاصل کی۔ الغرض اسی ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ استخلاف و نامزدگی بھی درست ہے اور انتخاب بھی۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ صرف ۳۰ سال

عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِى اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت النبوۃ (یعنی نبوی اصول و طریق کار کی پابندی کے ساتھ نظام حکومت کی سربراہی) صرف ۳۰ سال تک رہے گی اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بات منکشف کردی گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ یعنی ممکن حد تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصول اور طور طریقوں کے ساتھ نظام حکومت صرف ۳۰ سال تک چلے گا۔ اس کے بعد بادشاہی اور حکمرانی کا دور آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ٹھیک تیسویں سال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ آپ کے بعد آپ

کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین اور خلیفہ ہوئے لیکن انہوں نے چند ہی مہینے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشین گوئی کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت حسنؓ کی خلافت کے یہ چند مہینے شامل کرنے جائیں تو پورے تیس سال ہو جاتے ہیں۔ خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافت راشدہ، جس کو اس حدیث میں "خلافۃ النبوۃ" کہا گیا ہے بس ان تیس سالوں تک رہی۔ اس کے بعد طور طریقوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا اور رشد و ہدایت والی خلافت علی منہاج النبوۃ کی جگہ بادشاہت کا رنگ آ گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا، جس کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اطلاع دی اور وہی وقوع میں آیا۔ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ہی ذریعہ ہوا تھا۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کا صحیح طریقہ

عَنْ عِيَاضِ بْنِ غَنْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْصَحَ لِذِيْ سُلْطَانٍ بِأَمْرٍ فَلَا يُبْدِهِ عَلَانِيَةً وَلٰكِنْ لِيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَيَخْلُوَ بِهِ فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ وَإِلَّا كَانَ قَدْ أَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ. (رواہ احمد)

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی صاحب حکومت کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اعلانیہ (اور دوسروں کے سامنے) نصیحت نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تنہائی میں اپنی بات اس کے سامنے رکھے۔ پھر اگر وہ اس کو قبول کر لے اور مان لے تو فبہا (یعنی مقصد حاصل ہو گیا) اور اگر اس نے نصیحت قبول نہ کی تو اس نصیحت کرنے والے نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (مسند احمد)

تشریح۔ بے شک حکمت نصیحت کا تقاضا یہی ہے کہ خاص کر اہل حکومت اور اصحاب وجاہت کو نصیحت ان سے تنہائی میں ملاقات کر کے کی جائے، یہ طرز عمل مخاطب کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے کہ نصیحت کرنے والا مخلص اور میرا خیر خواہ ہے اور اگر اچھی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت سے اس کا دل بالکل خالی اور محروم نہیں ہے تو قبول کرنے کی پوری امید ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اعلانیہ اور دوسروں کے سامنے نصیحت میں وہ اپنی توہین محسوس کر سکتا ہے اور اس کا ردعمل بہت برا بھی ہو سکتا ہے۔ راز دارانہ خط و کتابت کے ذریعہ نصیحت کرنا بھی تنہائی کی ملاقات ہی کے حکم میں ہے۔

اہل حکومت سے معاملہ

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِيْ يَدِيْ وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا أَطَاعُوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّأْفَةِ وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا عَصَوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ

وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تُشْغِلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَلٰكِنْ اشْغِلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَيْ أَكْفِيَكُمْ مُلُوْكَكُمْ۔ (رواه ابو نعيم في الحلية)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں، میں حکمرانوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہان عالم کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (اور میرا قانون ہے کہ) جب میرے بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کے ساتھ ان بندوں پر متوجہ کر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے قلوب کو خفگی اور عذاب کے ساتھ ان بندوں کی طرف موڑ دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں، پس تم اپنے کو حکمرانوں کے لئے بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ اپنے کو میری یاد میں اور میری بارگاہ میں الحاح و زاری میں مشغول کر دو تاکہ تمہارے لئے کافی ہو جاؤں حکمرانوں کے عذاب سے نجات دینے کے لئے۔ (حلیہ ابو نعیم)

تشریح ..... اس دنیا میں جو اچھے برے حالات آتے ہیں تو ان کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جن کو دنیا کی عام سمجھ رکھنے والے سمجھ لیتے ہیں اور کچھ مخفی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود خداوند تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے کہ بندوں پر دنیا میں جو اچھے برے حالات ان کے حکمرانوں کی طرف سے آتے ہیں وہ دراصل ان کے اعمال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، میں بادشاہوں کا بادشاہ اور سب حاکموں کا حاکم ہوں۔ سب حکمرانوں کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں اور میرا یہ قانون و دستور ہے کہ جب بندوں کی عام زندگی اطاعت و فرمانبرداری کی ہوتی ہے تو میں ان کے حاکموں کے قلوب میں ان کے لئے رحمت و شفقت ڈال دیتا ہوں تو ان کا برتاؤ رحمت و شفقت کا ہوتا ہے اور اگر ان کی زندگی نافرمانی و بدکرداری کی ہوتی ہے اور معصیت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں ان کے حکاموں کے قلوب میں ان کے لئے غصہ اور تکلیفیں دینے کا جذبہ ڈال دیتا ہوں پھر وہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں اور ستاتے ہیں تو دراصل یہ میرا عذاب ہوتا ہے، تمہارے احکام صرف آلۂ کار ہوتے ہیں۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جب حاکموں سے تم کو تکلیفیں پہنچیں تو ان کے لئے بددعائیں نہ کرو، ان کو نہ کوسو، اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مجھے یاد کرو معصیتوں کی زندگی سے توبہ کرکے میری فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرو، آہ و زاری کے ساتھ میری طرف رجوع ہو، اس طرح تم حاکموں کے مظالم سے نجات پا سکو گے۔

جب نادر شاہ نے دلی کو تاراج کیا اور دلی والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تو اس وقت کے عارف حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے فرمایا تھا:

"شامت اعمال ما صورت نادر گرفت"

خیر کی طرف دعوت کا اجر و ثواب

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی نیک کام کی طرف (کسی بندے کی) رہنمائی کی تو اس کو اس نیک کام کے کرنے والے بندے کے اجر کے برابر ہی اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔ اس حدیث کا مطلب مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ مثلاً ایک شخص نماز کا عادی نہیں تھا، آپ کی دعوت ترغیب اور محنت کے نتیجہ میں وہ پابندی سے نماز پڑھنے لگا، وہ قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر اللہ سے غافل تھا، آپ کی دعوت اور کوشش کے نتیجہ میں وہ قرآن پاک کی روزانہ تلاوت کرنے لگا، ذکر و تسبیح کا عادی بھی ہو گیا، روزہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا، آپ کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ کے اثر سے روزہ زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگا، اسی طرح اور بھی اعمال صالحہ کا پابند ہو گیا۔ تو اس کو عمر بھری نماز وں، ذکر و تلاوت، زکوٰۃ و صدقات اور دیگر اعمال صالحہ کا جتنا اجر و ثواب آخرت میں ملے گا (اس حدیث کی بشارت کے مطابق) اللہ تعالیٰ اتنا ہی اجر و ثواب بطور انعام کے اپنے لامحدود خزانہ کرم سے اس داعی الی الخیر بندے کو بھی عطا فرمائے گا جس کی دعوت و تبلیغ نے اس کو ان اعمال صالحہ پر آمادہ کیا اور عادی بنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس راستہ سے جتنا اجر و ثواب اور آخرت میں جو درجہ حاصل کیا جا سکتا ہے، وہ کسی دوسرے راستہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بزرگان دین کی اصطلاح میں یہ "طریق نبوت" کا سلوک ہے، بشرطیکہ خالصاً لوجہ اللہ اور صرف رضائے الٰہی کی طلب میں ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید

عَنْ حُذَیْفَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَیُوْشِکَنَّ اللّٰہُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِہٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّہٗ وَلَا یُسْتَجَابُ لَکُمْ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے اہل ایمان) قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے اور تم کو تاکید ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو (یعنی اچھی باتوں اور نیکیوں کی لوگوں کو ہدایت و تاکید کرتے رہو اور بری باتوں اور برے کاموں سے ان کو روکتے رہو) یا پھر ایسا ہو گا کہ (اس معاملہ میں تمہاری کوتاہی کی وجہ سے) اللہ تم پر اپنا کوئی عذاب بھیج دے گا، پھر تم اس سے دعائیں کرو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو واضح الفاظ میں آگاہی دی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میری امت کا ایسا اہم فریضہ ہے کہ جب اس کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کسی فتنہ اور عذاب میں مبتلا کر دی جائے گی اور پھر جب دعائیں کرنے والے اس عذاب اور فتنہ سے نجات کے لئے دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔

اس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں کہ صدیوں سے یہ امت طرح طرح کے جن فتنوں اور عذابوں میں مبتلا ہے اور امت کے اخیار اور صلحاء کی دعاؤں اور التجاؤں کے باوجود ان عذابوں سے نجات نہیں مل رہی ہے، تو اس کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری سپرد کی تھی اور اس سلسلہ میں جو تاکیدی احکام دیئے تھے اور اس کا جو عمومی نظام قائم فرمایا تھا، وہ صدیوں سے تقریباً معطل ہے، امت کی مجموعی تعداد میں اس فریضہ کے ادا کرنے والے فی ہزار ایک کے تناسب سے بھی نہیں ہیں..... الغرض یہ وہی صورت حال ہے، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں واضح آگاہی دی تھی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِأَهْلِهَا، فَقَالَ يَارَبِّ إِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ، قَالَ فَقَالَ اقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ. (رواه البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اس کی پوری آبادی کے ساتھ الٹ دو، جبرائیل نے عرض کیا خداوندا اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے، جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اس بستی کو اس بندے پر اور اس کے دوسرے باشندوں پر الٹ دو، کیونکہ کبھی ایک ساعت کے لئے بھی میری وجہ سے اس بندے کا چہرہ متغیر نہیں ہوا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کسی زمانہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ کوئی بستی تھی، جس کے باشندے عام طور سے سخت فاسق فاجر تھے اور ایسی بداعمالیاں کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کا باعث بن جاتی ہیں لیکن اسی بستی میں ایک ایسا بندہ بھی تھا جو اپنی ذاتی زندگی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا پورا فرمانبردار تھا اور اس سے کبھی معصیت سرزد نہیں ہوئی تھی، مگر دوسری طرف اس کا حال یہ تھا کہ بستی والوں کے فسق و فجور اور ان کی بداعمالیوں پر بھی اس کو غصہ بھی نہیں آتا تھا اور اس کے چہرے پر شکن بھی نہیں پڑتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی اس بندے کا جرم تھا کہ جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بستی کے فاسق فاجر باشندوں کے ساتھ اس بندے پر بھی بستی کو الٹ دو۔ اللہ تعالیٰ اس حدیث سے عبرت حاصل کرنے اور سبق لینے کی توفیق دے۔ (آمین)

عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ" قَالَ أَمَا وَاللّٰهِ سَأَلْتُ عَنْهَا خَبِيْرًا، سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتَّى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَإِعْجَابَ

كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعِ الْعَوَامَّ فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا الصَّبْرُ فِيهِنَّ مِثْلُ
الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ" کے بارے میں (ایک صاحب کے سوال کے جواب میں) فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں اس ہستی سے پوچھا تھا جو (اس کے مطلب اور مدعا سے اور اللہ کے حکم سے) سب سے زیادہ باخبر تھی، (یعنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ (اس آیت سے غلط فہمی میں نہ پڑو) بلکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برابر کرتے رہو، یہاں تک کہ جب (وہ وقت آ جائے کہ) تم دیکھو کہ بخل اور دولت اندوزی کے جذبہ کی اطاعت کی جاتی ہے اور (اللہ ورسول کے احکام کے مقابلہ میں) اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور (آخرت کو فراموش کر کے) بس دنیا ہی کو مقصود بنا لیا گیا ہے اور ہر شخص خود رائی اور خود بینی کا مریض ہے (تو جب عام لوگوں کی حالت یہ ہو جائے) تو اس وقت بس اپنی ذات ہی کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو (ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کر دو) کیونکہ تمہارے بعد میں ایسا دور بھی آئے گا کہ صبر اور ثابت قدمی (کے ساتھ دین پر قائم رہنا اور شریعت پر چلنا) ایسا (مشکل اور صبر آزما) ہو گا جیسا ہاتھ میں انگارہ لے لینا، ان دنوں میں شریعت پر عمل کرنے والوں کو تمہاری طرح عمل کرنے والے پچاس آدمیوں کے برابر اجر وثواب ملے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح . . حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی ابو امیہ شعبانی نے سورۂ مائدہ کی اسی آیت نمبر ۱۰۵ کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تھا (کیونکہ اس کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہم خود اللہ ورسول کی ہدایت کے مطابق عمل کر رہے ہیں تو دوسرے لوگوں کے دین کی فکر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہماری ذمہ داری نہیں ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جواب ارشاد فرمایا جو حدیث میں مذکور ہوا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے دین کی فکر کے ساتھ دوسرے بندگان خدا کے دین کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی دینی فریضہ اور خداوندی مطالبہ ہے، اس لئے اس کو برابر کرتے رہو، پس جب امت کا حال یہ ہو جائے کہ بخل وکنجوسی اس کا مزاج بن جائے اور دولت کی پوجا ہونے لگے اور اللہ ورسول کے احکام کے بجائے بس خواہشات نفس کا اتباع کیا جانے لگے اور آخرت کو بھلا کر دنیا ہی کو مقصود بنا لیا جائے اور خود بینی اور خود رائی کی وبا عام ہو جائے تو اس بگڑی ہوئی فضا میں چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاثیر وافادیت اور عوام کی اصلاح پذیری کی امید نہیں ہوتی اس لئے چاہئے کہ بندہ عوام کی فکر چھوڑ کے بس اپنی ہی اصلاح اور معصیت سے حفاظت کی فکر کرے۔

آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعد میں ایسے بھی دور آئیں گے جب دین پر قائم رہنا اور اللہ ورسول کے احکام پر چلنا ہاتھ میں آگ لینے کی طرح تکلیف دہ اور صبر آزما ہو گا۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں خود دین پر قائم رہنا ہی بہت بڑا جہاد ہو گا اور دوسروں کی اصلاح کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی اور ایسی ناموافق فضا اور سخت حالات میں اللہ ورسول کے احکام پر صبر وثابت قدمی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو پچاس پچاس تمہارے جیسے عمل کرنے والوں کی برابر اجر وثواب ملے گا۔

کِتَابُ الْجِهَادِ

جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنْ أُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُحْيَى ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيَى ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيَى ثُمَّ أُقْتَلَ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بہت سے اہل ایمان کے دل اس پر راضی نہیں کہ وہ جہاد کے سفر میں میرے ساتھ نہ جائیں اور میرے پاس ان کے لئے سواریوں کا انتظام نہیں ہے (اگر یہ مجبوری حائل نہ ہوتی) تو میں راہ خدا میں جہاد کے لئے جانے والی ہر جماعت کے ساتھ جاتا (اور جہاد کی ہر مہم میں حصہ لیتا) قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری دلی آرزو ہے کہ میں راہ خدا میں شہید کیا جاؤں اور مجھے پھر زندہ کر دیا جائے اور میں پھر شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندگی عطا فرمائی جائے اور پھر میں شہید کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح۔ ۔ حدیث کا مقصد و مدعا، جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کی عظمت اور محبوبیت بیان فرمانا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میرے دل کا داعیہ اور جذبہ تو یہ ہے کہ راہ خدا میں جہاد کے لئے جانے والے ہر لشکر اور ہر دستے کے ساتھ جاؤں اور ہر جہادی مہم میں میری شرکت ہو، لیکن مجبوری یہ دامن گیر ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے فدائی ہیں، جو اس پر راضی نہیں ہو سکتے کہ میں جاؤں اور وہ میرے ساتھ نہ جائیں، اور میرے پاس ان سب کے لئے سواریوں کا بندوبست نہیں ہے، اس لئے ان کی خاطر میں اپنے جذبہ کو دبا لیتا ہوں اور انتہائی دلی خواہش کے باوجود ہر جہادی مہم میں نہیں جاتا۔ آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں اپنے دلی داعیہ اور جذبے کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اور قسم کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں میدان جہاد میں دشمنان حق کے ہاتھوں قتل کیا جاؤں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ مجھے پھر زندہ فرمائے اور میں پھر اس کی راہ میں اسی طرح قتل کیا جاؤں، اور پھر اللہ تعالیٰ مجھے زندگی عطا فرمائے اور پھر اسی طرح شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندگی عطا ہو اور میں پھر اس کو قربان کروں اور شہید کیا جاؤں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهِيدُ لَا يَجِدُ أَلَمَ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ أَلَمَ الْقَرْصَةِ. (رواہ الترمذی والنسائی والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راہ خدا میں شہید ہونے والا بندہ قتل کئے جانے کی بس اتنی ہی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی آدمی چیونٹی کے کاٹ لینے کی محسوس کرتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی)

تشریح ...... جس طرح ہماری اس دنیا میں آپریشن کی جگہ کو دوا یا انجکشن کے ذریعہ سن کر کے بڑے بڑے آپریشن کئے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے آپریشن کی تکلیف برائے نام ہی محسوس ہوتی ہے، اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ جب کوئی بندہ راہ خدا میں شہید کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ایسی کیفیت طاری کر دی جاتی ہے کہ اس کو اس سے زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی جتنی کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

جامع ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ راہ خدا میں شہید کیا جاتا ہے تو اسی وقت جنت میں اس کو جو ٹھکانا ہے وہ اس کے سامنے کر دیا جاتا ہے (یری مقعده من الجنة) جنت کے اس نظارہ کی لذت و محویت ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے قتل کی تکلیف کا محسوس نہ ہونا قرین قیاس ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِينَةِ فَقَالَ إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ؟ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ. (رواه البخاری و رواه مسلم عن جابر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے جب واپس ہوئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس پورے سفر میں تمہارے ساتھ رہے اور جب تم نے کسی وادی کو عبور کیا تو اس وقت بھی وہ تمہارے ساتھ تھے۔ بعض رفقاء سفر نے عرض کیا کہ حضرت وہ مدینہ میں تھے (اور پھر بھی سفر میں ہمارے ساتھ رہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں! وہ مدینہ ہی میں رہے، کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے وہ ہمارے ساتھ سفر نہیں کر سکے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا چاہتے تھے اور ان کا پکا ارادہ تھا، لیکن کسی وقتی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکے، تو چونکہ ان کی نیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کے دفتر میں جانے والوں ہی میں لکھے گئے، اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "إِلَّا شَرِكُوكُمْ فِي الْأَجْرِ" یعنی وہ مؤمنین مخلصین اپنی صادق نیت کی وجہ سے اس غزوۂ تبوک کے اجر و ثواب میں تمہارے شریک اور حصہ دار قرار پانے والے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ کسی نیک عمل میں شرکت کی نیت رکھتا ہو لیکن کسی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے وہ بروقت شرکت نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت ہی پر کامل شرکت کا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جنت کے

دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔" (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ میدان جہاد میں جہاں تلواریں سروں پر کھنچی ہیں اور اللہ کے راستہ میں جان کی بازی لگانے والے مجاہد شہید ہوتے ہیں، وہیں جنت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں، جو بندہ راہ خدا میں شہید ہوتا ہے وہ اسی وقت جنت کے دروازے سے اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں اس حدیث کی جو روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کسی جہاد کے میدان میں ایسے وقت سنایا تھا، جب میدان کارزار گرم تھا۔ آگے روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہوا جو دیکھنے میں خستہ حال سا تھا، اس نے کہا کہ اے ابوموسیٰ کیا تم نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ سنا ہے، تو وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں تم کو آخری سلام کرنے آیا ہوں، پھر اس نے سلام کیا، اس کے بعد اس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کے پھینک دیا اور ننگی تلوار لے کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھتا چلا گیا، پھر وہ شمشیر زنی کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اور اپنی مراد کو پہنچ گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جنت کے دروازے سے داخل جنت ہو گیا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْرَوْحَۃٌ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک صبح کو راہ خدا میں نکلنا یا ایک شام کو نکلنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ راہ خدا میں تھوڑے سے وقت کا نکلنا بھی اللہ کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور یقین کرنا چاہئے کہ آخرت میں اس کا جو اجر ملے گا اس کے مقابلہ میں یہ ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ہیچ ہے، دنیا و مافیہا فانی ہے اور وہ اجر لازوال۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَھَّزَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِیًا فِیْ اَھْلِہٖ فَقَدْ غَزَا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے راہ خدا میں جہاد کرنے والے کسی غازی کو سامان جہاد فراہم کیا تو (اللہ کے نزدیک) اس نے بھی جہاد اور غزوے میں حصہ لیا، جس کسی نے جہاد میں جانے والے کسی غازی کے اہل و عیال کی اس کی نیابت میں خدمت کی اور خبر لی اس نے بھی جہاد میں عملی حصہ لیا (یعنی ان دونوں آدمیوں کو بھی جہاد کا ثواب حاصل ہوگا اور اللہ کے دفتر میں وہ بھی مجاہدین میں لکھے جائیں گے۔) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یہ اصولی بات معلوم ہوئی کہ دین کی کسی بڑی خدمت کرنے والوں کے لئے اس کا سامان فراہم کرنے والے اور اسی طرح خدمت دین اور نصرت دین کے سلسلے میں باہر جانے والوں کے اہل و عیال کی خبر گیری کرنے والے، اللہ کے نزدیک دین کی اس خدمت و نصرت میں شریک اور پورے اجر کے مستحق ہیں...... ہم میں

جو لوگ اپنے خاص حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے دین کی نصرت و خدمت کے کسی بڑے کام میں براہ راست حصہ نہیں لے سکتے، وہ دوسروں کے لئے اس کا سامان فراہم کر کے اور ان کے گھر والوں کی خدمت اور دیکھ بھال اپنے ذمہ کر کے دین کے خدام و انصار کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں، اور اس کا پورا اجر حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ. (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد کرو مشرکوں سے اپنے جان و مال اور اپنی زبانوں سے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن دارمی)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کو توحید اور دین حق کے راستہ پر لانے اور ان کا زور توڑ کے دعوت حق کا راستہ صاف کرنے کیلئے جیسا موقع اور وقت کا تقاضا ہو اپنے جان و مال سے جدوجہد کرو اور ان کی قربانی دو اور زبان و بیان سے بھی کام لو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کے راستہ میں پیسے خرچ کرنا اور زبان و بیان (اور اسی طرح قلم) سے کام لینا بھی جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے۔

جہاد کے بارے میں ضروری وضاحت

ہماری اردو زبان میں "جہاد" اس مسلح جنگ ہی کو کہتے ہیں جو اللہ و رسول کے حکم کے مطابق دین کی حفاظت و نصرت کے لئے دشمنان حق سے کی جائے، لیکن اصل عربی زبان اور قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "جہاد" کے معنی حریف کے مقابلہ میں کسی مقصد کے لئے پوری جدوجہد اور امکانی طاقت صرف کرنے کے ہیں، جو احوال و ظروف کے لحاظ سے جنگ و قتال کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور دوسرے طریقوں سے بھی۔ (قرآن مجید میں جہاد کا لفظ بہ کثرت انہی وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد تقریباً ۱۳ برس مکہ معظمہ میں رہے، اس پوری مدت میں دین کے دشمنوں، کافروں، مشرکوں سے نہ صرف یہ کہ جہاد بالسیف اور جنگ و قتال کی اجازت نہیں تھی، بلکہ اس کی ممانعت تھی اور حکم تھا "كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ ...." (یعنی جنگ اور قتال سے اپنے ہاتھ روکے رکھو) (سورۃ النساء آیت نمبر ۷۷) .... سورۃ "الفرقان" اسی کی دور میں نازل ہوئی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے "فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" (آیت نمبر ۵۲) مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے نبی و رسول آپ ان منکروں کی بات نہ مانئے اور ہمارے نازل کئے ہوئے قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کرتے رہئے! .... ظاہر ہے کہ اس آیت میں جس جہاد کا حکم ہے اس سے مراد جہاد بالسیف اور جنگ و قتال نہیں ہے، بلکہ قرآن کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کی جدوجہد ہی مراد ہے، اور اسی کو اس آیت میں صرف "جہاد" نہیں بلکہ "جہاد کبیر" اور "جہاد عظیم" فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ "العنکبوت" بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی کے زمانہ قیام میں نازل ہوئی ہے، اس میں فرمایا گیا ہے "وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ" (آیت نمبر ۶) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ (راہ خدا میں)

جہاد کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرے گا (خدا کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا) خدا سب سے بے نیاز ہے۔

اور اسی سورۂ عنکبوت کی آخری آیت ہے "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ."

یعنی جو بندے ہماری راہ میں یعنی ہماری رضا حاصل کرنے کے لئے جہاد و مجاہدہ کریں گے اور مشقتیں جھیلیں گے ان کو ہم اپنے راستوں (یعنی اپنے قرب و رضا کے راستوں) کی ہدایت کی نعمت سے نوازیں گے۔ ... ظاہر ہے کہ سورۂ عنکبوت کی ان دونوں آیتوں میں بھی "جہاد" سے جہاد بالسیف مراد نہیں لیا جا سکتا، بلکہ راہ خدا میں اور اس کے قرب و رضا کے لئے جدوجہد اور محنت و مشقت ہی مراد ہے جس صورت میں بھی ہو۔ ... بہر حال دین کی راہ میں اور اللہ کے لئے ہر مخلصانہ جدوجہد، اور جان و مال اور عیش و آرام کی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال، یہ سب بھی اپنے اپنے درجہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی شکلیں ہیں، اور ان کا راستہ ہر وقت اور دنیا کے ہر حصے میں آج بھی کھلا ہوا ہے۔

ہاں جہاد بالسیف اور قتال فی سبیل اللہ بعض پہلوؤں سے اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے اور اس راہ میں جان کی قربانی اور شہادت مومن کی سب سے بڑی سعادت ہے، جس کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دلی شوق اور تمنا کا اظہار فرمایا ہے۔

مقام شہادت کی وسعت

پھر جس طرح "جہاد" کے مفہوم میں یہ وسعت ہے اور وہ جہاد بالسیف میں محدود نہیں ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ شہادت کا دائرہ بھی وسیع ہے اور بہت سے وہ بندے بھی اللہ کے نزدیک شہیدوں میں شامل ہیں، جو جہاد بالسیف اور قتال کے میدان میں اہل کفر و شرک کی تلواروں یا گولیوں سے شہید نہیں ہوتے بلکہ ان کی موت کا سبب کوئی ناگہانی حادثہ یا کوئی غیر معمولی مرض ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَعُدُّوْنَ الشَّهِيْدَ فِيْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، قَالَ إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِيْ إِذًا لَقَلِيْلٌ مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز صحابہ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ تم لوگ اپنے میں کس کو "شہید" شمار کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت (ہمارے نزدیک تو) جو بندہ راہ خدا میں شہید کیا گیا وہ شہید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس صورت میں تو میری امت کے شہدا، تھوڑے ہی ہوں گے۔ (سنو!) جو بندہ راہ خدا میں شہید کیا گیا وہ شہید ہے اور جس بندہ کا انتقال راہ خدا میں ہوا (یعنی جہاد کے سفر میں جس کو موت آگئی) وہ بھی شہید ہے، اور جس بندہ کا طاعون میں انتقال ہوا، وہ بھی شہید ہے اور جس بندہ کا پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا (جیسے کہ ہیضہ، تخمہ، اسہال، استسقاء وغیرہ) وہ بھی شہید ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ... واقعہ یہ ہے کہ حقیقی "شہید" تو وہی خوش نصیب بندے ہیں جو میدان جہاد میں اہل کفر و شرک کے ہاتھوں شہید ہوں (شریعت میں ان کے لئے خاص احکام ہیں، مثلاً یہ کہ ان کو غسل نہیں دیا جاتا، اور وہ اپنے ان کپڑوں ہی میں دفن کئے جاتے ہیں، جن میں وہ شہید ہوئے) لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے بعض غیر معمولی امراض یا حادثوں سے مرنے والوں کو بھی آخرت میں

شہید کا درجہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے، جن میں سے کچھ کا ذکر اس حدیث میں اور بعض کا آئندہ درج ہونے والی حدیث میں کیا گیا ہے، امتیاز کے لئے پہلی قسم کے شہداء کو "شہید حقیقی" اور دوسری قسم والوں کو "شہید حکمی" کہا جاتا ہے، غسل اور کفن کے معاملہ میں ان کا حکم وہ نہیں ہے جو حقیقی شہداء کا ہے، بلکہ عام اموات کی طرح ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِيقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شہداء" پانچ (قسم) ہیں، طاعون میں مرنے والا، اور پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، اور ڈوب کے مرنے والا اور عمارت وغیرہ ڈھے جانے کے نتیجہ میں مرنے والا اور راہ خدا میں (یعنی میدان جہاد میں) شہید ہونے والا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بندوں کی موت کسی بھی ناگہانی حادثہ میں یا کسی دردناک اور قابل ترحم مرض میں ہو، ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص رحم و کرم سے کسی درجہ میں شہادت کا اجر عطا فرمائے گا..... ظاہر ہے کہ اس میں اس طرح مرنے والوں کے لئے بڑی بشارت اور ان کے متعلقین اور پسماندگان کے لئے تسلی کا بڑا سامان ہے، اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے۔ ہمارے اس زمانہ میں موٹروں وغیرہ کے ایکسیڈنٹ میں یا ریلوں، ہوائی جہازوں کے حادثوں میں، اسی طرح قلبی دورے جیسے مفاجاتی امراض کے نتیجہ میں بندگان خدا کی زندگیاں ختم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ ان سب کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ یہی ہوگا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حد وسیع ہے۔

امت میں پیدا ہونے والے فتنے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عقائد و ایمانیات، عبادات، اخلاق اور معاشرت و معاملات، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے بارے میں ہدایت دیں اور امت کی رہنمائی فرمائی، اسی طرح مستقبل میں واقع ہونے والے دینی زوال و انحطاط، تغیرات اور فتنوں کے بارے میں بھی امت کو آگاہی دی ہے اور ہدایات فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرمایا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں دینی زوال و انحطاط آیا اور وہ طرح طرح کی گمراہیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نصرت سے محروم ہوئیں ایسے ہی حالات آپ کی امت پر بھی آئیں گے۔ اس انکشاف و اطلاع کا مقصد یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کریں اور اس بارے میں ہدایات دیں۔

حدیث کی کتابوں میں "کتاب الفتن" یا "ابواب الفتن" کے زیر عنوان جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی سلسلے کے ارشادات ہیں..... ان کی حیثیت صرف پیشین گوئیوں کی نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد وحید امت کو آئندہ آنے والے فتنوں سے باخبر کرنا اور ان کے اثرات سے تحفظ کا داعیہ پیدا کرنا اور طریق کار کے بارے میں ہدایات دینا ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں درج ہونے والی حدیثیں پڑھی جائیں، ان میں غور و فکر کیا جائے، ان کی روشنی میں خود اپنا اور اپنے ماحول کا جائزہ لیا جائے، اور ان سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی جائے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْھُمْ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی؟ قَالَ فَمَنْ؟ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً ایسا ہوگا کہ تم (یعنی میری امت کے لوگ) اگلی امتوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے بالشت برابر بالشت اور ذراع برابر ذراع (یعنی بالکل ان کے قدم بقدم چلو گے) یہاں تک کہ اگر وہ گھسے ہوں گے گوہ کے بل میں تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کرو گے۔ عرض کیا گیا کہ اے خدا کے رسول کیا یہود و نصاریٰ (مراد ہیں)؟ آپ نے فرمایا تو اور کون؟...... (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح...... "شبر" کے معنی بالشت اور "ذراع" کے معنی ہاتھ کی انگلیوں کے سرے سے لے کر کہنی تک کی مقدار، جو تقریباً دو بالشت برابر ہوتی ہے۔ حدیث کے الفاظ "شبرا بشبر و ذراعاً بذراع" کا مطلب بالکل وہ ہے جو اردو محاورہ میں "قدم بقدم" کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کے گمراہ لوگوں کی قدم بقدم پیروی کریں گے، جن گمراہیوں اور غلط کاریوں میں وہ مبتلا ہوئے تھے، یہ بھی ان میں مبتلا ہوں گے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی سر پھرے پاگل نے "ضب" (گوہ) کے بل میں گھسنے کی کوشش کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے پاگل ہوں گے جو یہ مجنونانہ حرکت کریں گے (مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی احمقانہ حرکتوں میں بھی ان کی پیروی اور نقالی کریں گے، یہ دراصل کامل پیروی اور نقالی کی ایک تعبیر و تمثیل ہے) آگے حدیث میں ہے کہ حضور کا یہ ارشاد سن کر کسی صحابی نے عرض کیا کہ حضرت! ہم سے پہلی امتوں سے کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ نہیں تو اور کون مطلب یہ کہ ہاں میری مراد یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔

یہ صرف پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ بڑے موثر انداز میں آگاہی ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والے خبردار اور ہوشیار رہیں، اور یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں اور غلط کاریوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ اَنْ یَکُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَتْبَعُ بِھَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِہٖ مِنَ الْفِتَنِ. (رواہ البخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ ایسا زمانہ آئے کہ ایک مسلمان کا اچھا مال بکریوں کا گلہ ہو جن کو لے کر وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بارش والی وادیوں کی تلاش کرے، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے بھاگ جائے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... قرآن پاک میں قیامت کو قریب ہی بتلایا گیا ہے (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت اور اس سے پہلے ظاہر ہونے والے فتنوں کا اس طرح ذکر فرماتے تھے جیسے کہ یہ سب کچھ عنقریب ہی ہونے والا ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ جو چیز آنے والی ہے اور اس کا آنا یقینی ہے اس کو قریب ہی سمجھنا چاہئے۔ دوسرے اس میں یہ بھی حکمت تھی کہ کوئی شخص

اس کو بہت دور سمجھ کر مطمئن نہ ہو بیٹھے اور اس کے لئے جو کچھ کرنا چاہئے اس میں سستی نہ کرے۔ اسی اصول و معمول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فتنے کے ایسے زمانے کے قریب ہونے کی آگاہی دی ہے جب بڑی بڑی آبادیوں کا حال ایسا خراب ہو جائے گا کہ وہاں رہنے والے کے لئے دین پر قائم رہنا اور اللہ و رسول کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا قریباً ناممکن ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ایسے وقت میں وہ بندۂ مومن بڑی خیریت میں ہوگا جس کے پاس چند بکریوں کا گلہ ہو اور وہ ان کو لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا ایسی وادیوں میں چلا جائے جہاں بارشیں ہوتی ہوں، بکریاں اللہ کے اگائے ہوئے سبزے سے اپنا پیٹ بھریں اور یہ بندہ ان بکریوں سے گزارہ کرے اور اس طرح آبادیوں کے فتنوں سے محفوظ رہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ فِيْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ فِيْهِ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَكَ، ثُمَّ يَاْتِيْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ فِيْهِ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت ایسے زمانے میں ہو کہ جو کوئی اس زمانے میں احکام الٰہی کے (بڑے حصہ پر) عمل کرے صرف دسویں حصہ پر عمل ترک کر دے تو وہ ہلاک ہو جائے گا (اس کی خیریت نہیں) اور بعد میں ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جو کوئی اس زمانہ میں احکام الٰہی کے صرف دسویں حصہ پر عمل کرے گا وہ نجات کا مستحق ہوگا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں آپ کی صحبت اور براہ راست تعلیم و تربیت اور معجزات و خوارق کے مشاہدہ کے نتیجہ میں ایسا ماحول بن گیا تھا کہ احکام الٰہی کی ذوق و شوق سے تعمیل کرنا نہ صرف آسان بلکہ مرغوب و محبوب بن گیا تھا اور اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، اس ماحول اور اس ایمانی فضا میں جو شخص احکام الٰہی کی پیروی میں تھوڑی بھی کوتاہی کرے اس کے بارے میں اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قصور وار اور قابل مواخذہ ہے، اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب ماحول دین کے لئے سخت ناسازگار ہوگا، ایسے زمانے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت میں اللہ کے جو بندے دین کے تقاضوں اور شریعت کے احکام پر تھوڑا بھی عمل کر لیں گے ان کی نجات ہو جائے گی۔ "اس حدیث میں "عشر" کے لفظ سے متعین طور پر دسواں حصہ (۱/۱۰) مراد نہیں ہے، بلکہ کثیر کے مقابلہ میں قلیل مراد ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مدعا وہی ہے جو ان سطروں میں عرض کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ اِلَّا بُرْدَةٌ لَهٗ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى لِلَّذِيْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِيْ هُوَ فِيْهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِيْ حُلَّةٍ وَرَاحَ فِيْ حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ اُخْرٰى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ يَوْمَئِذٍ۔ (رواہ الترمذی)

محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک ایسے صاحب نے مجھ سے بیان کیا جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خود (یہ واقعہ) سنا تھا کہ ہم لوگ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) اس حالت اور ہیئت میں سامنے آ گئے کہ ان کے جسم پر بس ایک (چھوٹی پرانی) چادر تھی جس میں کھال کے ٹکڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (اس حالت اور ہیئت میں) دیکھا تو آپ کو رونا آ گیا ان کا وہ وقت یاد کر کے جب وہ (اسلام لانے سے پہلے مکہ میں) عیش و تنعم کی زندگی گزارتے تھے اور ان کی (فقر و فاقہ کی) موجودہ حالت کا خیال کر کے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر) فرمایا۔ (بتلاؤ) اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی اور کیا حال ہوگا، جب (دولت اور سامان تعیش کی ایسی فراوانی ہوگی کہ) تم میں سے لوگ صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلیں گے اور شام کو دوسرا جوڑا پہن کر، اور (کھانے کے لئے) ان کے آگے ایک پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا، اور تم اپنے مکانوں کو اس طرح لباس پہناؤ گے جس طرح کعبۃ اللہ پر غلاف ڈالا جاتا ہے۔ (آپ کے اس سوال کے جواب میں حاضرین مجلس میں سے کچھ) لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اس دن ہمارا حال اس وقت آج کے مقابلہ میں بہت اچھا ہوگا۔ ہمیں اللہ کی عبادت کے لئے پوری فراغت اور فرصت حاصل ہوگی، (معاش وغیرہ کے لئے محنت و مشقت اٹھانی نہیں پڑے گی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! تم آج (فقر و فاقہ کے اس دور میں) عیش و تنعم والے) اس دن کے مقابلہ میں بہت اچھے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح حدیث کے راوی محمد بن کعب قرظی تابعی ہیں جو علم قرآن اور صلاح و تقوے کے لحاظ سے اپنے طبقے میں ممتاز تھے، انہوں نے اس راوی کا نام ذکر نہیں کیا جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ واقعہ ان کو سنایا تھا لیکن ان کا اس طرح روایت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔

مصعب بن عمیر کی صحابہ کرام میں ایک خاص شان اور تاریخ تھی، وہ بڑے ناز پروردہ ایک رئیس زادے تھے، ان کا گھرانہ بڑا دولت مند گھرانہ تھا اور یہ اپنے گھر کے بڑے لاڈلے چہیتے تھے، اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی زندگی امیرانہ اور عیش و تنعم کی زندگی تھی، پھر اسلام لانے کے بعد زندگی کا رخ بالکل بدل گیا اور وہ حال ہو گیا جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک چھوٹی پرانی چادر ان کے جسم پر تھی جس میں جا بجا چمڑے کے ٹکڑوں کے بھی پیوند تھے ان کو اس حالت و ہیئت میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے ان کی عیش و تنعم والی امیرانہ زندگی کا نقشہ آ گیا اور آپ کو رونا آ گیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ایک اہم حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے ان سے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب تمہارے پاس یعنی میری امت کے پاس عیش و تنعم کے سامان کی فراوانی ہوگی، ایک آدمی صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلے گا اور شام کو دوسرا جوڑا، اسی طرح دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے ہوا کریں گے، بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے، وہ وقت تمہارے لئے کیسا ہوگا؟ کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ وقت اور وہ دن تو بہت ہی اچھا ہوگا ہمیں فراغت اور فرصت ہی فرصت ہوگی، بس اللہ کی عبادت کیا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے، آج تم جس حال میں ہو یہ کہیں آنے والے عیش و تنعم کے حال سے بہت بہتر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت بیان فرمائی تھی اس وقت تو "ایمان بالغیب" ہی کے طور پر اس پر یقین کیا جا سکتا تھا، لیکن پہلے بنو امیہ اور بنو عباس کے دورِ حکومت میں اور بعد کی اکثر دوسری مسلم حکومتوں کے دور میں بھی اور آج کی ان مسلم حکومتوں میں جن کو اللہ تعالیٰ نے عیش و تنعم کا سامان انتہائی فراوانی سے دے رکھا ہے یہ حقیقت آنکھوں سے دیکھ لی گئی ہے اور دیکھی جا رہی ہے۔ بلاشبہ یہ اور اس طرح کی تمام پیشین گوئیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب (حالت یہ ہو کہ) تمہارے حکمراں تم میں کے نیک لوگ ہوں، اور تم میں کے دولت مندوں میں سماحت و سخاوت کی صفت ہو اور تمہارے معاملات باہم مشورے سے طے ہوتے ہوں تو (ایسی حالت میں) زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے بطن (پیٹ) سے بہتر ہے اور (اس کے برعکس) جب حالت یہ ہو کہ تمہارے حکمراں تم میں کے بدترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولت مندوں میں (سماحت کے بجائے) بخل اور دولت پرستی آ جائے اور تمہارے معاملات (بجائے اہل الرائے کی مشاورت کے) تمہاری عورتوں کی رایوں سے چلیں تو (ایسی حالت میں) زمین کا بطن (پیٹ) تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ امت کا حال ایک زمانے تک یہ رہے گا کہ ان کے حکمراں اور اہالِ حکومت نیک اور اچھے لوگ ہوں گے، اور ان میں کے دولت مندوں میں سماحت کی صفت ہوگی یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی دولت کو اخلاص و خوشدلی سے اچھے مصارف میں صرف کریں گے، (یہ تینوں حالتیں اس بات کی علامت ہیں کہ امت کا اجتماعی حال اور مزاج اللہ و رسول کے احکام اور مرضیات کے مطابق ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امت کے لئے یہ زمانہ خیریت کا ہوگا اور اس دور کے یہ اہل ایمان اس کے مستحق ہوں گے کہ اس دنیا میں اور اس زمین کی پشت پر رہیں اور خیر امت ہونے کی حیثیت سے دنیا کی ہدایت و قیادت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ اسی کے ساتھ آپ پر منکشف کیا گیا تھا کہ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ امت کا حال اس کے بالکل برعکس ہو جائے گا۔

حکومت کی باگ اور سارا حکومتی نظام بدترین لوگوں کے ہاتھوں میں آ جائے گا، اور مسلمانوں میں کے دولت مند لوگ سماحت و سخاوت کے بجائے دولت کے پجاری ہو جائیں گے اور اہم معاملات بجائے اس کے کہ اہل الرائے کے باہمی مشورے سے طے کئے جائیں، گھر والیوں کی خواہشات اور ان کی رائے کے مطابق طے کئے جانے لگیں گے ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شر و فساد کے اس زمانے کے بارے میں فرمایا کہ اس وقت یہ بگڑی ہوئی امت زمین کے اوپر چلنے اور رہنے بسنے سے زیادہ اس کی مستحق ہوگی کہ ختم ہو کر زمین کے پیٹ میں چلی جائے اور اس میں دفن ہو جائے۔

جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا یہ حدیث شریف بھی صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ اس میں امت کو بڑی سخت آگاہی ہے اس کا پیغام یہ ہے کہ میری امت کو اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر رہنے اور چلنے پھرنے کا حق اسی وقت تک ہے جب تک اس میں "خیر امت" والی ایمانی صفات رہیں، لیکن جب وہ ان صفات سے محروم ہو جائے اور اس کی زندگی میں شر و فساد غالب آ جائے تو وہ اس کی مستحق ہوگی کہ ختم ہو کر زمین میں دفن ہو جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جلدی کر لو اعمال صالحہ ان فتنوں کے آنے سے پہلے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح پے بہ پے آئیں گے (حال یہ ہوگا کہ) صبح کرے گا آدمی اس حال میں کہ اس میں ایمان ہوگا، اور شام کرے گا اس حال میں کہ وہ ایمان سے محروم ہو چکا ہوگا، اور شام کو وہ مومن ہوگا اور اگلی صبح وہ مومن نہ رہے گا کافر ہو جائے گا دنیا کی متاع قلیل کے بدلے وہ اپنا دین و ایمان بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ آپ کی امت پر ایسے حالات بھی آئیں گے کہ رات کے اندھیرے کی طرح تو بہ تو فتنے لگاتار برپا ہوں گے، ان کی وجہ سے ایسا بھی ہوگا کہ ایک آدمی صبح کو اس حال میں اٹھے گا کہ اپنے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے اچھا خاصا مومن و مسلم ہوگا لیکن شام ہوتے ہوتے وہ کسی گمراہی یا بدعملی میں مبتلا ہو کر اپنا دین و ایمان برباد کر دے گا۔ یہ فتنے گمراہانہ تحریکوں اور دعوتوں کی شکل میں بھی آ سکتے ہیں اور آتے رہے ہیں اور مال و دولت یا اقتدار کی ہوس اور دوسری نفسانی خواہشات کی شکل میں بھی، حدیث کا آخری جملہ "يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا" (دنیا کی قلیل متاع کے بدلے اپنا دین ایمان بیچ ڈالے گا) اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہی نہیں ہے کہ آدمی دین حق اسلام کا منکر ہو کر ملت سے خارج اور خبیث کافر ہو جائے گا، بلکہ اس میں وہ سب صورتیں داخل ہیں، جن میں آدمی دنیا کے لئے (جس میں مال و دولت اور اقتدار کی ہوس اور ہر طرح کی نفسانی اغراض شامل ہیں) دین کو یعنی اللہ و رسول کے احکام کو نظر انداز کر دے۔ اس طرح دنیا کی طلب میں آخرت فراموشی اور ہر قسم کا فسق و فجور بھی اس میں شامل ہے جو عملی کفر ہے۔ جیسا کہ بار بار عرض کیا جا چکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات کے مخاطب اگرچہ بظاہر صحابہ کرام ہی ہوتے تھے لیکن فی الحقیقت ان کے مخاطب ہر دور کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیام اور وصیت کا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن آنے والے ایمان کش فتنوں سے ہوشیار رہے، اور اعمال صالحہ کے اہتمام میں سبقت اور جلدی کرے، ایسا نہ ہو کہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر اعمال خیر کی توفیق ہی نہ ہو۔ نیز اگر اعمال صالحہ کرتا رہے گا تو وہ اس کا مستحق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے فتنوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قَالُوا وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ الْقَتْلُ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (وقت آئے گا) زمانہ قریب ہو

جائے گا، اور علم اٹھا لیا جاوے گا، اور فتنے نمودار ہوں گے، اور (انسانی طبیعتوں اور دلوں میں) بخل ڈال دیا جائے گا، اور بہت ہوگا ہرج۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہرج کا کیا مطلب؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اس کا مطلب ہے) کشت و خون۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں پیدا ہونے والے چند فتنوں کے بارے میں آگاہی دی ہے، اس سلسلے میں سب سے پہلی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی "يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ" شارحین نے اس کے متعدد مطلب بیان کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک ان میں قریب الفہم یہ ہے کہ وقت میں برکت نہ رہے گی، جلدی جلدی گزرے گا، جو کام ایک دن میں ہو جاتا تھا وہ کئی دن میں ہو سکے گا۔ دوسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ علم اٹھا لیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ علم جو نبوت کی میراث ہے وہ اٹھا لیا جائے گا، ایک دوسری حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ علمائے ربانی (جو اس علم کے وارث و امین ہیں) اٹھا لئے جائیں گے (چاہے کتب خانے باقی رہیں اور پیشہ ور عالموں سے ہماری بستیاں بھری رہیں) حقیقت یہ ہے کہ علم جو نبوت کی میراث ہے اور جو ہدایت اور نور ہے، وہ وہی ہے جس کے حامل اور امین علمائے ربانی ہیں۔ جب وہ باقی نہیں رہیں گے اور اٹھا لئے جائیں گے تو وہ علم اور نور بھی ان کے ساتھ اٹھ جائے گا۔ تیسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی "اور طرح طرح کے فتنے نمودار ہوں گے" یہ بات کسی توضیح و تشریح کی محتاج نہیں۔ چوتھی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی "وَيُلْقَى الشُّحُّ" مطلب یہ ہے کہ سخاوت و فیاضی اور ایثار جو صفات محمودہ ہیں وہ لوگوں میں سے نکل جائیں گے اور ان کے بجائے ان کی طبیعت میں بخل جو ایک مذموم رذیلہ ہے ڈال دیا جائے گا۔ آخری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ کشت و خون کی گرم بازاری ہوگی، جو دنیا کے لحاظ سے بھی افراد اور امتوں کے لئے تباہ کن ہے، اور آخرت کے لحاظ سے بھی گناہ عظیم۔ اللہ تعالیٰ ان سب فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ اِصْبِرُوْا فَاِنَّهُ لَا يَاْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهُ اَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ۔ (رواه البخاری)

زبیر بن عدی تابعی سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے حجاج کی طرف سے ہونے والے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ (ان مظالم اور مصائب پر) صبر کرو، اور یقین کرو کہ جو زمانہ بھی تم پر آئے گا، اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہی ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو جاؤ گے۔ یہ بات میں نے سنی ہے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً اسی ۸۰ سال حیات رہے، بصرہ میں قیام رہا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بنی امیہ کا جو دور ہے اسی میں حجاج ثقفی کا ظلم اور اس کی سفاکی ضرب المثل ہے۔ زبیر بن عدی تابعی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے حجاج کے مظالم کی

شکایت کی تو انہوں نے فرمایا جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مقابلہ صبر و تحمل سے کرو، آگے اس سے بھی زیادہ برا زمانہ آنے والا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بعد میں آنے والا زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہوگا۔

اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حجاج کے بعد تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور بھی آیا ان کے بعد بھی مختلف زمانوں میں اچھے عادل و صالح مسلم سلاطین اور فرمانروا ہوئے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کیا توجیہ ہوگی کہ بعد کا ہر زمانہ پہلے سے بدترین ہوگا؟

واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا تعلق صرف حکومت اور ارباب حکومت سے نہیں ہے، بلکہ عام امت کے عمومی احوال کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بعد کا زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہوگا" اور اس میں کوئی شبہ نہیں، مشاہدہ ہے۔ حجاج بلاشبہ ویسا ہی تھا جیسا کہ اس کو سمجھا جاتا ہے، اس کے علاوہ حکمراں طبقہ میں اس وقت اور بھی لوگ تھے جن میں شر و فساد تھا، لیکن امت میں اس وقت اچھی خاصی تعداد صحابہ کرامؓ کی موجود تھی، اکابر تابعین جو امت میں صحابہ کرامؓ کے بعد سب سے افضل ہیں بڑی تعداد میں تھے، تو عام مومنین میں بھی صلاح و تقویٰ تھا، بعد کا ہر دور مجموعی لحاظ سے اس کے مقابلہ میں یقیناً بدتر ہی رہا اور تاریخ شاہد ہے کہ ماضی اور مستقبل میں یہی تناسب رہا ہے اور اپنی زندگی میں تو آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فتنوں سے ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے۔

عَنْ سَفِينَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْخِلَافَةُ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكًا ثُمَّ يَقُوْلُ سَفِينَةُ اَمْسِكْ خِلَافَةَ اَبِيْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ وَخِلَافَةَ عُمَرَ عَشْرَةً وَعُثْمَانَ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ وَعَلِيٍّ سِتَّةً. (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے خلافت بس تیس (۳۰) سال تک ہے، اس کے بعد ہو جائے گی بادشاہت پھر کہتے سفینہؓ، خلافت ابوبکرؓ کی دو (۲) سال، اور خلافت عمرؓ کی دس ۱۰ سال اور عثمانؓ کی بارہ ۱۲ سال اور علیؓ کی چھ سال۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ۔ حضرت سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت یعنی ٹھیک ٹھیک میرے طریقہ پر اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ طریقہ پر میری نیابت میں دین کی دعوت و خدمت اور نظم حکومت کا کام (جس کا مختصر معروف عنوان "خلافت راشدہ" ہے) بس تیس ۳۰ سال تک چلے گا، اس کے بعد نظام حکومت بادشاہت میں تبدیل ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حقیقت منکشف فرما دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر اس کا اظہار فرمایا، اور امت کو اس کے بارے میں آگاہی دی، مختلف صحابہ کرامؓ سے اس سلسلے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مروی ہیں۔ حضرت سفینہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمانے کے ساتھ اس کا حساب بھی بتلایا لیکن اس کو تقریبی یعنی موٹا حساب سمجھنا چاہئے، تحقیقی حساب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کی مدت دو (۲) سال چار (۴) مہینے ہے۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کی مدت خلافت دس (۱۰) سال چھ (۶) ماہ ہیں، اس کے بعد

حضرت ذوالنورینؓ کی خلافت کی مدت چند دن کم بارہ (۱۲) سال ہیں، اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کی مدت چار (۴) سال نو (۹) مہینے ہے، ان کی میزان انتیس (۲۹) سال سات مہینے ہوتی ہے، ان کے ساتھ سیدنا حضرت حسنؓ کی خلافت کی مدت تقریباً پانچ (۵) ماہ جوڑ لی جائے تو پورے تیس (۳۰) سال ہو جاتے ہیں ..... یہی تیس (۳۰) سال خلافت راشدہ کے ہیں، اس کے بعد جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، نظام حکومت بادشاہت میں تبدیل ہو گیا، اس طرح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کھلی دلیلیں بھی ہیں، اور ان میں امت کو آگاہی بھی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِيْ مَقَامِهِ ذَالِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِيْ هٰؤُلَاءِ وَإِنَّهُ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيْتُهُ فَأَرَاهُ فَأَذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَآهُ عَرَفَهُ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن وعظ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے اس بیان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چھوڑی کوئی چیز جو ہونی قیامت تک، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرمایا، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اس کو بھول گیا جو بھول گیا، میرے ان ساتھیوں کو بھی اس کا علم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کی کوئی چیز میں بھولے ہوئے ہوتا ہوں پھر اس کو (ہوتا ہوا) دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آجاتی ہے، جس طرح ایک آدمی دوسرے کسی آدمی کے چہرے کو بھول جاتا ہے جب وہ اس سے غائب ہو جائے، پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے (اور بھولا ہوا چہرہ یاد آجاتا ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... حضرت حذیفہؓ کے علاوہ دوسرے متعدد صحابہ کرامؓ سے بھی یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بہت طویل بیان فرمایا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے واقعات و حوادث کا ذکر فرمایا، ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے غیر معمولی حوادث و واقعات اور ایسے اہم فتنوں کا ذکر فرمایا جن کے بارے میں امت کو آگاہی دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری سمجھا، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کا تقاضا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان تھا، لیکن وہ لوگ جن کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک زمین و آسمان کی ساری کائنات اور تمام مخلوقات کا ذرے ذرے اور پتے پتے کا علم کلی محیط حاصل تھا۔ وہ حضرت حذیفہؓ کی اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس بیان میں ان کی اصطلاح کے مطابق تمام "ما کان وما یکون" بیان فرمایا تھا یعنی روئے زمین کے سارے ملکوں، ہندوستان، ایران، افغانستان، چین، جاپان، امریکہ، افریقہ، انگلینڈ، فرانس، ترکی، روس وغیرہ وغیرہ دنیا کے تمام ملکوں میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں، حیوانوں، چرندوں، پرندوں، چیونٹیوں، مکھیوں، مچھروں، کیڑے مکوڑوں

اور سمندر میں پیدا ہونے والی مخلوقات کے بھی تمام حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے تھے کہ یہ سب بھی "ما کان وما یکون" میں شامل ہے۔ اسی طرح مختلف ملکوں کے ریڈیو سے مختلف زبانوں میں جو خبریں اور جو گانا بجانا نشر ہوتا ہے اور مختلف ملکوں کے ہزاروں اخبارات میں مختلف زبانوں میں جو کچھ چھپتا رہا ہے اور چھپتا ہے اور قیامت تک چھپے گا وہ سب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے اس خطبہ میں صحابہ کرام کو بتلایا تھا، کیونکہ یہ سب بھی "ما کان وما یکون" میں داخل ہیں۔

جس آدمی کو اللہ نے ذرہ برابر بھی عقل دی ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا یا اس کو ماننا کس قدر جاہلانہ اور احمقانہ بات ہے۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ان لوگوں کے دعوے کے مطابق تمام "ما کان وما یکون" اور ہر طرح کے جزئی حوادث و واقعات بیان فرمائے تھے تو اس کا تو ضروری ذکر فرمایا ہوگا کہ میرے بعد پہلے خلیفہ ابو بکرؓ ہوں گے اور ان کے زمانہ خلافت میں یہ یہ ہوگا، ان کے بعد دوسرے خلیفہ عمر بن الخطابؓ اور ان کے بعد تیسرے خلیفہ عثمان بن عفانؓ ہوں گے اور ان کے دور میں اور اس کے بعد یہ یہ واقعات پیش آئیں گے۔ تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں "جمیع ما کان وما یکون" یہ سب بھی بیان فرما دیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا وہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ ہر شخص کو یاد ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ہی روز پہلے تو فرمایا تھا کہ میرے بعد خلیفہ ابو بکرؓ ہوں گے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی، خود حضرت عمرؓ کو اور ان چھ حضرات کو جن کے سپرد آپؓ نے انتخاب خلیفہ کا مسئلہ فرمایا تھا ضرور یاد ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ عمر بن الخطاب کے بعد میرے تیسرے خلیفہ عثمانؓ بن عفان ہوں گے۔ یہ سب حضرات اس وقت امت میں سب سے افضل سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں بیان تو یہ سب کچھ فرما دیا تھا لیکن یہ سب اس کو بھول گئے تو دین کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں رہتی۔ امت کو سارا دین صحابہ کرام ہی کے ذریعہ اور انہی کی نقل و روایت سے ملا ہے، جب ان کے درجہ اول کے حضرات سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ خود ان ہی سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی اتنی اہم باتوں کو بھول گئے اور کسی ایک کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بیان یاد نہیں رہا تو ان کی نقل و روایت پر قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کے کسی راوی کے متعلق بھی کہ ثابت ہو جائے کہ وہ ایسا بھولنے والا تھا تو محدثین اس کی کسی بھی روایت کا اعتبار نہیں کرتے اور روایت میں ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتماد قرار دے دیا جاتا ہے۔

قتال کا مقصد

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ (بخاری ومسلم) وَلَوْلَا لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ

صدقة وقوله ليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة (بخاری، مسلم) وقوله وفي الركاز الخمس (بخاری، مسلم) وقوله فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر وفيما سقي بالنضح نصف العشر (بخاری)

بخاری کی روایت میں ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد وقتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ اس کی شہادت دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے اور اس بات کی کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (اور دین اسلام کے سارے احکام پر عمل کرنے لگیں کہ) نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں (بخاری و مسلم) اور آپ ہی کا ارشاد ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم) اور آپ ہی کا قول یہ بھی ہے کہ پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور آپ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قدرتی کانوں سے نکلنے والی چیز دفینہ پر پانچواں حصہ زکوٰۃ نکلے گی۔ (بخاری) اور آپ ہی کا ارشاد ہے کہ آسمان کی بارش یا چشمے سے سینچے ہوئے غلہ اور پھل پر اور عشری زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا اور جو کنویں وغیرہ سے سینچا جاتا ہے اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ دیا جائے گا۔ (بخاری)

تشریح: حدیث زیر درس کا پہلا فقرہ "اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ" ہے مطلب یہ ہے کہ مجھے میرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ میں غیر مسلم لوگوں سے اس وقت تک قتال و جہاد کرتا رہوں جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کا اقرار نہ کریں۔ اگر وہ یہ اقرار نہیں کرتے تو میں ان سے قتال کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کو معبود برحق مان کر اسی کی عبادت کرنے لگیں اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیں اور ان سے محبت کرنے لگیں، ان کی اطاعت کرنے لگیں، نماز قائم کرنے لگیں یعنی پنج وقتہ نمازیں ان کے شرائط و آداب کے ساتھ مسجد میں پڑھنے لگیں۔ پھر فرمایا کہ وہ لوگ زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگیں یعنی جس قسم کا مال ہو اس کی جو مقدار زکوٰۃ میں واجب ہو وہ ادا کرنے لگیں۔ حدیث میں "خمس اواق" کا ایک فقرہ آیا ہے۔ اواق اوقیہ کی جمع ہے۔ اوقیہ کا وزن چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ چاندی سونا وغیرہ کی کان کو "رکاز" کہتے ہیں۔ اس میں سے پانچواں حصہ زکوٰۃ میں نکالا جائے گا اور مصرف زکوٰۃ میں خرچ کیا جائے گا۔

کامیاب جماعت

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افترقت اليهود الى احدى وسبعين فرقة وافترقت النصارى الى اثنتين وسبعين فرقة وستفترق هذه الامة الى ثلث وسبعين فرقة كلها في النار الا واحدة في الجنة، وقيل من هم يا رسول الله قال هم الذين يكونون على ما انا عليه اليوم واصحابي

یہود اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بہتر (72) فرقوں میں بٹ گئے اور عنقریب ہی (میرے بعد) میری یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی اور سارے ہی فرقے دوزخ میں چلے جائیں گے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ ایک جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ نے فرمایا، وہ لوگ ہوں گے جو اس راستہ پر چلتے ہوں گے جس راستہ پر آج میں اور میرے صحابہ چل رہے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

تشریح: یہ حدیث جو ایک پیشگوئی پر بھی مشتمل ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علامات نبوت میں سے ایک علامت

قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امی ہونے کے باوجود ماضی میں گزرے ہوئے یہود و نصاریٰ کے فرقوں کی تعداد بھی صحیح صحیح بتادی (ورنہ دونوں فرقے اس اطلاع و اخبار اور اس پیشگوئی کے وقت موجود تھے مگر اس کی تردید کسی نے نہیں کی) اور آپ نے اپنی امت میں بھی اختلاف و افتراق کی بابت پیشگوئی فرمادی کہ عنقریب یہ امت بھی تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

اور ان تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ کے علاوہ بقیہ بہتر دوزخ میں جائیں گے۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ فرقے اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت صحیح طریقہ پر (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہے) ادا نہیں کریں گے۔ جس کی وجہ سے ان کے نفوس کا تزکیہ نہ ہوسکے گا اور داخلۂ جنت کے لئے یہ تزکیہ نفس ضروری شرط ہے۔

ان فرقوں کی عبادتوں میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف کمی، زیادتی، ردو بدل، نئی بدعات بھی شامل کرلی گئی ہوں گی، جس کی وجہ سے ان عبادات کے ثمرات ایسے مرتب ہوں گے جن سے روح کی پاکیزگی اور نفوس کی صفائی و جلا حاصل ہوئی ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے اسی فیصلہ کا اعلان پہلے ہی فرما چکے ہیں۔ "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا" (بیشک وہی کامیاب ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کرلیا) اور اس کامیابی سے مراد "داخلۂ جنت" ہے اس کے بغیر کامیابی کہاں؟ کامیابی تو جب ہی ہوگی جب دوزخ سے نجات اور جنت میں داخلہ ہو جائے۔

حدیث شریف کے آخر میں نجات پانے والے فرقہ کی تعیین فرمادی گئی ہے کہ یہ نجات و کامیابی والے وہی لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر چلیں گے۔ اس بات میں یہ اشارہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ یہ داخلۂ جنت اور کامیابی متابعت رسول اور اتباع سنت کے نتیجہ ہی میں حاصل ہوگی اور اس متابعت سے کامل متابعت مراد ہے۔ یعنی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی متابعت عقیدوں میں بھی ہو، اعمال و عبادات میں بھی ہو، اخلاق و عادات میں بھی ہو۔ ایسی متابعت سے نفس و روح کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اور "دخول جنت" کا حق ہوتا ہے۔ اگر کسی معاملہ میں بھی متابعت ترک کی گئی اور خلاف سنت طریقہ اختیار کیا گیا تو تزکیہ نفس نہ ہو سکے گا، جس کا انجام ہلاکت و خسران ہی ہوگا۔

الحمد للہ "معارف السنہ" کی پہلی جلد ختم ہوئی۔ دوسری جلد "معاشرتی احکام و آداب" سے شروع ہے۔

ذوالفضل   مرتبین

ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ اکتوبر 2010ء